فیوض الباری

فی شرح

صحیح البخاری

کتابُ الجہَاد

امیر اہلسنت حضرت قدس سرہ العزیز

علامہ سیّد محمود احمد رضوی

امیر و شیخ الحدیث مرکزی دار العلوم حزب الاحناف لاہور

شعبہ تبلیغ مرکزی دار العلوم حزب الاحناف گنج بخش روڈ لاہور پاکستان

وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

احادیث نبویہ کا محبوب و مقبول ذخیرہ قرآن کے بعد سب سے صحیح کتاب امام الدنیا امیر المومنین فی الحدیث رئیس المحدثین استاد المحققین حضرت ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری قدس سرہ الباری کی تالیف صحیح البخاری کا سلیس اردو ترجمہ اور مکمل شرح

فیض الباری

شرح

صحیح البخاری

پارہ (۱۰) دہم جلد پنجم

علامہ سید محمود احمد رضوی

ناشر

علامہ ابوالبرکات اکیڈمی گنج بخش روڈ لاہور

فیوض الباری شرح بخاری پارہ (۱۰) دہم جلد پنجم کے مضامین کا اجمالی خاکہ

حدیث نمبر ۲۳۲۸ تا ۲۵۴۳

① **مسائلِ شرکت** — شرکار کے درمیان تقسیم کے مسائل و احکام
② **کتاب الرھن** — رہن اور اس کے مسائل و احکام
③ **کتاب العتق** — غلام آزاد کرنے کے احکام و مسائل
④ **کتاب المکاتب** — مکاتیب کے احکام و مسائل
⑤ **کتاب الھبہ** — ہبہ کی فضیلت اور اس کے مسائل
⑥ **کتاب الشھادت** — جملہ مسائل و احکام کا بیان
⑦ **حدیثِ افک** — واقعہ افک کا بیان اور اس ضمن میں بہت سے اہم مسائل
⑧ **کتاب الصلح** — صلح کی تعریف، اسکی فضیلت، صلح کے احکام و مسائل کا بیان
⑨ **کتاب الشروط** — معاملات، بیع و شراء، دیگر امور میں شرط لگانے کے احکام، جائز و ناجائز شرطوں کا بیان

نام کتاب — فیوض الباری شرح بخاری پارہ دہم جلد پنجم
مؤلف — علامہ سید محمود احمد رضوی اشرفی
تاریخ طبع — جولائی ۱۹۹۲ء
مطبع —
ناشر — علامہ ابوالبرکات اکیڈمی گنج بخش روڈ لاہور
باہتمام — صاحبزادہ سید مصطفٰی اشرف رضوی اشرفی ایم اے

واحد تقسیم کار
مکتبہ رضوان گنج بخش روڈ لاہور

فہرست مضامین فیوض الباری شرح صحیح البخاری جلد پنجم (۵) پ (۱۰)

بفیضانِ نظر

سید المحدثین شیخ المشائخ امام اہلسنت استاذ العلماء

حضرت علامہ الحاج ابو محمد سید محمد دیدار علیشاہ صاحب رضوی

قادری فضل رحمانی قدس سرہ العزیز

سید المفسرین شیخ المحدثین امام اہلسنت استاذ العلماء

حضرت مولانا الحاج علامہ ابو البرکات سید احمد شاہ صاحب رضوی

قادری اشرفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

جن کی تعلیم و تربیت اور فیضِ نظر سے یہ فقیر بخاری شریف کی شرح لکھنے کی جرأت کر سکا۔ سید محمود احمد رضوی

حمد

از زبانِ فیض ترجمان جدی المکرم فقیہِ معظم محدّثِ کبیر
مفسّرِ جلیل شیخ المحدثین امامِ اہلسنّت حضرت مولانا الحاج
علامہ سیّد محمد دیدار علی شاہ صاحب محدث الوری
رضوی قادری فضلِ رحمانی قدس سرہ العزیز

یک حمد چہ صد حمد خداوندِ نعم را — بر دفقِ نعم خالقِ صد علم و حِکم را

حمدیکہ سزاوارِ خداوندِ جہان ست — حمدیکہ سزدِ معطیِ توفیقِ اتم را

صد حمد بہر حمد کہ از کلکِ زبانم — آید و سزد صاحبِ صد فضل و کرم را

صد شکر برین نعمتِ عظمیٰ کہ بما داد — محبوبِ خود آں ماحیِ صد ظلم و ستم را

گویم چہ ثنائش کہ خود آں خالقِ اکبر — مدّاح بود آں شہِ ذی جاہ و حشم را

عرش است کمین پایۂ ایوانِ شہِ دیں — جبریل غلامیست مر آں شاہِ اُمم را

قربانِ شومت رحم کن اے رحمتِ عالم — از خاکِ مذلّت تو بیفراز سرم را

اے جانِ من خستہ نثارِ ہر ادایت — قربان زمن ایمان بود ہر نقشِ قدم را

اے جود وجودِ تو وجودِ ہمہ عالم — بستہ است بفتراکِ تو حق جان و دلم را

موجود وجودِ ہمہ عالم بوجودت — از ظلِّ تو شد زیب و ضیا ملکِ عدم را

اے کوکبِ دیں بدرِ کرم مہرِ رسالت — آ بر سرِ ما دور بکن ظلمت و غم را

یک جان چہ دیدار کہ جانِ ہمہ عالم
قربانِ شہنشاہِ عرب را و عجم را

مختصر تعارف

مولف فیوض الباری

تحریر۔۔۔ حکیم العلماء علامہ عبدالحکیم صاحب شرف قادری شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ لاہور

اس حقیقت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ جس شخص کو دین کا فہم حاصل ہو جائے' رحمت الہیہ اس کے شامل حال ہوتی ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **و من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین** اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی بصیرت عطا فرما دیتا ہے

پھر اگر اس کے ساتھ تقویٰ و پرہیز گاری' حق گوئی اور بے باکی' رشد و ہدایت اور تبلیغ اسلام' تدریس و تصنیف اور اعلاء کلمہ حق ایسے اوصاف بھی جمع ہو جائیں تو سونے پر سہاگہ۔ فضیلتہ الشیخ' جلالتہ العلم و المعرفتہ' محدث عصر' حضرت علامہ مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری قدس سرہ العزیز ایسی ہی جامع صفات اور نادر روزگار شخصیت تھے' ان کی دینی اور ملی خدمات اس لائق ہیں کہ ان پر علمی اور تحقیقی مقالے لکھے اور شائع کئے جانے چاہئیں۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں دو قابل صد فخر فرزند عطا فرمائے۔

۱۔ غازی کشمیر علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری

۲۔ مفتی اعظم پاکستان علامہ ابو البرکات سید احمد قادری

علامہ سید ابوالحسنات قادری نے میدان سیاست' خطابت قومی خدمات اور تصنیف میں وہ گراں قدر خدمات سرانجام دیں جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں' ان کی عظمت و جلالت کا یہ عالم تھا کہ مخالف مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے نامور علماء بھی ان کے قدموں میں بیٹھنے اور ان کے جوتے سیدھے کرنے کو سرمایہ فخر تصور کرتے تھے' علامہ سید ابوالبرکات قادری رحمہ اللہ اپنے دور کے مفتی اعظم پاکستان' یکتائے زمانہ محدث اور بے مثال مناظر تھے' اپنے اور بیگانے سب ہی ان کی جلالت علمی اور ژرف نگاہی کے معترف تھے۔

۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کا آغاز ہوا۔ اسی دور میں پاکستان کی تاریخ کا سخت ترین مارشل لاء نافذ ہو چکا تھا' کسی کو لاؤڈ سپیکر استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی' اس کے باوجود حضرت سید ابوالبرکات ہر روز نماز فجر کے بعد قرآن پاک کا درس دیتے۔ فتنہ قادیانیت کے موضوع پر تقریر

کرتے، ختم نبوت کے بارے میں قادیانیوں کے شبہات کا جواب دیتے اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی پرزور تائید فرماتے۔ اس اثناء میں کسی کو یہ جرات نہ ہوئی کہ آپ کا لاؤڈ سپیکر بند کرا دے۔

۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء میں جنگ ستمبر کے بعد علماء اہل سنت کا ایک وفد جنرل محمد ایوب خاں سے ملا، جس میں حضرت علامہ سید ابو البرکات قادری رحمتہ اللہ تعالیٰ بھی شامل تھے، ایوب خاں نے مزاج پرسی کے بعد دعا کے لیے کہا تو سید صاحب نے فرمایا:

دعا کیا کروں؟ آپ نے عائلی آرڈیننس نافذ کیا ہے جس کی بعض دفعات، صریح طور پر قرآن و سنت کے خلاف ہیں، آپ نے شاستری کی ارتھی کو کندھا دیا، ایک مشرک کی ارتھی کو کندھا دینا کب جائز ہے؟

جنرل محمد ایوب خاں نے وعدہ کیا کہ عائلی آرڈیننس میں شریعت کے مطابق ترمیم کر دی جائے گی، اور شاستری کی ارتھی کو کندھا دینے کے متعلق کہا کہ یہ ایک رسمی چیز تھی اور مجھے مجبوراً ایسا کرنا پڑا۔

ان واقعات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس خاندان نے اعلاء کلمتہ الحق میں کبھی تساہل سے کام نہیں لیا۔ اسی عظیم خانوادے کے جلیل القدر فرزند، وسیع النظر محدث، عظیم فقیہ اور محقق، حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی، مدظلہ العالی شارح بخاری ہیں، جو خاندانی وجاہت کے علاوہ قابل قدر خصوصیات کے حامل ہیں۔ اکثر و بیشتر جب بھی ان سے ملاقات ہوئی انہیں کسی نہ کسی دینی مسئلہ میں غور و فکر کرتے ہوئے پایا، ان کی گفتگو عام انداز سے ہٹ کر، مسائل دینیہ کے بارے میں ہی ہوتی ہے۔ وہ جو کچھ بھی لکھتے ہیں گہری سوچ بچار کے بعد لکھتے ہیں۔ ان کی تحریرات، مفید عام موضوعات پر ہیں اور عوام و خواص میں مقبولیت حاصل کر چکی ہیں۔

حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی مدظلہ العالی کی ولادت باسعادت ۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۵ء میں ہوئی۔ علمی اور روحانی ماحول میں آنکھیں کھولیں اور اسی میں نشو و نما پائی، درس نظامی کی ابتدائی کتابیں آمد نامہ گلستان وغیرہ اپنے جدامجد، سید المحدثین مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری قدس سرہ سے پڑھیں، بقیہ کتب، جید اور متبحر اساتذہ سے پڑھیں۔ شرح تہذیب، قطبی اور مختصر المعانی وغیرہ کتب منطقی بابا مولانا محمد دین بدھوی سے، ملاحسن، تفسیر بیضاوی وغیرہ کتب ملک المدرسین استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ العالی سے پڑھیں۔

ان کے علاوہ دیگر اساتذہ سے بھی استفادہ کیا جن میں حضرت مولانا مہرالدین جماعتی رحمتہ اللہ علیہ شارح مختصر المعانی کا اسم گرامی نمایاں ہے۔ درس حدیث اپنے والد گرامی، مفتی اعظم پاکستان حضرت شیخ الحدیث علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری قدس سرہ سے لیا۔ ۱۹۴۷ء میں حزب الاحناف، لاہور کے سالانہ جلسے میں آپ کی دستار بندی کرائی گئی۔ اس اجلاس میں پاک و ہند کے اکابر علماء مثلاً حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، مفتی آگرہ مولانا مفتی عبدالحفیظ، محدث اعظم ہند، علامہ سید محمد محدث کچھوچھوی، مولانا محمد یار، گڑھی شریف، علامہ عبدالغفور ہزاروی، حضرت مولانا سید مختار اشرف کچھوچھوی قدست اسرارہم تشریف فرما تھے، حضرت صدر الافاضل نے اس موقع پر بطور تبرک اپنی ٹوپی عنایت فرمائی۔

حضرت علامہ رضوی مدظلہ نے ۷/ جون ۱۹۴۷ء کو موقر جریدہ "رضوان" جاری کیا، جو ابتداً ہفت روزہ تھا، پھر پندرہ روزہ ہوا، بعدازاں ماہنامہ کی صورت میں شائع ہوا اور بحمدہ تعالیٰ آج تک شائع ہو رہا ہے۔ اس جریدے میں وقیع اور گرانقدر مقالات شائع ہوا کرتے تھے، اس جریدے نے دین متین کی حفاظت اور مسلک اہل سنت و جماعت کی تبلیغ و اشاعت میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ اس رسالے کے کئی قیمتی نمبر، راقم کی نظر سے گزرے ہیں، مثلاً نماز نمبر، ختم نبوت نمبر، چکڑالویت نمبر اور معراج النبی نمبر وغیرہ، مشہور شیعہ مناظر مولوی اسمٰعیل گوجروی سے متعدد مسائل پر مباحثہ کا سلسلہ جاری رہا۔ ان مباحثوں میں علامہ رضوی مدظلہ کا قلم علمی اور تحقیقی جواہر بکھیرتا رہا۔ علامہ کا استدلال، عالمانہ گرفت، مخالفین کے اعتراضات کے ٹھوس جوابات، یہ سب چیزیں پڑھنے اور دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ حضرت علامہ کی تصانیف رضوی گوجروی مکالمہ، بیعت رضوان، باغ فدک، حدیث قرطاس حضور کی نماز جنازہ اسی دور کی یادگار ہیں۔

اس خاندان کا طرہ امتیاز رہا ہے کہ جب بھی ملی اور ملکی مسئلہ پیش آیا، یہ حضرات راہنمائی میں پیش پیش رہے۔ تحریک پاکستان میں دارالعلوم حزب الاحناف، لاہور کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ جامع مسجد وزیر خاں، لاہور، تحریک پاکستان کا اہم ترین سٹیج تھی۔ اس اسٹیج سے پاکستان کی حمایت میں اٹھنے والی آواز اتنی زور دار تھی کہ اس کی گونج پورے پنجاب بلکہ اس کے اردگرد تک سنی جاتی تھی۔

۲۷/ تا ۳۰/ اپریل ۱۹۴۶ء کو بنارس کے باغ فاطماں میں منعقد ہونے والی آل انڈیا سنی

کانفرنس، تحریک پاکستان کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس اجلاس میں اہل سنت و جماعت کے علماء و مشائخ نے اجتماعی طور پر مطالبہ پاکستان کی زبردست حمایت کی اور اس عزم کا اظہار کیا کہ جب تک پاکستان نہیں بن جاتا ہم آرام سے نہیں بیٹھیں گے۔ اس اجلاس میں مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری، علماء پنجاب کے وفد کے ہمراہ شریک ہوئے، اس وفد میں علامہ سید محمود احمد رضوی بھی شامل تھے۔

۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت چلائی گئی جس کا مقصد یہ تھا کہ قادیانیوں کو پاکستان کے کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے اور انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے، اس تحریک کے صدر علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری تھے۔ علامہ سید محمود احمد رضوی نے بھی اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنی ذاتی مشین پر پمفلٹ چھاپ کر فوج اور پولیس کے نوجوانوں میں تقسیم کئے اور انہیں تحریک کے مقاصد سے آگاہ کیا اور گرفتار ہوئے، قلعہ لاہور اور سنٹرل جیل لاہور میں مقید رہے۔

۲۲ر مارچ ۱۹۷۰ء کو ٹوبہ ٹیک سنگھ میں نام نہاد کسان کانفرنس منعقد ہوئی جس میں "مولانا" بھاشانی مہمان خصوصی تھے۔ اس کانفرنس کا نعرہ تھا، "ماریں گے۔۔ مرجائیں گے۔۔۔ سوشلزم لائیں گے"۔ اسی کانفرنس میں ٹوبہ ٹیک سنگھ کا نام لینن گراڈ تجویز کیا گیا۔ اہل سنت کے علماء و مشائخ نے اپنا فرض منصبی سمجھتے ہوئے سوشلزم کے پروپیگنڈے کا موثر جواب دینے اور کسان کانفرنس کے اثرات زائل کرنے کے لیے عین اسی جگہ ۱۳، ۱۴ر جون ۱۹۷۰ء کو عظیم الشان سنی کانفرنس منعقد کی۔ جس میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن قادری مدنی مدظلہ، مدینہ طیبہ سے تشریف لاکر بطور مہمان خصوصی شریک ہوئے۔

اس کانفرنس کا منظر دیدنی تھا۔ تاحد نظر پھیلے ہوئے غلامان مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جم غفیر اور تین ہزار علماء و مشائخ کے مبارک اجتماع سے وہ سماں پیدا ہوا کہ باطل کی تمام تاریکیاں چھٹ گئیں۔ اس کانفرنس میں اسلامیان پاکستان کو مقام مصطفیٰ کے تحفظ اور نظام مصطفیٰ کے نفاذ کا نعرہ ملا، اور اعلان کیا گیا کہ اسی منشور کی بنیاد پر دسمبر ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں حصہ لیا جائے گا۔ اس کانفرنس کے کنوینئر حضرت علامہ رضوی مدظلہ اور ان کے رفقاء تھے۔ انہوں نے ملک بھر کے دورے کرکے کانفرنس کے انعقاد کے لیے فضا ہموار کی۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ کے مولانا مختار الحق مرحوم اور ان کے رفقاء نے بھی اس کانفرنس کے انعقاد کے لیے گرانقدر

خدمات انجام دیں۔

۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں تمام مکاتب فکر کے اشتراک سے مجلس عمل تحفظ ختم نبوت معرض وجود میں آئی۔ علامہ رضوی مدظلہ اس کے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ آپ نے ملک کے طول و عرض میں دورے کئے' قیدو بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ بالآخر ۷/ ستمبر ۱۹۷۴ء کو اسلامیان پاکستان کے شدید دباؤ کی بنا پر قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔

علامہ رضوی مدظلہ ۱۹۷۴ء تک جمعیتہ العلماء پاکستان کے مرکزی جنرل سیکرٹری رہے۔ ایک مرحلے پر جمعیتہ داخلی انتشار کا شکار ہو گئی' کوشش بسیار کے باوجود اتفاق و اتحاد کی کوئی صورت نہ نکل سکی۔ ۱۹۶۹ء میں حضرت علامہ ابو البرکات سید احمد قادری قدس سرہ نے حزب الاحناف لاہور میں ملک بھر کے علماء کی ایک میٹنگ بلائی' حضرت سید صاحب کی دعا و برکت سے تمام علماء اہل سنت شیروشکر ہو گئے۔ علامہ رضوی پہلے سنی بورڈ پھر مجلس عمل جمعیتہ العلماء پاکستان کے کنویز مقرر ہوئے۔ انہوں نے اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر جمعیتہ کو فعال بنانے کے لیے دن رات کام کیا اور گوناگوں مشکلات کے باوجود اپنی مہم میں کامیاب رہے۔

یا رسول اللہ! کانفرنس

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عقیدت اور تعظیم و تکریم اہل سنت و جماعت کا طرہ امتیاز اور سرمایہ ایمان ہے۔ بارگاہ رسالت کی بے ادبی اور گستاخی دیکھ اور سن کر خاموشی سے برداشت کر جانا ان کے نزدیک غیرت ایمانی کے منافی ہے۔ حضرت علامہ رضوی مدظلہ کو یہ عقیدہ ورثہ میں ملا ہے۔ ۱۹۷۱ء میں برطانیہ کے نام نہاد ڈاکٹر منہاس نے ایک دل آزار کتاب لکھی جس میں اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی۔ اس کتاب کی اشاعت کے خلاف جمعیتہ علماء پاکستان نے لاہور سے جلوس نکالے اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ اس کتاب کو ضبط کیا جائے۔ لیکن حکومت نے مطالبہ تسلیم کرنے کی بجائے ۱۰/ جنوری ۱۹۷۱ء کو علامہ سید محمود احمد رضوی اور مولانا اکرام حسین مجددی' مولانا فیض القادری اور پیر طریقت میاں جمیل احمد شرقپوری کو گرفتار کرلیا۔ پھر ان حضرات کی رہائی کے لیے حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی اور حضرت مولانا حامد علی خاں کی قیادت میں ایک وفد ۲۰/ جنوری کو اس وقت کے گورنر پنجاب' جنرل عتیق الرحمٰن سے ملا اور ان راہنماؤں کی رہائی کے بارے میں گفتگو کی۔

چنانچہ ۱۲؍ جنوری کو تمام حضرات رہا کر دیئے گئے۔

۲۳؍ مارچ ۱۹۸۴ء کو بادشاہی مسجد' لاہور میں محفل قرات منعقد ہوئی' مصر کے معروف قاری عبدالباسط نے تلاوت کی' سامعین میں ہر مکتب فکر کے افراد موجود تھے۔ اسی اثناء میں کسی نے نعرہ رسالت بلند کیا اور اس کے جواب میں کسی بدبخت نے مردہ باد کا نعرہ لگایا' نعرہ لگانے والے حافظ غلام معین الدین کو مارا گیا اور اسے مرزائی کہہ کر پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔

علامہ رضوی نے اس سانحہ کا بروقت نوٹس لیا اور اپریل ۱۹۸۴ء ملک بھر کے علماء و مشائخ اہلسنّت کی میٹنگ بلا کر مجلس عمل علماء اہلسنّت قائم کی اور طے پایا کہ ۱۲؍ اپریل کو حزب الاحناف لاہور میں یارسول اللہ کانفرنس منعقد کی جائے' چنانچہ اس کانفرنس میں ہزاروں علماء و مشائخ اور تقریباً ڈیڑھ لاکھ سامعین نے شرکت کی۔ اہل سنت و جماعت نے مغرب اور عشاء کی نمازیں شاہی مسجد میں باجماعت ادا کیں اور رات کے ساڑھے بارہ بجے تک یارسول اللہ کانفرنس کا پروگرام جاری رہا۔ شاہی مسجد کے درو دیوار نعرہ رسالت سے گونجتے رہے۔ چاروں میناروں' برجیوں اور مسجد کے چپے چپے پر یارسول اللہ اور سبز گنبد کے عکس والے جھنڈے لہراتے رہے اور دنیا پر واضح ہو گیا کہ اس دور بے عملی میں بھی مسلمان ناموس رسول کی حفاظت کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں۔

مشہور صحافی جناب انور قدوائی نے نوائے وقت لاہور میں لکھا۔

"علامہ محمود احمد رضوی نے جس بات پر علم احتجاج بلند کیا تھا وہ اہم ترین اور سنگین مسئلہ تھا جس سے اختلاف بریلوی کیا؟ کوئی مسلمان بھی نہیں کر سکتا تھا"۔ اس کانفرنس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا

(۱) کہ اس واقعہ کی تحقیق کی جائے اور گستاخ رسول کو قرار واقعی سزا دی جائے۔

(۲) سنی اوقاف علیحدہ کیا جائے۔

یہ جنرل ضیاء الحق کی مارشل کا دور تھا۔ مگر اس کے باوجود لاہور اور ملک بھر میں یارسول اللہ کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔ مجلس عمل نے ۱۲؍ مئی کو شاہی مسجد لاہور اور نومبر ۱۹۸۵ء کو عرس داتا گنج بخش کے موقع پر یارسول اللہ کانفرنسیں منعقد کیں۔ جس کی تفصیل کے لیے دفتر درکار ہے۔

نوائے وقت کے جناب محترم انور قدوائی کا تبصرہ ملاحظہ ہو۔ وہ لکھتے ہیں ۱۲؍ مئی کو علامہ

محمود احمد رضوی نے تمام سرکاری رکاوٹوں کو روند ڈالا اور نہ صرف جلوس نکالا بلکہ بادشاہی مسجد میں جلسہ بھی کیا۔ علامہ محمود احمد رضوی کی اپیل پر جس طرح لوگ اکٹھے ہوئے اور انہوں نے ناموس رسول کے لیے جس جذبہ و جوش کا مظاہرہ کیا ہے' اس سے دو فائدہ ہوئے ہیں۔

ایک تو یہ کہ علامہ محمود احمد رضوی جو ایک عرصہ سے علیل تھے' پھر جوان ہو گئے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ ملک کے اندر اور باہر وہ عناصر جو یہ سوچ کر خوش تھے کہ پاکستان میں ایمان کی طاقت کمزور ہو گئی ہے اور یہ کہ روسی ٹینکوں پر بیٹھ کر پاکستان آئیں گے۔ ان کے خواب بکھر گئے ہیں اور یہ کہ اسلام کے ماننے والوں کا ایمان ابھی تک قائم ہے اور اس ملک میں کسی کو اسلام کے خلاف بات کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

تدریس و تالیف

علامہ رضوی جہاں دقیق النظر محدث' نکتہ رس فقیہ اور مفتی صاحب طرز ادیب اور قادر الکلام خطیب بھی ہیں۔ ان کی تقریر علم و فضل' سنجیدگی اور متانت کا بہترین مرقع ہوتی ہے۔

علامہ رضوی نے زمانے طالب علمی میں درس تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد دارالعلوم حزب الاحناف میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے اور درس نظامی کی اکثر کتب پڑھاتے رہے۔ اس کے ساتھ انہوں نے تصنیف و تالیف اور دارلعلوم حزب الاحناف کی تعمیر و انتظام کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔

علامہ رضوی کی تمام تصانیف' علم و تحقیق کا منہ بولتا ثبوت اور عوام و خواص کے لیے مفید ہیں اور علمی حلقوں میں وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ ان کی سب سے اہم تالیف بخاری شریف کی شرح فیوض الباری ہے جس کے اب تک دس پارے پانچ ضخیم جلدوں میں شائع ہو کر مقبولیت عامہ کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ علاوہ ازیں خصائص مصطفیٰ' جامع الصفات' روح ایمان' شان مصطفیٰ' مقام مصطفیٰ' معراج النبی' علم غیب رسول بصیرت' لمحات فکر' دین مصطفیٰ' شان صحابہ' چراغ ہدایت' مسائل نماز' روشنی' اسلامی تقریبات' جواہر پارے' فتاوی برکات العلوم' سیدی ابوالبرکات' بھی آپ کی مشہور مقبول تصانیف ہیں۔

علامہ سید محمود احمد رضوی کو اللہ تعالیٰ نے تین صاحبزادیاں اور سات صاحبزادے عطا فرمائے ہیں۔ صاحبزادوں میں سے سید مصطفیٰ اشرف رضوی بڑے ہونہار اور باصلاحیت نوجوان ہیں جن کے بارے میں توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنے قابل صد فخر آباؤ اجداد کے مسند نشین ہوں

گے۔

ستارہ امتیاز

حضرت علامہ رضوی نے غیر ممالک کے تبلیغی دورے بھی کئے ہیں۔ آپ کی دینی' علمی اور ملی خدمات کی بنا پر حکومت پاکستان نے آپ کو ستارہ امتیاز بھی دیا۔ آپ تقریباً سات سال ۱۹۸۴ء تک مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے بلامقابلہ چیئرمین بھی رہے اور ۱۹۸۱ء سے ۳۱ر اپریل ۱۹۸۴ء تک اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر بھی رہ چکے ہیں۔ آپ نے ممالک اسلامیہ کا بھی دورہ کیا اور تین حج اور ایک عمرہ کی سعادت بھی حاصل کی۔

فیوض الباری شرح صحیح بخاری

علامہ سید محمود احمد رضوی مدظلہ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں اور صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ وہ قلم و قرطاس کی اہمیت سے بخوبی آگاہ ہیں۔ تحقیق کا مادہ ان کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ ان کی تمام تصانیف علم و تحقیق کا بہترین شاہکار اور افادیت عامہ کی حامل ہیں۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ ان کی جملہ تصانیف' عوام و خواص میں مقبولیت کی سند حاصل کر چکی ہیں۔ ان کی تصانیف کے نام اس سے پہلے بیان کئے جا چکے ہیں۔ اس وقت ان کی اہم تصنیف فیوض الباری کا مختصر تعارف پیش کرنا مقصود ہے۔

فیوض الباری کا انداز بیان یہ ہے۔

۱۔ ہر حدیث کا بامحاورہ اور سلیس اردو ترجمہ کیا گیا ہے۔

۲۔ الفاظ حدیث کی لغوی تحقیق پیش کی گئی ہے۔

۳۔ حدیث سے مستنبط ہونے والے احکام و مسائل کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

۴۔ ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فقہی اختلافات کی تفصیل پھر روشن دلائل سے مذہب حنفی کی ترجیح اور تحقیق

۵۔ مسلک اہل سنت کو مدلل طور پر بیان کیا گیا ہے۔ فرق باطلہ اور منکرین حدیث کے اعتراضات اور شکوک و شبہات کے معقول اور مسکت جوابات دیئے ہیں۔

۶۔ امام بخاری اکثر و بیشتر احادیث کی پوری سند بیان کرتے ہیں۔ فیوض الباری میں اختصار کے پیش نظر سندوں کا ذکر نہیں کیا گیا۔

۷ -   امام بخاری ایک ہی حدیث کو مختلف ابواب میں بیان کر جاتے ہیں۔ فیوض الباری میں ابواب کے عنوانات تو باقی رکھے گئے ہیں' لیکن حدیث کو ایک جگہ بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے اور اسی جگہ اس سے مستنبط ہونے والے احکام و مسائل بیان کر دیئے گئے ہیں۔

۸-   حسب ضرورت راویوں کے مختصر احوال بیان کر دیئے گئے ہیں۔

۹ -   ابتداء میں مفصل مقدمہ ہے جس میں حجیت حدیث' مقام رسول عہد نبوی' عہد صحابہ' عہد تابعین میں حدیث کی حفاظت و کتابت وغیرہ امور پر پر مغز علمی گفتگو کی گئی ہے۔ نیز امام بخاری کا تذکرہ مختصر مگر دلکش انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ علم حدیث کی چند ضروری اصطلاحات بھی بیان کی گئی ہیں۔

فیوض الباری کو جلیل القدر محدثین نے داد و تحسین سے نوازا ہے۔ قومی اخبارات نے شاندار تبصرے کئے ہیں۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ فرماتے ہیں بخاری شریف کی ایک بلند پایہ شرح جن خوبیوں کی حامل ہو سکتی ہے وہ تمام خوبیاں "فیوض الباری" میں پائی جاتی ہیں.... اکثر و بیشتر اردو تراجم میں جو کمزوریاں اور نقائص پائے جاتے ہیں الحمد اللہ! فیوض الباری کا دامن ان سے پاک ہے۔ اس کا مطالعہ عوام کے لیے نہیں بلکہ خواص اہل علم' طلباء اور مدرسین کے لیے بھی نہایت ہی مفید ہے۔

فاضل مولف نے یہ کتاب لکھ کر وقت کے اہم تقاضے کو پورا کیا ہے۔ اور ان کی یہ گراں مایہ تالیف اہل سنت پر ایسا احسان عظیم ہے جس کو ہماری آئندہ نسلیں بھی فراموش نہیں کر سکتیں۔ حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی' مولف فیوض الباری' اپنی اس قابل قدر تالیف پر یقیناً شکریہ اور مبارکباد کے مستحق ہیں۔

حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری مرحوم فرماتے ہیں اس کتاب نے از اول تا آخر دریائے علم حدیث کو کوزے میں بند کر دیا ہے اور حدیث پاک کی وہ خدمت کی ہے جس کے متعلق سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **نضر اللہ عبدا سمع مقالتی فحفظها و وعا ها واد هافرب حامل فقه لیس بفقیه ورب حامل فقه الی من هو افقه منه** (مشکواۃ ص ۲۵)

اللہ تعالیٰ اس بندے کو حسن و رونق عطا فرمائے جس نے میری حدیث سنی اور اس کو یاد کیا اور اسے سمجھا اور ادا کیا' اس لیے کہ بہت سے علم اٹھانے والے عالم نہیں اور بہت سے علم کے حامل اسے سناتے ہیں جو اس سے زیادہ فقیہ ہے۔

الغرض علامہ سید محمود احمد رضوی زید مجدہ نے فہم و افہام و تفہیم و اتقان و تلقین کا حق ادا کیا ہے اور حقائق و معارف حدیث کے دریا بہا دیئے ہیں اور مشککین کے شکوک و شبہات کو دفع کر کے حنفیہ و عقائد اہل سنت و جماعت کی خوب اور بہت خوب خدمت کی ہے۔ (عبدالمصطفیٰ ازہری' علامہ : تقریظ فیوض الباری ج۵ ص ۲)

۲۷ر جولائی ۱۹۵۹ء کو روزنامہ نوائے وقت کے تبصرہ نگار نے پہلی جلد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔

آج کے دور میں اکثر تصانیف' محض پرانے مصنفین کی محنتوں کو نئے قالب میں ڈھال کر پیش کی جاتی ہیں اور ایک روش یہ ہو گئی ہے کہ نئے مصنفین' اس محنت' کاوش' وسیع مطالعہ اور عمیق فکر سے کام نہیں لیتے جو کسی تصنیف کو مکمل بنانے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ اس ماحول میں "فیوض الباری" ایک ایسی نئی تصنیف نظر آتی ہے جس میں مصنف نے وسعت علم کے فن پر عبور کے علاوہ محنت کا ثبوت دیا ہے جس سے اس کی افادیت علماء اور عوام سب کے لیے یکساں ہو گئی ہے۔ (فیوض الباری : ج ۳ ص ۳)

روزنامہ جنگ' شمارا ۱۱ر ستمبر ۱۹۶۱ء میں تبصرہ نگار تیسری جلد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ترجمہ و تشریح علمی لحاظ سے بہت بلند اور زبان کے لحاظ سے نہایت سلجھا ہوا ہے' حضرت مولف کا انداز تحریر مدرسانہ' فقیہانہ اور ناصحانہ ہے' ان کی تحریر میں تعصب' عناد' اور کرختگی نہیں' بلکہ اکثر مقامات پر فروعی مسائل پر تشدد کرنے والوں کو خوف خدا یاد دلایا گیا ہے۔

ان آراء اور تبصروں کے بعد راقم کی رائے کیا حیثیت رکھتی ہے؟ ہاں یہ دعا ضرور ہے کہ مولائے کریم حضرت علامہ کا سایہ تادیر سلامت رکھے اور اس شرح کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے صاحبزادوں کو علم دین میں کمال حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ اپنے آباء کی مسند کو سنبھال سکیں۔

سند حدیث اور سلسلہ بیعت

حضرت علامہ رضوی کے جدامجد شیخ المحدثین حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ محدث الوری علیہ الرحمہ نے حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری علیہ الرحمہ سے بھی درس حدیث لیا۔ اس کے بعد قطب وقت حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی علیہ الرحمہ سے دوبارہ حدیث کا

درس لیا اور آپ سے بیعت ہوئے۔ حضرت گنج مراد آبادی نے آپ کو اپنی خلافت سے بھی نوازا اور سلاسل اولیاء اللہ کے معمولات و وظائف کی اجازت عطا فرمائی۔

حضرت علامہ رضوی کے والد محترم شیخ الحدیث علامہ ابو البرکات علیہ الرحمہ طریقت میں اعلیٰ حضرت شاہ سید علی حسین شاہ صاحب سجادہ نشین کچھوچھہ شریف علیہ الرحمہ سے بیعت ہیں اور ان کے خلیفہ مجاز بھی اور علامہ رضوی کو بھی اعلیٰ حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ سے بیعت و خلافت حاصل ہے۔

علامہ رضوی نجیب الطرفین سید ہیں اور سیدنا امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اس لیے علامہ رضوی اپنے نام کے ساتھ رضوی لکھتے ہیں اور سلسلہ اشرفیہ میں مرید و خلیفہ ہیں۔ نیز آپ کو سلسلہ اشرفیہ کے موجودہ سجادہ نشین صدر شریعت حضرت ابوالمسعود شاہ سید محمد مختار اشرف الاشرفی الجیلانی مدظلہ العالی سجادہ نشین آستانہ عالیہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف انڈیا نے بھی اپنی خلافت سے نوازا ہے۔

آخر میں یہ بیان کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ علامہ سید محمود احمد رضوی کا سلسلہ حدیث ایک واسطہ سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ تک پہنچتا ہے کیونکہ آپ کے والد ماجد قدس سرہ کو امام احمد رضا بریلوی سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔ (اور امام المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی قدس سرہ تک صرف چار واسطے ہیں۔ ۱۔ استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد صاحب رضوی قادری اشرفی۔ ۲۔ امام المحدثین حضرت مولانا ابو محمد سید دیدار علی شاہ صاحب رضوی قادری فضل رحمانی۔ ۳۔ قطب وقت شیخ المحدثین حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی۔ ۴۔ سراج الہند شیخ الحدیث حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دھلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پارہ دہم

بَابُ تَقْوِيْمِ الْاَشْيَاءِ بَيْنَ الشُّرَكَاءِ بِقِيْمَةِ عَدْلٍ

باب شرکار کے درمیان انصاف کے ساتھ چیزوں کی قیمت لگانا

۱۔ یعنی مشترک اشیار کی انصاف کے ساتھ قیمت لگاکر شرکار میں تقسیم کرنا بلا خلاف جائز ہے البتہ تقویم سے قبل (اشیار کی انصاف کے ساتھ قیمت متعین کیے بغیر) تقسیم کرنے میں علمار کا اختلاف ہے اکثر علمار نے تقویم سے قبل بھی تقسیم کو جائز قرار دیا ہے۔ جب کہ تمام شرکار رضامند ہوں۔ واضح ہو کہ

۲۔ تقسیم کا جواز قرآن و حدیث و اجماع سے ثابت۔ قرآن مجید میں فرمایا

وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ | اور انھیں خبر دے دو کہ پانی کی اُن کے مابین تقسیم ہے

اور دوسرے مقام پر فرمایا۔

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى | جب تقسیم کے وقت رشتہ والے آجائیں

اور احادیث اس بارہ میں بہت ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے غنیمتوں اور میراثوں کی تقسیم فرمائی اور اس کے جواز پر اجماع بھی منعقد ہے۔

مالِ مشترک کو تقسیم کرنے کا طریقہ

۳۔ واضح ہو کہ جو مالِ مشترک ہے۔ اگر کیلی ہے تو کیل کے ذریعہ وزنی ہے تو وزن کے ذریعہ اور اگر عددی ہے تو عدد کے ذریعہ، جیسے انڈے وغیرہ۔ اگر ذرعی ہے یعنی گز سے ناپا جاتا ہے تو ذرع کے ذریعہ تقسیم کیا جائیگا جیسے کپڑا یا زمین اور اگر زمین میں درخت ہوں یا عمارت ہو تو اس کی قیمت لگاکر تقسیم ہوگی۔

۴۔ اور اگر مکان مشترک ہو اور اس کا ایک حصہ دوسرے حصے سے زیادہ قیمتی ہو تو کم قیمت والے حصہ کے ساتھ عمارت کا کچھ حصہ ملاکر تقسیم کریں تاکہ مساوات ہو جائے اور اگر اس طرح تقسیم میں عدل و مساوات نہ ہو سکے تو پھر پورے مکان کی انصاف کے ساتھ قیمت لگاکر تقسیم کی جائے گی۔

۵۔ دو منزلہ مکان مشترک ہے۔ ایک حصہ دار اوپر والی منزل میں اور دوسرا نیچے والی منزل میں سکونت پذیر ہو گیا۔ اب تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو دونوں منزلوں کی قیمت لگاکر مکان کو تقسیم کیا جائیگا۔ (المجلہ ۲۲۲)

۲۳۲۸۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ | حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَعْتَقَ شِقْصًا لَّهٗ مِنْ عَبْدٍ اَوْ شِرْكًا اَوْ قَالَ نَصِيْبًا وَّكَانَ لَهٗ مَا يَبْلُغُ ثَمَنَهٗ بِقِيْمَةِ الْعَدْلِ فَهُوَ عَتِيْقٌ وَاِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَاعَتَقَ قَالَ لَا اَدْرِيْ قَوْلُهٗ عَتَقَ مِنْهُ مَاعَتَقَ قَوْلٌ مِّنْ نَّافِعٍ اَوْ فِي الْحَدِيْثِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے مشترک غلام کا اپنا حصہ آزاد کیا اور اس کے پاس اتنا مال بھی تھا۔ جو اس پورے غلام کی قیمت کو پہنچ سکے جو کسی عادل نے لگائی ہو تو وہ پورا غلام آزاد ہوگا اور اگر اسکے پاس اتنا مال نہیں ہے تو اس کا وہی حصہ آزاد ہوگا جو اس نے آزاد کردیا ہے۔ نخود نافع کا قول ہے یا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا حصہ ہے۔

۲۳۲۹- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَعْتَقَ شَقِيْصًا مِنْ مَّمْلُوْكِهٖ فَعَلَيْهِ خَلَاصُهٗ فِيْ مَالِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهٗ مَالٌ قُوِّمَ الْمَمْلُوْكُ فِيْمَةً عَدْلٍ ثُمَّ اسْتُسْعِيَ عَبْدُهٗ مَشْقُوْقٍ عَلَيْهِ

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے غلام کا ایک حصہ آزاد کردیا اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے مال سے غلام کو پوری آزادی دلادے۔ لیکن اگر اس کے پاس اتنا مال نہیں ہے تو انصاف کے ساتھ غلام کی قیمت لگائی جائے گی۔ پھر غلام سے اس طرح مزدوری کرائی جائے گی کہ اس کو تکلیف نہ ہو۔

فوائد و مسائل ۱۔ اس حدیث کو امام بخاری نے عتق اور شرکت میں۔ ابوداؤد نے عتق میں مسلم نے نذور اور عتق۔ ترمذی نے احکام، نسائی نے احکام اور عتق میں ذکر کیا ہے۔ فھو عتیق کا مطلب یہ ہے کہ غلام کا ایک حصہ عتق سے اور دوسرا حصہ سعایہ کی بنا پر آزاد قرار پائے گا۔ غیر مشقوق کا مطلب یہ ہے کہ قیمت کی وصولی کے لیے غلام پر ایسا بوجھ نہیں ڈالا جائے گا جس کا وہ متحمل نہ ہوسکے۔

فقہ کے کچھ مسائل ایسے ہیں جن کی فی زمانہ ضرورت نہیں پڑتی۔ غلام لونڈی کے احکام و مسائل بھی اسی نوع کے ہیں۔ بہرحال اس سلسلہ کی احادیث کے مسائل ہم بقدر ضرورت بیان کریں گے۔

۲۔ مالک نے اپنے غلام کا ایک حصہ آزاد کردیا تو اتنا حصہ آزاد ہوجائے گا اور جتنا باقی ہے اس میں سعایت کرائیں گے یعنی اس غلام کی اس روز جو قیمت بازار کے نرخ سے ہو اس قیمت کا جتنا حصہ غیر آزاد شدہ کے مقابل ہو اتنا مزدوری وغیرہ کرا کر وصول کی جائے گی۔ جب قیمت کا وہ حصہ وصول ہوجائے اس وقت

پورا آزاد ہوجائے گا اور جس غلام کا کوئی حصہ آزاد کر دیا تو اب مالک نہ اسے فروخت کر سکتا ہے نہ خدمت لے سکتا ہے اور نہ اپنے قبضہ میں رکھ سکتا ہے (عالمگیری رد المحتار)

۳- سیدنا امام اعظم و شافعی علیہما الرحمہ نے اس حدیث سے یہ استدلال فرمایا ہے کہ جو غلام دو شخصوں کی شرکت میں ہے - ان میں سے ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو دوسرے کو اختیار ہے کہ اگر آزاد کرنے والا مالدار ہے (یعنی مکان و خادم و سامان خانہ داری اور بدن کے کپڑوں کے علاوہ اس کے پاس اتنا مال ہو کہ اپنے شریک کے حصہ کی قیمت ادا کر سکے) تو اس سے اپنے حصہ کا تاوان لے یا یہ بھی اپنے حصہ کو آزاد کر دے یا یہ اپنے حصہ کی قدر سعایت کرائے - نیز جب ایک شریک نے آزاد کر دیا تو دوسرے کو اسے فروخت کرنے یا ہبہ کا حق نہیں ہے غرضیکہ غلام اپنے ایک حصہ کی آزادی کے بعد مستقبل میں غلام نہیں رہ سکے گا اسے آزادی ملنی ضروری ہے - جس کی صورت اوپر بیان کی گئی ہے -

۴- علامہ ابن عبد البر نے فرمایا کہ اس حدیث سے امام مالک اور ان کے اصحاب نے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ اگر کوئی کسی کی ایسی چیز ضائع کر دے جو کیلی اور وزنی نہ ہو تو اسے مالک کو اس چیز کی قیمت دینی لازم ہوگی - سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ کی بھی یہی رائے ہے - وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے اس شخص پر (جس نے اپنے حصہ کا غلام آزاد کر دیا) یہ لازم نہیں کیا کہ وہ نصف غلام کی مثل دے -

مشترک چیز کو تقسیم کرنے کے مسائل

۵- سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ نے اس حدیث سے یہ استدلال فرمایا ہے کہ مشترک غلام کو قیمت کے تعین کے بغیر تقسیم کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی علیہ السلام نے مشترک غلام کو آزاد کرنے کے لیے اس کی قیمت لگا کر فروخت کرنے کو جائز قرار دیا لہٰذا تقسیم کے وقت بھی اس کی قیمت کا تعین ضروری ہے - لہٰذا تقویم سے قبل غلام کو تقسیم کرنا جائز نہیں ہے — اور سیدنا امام مالک و ابو یوسف و محمد علیہم الرحمہ فرماتے ہیں کہ قیمت کے تعین سے قبل بھی مشترک مال کی تقسیم جائز ہے بشرطیکہ تمام شریک اس پر راضی ہو جائیں - ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے غزوۂ حنین کی مال غنیمت بغیر تقویم کے تقسیم فرمائی تھی اور یہ غنیمت مختلف اشیاء پر مشتمل تھی - ان میں جانور بھی تھے سامان وغیرہ بھی اور قیدی بھی اور غلاموں اور جیوانات میں کوئی فرق نہیں ہے اور کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ نبی علیہ السلام نے حنین کی غنیمت کی اشیاء وغیرہ کی قیمت لگا کر تقسیم فرمائی تھی - لہٰذا مشترک اشیاء کو تقویم سے قبل شرکاء میں تقسیم کرنے کا جواز ثابت ہوا -

علامہ بدر محمود عینی فرماتے ہیں کہ سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ کا موقف یہ ہے - جبتک غلام کے ساتھ کوئی دوسری چیز نہ ہو اس کی تقسیم درست نہیں کیونکہ آدمیوں میں ان کے باطنی محاسن اور خوبیوں جیسے امانت

دیانت، ذہانت، فراست، علم و فضل وغیرہ اوصاف کی وجہ سے بہت تفاوت ہوتا ہے اور اس تفاوت کی وجہ سے قیمت کا تعین بہت دشوار ہے ہاں اگر آدمی کے ساتھ کسی اور چیز کو شامل کر لیا جائے تو پھر انصاف کے ساتھ مالِ مشترک کی قیمت کا تعین ہو سکتا ہے۔ لہٰذا شرکا کی مرضی کے بغیر تقسیم کا یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ غلام کو دوسری چیز کے ساتھ بالتبع تقسیم کیا جائے۔ جیسا کہ زمین کو فروخت کرنے کی صورت میں راستہ یا پانی کا حصہ وغیرہ بالتبع فروخت کیا جاتا ہے۔

امام ابویوسف و محمد امام مالک و شافعی و امام احمد علیہم الرحمہ نے فرمایا کہ غلام کو جبراً تقسیم کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ ایک جنس ہے۔ رہا قیمت کا تفاوت تو اتحادِ جنس کے ہوتے ہوئے قیمت کا تفاوت صحتِ تقسیم کو مانع نہیں ہونا چاہیئے جیسے مشترک اونٹ گائے و بکریاں تقسیم کر لی جاتی ہیں۔ سیدنا امامِ اعظم علیہ الرحمہ جواباً فرماتے ہیں کہ حیوانات میں ایک جنس ہونے کی وجہ سے تفاوت (فرق) کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ چنانچہ مذکر و مونث ہونا حیوانات میں صرف ایک جنس ہے اور انسانوں میں دو جنسیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی شخص کو اس شرط پر خریدا کہ وہ غلام ہے اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ لونڈی ہے تو یہ بیع درست نہیں ہے کیونکہ آدمیوں میں مذکر و مونث ہونا دو جنسیں ہیں۔ لیکن مالِ غنیمت کی یہ کیفیت نہیں ہے کیونکہ مالِ غنیمت کے شرکا کا حق مالِ غنیمت کی مالیت میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلطانِ اسلام کو مالِ غنیمت فروخت کر کے اس کی قیمت کو شرکاءِ غنیمت میں تقسیم کر دینا جائز ہے۔ اس کے برعکس غلام میں ملکیت کی شرکت کا تعلق معین شے اور اس کی مالیت میں ہے۔ لہٰذا غلام اور مالِ غنیمت کا حکم جدا جدا ہے۔ اس لیے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے (عینی ج ۱۳ صہ ۵۲)

باب هل يقرع في القسمة والاستهام فيه

باب تقسیم میں قرعہ اندازی

۲۳۳۰ - سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيْرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ الْقَائِمِ عَلَى حُدُوْدِ اللهِ وَالْوَاقِعِ فِيْهَا كَمَثَلِ قَوْمٍ اِسْتَهَمُوْا عَلَى سَفِيْنَةٍ فَاَصَابَ بَعْضُهُمْ اَعْلَاهَا وَبَعْضُهُمْ اَسْفَلَهَا فَكَانَ الَّذِيْنَ فِيْ اَسْفَلِهَا اِذَا اسْتَقَوْا مِنَ الْمَاءِ مَرُّوْا عَلَى مَنْ فَوْقَهُمْ

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کی حدود پر قائم رہنے والے (اطاعت گزار) اور اس میں مبتلا ہو جانے والے (یعنی اللہ کے احکام کی پابندی نہ کرنے والے) کی مثال ایک ایسی قوم کی سی ہے جس نے (باہم مشترک) ایک کشتی کے سلسلے میں قرعہ اندازی کی۔ قرعہ اندازی کے نتیجہ میں قوم کے بعض افراد کو

کشتی کے اوپر کا حصہ ملا اور بعض کو نیچے کا۔ جو لوگ نیچے تھے، انھیں (دریا سے) پانی لینے کے لیے اوپر سے گزرنا پڑتا۔ انھوں نے سوچا کہ کیوں نہ ہم اپنے ہی حصہ میں ایک سوراخ کرلیں، تاکہ اوپر والوں کو ہم سے کوئی اذیت نہ پہنچے۔ اب اگر اوپر والے بھی نیچے والوں کو منع نہ کریں (کہ وہ اپنے نیچے کے حصہ میں سوراخ کرلیں) تو تمام کشتی والے ہلاک ہوجائیں اور اگر اوپر والے نیچے والوں کا ہاتھ پکڑ لیں تو یہ خود بھی اور ساری کشتی بچ جائے۔ (بخاری)

فوائد و مسائل

۱۔ عنوان میں یقترع سے مراد قرعہ اندازی ہے اور استہام کے معنیٰ بھی ازروئے لغت قرعہ اندازی کے ہیں مگر یہاں اس کے معنیٰ حصہ کے ہیں۔ مطلبِ عنوان یہ ہے کہ مشترک چیز تقسیم کرلی تو قرعہ ڈال کر حصہ کا تعین کرنا جائز ہے مثلاً دو منزلہ مشترک مکان تقسیم کرلیا اب قرعہ اندازی کے ذریعہ حصہ کا تعین کرلیں تو جائز ہے یعنی جس کا نام اوپر کے حصہ میں آجائے وہ اوپر کا حصہ لے لے اور جس کا نام نچلی منزل میں آئے وہ نیچے کی منزل لے لے ۲۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ تقسیم کے وقت محض تطییبِ نفس کے لیے قرعہ ڈالنا جائز ہے۔ جیسا کہ حضور علیہ السلام جب سفر کے لیے روانہ ہوتے تو جس بی بی کا نام قرعہ میں آجاتا اسے ہمراہ لے لیتے تھے۔

۳۔ اس حدیث میں دنیا کی مثال ایک کشتی سے دی گئی ہے کہ اگر کشتی کو نقصان پہنچے گا تو اس میں سوار سب ہی متاثر ہوں گے۔ یہی حال دنیا کا ہے کہ اگر مسلمانوں نے حدودِ الٰہیہ کو قائم کیا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کو ادا کیا تو نجات پائیں گے ورنہ گناہگار گناہوں کی وجہ سے اور نیکوکار بھلائی کا حکم اور برائی سے نہ روکنے کی وجہ سے گرفتارِ بلا ہوں گے۔

مشترک مکان کے ضروری مسائل و احکام

۱۔ اس حدیث کی روشنی میں علامہ ابن بطال نے دو منزلہ مکان کا مسئلہ بیان کیا ہے جو آدمیوں میں مشترک ہو ایک اوپر کی منزل کا اور دوسرا نیچے کی منزل کا مالک ہو۔ اگر نیچے والی منزل خراب ہوجائے تو نیچے والی منزل کے مالک کو اس کے منہدم کرنے کا اختیار نہیں ہے مگر بضرورت۔ اسی طرح اوپر والی منزل کے مالک کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اس پر ایک اور منزل بنائے کیونکہ اس سے نیچے والی منزل کو نقصان پہنچ سکتا ہے البتہ اوپر کی منزل کا مالک ایسی معمولی تعمیر کرسکتا ہے جس سے نیچے کی منزل کو نقصان نہ پہنچے۔ اور امام اشہب نے فرمایا دروازہ نیچے والی منزل کے مالک کی ملک قرار پائے گا۔ اگر نچلی منزل منہدم ہوجائے تو نچلی منزل کے مالک کے لیے لازم ہے کہ وہ اس کی تعمیر کرے اگر وہ تعمیر نہ کرے تو اس سے کہا جائے گا کہ اس حصہ کو اس کے ہاتھ فروخت کردے جو اس کی تعمیر کرے اور اوپر والی منزل کے مالک کے لیے نچلی منزل بنانے

کی ذمہ داری نہیں آتی۔

۳۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اصحاب حنفیہ کا موقف یہ ہے کہ نچلی منزل خود بخود منہدم ہو جائے تو اوپر والی منزل کے مالک کو اس نچلی منزل کے بنانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اسے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر تیری مرضی ہو تو اپنی منزل کی بلندی تک نیچے والا حصہ بنا کر اس پر اپنا مکان بنا لے۔ اس صورت میں اوپر والی منزل کا مالک نچلی منزل کے مالک سے نچلی منزل کے اخراجات وصول کرنے کا مجاز ہوگا کہ اگر وہ نہ دے تو نچلی منزل اوپر والی منزل کے ہاتھ میں رہن قرار پائے گی۔ اور نچلی منزل کی چھت مع اس کے میٹریل کے نچلی منزل والے کی ملک ہوگی اور اوپر والی منزل والا اس میں رہائش کا حقدار ہے (عینی)

درمختار میں اس مسئلہ کی صورت یوں بیان کی گئی ہے کہ اوپر والی منزل گر چکی ہے۔ صرف نیچے والی منزل باقی ہے اور نچلی منزل کے مالک نے خود گرا دی اب اوپر والا بھی بنانے پر مجبور ہوگیا۔ نیچے والے کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنی عمارت بنوائے تاکہ بالا خانہ والا اس کے اوپر عمارت تیار کرلے اور اگر اس نے نہیں گرائی ہے بلکہ اپنے آپ عمارت گر گئی تو بنوانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا کہ اس نے اس کو نقصان نہیں پہنچایا ہے بلکہ قدرتی طور پر اسے نقصان پہنچ گیا۔ پھر اگر بالا خانہ والا یہ چاہتا ہے کہ نیچے کی منزل بنا کر اپنی عمارت اوپر بنائے تو نیچے والے سے اجازت حاصل کرلے یا قاضی سے اجازت لے کر بنائے اور نیچے کی تعمیر میں جو کچھ صرفہ ہوگا وہ مالک مکان سے وصول کر سکتا ہے۔ اوپر والے نے جب نچلی منزل بنوالی تو نیچے والے کو اس میں سکونت سے روک سکتا ہے جب تک وہ نیچے کی منزل کی لاگت ادا نہ کردے (درمختار) اور اگر نہ اس سے اجازت لی نہ قاضی سے حاصل کی خود ہی بنا ڈالی تو صرفہ نہیں ملے گا بلکہ عمارت کی بنانے کے وقت جو قیمت ہوگی وہ وصول کر سکتا ہے (درمختار وغیرہ)

۴۔ دو منزلہ مکان دو شخصوں کے مابین مشترک ہے۔ نیچے کی منزل ایک کی ہے۔ بالا خانہ دوسرے کا ہے۔ ہر ایک اپنے حصہ میں ایسا تصرف کرنے سے روکا جائے گا جس کا ضرر دوسرے تک پہنچتا ہو مثلاً نیچے والا دیوار میں میخ گاڑنا چاہتا ہے یا طاق بنانا چاہتا ہے یا بالا خانہ والا اوپر جدید عمارت بنانا چاہتا ہے یا پردہ کی دیواروں پر کڑیاں رکھ کر چھت پاٹنا چاہتا ہے یا جدید پاخانہ بنوانا چاہتا ہے یہ سب تصرفات بغیر مرضی دوسرے کے نہیں کر سکتا اس کی رضامندی سے کر سکتا ہے اور اگر ایسا تصرف ہے جس سے ضرر کا اندیشہ نہیں ہے مثلاً چھوٹی کیل گاڑنا کہ اس سے دیوار میں کیا کمزوری پیدا ہو سکتی ہے۔ اس کی ممانعت نہیں اور اگر مشکوک حالت ہے۔ معلوم نہیں کہ نقصان پہنچے گا یا نہیں یہ تصرف بھی بغیر رضامندی نہیں کر سکتا (ہدایہ فتح درمختار وغیرہا)

۵۔ اسی حدیث کی روشنی میں یہ بھی واضح ہوا کہ ہر شخص اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کرے دوسرے کو منع کرنے کا اختیار نہیں ہے لیکن اگر کوئی ایسا تصرف کرے جس سے شریک کو یا ہمسایہ کو کھلا ہوا نقصان پہنچے

تو اب اسے تصرف سے روک دیا جائے گا۔

مثلاً کوئی شخص اپنے مکان میں تنور گاڑنا چاہتا ہے۔ جس میں ہر وقت روٹی پکے گی جس طرح دکانوں میں ہوتا ہے یا اُجرت پر آٹا پیسنے کی چکی لگانا چاہتا ہے یا دھوبی کا پاٹا رکھوانا چاہتا ہے۔ جس پر کپڑے دُھلتے رہیں گے ان چیزوں سے منع کیا جا سکتا ہے کہ تنور کی وجہ سے ہر وقت دھواں آئے گا جو پریشان کرے گا۔ چکی اور کپڑے دھونے کی دھمک سے پڑوسی کی عمارت کمزور ہوگی اس لیے ان سے مالکِ مکان کو منع کر سکتا ہے (عالمگیری)

بَابُ شِرْكَةِ الْيَتِيمِ وَأَهْلِ الْمِيرَاثِ

باب یتیم کی شرکت، وارثوں کے ساتھ

۲۳۳۱ - قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ عَنْ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى وَإِنْ خِفْتُمْ إِلَى وَرُبَاعَ فَقَالَتْ يَا ابْنَ أُخْتِي هِيَ الْيَتِيمَةُ تَكُونُ فِي حَجْرِ وَلِيِّهَا تُشَارِكُهُ فِي مَالِهِ فَيُعْجِبُهُ مَالُهَا وَجَمَالُهَا فَيُرِيدُ وَلِيُّهَا أَنْ يَتَزَوَّجَهَا بِغَيْرِ أَنْ يُقْسِطَ فِي صَدَاقِهَا فَيُعْطِيَهَا مِثْلَ مَا يُعْطِيهَا غَيْرُهُ فَنُهُوا أَنْ يَنْكِحُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يُقْسِطُوا لَهُنَّ وَيَبْلُغُوا بِهِنَّ أَعْلَى سُنَّتِهِنَّ مِنَ الصَّدَاقِ وَأُمِرُوا أَنْ يَنْكِحُوا مَا طَابَ لَهُمْ مِنَ النِّسَاءِ سِوَاهُنَّ قَالَ عُرْوَةُ قَالَتْ عَائِشَةُ ثُمَّ إِنَّ النَّاسَ اسْتَفْتَوْا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ هَذِهِ الْآيَةِ فَأَنْزَلَ اللهُ وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ إِلَى قَوْلِهِ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ وَالَّذِي ذَكَرَ اللهُ أَنَّهُ يُتْلَى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ الْآيَةُ الْأُولَى

حضرت عروہ بن زبیر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اللہ تعالےٰ کا ارشاد "وَإِنْ خِفْتُمْ سے وَرُبَاعَ" تک کے متعلق پوچھا تو انھوں نے فرمایا۔ میرے بھانجے! اس میں اس یتیم لڑکی کا ذکر ہوا ہے جو اپنے ولی کی زیر نگرانی ہو۔ ولی کے مال میں اس کی شرکت بھی ہو پھر ولی اس کے مال و جمال پر ریجھ جائے اور چاہے کہ مہر کے معاملے میں عدل و انصاف کے بغیر اس سے شادی کر لے اور اسے اتنا بھی نہ دے جتنا دوسرے دیتے تو انہیں اس سے منع کر دیا گیا کہ اس ارادہ سے ان سے نکاح نہ کریں البتہ اگر ان کے ساتھ ان کے ولی عدل و انصاف کر سکیں اور ان کی حسبِ حیثیت مہر مقرر کریں تو نکاح کرنے کی اجازت ہے اور ان سے یہ بھی کہہ دیا گیا کہ ان کے سوا جو عورتیں ہوں ان سے وہ نکاح کر سکتے ہیں۔ عروہ نے بیان کیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔

پھر لوگوں نے

الَّتِیْ قَالَ فِیْهِمَا وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ قَالَتْ عَائِشَةُ وَقَوْلُ اللّٰهِ فِی الْاٰیَةِ الْاُخْرٰی وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ یَعْنِیْ هِیَ رَغْبَةُ اَحَدِكُمْ لِیَتِیْمَتِهِ الَّتِیْ تَكُوْنُ فِیْ حَجْرِهٖ حِیْنَ تَكُوْنُ قَلِیْلَةَ الْمَالِ وَالْجَمَالِ فَنُهُوْا اَنْ یَّنْكِحُوْا مَا رَغِبُوْا فِیْ مَالِهَا وَجَمَالِهَا مِنْ یَّتٰمَی النِّسَآءِ اِلَّا بِالْقِسْطِ مِنْ اَجْلِ رَغْبَتِهِمْ عَنْهُنَّ ٥

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مسئلہ پوچھا تو اللہ نے یہ آیت نازل کی" اور آپ سے عورتوں کے بارے میں یہ لوگ سوال کرتے ہیں" سے وترغبوا ان تنکحوھن تک اور جو اللہ تعالٰے نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ "انّه یتلی علیکم فی الکتاب" تو اس سے وہی پہلی آیت مراد ہے (جس کا ذکر اوپر ہوا) جس میں اللہ تعالٰے نے ارشاد فرمایا ہے کہ" اگر تمہیں خطرہ ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں تم انصاف نہیں کر سکو گے تو تم ان (دوسری) عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ اللہ تعالٰے کا ارشاد، دوسری آیت میں "وترغبون ان تنکحوھن" (اور تمہیں اگر ان سے نکاح میں کوئی رغبت نہ ہو) سے مراد کسی ولی کی ایسی یتیم لڑکی کی طرف سے بے رغبتی ہے جو اس کی پرورش میں ہو اور مال و جمال دونوں اس کے پاس کم ہوں تو ولیوں کو اس سے منع کر دیا گیا کہ وہ ایسی یتیم لڑکیوں سے نکاح کریں جن کے مال و جمال میں ان کے لیے رغبت کا کوئی سامان نہ ہو لیکن انصاف کا اگر ارادہ ہو (تو کر سکتے ہیں) کیونکہ ان کی طرف سے پہلے ہی سے انہیں بے توجہی ہے۔

فوائد و مسائل ۱۔ اس حدیث کو امام بخاری نے شرکت اور احکام میں ابو داؤد و نسائی نے نکاح میں ذکر کیا ہے ۲۔ تشارکة کے الفاظ عنوان کے مطابق ہیں یعنی شرکاء کو شرکت کے مال میں ناانصافی نہیں کرنی چاہیئے ۳۔ حدیث ہذا میں سورہ نساء کی آیات کا ذکر ہے جن کے مختصر مسائل و احکام یہ ہیں۔

وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ج فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً الخ (نساء)

اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کرو گے تو نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں خوش آئیں دو دو اور تین تین اور چار چار پھر اگر ڈرو کہ دو بیبیوں کو برابر نہ رکھ سکو گے تو ایک ہی کرو

آیت کے معنیٰ میں چند قول ہیں۔ حسن کا قول ہے کہ پہلے زمانہ میں مدینہ کے لوگ اپنی زیر ولایت یتیم لڑکی سے اس کے مال کی وجہ سے نکاح کر لیتے باوجودیکہ اس کی طرف رغبت نہ ہوتی۔ پھر اس کے ساتھ صحبت و معاشرت

ومعاشرت میں اچھا سلوک نہ کرتے اور اس کے مال کے وارث بننے کے لیے اس کی موت کے منتظر رہتے ۔ اس آیت میں انھیں اس سے روکا گیا ۔ ایک قول یہ ہے کہ لوگ یتیموں کی ولایت سے تو بے تو بھی ہو جانے کے اندیشہ سے گھبراتے تھے اور زنا کی پروا نہ کرتے تھے ۔ انھیں بتایا گیا کہ اگر تم ناانصافی کے اندیشہ سے یتیموں کے ولایت سے گریز کرتے ہو تو زنا سے بھی خوف کرو اور اس سے بچنے کے لیے جو عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں ان سے نکاح کرو اور حرام کے قریب مت جاؤ ۔ ایک قول یہ ہے کہ لوگ یتیموں کی ولایت وسرپرستی میں تو ناانصافی کا اندیشہ کرتے تھے اور بہت سے نکاح کرنے میں کچھ باک نہیں رکھتے تھے ۔ انہیں بتایا گیا کہ جب عورتیں نکاح میں ہوں تو ان کے نکاح میں ناانصافی ہونے سے بھی ڈرو اتنی ہی عورتوں سے نکاح کرو جن کے حقوق ادا کر سکو ۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ قریش دس دس بلکہ اس سے زیادہ عورتیں کرتے تھے اور جب اُن کا خرچ نہ اُٹھ سکتا تو جو یتیم لڑکیاں ان کی سرپرستی میں ہوتیں ان کے مال خرچ کر ڈالتے ۔ آیت میں فرمایا گیا کہ اپنی استطاعت دیکھ لو اور چار سے زیادہ نہ کرو تاکہ تمہیں یتیموں کا مال خرچ کرنے کی حاجت پیش نہ آئے ۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ آزاد مرد کے لیے ایک وقت میں چار عورتوں تک سے نکاح جائز ہے خواہ وہ حرہ ہوں یا باندی ۔ تمام امت کا اجماع ہے کہ ایک وقت میں چار عورتوں سے زیادہ نکاح میں رکھنا کسی کے لیے جائز نہیں سوائے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے یہ آپ کے خصائص میں سے ہے ۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص اسلام لائے ان کی آٹھ بیبیاں تھیں ۔ حضور نے فرمایا ان میں سے چار رکھنا ۔ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ غیلان بن سلمہ ثقفی اسلام لائے ان کی دس بیبیاں تھیں وہ ساتھ مسلمان ہوئیں ۔ حضور نے حکم دیا ان میں سے چار رکھو ۔

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یتیموں کے اولیا کا دستور یہ تھا کہ اگر یتیم لڑکی صاحب مال و جمال ہوتی تو اس سے تھوڑے مہر پر نکاح کر لیتے اور اگر حسن و مال نہ رکھتی تو اُسے چھوڑ دیتے اور اگر حُسنِ صورت نہ رکھتی اور ہوتی مال دار تو اس سے نکاح نہ کرتے اور اس اندیشہ سے دوسرے کے نکاح میں بھی نہ دیتے کہ وہ مال میں حصہ دار ہو جائے گا ۔ اللہ تعالےٰ نے یہ آیتیں نازل فرما کر انھیں ان عادتوں سے منع فرمایا ۔

بَابُ الشَّرِكَةِ فِى الْاَرَضِيْنَ وَغَيْرِهَا

زمین وغیرہ میں شرکت کے متعلق

۲۳۳۲ - عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اِنَّمَا جَعَلَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشُّفْعَةَ فِىْ كُلِّ مَا لَمْ يُقْسَمْ فَاِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ وَصُرِّفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ

حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے شفعہ کا حق اس جائداد میں رکھا جو تقسیم نہ ہوئی ہو اور جو جائداد تقسیم ہو جائے حدود اور راستے متعین کر دیے گئے تو پھر شفعہ کا حق نہیں ہے ۔

فوائد و مسائل عنوان کے مطابق حدیث ہذا میں مالم یقسم کے الفاظ ہیں۔ مطلب عنوان یہ ہے کہ زمین، مکان یا باغ یا کھیت وغیرہ مشترک ہوں تو شرکاء میں تقسیم ہو سکتے ہیں۔

مشترکہ زمین مکان، کھیت وغیرہ اشیاء کی تقسیم کرنے کے بعض ضروری احکام و مسائل

۱۔ مشترک چیز اگر ایسی ہے کہ تقسیم کے بعد ہر ایک شریک کو جو کچھ حصہ ملے گا وہ قابلِ انتفاع ہوگا تو ایک شریک کی طلب پر تقسیم کر دی جائے گی اور اگر بعد تقسیم بعض شریک کو اتنی قلیل ملے گی کہ نفع کے قابل نہ ہوگی اور تقسیم وہ شخص چاہتا ہے جس کا حصہ زیادہ ہے تو تقسیم کر دی جائے گی اور جس کا حصہ اتنا کم ہے کہ بعد تقسیم قابلِ نفع نہیں رہے گا اس کی طلب پر تقسیم نہیں ہوگی۔

۲۔ تقسیم کے بعد ہر شریک کو اتنا ہی حصہ ملے گا جو قابلِ نفع نہیں تو جب تک سب شرکاء راضی نہ ہوں ایک کے چاہنے سے تقسیم نہیں ہوگی۔ مثلاً دکان دو شخصوں کی شرکت میں ہے۔ اگر تقسیم کے بعد ہر ایک کو دکان کا اتنا حصہ ملتا ہے کہ جو کام اس میں کر رہا تھا اب بھی کر سکے گا تو ہر ایک کے کہنے سے تقسیم کر دی جائے گی اور اتنا حصہ نہ ملے تو تقسیم نہیں ہوگی جبتک دونوں راضی نہ ہوں (ہدایہ درمختار)

۳۔ کنواں یا چشمہ یا نہر مشترک ہو شرکاء تقسیم چاہتے ہوں۔ اگر اس کے ساتھ زمین نہیں ہے تو تقسیم نہیں کی جائے گی اور اگر زمین بھی ہے تو زمین کی تقسیم کر دی جائے اور وہ چیزیں مشترک رہیں (عالمگیری)

۴۔ زراعت مشترک ہے۔ اگر دانے پڑ چکے ہیں مگر ابھی کاٹنے کے قابل نہیں ہے اس کی تقسیم نہیں ہو سکتی جب تک کھیت کٹ نہ جائے اگرچہ سب شرکاء راضی ہوں اور اگر کھیتی بالکل کچی ہے۔ یعنی دانے پیدا نہیں ہوئے ہیں اور شرکاء تقسیم پر راضی ہوں تو تقسیم ہو سکتی ہے مگر اس شرط سے کہ تقسیم کے بعد ہر ایک اپنا حصہ کاٹ لے یہ نہیں کہ پکنے تک کھیت ہی میں چھوڑ رکھے (عالمگیری)

۵۔ زمینِ مشترک میں درخت اور زراعت تھی۔ صرف زمین کی تقسیم ہوئی تو جس کے حصہ میں درخت یا زراعت پڑی وہ قیمت دے کر اس کا مالک ہوگا (عالمگیری)

۶۔ تقسیم کرنے والے کو یہ چاہیئے کہ ہر شریک کے سہام جتنے ہوں انھیں پہلے لکھ لے اور زمین کی پیمائش کر کے ہر شریک کے سہام کے مقابل میں جتنی زمین پڑے صحیح طور پر قائم کرلے اور ہر حصہ کے لیے راستہ وغیرہ علیحدہ قائم کر دے تاکہ آئندہ جھگڑے کا احتمال نہ رہے اور ان حصص پر ایک دو تین وغیرہ نمبر ڈالدے اور جمیع شرکاء کے نام لکھ کر قرعہ اندازی کرے جس کا نام پہلے نکلے اسے پہلا نمبر جس کا نام دوسری مرتبہ نکلے اسے نمبر دوم دیدے وعلی ہذا القیاس (ہدایہ)

۷۔ تقسیم میں قرعہ ڈالنا ضروریات میں نہیں بلکہ تطبیب قلب کے لیے ہے کہ کہیں حصہ داروں کو یہ وہم

نہ ہو کہ فلاں کا حصہ میرے حصہ سے اچھا ہے اور قصداً ایسا کیا گیا ہے اول تو تقسیم کرنے والا ہر حصہ میں مساوات کا ہی لحاظ رکھے گا پھر اس کے باوجود قرعہ بھی ڈالے گا تاکہ وہم ہی نہ پیدا ہو سکے اور اگر قاضی نے بغیر قرعہ ڈالے ہوئے خود ہی حصص کو نامزد کر دیا کہ یہ تمہارا ہے اور یہ تمہارا تو اس میں بھی حرج نہیں کہ قاضی کے فیصلہ سے انکار کی گنجائش نہیں (درمختار ردالمحتار)

۸۔ مکان کی تقسیم میں سب زمین کی پیمائش کر کے حصے قائم کریگا۔ عمارت کی قیمت لگائے گا کیونکہ آگے چل کر اس کی بھی ضرورت پڑے گی مثلاً کسی کے حصہ میں اچھی عمارت آئی اور کسی کے حصہ میں خراب تو بغیر قیمت معلوم کیے کیونکر مساوات قائم رہے گی (ہدایہ)

۹۔ اگر زمین و عمارت دونوں کی تقسیم منظور ہے اور عمارت کچھ اچھی ہے کچھ بُری یا ایک طرف عمارت زائد ہے اور ایک طرف کم اور ایک کو اچھی یا زیادہ عمارت ملے تو دوسرے کو زمین زیادہ دے کر وہ کمی پوری کر دی جائے اور اگر زمین زیادہ دینے میں بھی کمی پوری نہ ہو کہ ایک طرف کی عمارت ایسی اچھی یا اتنی زیادہ ہے کہ بقیہ کل زمین دینے سے بھی کمی پوری نہیں ہوتی تو یہ کمی روپے سے پوری کی جائے (ہدایہ)

۱۰۔ مکان کی تقسیم میں ایک کا پرنالہ یا راستہ دوسرے کے حصے میں پڑا اگر تقسیم میں یہ شرط مذکور ہو کہ اس کا پرنالہ یا راستہ دوسرے کے حصہ میں ہوگا جب تو اس تقسیم کو بدستور باقی رکھا جائے گا اور شرط نہ ہو تو دو صورتیں ہیں۔ اس حصہ کا راستہ وغیرہ پھیر کر دوسرا کیا جا سکتا ہے یا نہیں اگر ممکن ہو تو راستہ وغیرہ پھیر کر دوسرا کر دیا جائے اور ناممکن ہو تو اس تقسیم کو توڑ کر از سرِ نو تقسیم کی جائے (ہدایہ درمختار)

۱۱۔ اگر شرکا میں اختلاف ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ راستہ کو تقسیم میں نہ لیا جائے بلکہ جس طرح پہلے پورے مکان کا ایک راستہ تھا اب بھی رہے اور مکان کا ایسا موقع ہے کہ ہر حصہ کا جداگانہ راستہ ہو سکتا ہے یعنی جدید دروازہ کھول کر آمد و رفت ہو سکتی ہے تو اس شریک کا کہنا مانا جا سکتا ہے اور اگر یہ بات ناممکن ہے تو اس کا کہنا نہیں مانا جائے گا (درمختار)

۱۲۔ راستہ کی چوڑائی اور اونچائی میں اختلاف ہو تو صدر دروازہ کی چوڑائی کی برابر راستہ کی چوڑائی رکھی جائے اور اس کی بلندی کے برابر راستہ کی بلندی رکھی جائے یعنی اس بلندی سے اوپر اگر کوئی اپنی دیوار میں چھجا نکالنا چاہتا ہے نکال سکتا ہے اور اس سے نیچے نہیں نکال سکتا (عنایہ درمختار)

۱۳۔ مکان کی تقسیم میں اگر یہ شرط ہو کہ راستہ کی مقداریں مختلف ہوں گی۔ اگرچہ شرکا کے حصے اس مکان میں برابر ہوں یہ جائز ہے جب کہ یہ تقسیم آپس کی رضامندی سے ہو کہ غیر اموال ربویہ میں رضامندی کے ساتھ کمی بیشی ہو سکتی ہے (درمختار)

۱۴۔ دو منزلہ مکان ہے اس میں چند صورتیں ہیں پورا مکان یعنی دونوں منزلیں مشترک ہیں یا صرف نیچے کی منزل مشترک ہے یا صرف بالاخانہ مشترک ہے۔ اس کی تقسیم میں ہر ایک کی قیمت لگائی جائے اور قیمت کے لحاظ سے تقسیم ہوگی (درمختار)

بَابُ إِذَا اقْتَسَمَ الشُّرَكَاءُ الدُّوْرَ

باب جب شرکار گھر وغیرہ کی تقیم کریں تو

أَوْ غَيْرَهَا فَلَيْسَ لَهُمْ رُجُوْعٌ وَّلَا شُفْعَةٌ

انہیں رجوع کا حق رہتا ہے اور نہ شفعہ کا

۲۳۳۳۔ اس عنوان کے ماتحت امام نے وہی حدیث ذکر کی ہے جو کتاب الشفعہ میں گزر چکی ہے۔ دیکھئے فیوض پارہ ہشتم ص۲۶۳۔ حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ جب جائداد تقسیم ہو جائے اور اس کے الگ الگ راستے متعین ہو جائیں تو پھر شفعہ کا حق نہیں رہتا (بخاری)

۱۔ مطلب عنوان یہ ہے کہ جب شرکار نے مکان یا باغ یا زمین وغیرہ تقسیم کر لی تو اب رجوع نہیں کر سکتے۔ کیونکہ تقسیم عقدِ لازم ہے جس میں رجوع نہیں ہے۔

۲۔ دو شخصوں میں کوئی چیز مشترک تھی اُنھوں نے تقسیم کر لی اور قرعہ ڈال کر حصہ کا تعین کر لیا۔ اس کے بعد ایک شریک اس تقسیم پر نادم ہوا اور چاہتا یہ ہے کہ تقسیم ٹوٹ جائے یہ نہیں ہو سکتا کہ تقسیم مکمل ہو چکی۔ یونہی اگر ان دونوں نے کسی تیسرے شخص کو تقسیم کے لیے مقرر کیا اور اس نے انصاف کے ساتھ تقسیم کرکے قرعہ ڈالا تو جس کے نام جو حصہ قرعہ کے ذریعے متعین ہو چکا بس وہی اس کا مالک ہے (علمگیری) اسی طرح قاضی نے تقسیم کی ہو اور قرعہ ڈالا اور بعض کے نام نکل آئے تو کسی شریک کو انکار کی گنجائش نہیں۔

۳۔ واضح ہو کہ محض تقسیم کر دینے سے کوئی معین حصہ شرکار میں سے کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہوگا بلکہ اس کے لیے یہ ضرور ہے کہ قاضی نے معین کر دیا ہو کہ یہ فلاں کا ہے اور یہ فلاں کا یا یہ کہ ایک نے تقسیم کے بعد ایک حصہ پر قبضہ کر لیا تو یہ اس کا ہو گیا یا قرعہ کے ذریعہ سے حصص کا تعین ہو جاتے یا یہ کہ شرکار نے کسی کو وکیل کر دیا ہو کہ تقسیم کرکے ہر ایک کا حصہ مشخص کر دے اور اس نے مشخص کر دیا (علمگیری)

بَابُ الْإِشْتِرَاكِ فِي الذَّهَبِ

باب سونے، چاندی اور ان تمام چیزوں

وَالْفِضَّةِ وَمَا يَكُوْنُ فِيْهِ الصَّرْفُ

میں اشتراک جن میں بیع صرف ہوتی ہے۔

۲۳۳۴۔ قَالَ اَخْبَرَنِيْ سُلَيْمٰنُ بْنُ اَبِيْ

سلیمان بن ابی مسلم نے ابوالمنہال سے بیع صرف نقد

مُسْلِمٍ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا الْمِنْهَالِ عَنِ الصَّرْفِ يَدًا بِيَدٍ فَقَالَ اشْتَرَيْتُ اَنَا وَشَرِيكٌ لِّيْ شَيْئًا يَدًا بِيَدٍ وَّنَسِيئَةً فَجَآءَ نَا الْبَرَآءُ بْنُ عَازِبٍ فَسَأَلْنَاهُ فَقَالَ فَعَلْتُ اَنَا وَشَرِيكِيْ زَيْدُ بْنُ اَرْقَمَ وَسَأَلْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَالِكَ فَقَالَ مَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ فَخُذُوْهُ وَمَا كَانَ نَسِيئَةً فَذَرُوْهُ

کرنے کے متعلق پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے اور میرے ایک شریک نے کوئی چیز (سونے اور چاندی کی) خریدی، نقد بھی اور ادھار بھی۔ پھر ہمارے ہاں براء بن عازب رضی اللہ تعالےٰ عنہ تشریف لائے تو ہم نے ان سے اس کے متعلق پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اور میرے شریک زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے بھی یہ بیع کی تھی اور اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی پوچھا تھا تو آپ نے فرمایا کہ جو نقد ہو وہ تو لے لو لیکن جو اُدھار ہو اسے چھوڑ دو

فوائد و مسائل ۱۔علامہ عینی شارح بخاری نے لکھا ہے کہ چاندی اور سونے میں شرکت جائز ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں شریکوں کی طرف سے درہم ہوں یا دنانیر اور دونوں شریک اپنے اپنے درہموں کو یا اپنے اپنے دنانیر کو اس طرح ملادیں کہ ان میں تمیز باقی نہ رہے اور ہر شریک دوسرے کا قائم مقام ہو۔ پھر دونوں اس میں شرکت کریں تو یہ صورت بلاخلاف جائز ہے۔

۲۔اور اگر ایک کی طرف سے درہم ہوں اور دوسرے کی طرف سے دنانیر تو اس کے جواز میں اختلاف ہے۔امام مالک امام شافعی اور علماء کوفہ کے نزدیک یہ صورت جائز نہیں کیونکہ یہ بیع صرف اور شرکت ہے۔ لیکن سفیان ثوری کہتے ہیں کہ اگر ایسا کریں کہ ایک اپنے درہم اور دوسرا اپنے دینار کو ملا لیں گویا ان میں سے ہر ایک شریک نے اپنا نصف حصہ دوسرے کے نصف حصہ کے عوض فروخت کردیا اور اب اس میں شرکت کریں تو جائز ہے۔

یہ حدیث کتاب البیوع میں مع مفصّل تفہیم و ترجمانی کے گزرچکی ہے۔ ابومنہال اور ان کے شریک سونے چاندی کی بیع و شراء نقد اور اُدھار کرتے تھے۔ حدیث میں بتایا گیا کہ بیع صرف نقد جائز ہے اُدھار ناجائز ہے۔ بیع صرف کے مکمل احکام و مسائل کے لیے پارہ ہشتم ص ۱۹۱، ۱۹۸ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

بَابُ مُشَارَكَةِ الذِّمِّيِّ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِي الْمُزَارَعَةِ

باب مشرکین اور ذمیوں کے ساتھ مزارعت میں شرکت

۲۳۳۵۔عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اَعْطٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ الْيَهُوْدَ

حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے خیبر کی زمین یہود کو بٹائی پر دی تھی وہ اس میں

اَنْ يَّعْمَلُوْهَا وَيَزْرَعُوْهَا وَلَهُمْ شَطْرُ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا (بخاری)

جو تیں اور پیداوار کا نصف ان کو ملے گا۔

فوائد و مسائل ۱۔عنوان میں مشرکین سے مراد مستامن ہے جو دار الاسلام میں حکومت کی اجازت سے رہے اور مستامن ذمی کے حکم میں ہے یعنی مزارعۃ میں مسلم اور ذمی کی شرکت جائز ہے کیونکہ یہ شرکت اجارہ کی طرح ہے اور ذمی کو اُجرت پر رکھنا جائز ہے۔

۲۔زراعت کے علاوہ دیگر اشیاء میں ذمی و مسلم کے درمیان شرکت کو عطاء حسن بصری لیث، ثوری امام احمد و اسحاق و امام مالک ناجائز قرار دیتے ہیں۔ لیکن اگر صورت یہ ہو کہ مسلمان شریک کی موجودگی میں بیع و شراء کرے یا مسلمان خود خرید و فروخت کرے تو اس صورت کو امام مالک جائز کہتے ہیں۔ ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ذمی کبھی شراب کی تجارت کرتا ہے یا سودی لین دین کرنے لگتا ہے اور یہ مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے۔

کیا ذمی کافر کے ساتھ شرکت جائز ہے؟ اور امام اعظم ابو حنیفہ و محمد فرماتے ہیں۔ ذمی کے ساتھ شرکتِ مفاوضہ جائز نہیں اور امام ابو یوسف جائز قرار دیتے ہیں۔

۲۔اس حدیث سے واضح ہوا کہ اگر زمین یا درخت کا مالک اپنا حصہ متعین کر دے تو یہ جائز ہے اور باقی عامل کا ہوگا۔ جیسا کہ مالک اگر عامل کا حصہ متعین کر دے تو یہ بھی جائز ہے۔ کتاب المزارعۃ میں اس سلسلہ کے مسائل بڑی تفصیل سے بیان کر دیے ہیں ضرور ملاحظہ کیجیے۔ حدیث نمبر ۲۱۷۷ تا حدیث نمبر ۲۱۹۴

بَابُ قِسْمَةِ الْغَنَمِ وَالْعَدْلِ فِيْهَا

باب بکریوں کی تقسیم انصاف کے ساتھ

۲۲۳۶۔ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطَاهُ غَنَمًا يَقْسِمُهَا عَلٰى صَحَابَتِهٖ ضَحَايَا فَبَقِيَ عَتُوْدٌ فَذَكَرَهٗ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ضَحِّ بِهٖ اَنْتَ

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بکریاں دی تھیں کہ قربانی کے لیے انھیں صحابہ میں تقسیم کر دیں۔ ایک سال کا، بکری کا ایک بچہ بچ گیا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی تم قربانی کر لو۔

فوائد و مسائل ۱۔حضور علیہ السلام نے حضرت عقبہ کو ان بکریوں کو صحابہ میں تقسیم کرنے کے لیے وکیل بنایا تھا کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق تقسیم کر دیں۔ حضور نے کسی کا حصہ متعین نہیں فرمایا تھا۔ یہ صدقہ

نافلہ تھا۔ اس لیے اس تقسیم میں مساوات ضروری نہ تھی۔ کیونکہ تقسیم میں مساوات اس وقت ضروری ہوتی ہے۔ جب کہ اس چیز میں شرکاء کا حق ہو اور ان بکریوں میں کسی کا حق نہ تھا۔

نبی علیہ السلام نے بطور صدقہ نافلہ حضرت عقبہ کو تقسیم کے لیے وکیل بنایا تھا۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ عید اضحیٰ کی قربانی کے لیے بکری بکرے کی عمر پورے ایک سال ہونا ضروری ہے۔ یہ حدیث کتاب الوکالہ میں گزر چکی ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۲۱۵۴

۲۳۳۷۔ عَنْ زُهْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللهِ بْنِ هِشَامٍ وَّكَانَ قَدْ اَدْرَكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَهَبَتْ بِهٖ اُمُّهٗ زَيْنَبُ بِنْتُ حُمَيْدٍ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَارَسُوْلَ اللهِ بَايِعْهُ فَقَالَ هُوَ صَغِيْرٌ فَمَسَحَ رَاْسَهٗ وَدَعَالَهٗ وَعَنْ زُهْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ اَنَّهٗ كَانَ يَخْرُجُ بِهٖ جَدُّهٗ عَبْدُاللهِ بْنُ هِشَامٍ . اِلَى السُّوْقِ فَيَشْتَرِي الطَّعَامَ فَيَلْقَاهُ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ الزُّبَيْرِ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ اَشْرِكْنَا فَاِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ دَعَالَكَ بِالْبَرَكَةِ فَيُشْرِكُهُمْ فَرُبَّمَآ اَصَابَ الرَّاحِلَةَ كَمَا هِيَ فَيَبْعَثُ بِهَا اِلَى الْمَنْزِلِ

(بخاری)

زہرہ بن معبد اپنے دادا عبداللہ بن ہشام سے راوی، انہوں نے رسول کریم کا عہد پایا تھا۔ عبداللہ بن ہشام رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو ان کی والدہ زینب بنت حمید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر لائیں اور عرض کی یارسول اللہ اس کو بیعت فرما لیجئے۔ فرمایا یہ چھوٹا بچہ ہے۔ پھر ان کے سر پر حضور نے ہاتھ پھیرا اور ان کے لیے دُعا کی۔ ان کے پوتے زہرہ بن معبد کہتے ہیں کہ میرے دادا عبداللہ بن ہشام مجھے بازار لے جاتے اور وہاں غلّہ خریدتے تو ابن عمر و ابن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہم اُن سے ملتے اور کہتے ہمیں بھی شریک کر لو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے تمہارے لیے دعائے برکت کی ہے۔ وہ انہیں بھی شریک کر لیتے اور بسا اوقات ایک مسلم اونٹ نفع میں مل جاتا اور اُسے گھر بھیج دیا کرتے۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام بخاری نے شرکت، دعوات اور ابو داؤد نے خراج میں ذکر کیا ہے۔ ۲۔ بوجہ صغر سنی حضور علیہ السلام نے عبداللہ بن ہشام کو بیعت تو نہ فرمایا مگر ان کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ برکت کی دعا کی ۳۔ مستورات اپنے بچوں کو بحضور نبوی لاتی تھیں تاکہ حضور ان کے لیے برکت کی دعا فرمائیں اور جس کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دعا و برکت فرما دیتے تو صحابہ کرام یہ یقین کرتے تھے کہ ضرور برکت ہو گی۔ اس نوع کے ایک نہیں بہت واقعات سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں۔

آشْرِکْنَا کا مطلب یہ ہے کہ اپنے پیسہ میں ہمارا بھی پیسہ ملالو۔ پھر اس سے غلّہ وغیرہ خریدو جو نفع ہوگا وہ ہمارا تمہارا۔

بَابُ الشَّرِكَةِ فِي الطَّعَامِ وَغَيْرِهِ

باب غلّہ وغیرہ میں شرکت کے متعلق

وَيُذْكَرُ اَنَّ رَجُلًا سَاوَمَ شَيْئًا فَغَمَزَهٗ آخَرُ فَرَاَى عُمَرُ اَنَّ لَهٗ شَرِكَةً

ایک شخص دام ٹھہرا رہا ہے اور دوسرے نے اسے اشارہ کر دیا تو حضرت عمر نے اس اشارہ کو شرکت قرار دیا۔

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللهِ اِذَا قَالَ لِلرَّجُلِ اَشْرِكْنِيْ فَاِذَا سَكَتَ فَيَكُوْنُ شَرِيْكَهٗ بِالنِّصْفِ

ابو عبداللہ امام بخاری نے فرمایا۔ اگر کوئی شخص کسی سے یہ کہے کہ مجھے بھی شریک کر لو اور وہ خاموش رہے تو یہ شرکت نصف میں ہوگی۔

واضح ہو کہ شرکت میں ایجاب وقبول ضروری ہے۔ خواہ لفظوں سے ہو یا قرینہ سے جیسا کہ اثر حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے واضح ہوا۔

بَابُ الشَّرِكَةِ فِي الرَّقِيْقِ

باب غلام میں شرکت

۲۳۳۸۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَعْتَقَ شِرْكًا لَّهٗ فِيْ مَمْلُوْكٍ وَّجَبَ عَلَيْهِ اَنْ يُّعْتَقَ كُلُّهٗ اِنْ كَانَ لَهٗ مَالٌ قَدْرَ ثَمَنِهٖ يُقَامُ قِيْمَةَ عَدْلٍ وَّيُعْطٰى شُرَكَآؤُهٗ حِصَّتَهُمْ وَيُخَلّٰى سَبِيْلُ الْمُعْتَقِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے کسی (مشترک) غلام کا اپنا حصہ آزاد کر دیا تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اگر غلام کی منصفانہ قیمت کے برابر اس کے پاس مال ہے تو پورا غلام آزاد کر دے۔ اس طرح دوسرے شرکاء کو ان کے حصے کے مطابق دے دیا جائے اور آزاد شدہ غلام کی راہ صاف کر دی جائے۔

۲۳۳۹۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَعْتَقَ شِقْصًا لَّهٗ فِيْ عَبْدٍ اُعْتِقَ كُلُّهٗ اِنْ كَانَ لَهٗ مَالٌ وَّاِلَّا يُسْتَسْعٰى غَيْرَ مَشْقُوْقٍ عَلَيْهِ

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے کسی غلام کا ایک حصہ آزاد کر دیا تو اگر اس کے پاس مال ہے تو پورا غلام آزاد کر دیا جائے گا۔ اور اگر مال نہیں ہے تو غلام سے کہا

جائے گا کہ بقیہ حصہ محنت مزدوری کر کے ادا کرے مگر اس سلسلہ میں اسے تکلیف میں نہیں ڈالا جائیگا۔

فوائد و مسائل اس مضمون کی احادیث باب تقویم الاشیاء بین الشرکاء بقیمۃ عدل میں گزر چکی ہیں وہاں ہم نے اس سلسلہ کے مختصر مسائل بھی بیان کر دیے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے حدیث نمبر ۲۲۲۸، ۲۲۲۹

بَابُ الْاِشْتِرَاكِ فِي الْهَدْيِ وَالْبُدْنِ

باب قربانی کے جانوروں اور اونٹوں میں شرکت

وَاِذَا اَشْرَكَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِيْ هَدْيِهٖ بَعْدَ مَا اَهْدٰى

اور جب کسی نے قربانی کا جانور بھیجنے کے بعد اس میں کسی کو شریک کر لیا۔

۲۳۴۰۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چوتھی ذی الحجہ کی صبح کو تلبیہ کہتے ہوئے جس کے ساتھ کوئی اور چیز (عمرہ) کی نیت آپ نے نہ کی تھی (مکہ میں) داخل ہوئے۔ جب ہم پہنچے تو آنحضور کے حکم سے ہم نے اپنے حج کو عمرہ میں تبدیل کر لیا اور یہ کہ (عمرہ کے افعال ادا کرنے کے بعد حج کے احرام تک) ہماری بیویاں ہمارے لیے حلال رہیں گی۔ اس پر لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ حضرت جابر نے کہا کیا ہم منیٰ اس حال میں جائیں کہ ہماری خواہشِ نفسانی زوروں پر ہو۔ اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ میں تم میں سے سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہوں۔ اگر میرے ساتھ قربانی کے جانور نہ ہوتے تو میں بھی حلال ہو جاتا۔ اس پر سراقہ بن مالک بن جعشم کھڑے ہوئے اور کہا یا رسول اللہ! کیا یہ حکم (حج کے ایام میں عمرہ) خاص ہمارے ہی لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے؟ آنحضور نے فرمایا کہ نہیں ہمیشہ کے لیے ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (یمن سے) آئے۔ جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ علی رضی اللہ عنہ نے کہا۔ لبیک بما اَہَلَّ بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ (علی رضی اللہ عنہ نے یوں کہا تھا) بحجۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

فَاَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّقِيْمَ عَلٰى اِحْرَامِهٖ وَاَشْرَكَهٗ فِي الْهَدْيِ (بخاری)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا کہ وہ اپنے احرام پر قائم رہیں (جیسے انھوں نے باندھا ہے) اور انھیں اپنی قربانی میں شریک کر لیا۔

یہ حدیث کتاب الحج فیوض پارہ ششم میں گزر چکی ہے۔ عنوان کے مطابق اس حدیث میں اشرکہ فی الھدی کے الفاظ ہیں۔

بَاب مَنْ عَدَلَ عَشْرًا مِّنَ الْغَنَمِ

باب ایک اونٹ کے برابر دس بکریاں

بِجَزُوْرٍ فِي الْقَسْمِ | تقسیم کرنا۔

۲۳۴۱۔ اس عنوان کے ماتحت امام بخاری نے حدیث رافع بن خدیج ذکر کی ہے۔ ضرور ملاحظہ کیجیے۔ حدیث نمبر ۲۳۲۲ وہاں ہم نے اس حدیث کے تمام مسائل بڑی تفصیل سے بیان کر دیے ہیں۔ اس حدیث میں ثم عدل عشرا من الغنم بجزور کے الفاظ عنوان کے مطابق ہیں۔ واضح ہو کر جانور مثلی نہیں بلکہ قیمی ہے۔ اس زمانہ میں چونکہ ایک اونٹ کی قیمت میں دس بکریاں آجاتی تھیں اس لیے نبی علیہ السلام نے ایک اونٹ کے عوض دس بکریاں تقسیم فرمائیں۔

كِتَابُ الرَّهْنِ

کتاب رہن کے بیان میں

رہن کا جواز کتاب وسنت سے ثابت اور اس کے جائز ہونے پر اجماع منعقد قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ | اور اگر تم سفر میں ہو (اور لین دین کرو) اور کاتب نہ پاؤ (کہ وہ دستاویز لکھے) تو گروی رکھنا ہے جس پر قبضہ ہو جائے۔

اس آیت میں سفر میں گروی رکھنے کا ذکر اتفاقی ہے کیونکہ بحالت سفر رہن رکھنے کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے ورنہ سفر وحضر میں رہن رکھنا جائز ہے۔

بَابُ مَنْ رَهَنَ دِرْعَهُ

باب زرہ رہن رکھنا

۲۳۴۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جو کے مقابل میں اپنی زرہ گرو رکھ دی تھی اور میں بحضور نبوی پرانی چربی لے کر حاضر ہوا اور حضور نے فرمایا۔ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی صبح اور شام ایسی نہیں گزری کہ ایک صاع سے زیادہ کچھ اور رہا ہو۔ حالانکہ حضور کے نو گھر تھے۔ (بخاری)

۲۳۴۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک یہودی سے غلہ ایک معین مدت پر ادھار خریدا تھا اور اپنی زرہ اس کے پاس رہن رکھی (بخاری)

واضح ہو اس مضمون کی احادیث فیوض پارہ ہشتم ص ۴۴/۴۵، ص ۴۶ پر باب شراء النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں گزر چکی ہیں۔ ہم نے وہاں بڑی تفصیل سے ان احادیث کے احکام ومسائل، رہن کے لغوی وشرعی معنیٰ، رہن کے کچھ ضروری مسائل اور نبی علیہ السلام نے جو زرہ گروی رکھی اس کا حال واحوال تفصیل کے ساتھ

بیان کر دیے ہیں ضرور ملاحظہ کیجئے ۲

۲۔ امام بخاری نے ان احادیث کو ذکر کرکے یہ واضح کیا ہے کہ رہن رکھنا جائز ہے اور یہ کہ رہن جیسے بحالتِ سفر جائز ہے حضر میں بھی جائز ہے بلکہ بضرورت رہن رکھنا سنّت ہے نیز بضرورت ہتھیار وغیرہ کافر کے ہاتھ رہن رکھنا جائز ہے۔

رہن کے بعض ضروری احکام و مسائل

۱۔ لغت میں رہن کے معنی روکنا ہیں۔ اس کا سبب کچھ بھی ہو اور اصطلاحِ شرح میں دوسرے کے مال کو اپنے حق میں اس لیے روکنا کہ اس کے ذریعہ سے اپنے حق کو کُلاً یا جزءً وصول کرنا ممکن ہو مثلاً کسی کے ذمہ اس کا دین ہے۔ اس مدیون نے اپنی کوئی چیز دائن کے پاس اس لیے رکھ دی ہے کہ اس کو اپنے دین کی وصول پانے کے لیے ذریعہ بنے۔ رہن کو اُردو زبان میں گروی رکھنا کہتے ہیں۔

۲۔ چیز کے رکھنے والے کو راہن۔ راہن مدیون ہوتا ہے یعنی مقروض

۳۔ جس کے پاس چیز رکھی جائے اسے مرتہن۔ یہ دائن ہوتا ہے یعنی قرض دینے والا۔

۴۔ جو چیز رہن رکھی جائے اسے مرہون۔ جیسے دکان و مکان وغیرہ

۵۔ رہن میں دائن اور مدیون دونوں کا فائدہ ہے۔ بعض اوقات بغیر رہن رکھے کوئی قرض واپس نہیں کرتا۔ مدیون کا بھلا یوں ہوا کہ دین مل گیا اور دائن کا بھلا ظاہر ہے کہ اس کو اطمینان ہوتا ہے کہ اب میرا روپیہ مارا نہ جائے گا۔ (ہدایہ، عنایہ)

۶۔ عقدِ رہن ایجاب و قبول سے منعقد ہوتا ہے۔ مثلاً مدیون نے یوں کہا کہ تمہارا جو کچھ میرے ذمہ ہے اس کے مقابلہ میں یہ چیز تمہارے پاس رہن رکھی یا یہ کہے اس چیز کو رہن رکھ لو۔ دوسرا کہے میں نے قبول کیا۔ نیز بعینہٖ لفظ رہن بولنا ضروری نہیں ہے۔ ہر وہ لفظ جس سے رہن کے معنیٰ سمجھے جائیں عقدِ رہن کے لیے کافی ہیں۔ (عالمگیری ہدایہ ردالمحتار)

۷۔ ایجاب و قبول سے عقد رہن ہوجاتا ہے مگر لازم نہیں ہوتا جب تک مرتہن شے مرہون پر قبضہ نہ کر لے لہذا قبضہ سے پہلے راہن کو اختیار رہتا ہے کہ چیز دے یا نہ دے اور جب مرتہن نے قبضہ کر لیا تو پکا معاملہ ہوگیا۔ اب راہن کو بغیر اس کا حق ادا کیے چیز واپس لینے کا حق نہیں رہتا (ہدایہ) مگر عنایہ میں فرمایا کہ یہ عامہ کتب کے مخالف ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح یہ ہے کہ بغیر قبضہ رہن جائز ہی نہیں۔ امام حاکم شہید نے کافی میں اور امام جعفر طحاوی و امام کرخی نے اپنے اپنے مختصر میں اسی کی تصریح کی اور درمختار میں مجتبےٰ سے ہے کہ قبضہ شرطِ جواز ہے نہ کہ شرطِ لزوم۔

۸- قبضہ کے لیے اجازتِ راہن ضروری ہے۔ صراحۃً قبضہ کی اجازت دے یا دلالۃً دونوں صورتوں میں قبضہ ہو جائے گا۔ اسی مجلس میں قبضہ ہو جس میں ایجاب و قبول ہوا ہے یا بعد میں خود قبضہ کرے یا اس کا نائب قبضہ کرے سب صحیح ہے (ردالمحتار)

۹- مرہون شے پر قبضہ اس طرح ہو کہ وہ اکٹھی ہو متفرق نہ ہو مثلاً درخت پر پھل ہیں یا کھیت میں زراعت ہے۔ صرف پھلوں یا زراعت کو رہن رکھا درخت اور کھیت کو نہیں رکھا۔ یہ قبضہ صحیح نہیں اور یہ بھی ضروری ہے کہ مرہون شے حقِ راہن کے ساتھ مشغول نہ ہو۔ مثلاً درخت پر پھل ہیں اور صرف درخت کو رہن رکھا اور یہ بھی ضرور ہے کہ متمیز ہو یعنی مشاع نہ ہو (درمختار)

۱۰- ایسی چیز رہن رکھی جو دوسری چیز کے ساتھ متصل ہو، مثلاً درخت میں پھل لگے ہیں صرف پھلوں کو رہن رکھا اور مرتہن نے جدا کر کے مثلاً پھلوں کو توڑ کر قبضہ کر لیا۔ اگر یہ قبضہ بغیر اجازت راہن ہے تو ناجائز ہے اور اگر اجازتِ راہن سے ہے تو جائز ہے (عالمگیری)

۱۱- رہن کے شرائط حسب ذیل ہیں ۱- راہن و مرتہن عاقل ہوں یعنی ناسمجھ بچہ اور مجنون کا رہن رکھنا صحیح نہیں۔ بلوغ اس کے لیے شرط نہیں۔ نابالغ بچہ جو عاقل ہو اس کا رہن رکھنا صحیح ہے۔ رہن کسی شرط پر معلق نہ ہو نہ اس کی اضافت وقت کی طرف ہو۔ جس چیز کو رہن رکھا وہ قابلِ بیع ہو یعنی وقتِ عقد موجود، مالِ متقوم مملوک اور مقدور التسلیم ہو اس لیے درخت میں جو پھل اس سال آئیں گے یا بکریوں کے اس سال جو بچے پیدا ہوں گے یا اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے ان سب کا رہن نہیں ہو سکتا۔ مُردار اور خون کو رہن نہیں رکھ سکتے۔

۱۲- دائن نے مدیون سے اپنے دین کے مقابل جب کوئی چیز رہن رکھ لی تو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اب وہ دین کا مطالبہ ہی نہیں کر سکتا خاموش بیٹھا رہے بلکہ اب بھی مطالبہ کر سکتا ہے۔ قاضی کے پاس دین کا دعوےٰ کر سکتا ہے۔ اور قاضی کو اگر ثابت ہو جائے کہ مدیون ادائے دین میں ڈھیل ڈال رہا ہے تو اسے قید بھی کر سکتا ہے کہ ایسے کی سزا یہی ہے (ہدایہ)

۱۳- مرہون چیز مرتہن کے ضمان میں ہوتی ہے یعنی مرہون کی مالیت اس کے ضمان میں ہے اور خود شیِ مرہون وہ بطور امانت ہے۔ لہٰذا مرہون کا نفقہ راہن کے ذمہ ہے۔ مرتہن کے ذمہ نہیں۔ (ہدایہ ردالمحتار)

۱۴- مرہون شی جب تک مرتہن کے قبضہ میں ہے راہن اسے فروخت نہیں کر سکتا۔ مرتہن جب تک پورا قرض وصول نہ کر لے اس کو اختیار ہے کہ فروخت نہ کرنے دے۔ (ہدایہ)

۱۵- جیسے مرہون سے مرتہن نفع نہیں اٹھا سکتا اسی طرح راہن کو بھی اس سے نفع اٹھانا منع ہے۔

ہاں اگر مرتہن اجازت دیدے تو پھر راہن کو مرہون سے نفع اٹھانا جائز ہے۔ (درمختار)

۱۶- مرتہن کے پاس اگر مرہون ہلاک ہوجائے تو دین اور اس کی قیمت میں جو کم ہے اس کے مقابلہ میں ہلاک ہوگا۔ مثلاً سو روپے دین ہیں اور مرہون کی قیمت دو سو روپے ہے تو سو کے مقابل میں ہلاک ہوا یعنی اس کا دین ساقط ہوگیا اور مرتہن راہن کو کچھ نہیں دے گا اور اگر صورتِ مفروضہ میں مرہون کی قیمت پچاس روپے ہے تو دین میں سے پچاس ساقط ہوگئے اور پچاس باقی ہیں اور اگر دونوں برابر ہیں تو نہ لینا ہے نہ دینا (درمختار)

۱۷- راہن یا مرتہن کے مرنے سے رہن باطل نہیں ہوتا بلکہ دونوں مرجائیں۔ جب بھی باطل نہ ہوگا بلکہ ورثہ قائم مقام ہوں گے (درمختار) اسی طرح مرہون میں جو کچھ زیادتی ہوئی۔ مثلاً جانور تھا اس کے بچہ پیدا ہوا۔ بھیڑ دنبہ کی اُون، درخت کے پھل، جانور کا دودھ، یہ سب چیزیں راہن کی ملک ہیں اور رہن میں داخل ہیں یعنی راہن ان چیزوں کو جب تک قرض ادا نہ کرے مرتہن سے نہیں لے سکتا۔ پھر اگر یہ چیزیں فکِ رہن تک باقی رہ جائیں تو قرض کو اصل اور اس زیادتی کی قیمت پر تقسیم کیا جائیگا اور اگر فکِ رہن سے قبل یہ چیزیں ہلاک ہوجائیں تو ان کے مقابل قرض ساقط نہیں ہوگا (درمختار و ردالمحتار) مرتہن نے اگر مرہون میں کوئی ایسا فعل کیا جس کی وجہ سے وہ چیز ہلاک ہوگئی یا اس میں نقصان پیدا ہوگیا تو ضامن ہے یعنی اس کا تاوان دینا ہوگا۔

۱۸- مرتہن کے ذمہ مرہون کی حفاظت لازم ہے لہٰذا شئے مرہون کی صرف حفاظت کے لیے جو اخراجات ہوں وہ مرتہن کے ذمہ ہے اور شئ مرہون اگر جانور ہے تو اس کے کھانے پینے کا خرچہ، باغ رہن ہے تو درختوں کو پانی دینے وغیرہ امور کے اخراجات زمین پر اگر کوئی ٹیکس ہے وہ سب راہن کے ذمہ ہوں گے۔ (ہدایہ)

۱۹- ایک شخص سے روپیہ قرض لیا اور اسے اپنا مکان رہنے کو دیدیا کہ جب تک قرض ادا نہ کردوں تم اس میں رہو یا کھیت اس طرح دیا مثلاً سو روپے قرض لے کر کھیت دے دیا کہ قرض دینے والا کھیت جوتے بوئے گا اور نفع اٹھائے گا۔ یہ صورت رہن میں داخل نہیں بلکہ یہ بمنزلہ اجارۂ فاسدہ ہے۔ اس شخص پر اُجرت مثل لازم ہے کیونکہ مکان یا کھیت اسے مفت نہیں دے رہا ہے بلکہ قرض کی وجہ سے دے رہا ہے اور چونکہ قرض سے انتفاع حرام ہے۔ لہٰذا اُجرت مثل دینی ہوگی۔ (ردالمحتار)

۲۰- بعض لوگ قرض لے کر مکان یا کھیت رہن رکھ دیتے ہیں کہ مرتہن مکان میں رہے اور کھیت کو جوتے بوئے اور مکان یا کھیت کی کچھ اُجرت مقرر کردیتے ہیں مثلاً مکان کا کرایہ دو سو روپے ماہوار یا کھیت کا پٹہ ایک سو روپے سال ہونا چاہیئے اور طے یہ پاتا ہے کہ یہ رقم زرِ قرض سے مجرا ہوتی رہے گی۔ جب کل رقم ادا ہوجائے گی۔ اس وقت مکان یا کھیت واپس ہوجائے گا۔ اس صورت میں بظاہر کوئی قباحت نہیں معلوم

ہوتی اگرچہ کرایہ یا پٹہ واجبی اُجرت سے کم طے پایا ہو اور یہ صورت اجارہ میں داخل ہے یعنی اتنے زمانہ کے لیے مکان یا کھیت اُجرت پر دیا اور زرِ اُجرت پیشگی لے لیا۔

۲۱- مرتہن کو مرہون چیز سے کسی قسم کا نفع اُٹھانا جائز نہیں ہے۔ مثلاً مکان ہو اس میں رہنا یا اس کو کرایہ پر دینا۔ زیور کپڑا یا سائیکل موٹر وغیرہ کوئی چیز ہے تو اسے استعمال کرنا یا کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے۔

اگر راہن نے مرتہن کو مرہون سے نفع اُٹھانے کی اجازت دیدی ہے تو کیا نفع اٹھانا جائز ہے؟

۲۲- واضح ہو کہ اگر راہن نے مرتہن کو مرہون سے نفع اٹھانے کی اجازت دیدی ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اگر یہ اجازت رہن میں شرط ہے یعنی قرض ہی اس طرح دیا ہے کہ وہ اپنی چیز اس کے پاس رہن رکھے اور یہ اس سے نفع اٹھائے جیسا کہ عموماً آج کل مکان یا زمین اسی طور پر رہن رکھتے ہیں۔ یہ ناجائز اور سود ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ شرط نہ ہو یعنی عقد رہن ہو جانے کے بعد راہن نے اجازت دی ہے کہ مرتہن نفع اٹھائے یہ صورت جائز ہے۔ اصل حکم یہی ہے۔

بَابُ رَهْنِ السِّلَاحِ

باب ہتھیار رہن رکھنا

۲۳۴۴- قَالَ عَمْرٌو وَسَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ فَاِنَّهٗ اٰذَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ اَنَا فَاَتَاهُ فَقَالَ اَرَدْنَا اَنْ تُسْلِفَنَا وَسْقًا اَوْ وَسْقَيْنِ فَقَالَ ارْهَنُوْنِيْ نِسَاۗءَكُمْ قَالُوْا كَيْفَ نَرْهَنُكَ نِسَاۗءَنَا وَاَنْتَ اَجْمَلُ الْعَرَبِ قَالَ فَارْهَنُوْنِيْ اَبْنَاۗءَكُمْ قَالُوْا كَيْفَ نَرْهَنُ اَبْنَاۗءَنَا فَيُسَبُّ اَحَدُهُمْ فَيُقَالُ رُهِنَ بِوَسْقٍ اَوْ وَسْقَيْنِ هٰذَا عَارٌ عَلَيْنَا وَلٰكِنَّا نَرْهَنُكَ اللَّاْمَةَ

عمرو نے کہا کہ میں نے جابر بن عبد اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کعب بن اشرف (یہودی اور اسلام کا شدید ترین دشمن) کا کام کون تمام کرے گا کہ اس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائی ہے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ میں (یہ کام انجام دوں گا) چنانچہ وہ اس کے ہاں گئے اور کہا کہ ایک یا دو وسق غلہ قرض لینے کے ارادے سے آیا ہوں۔ کعب نے کہا۔ لیکن تمہیں اپنی بیویوں کو میرے پاس رہن رکھنا ہوگا۔ انھوں نے کہا کہ ہم اپنی بیویوں کو تمہارے پاس کس طرح رہن رکھ سکتے ہیں۔ جب کہ تم عرب کے خوبصورت ترین اشخاص میں سے ہو۔ اس نے کہا پھر اپنی اولاد رہن رکھ دو۔ انھوں نے کہا۔

قَالَ سُفْيَانُ يَعْنِي السِّلَاحَ فَوَعَدَهُ اَنْ يَّأْتِيَهُ، فَقَتَلُوْهُ ثُمَّ اَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرُوْهُ

کہ ہم اپنی اولاد کس طرح رہن رکھ سکتے ہیں۔ اسی پر انھیں طعنہ دیا جایا کرے گا کہ ایک یا دو وسق کے لیے رہن رکھ دیئے گئے تھے۔ یہ تو ہمارے لیے بڑی شرم کی بات ہے۔ البتہ ہم "لامہ" تمہارے یہاں رہن رکھ سکتے ہیں۔ سفیان نے فرمایا کہ مراد اس سے "ہتھیار" ہیں۔ پھر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اس سے دوبارہ ملنے کا وعدہ کرکے (چلے آئے اور رات میں اس کے یہاں پہنچ کر) اسے قتل کر دیا۔ پھر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اطلاع دی۔

فوائد و مسائل اس حدیث میں نرھنك اللامہ کے الفاظ عنوان کے مطابق ہو سکتے ہیں۔ معلوم ہوا وہ چیز جو مال ہو رہن رکھ سکتے ہیں۔

قتل کعب بن اشرف، ربیع الاول ۳ھ یہودیوں میں کعب بن اشرف ایک مشہور شاعر تھا۔ اس کے باپ اشرف نے جو قبیلہ طے سے تھا، مدینہ میں بنو نضیر کا حلیف ہو کر اس قدر عزت اور اعتبار پیدا کیا کہ ابورافع بن الحقیق جو یہود کے مقتدار اور تاجر الحجاز جس کا خطاب تھا اس کی لڑکی سے شادی کی۔ کعب اس کے بطن سے پیدا ہوا۔ اس دو طرفہ رشتہ داری کی بنا پر کعب یہود اور عرب سے برابر کا تعلق رکھتا تھا اور شاعری کی وجہ سے قوم پر اس کا عام اثر تھا۔ رفتہ رفتہ دولت مندی کی وجہ سے تمام یہودیانِ عرب کا رئیس بن گیا۔ یہودی علماء اور پیشوایانِ مذہب کی تنخواہیں مقرر کیں۔ حضور سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے اور علمائے یہود اس سے ماہواریں لینے آئے تو اس نے ان لوگوں سے حضور علیہ السلام کے متعلق رائے دریافت کی۔ اور جب اپنا ہم خیال بنا لیا تب اُن کے مقررہ روزینہ جاری کئے۔ اس کو اسلام سے سخت عداوت تھی۔ بدر کی لڑائی میں سردارانِ قریش مارے گئے تو اس کو نہایت صدمہ ہوا۔ تعزیت کے لیے مکہ گیا۔ کشتگانِ بدر کے پُر درد مرثیے جن میں انتقام کی ترغیب تھی لوگوں کو جمع کرکے درد کے ساتھ شعر پڑھتا روتا رُلاتا تھا۔ یہی وہ بدبخت ہے جو مکہ میں چالیس آدمی لے کر گیا اور ابوسفیان کو بدر کا انتقام لینے پر اکسایا۔ حتیٰ کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو دھوکہ سے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کون ہے جو اس دشمنِ اسلام کو قتل کر دے چنانچہ ربیع الاول ۳ھ میں حضرت محمد بن مسلمہ نے کعب بن اشرف کو قتل کر دیا۔ اس حدیث میں اسی واقعہ کا ذکر ہے ۲۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ بضرورت ہتھیار وغیرہ کافر کے پاس رہن رکھنا جائز ہے۔ تفصیل کے لیے پارہ ہشتم ص۴۴ تا ۴۶

ضرور ملاحظہ کریں۔

بَابُ الرَّهْنُ مَرْكُوبٌ وَمَحْلُوبٌ

باب رہن پر سوار ہوا جائے گا اور اس کا دودھ دوہا جائے گا

یہ عنوان بعینہٖ حدیث کے الفاظ ہیں جسے حاکم نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا۔

اَلرَّهْنُ مَرْكُوبٌ وَمَحْلُوبٌ

کہ رہن پر سواری کی جائے گی اور اس کا دودھ نکالا جائے گا۔

یعنی اگر شے مرہون قابلِ سواری ہو اس پر سواری کی جائے گی اور جانور دودھ دینے والا ہے تو اس کا دودھ نکالا جائے گا ـــــــ امام حاکم فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند علی شرط الشیخین ہے۔

وَقَالَ مُغِيْرَةُ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ تُرْكَبُ الضَّالَّةُ بِقَدْرِ عَلَفِهَا وَتُحْلَبُ بِقَدْرِ عَلَفِهَا وَالرَّهْنُ مِثْلُهُ

مغیرہ نے بیان کیا اور ان سے ابراہیم نے کہ گم شدہ جانور پر (اگر کسی کو مل جائے تو) اس پر چارہ دینے کے بدلے سوار بھی ہوا جا سکتا ہے (اگر وہ سواری کا جانور ہے) اور چارے کے مطابق اس کا دودھ بھی دوہا جا سکتا ہے (اگر وہ دودھ دینے کے قابل جانور ہے) یہی حال رہن کا بھی ہے۔

۲۳۴۵- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّهْنُ يُرْكَبُ بِنَفَقَتِهٖ اِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا وَلَبَنُ الدَّرِّ يُشْرَبُ بِنَفَقَتِهٖ اِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا وَعَلَى الَّذِيْ يَرْكَبُ وَيَشْرَبُ النَّفَقَةُ

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جانور جب مرہون ہو تو اس پر خرچ کے عوض سوار ہو سکتے ہیں اور دودھ والے جانور کا دودھ بھی نفقہ کے عوض میں پیا جائے گا اور سوار ہونے والے اور دودھ پینے کا خرچہ سوار ہونے والے اور پینے والے پر ہے۔

۲۳۴۶- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ الرَّهْنُ يُرْكَبُ بِنَفَقَتِهٖ وَيُشْرَبُ لَبَنُ الدَّرِّ اِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رہن پر خرچ کرنے کے بدلے ہیں، اس پر سوار بھی ہوا جا سکتا ہے اور اگر دودھ دینے والا ہو تو اس کا دودھ بھی پیا جا سکتا ہے۔

فوائد و مسائل ۱۔ اس حدیث کو امام بخاری نے رہن اور ابوداؤد نے بیوع اور ابن ماجہ نے احکام میں ذکر کیا ہے۔ سیدنا امام نخعی و امام شافعی و ترمذی نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ راہن کو مرہون سے نفع اٹھانا جائز ہے یعنی اگر مرہون جانور ہے تو اس کے کھانے پینے پر جو خرچ ہوگا۔ اس کے عوض وہ اس جانور پر سواری کر سکتا ہے اور دودھ والا ہے تو اس کا دودھ نکال سکتا ہے۔

۲۔ امام ثوری و امام ابوحنیفہ و ابویوسف و امام مالک و احمد کی رائے یہ ہے کہ راہن کو مرہون سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ بات حکم رہن کے منافی ہے۔ وَھُوَ الحبس الدائم فلا یملکہ یعنی مالِ مرہون کا مرتہن کے قبضہ میں ہمیشہ رہنا ضروری ہے۔

۳۔ امام طحاوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے۔ مرہون کا نفقہ یعنی اگر جانور ہے تو اس کے کھانے پینے کے اخراجات راہن کے ذمہ ہیں اور مرتہن کو رہن شدہ چیز سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ قرض کے عوض کسی چیز کو اپنے پاس رہن رکھ رہا ہے تو اگر مرتہن مرہون سے نفع اٹھاتا ہے تو یہ قرض پر نفع لینا ہے جو سود ہے اور یہ ناجائز ہے۔ سیدنا امام شافعی نے حدیث سے جو یہ استدلال فرمایا کہ راہن شئے مرہون سے نفع اٹھا سکتا ہے۔ یہ اس لیے بھی درست نہیں ہے کہ حدیث مجمل ہے۔ اس میں نہ راہن کا ذکر ہے نہ مرتہن کا اور کسی ایک کو ترجیح دینے کے لیے دلیلِ شرعی کی ضرورت ہے۔ نیز قرآنِ مجید میں ہے فرھان مقبوضہ (یعنی رہن رکھنا ہے جس پر قبضہ ہو جائے) تو اگر راہن کے لیے نفع حاصل کرنے کی اجازت کا قول کیا جائے (مثلاً گھوڑا رہن ہو اور راہن اس پر سوار ہو گیا) تو اب مرہون معبوضہ کہاں رہا۔ اس لیے مرہون سے نہ راہن کو نفع اٹھانا جائز ہے اور نہ مرتہن کو۔

بَابُ الرَّھْنِ عِنْدَ الْیَھُوْدِ وَغَیْرِھِمْ

باب یہود وغیرہ کے پاس رہن رکھنا

۲۳۴۷۔ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتِ اشْتَرٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ یَھُوْدِیٍّ طَعَامًا وَّرَھَنَہٗ دِرْعَہٗ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے غلہ خریدا اور اپنی زرہ اس کے پاس رہن رکھی

فوائد و مسائل اس حدیث سے واضح ہوا بوقت ضرورت کافر کے پاس بھی اپنی کوئی چیز رہن رکھ دینا جائز ہے اگرچہ وہ ہتھیار وغیرہ ہوں۔

بَابُ اِذَا اخْتَلَفَ الرَّاھِنُ وَالْمُرْتَھِنُ

باب راہن اور مرتہن کا اگر اختلاف ہو جائے، یا

وَنَحْوُہٗ فَالْبَیِّنَۃُ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَالْیَمِیْنُ عَلَی الْمُدَّعٰی عَلَیْہِ

اسی جیسے (کسی دوسرے معاملے میں اختلاف کی صورت پیدا ہو جائے) تو گواہی پیش کرنا مدعی کی ذمہ داری ہے ورنہ مدعیٰ علیہ سے قسم لی جائے گی۔

۲۳۴۸ - عَنِ ابْنِ اَبِیْ مُلَیْکَۃَ قَالَ کَتَبْتُ اِلَی ابْنِ عَبَّاسٍ فَکَتَبَ اِلَیَّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَضٰی اَنَّ الْیَمِیْنَ عَلَی الْمُدَّعٰی عَلَیْہِ

ابن ابی ملیکہ نے بیان کیا کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں (مسئلہ دریافت کرنے کے لیے) لکھا تو انھوں نے جواب میں تحریر فرمایا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا تھا کہ مدعیٰ علیہ سے صرف قسم لی جائے گی (اگر مدعی گواہ نہ پیش کر سکا)

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام بخاری نے شہادات اور تفسیر مسلم و ترمذی اور ابن ماجہ نے احکام ابو داؤد نے قضایا اور نسائی نے قضا میں ذکر کیا ہے۔

۱- ضابطہ یہ ہے کہ مدعی اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ پیش کرے۔ اگر پیش نہ کر سکے تو پھر مدعیٰ علیہ پر قسم ہے۔ راہن اور مرتہن کا قرض کی رقم کے متعلق اختلاف ہوا۔ مثلاً راہن کہتا ہے ایک ہزار روپے قرض پر رہن رکھا گیا تھا۔ مرتہن کہتا ہے کہ دو ہزار تو امام اعظم ابوحنیفہ، ثوری، امام شافعی، احمد، اسحٰق و ابوثور کہتے ہیں کہ راہن کو قول تسلیم کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ قرض کی رقم میں زیادتی کا منکر ہے لہٰذا مدعیٰ علیہ ہے اس سے قسم لی جائے گی اور مرتہن کے ذمہ جو کہ مدعی ہے گواہ پیش کرنے ہیں۔

۲۳۴۹ - اس کے بعد امام بخاری نے حدیث عبد اللہ بن مسعود لکھی ہے جو کہ باب الخصومۃ فی البئر میں گزر چکی ہے۔ دیکھیے حدیث نمبر ۲۲۰۳ - اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ میرا یہودی سے کنویں کے متعلق جھگڑا ہوا۔ مقدمہ بحضور نبوی پیش ہوا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا تم مدعی ہو گواہ پیش کرو ورنہ مدعیٰ علیہ سے قسم لے کر فیصلہ کر دیا جائیگا۔ انھوں نے عرض کی یہ تو جھوٹی قسم کھائے گا اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

مَنْ حَلَفَ عَلٰی یَمِیْنٍ یَسْتَحِقُّ بِھَا مَالًا ھُوَ فِیْھَا فَاجِرٌ لَقِیَ اللّٰہَ وَھُوَ عَلَیْہِ غَضْبَانُ الخ (بخاری)

جو شخص کسی کا مال مارنے کے لیے جھوٹی قسم کھائے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالےٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالےٰ اس پر ناراض ہوگا

اس حدیث میں جھوٹی قسم کھا کر کسی کے مال کو حاصل کرنے والے کے لیے وعیدِ شدید ہے کہ ایسا شخص قیامت کے دن رحمتِ الٰہی سے محروم ہوگا۔

بَاب فِی الْعِتْقِ وَفَضْلِهٖ

باب غلام آزاد کرنے کی فضیلت

وَقَوْلِهٖ تَعَالٰى فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعَامٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ | اللہ تعالیٰ کا ارشاد کسی بندے کی گردن چھڑانا یا رشتہ دار یتیم کو بھوک کے دن کھانا دینا۔ فک کے معنیٰ کسی کو غلامی سے نجات دلانا یا کسی غلام کو آزاد کرنا یا اتنا مال دیدے کہ وہ اپنے مالک کو دے کر آزادی حاصل کرے یا قیدی اور مقروض کی اعانت کرے۔

صوفیا فرماتے ہیں کہ یہ معنیٰ بھی ہو سکتے ہیں کہ اعمالِ صالحہ اختیار کرکے اپنی گردن کو عذابِ آخرت سے چھڑائے۔

۲۲۵۰۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّمَا رَجُلٍ اَعْتَقَ امْرَأً مُسْلِمًا اِسْتَنْقَذَ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِّنْهُ عُضْوًا مِّنْهُ مِنَ النَّارِ قَالَ سَعْدُ بْنُ مَرْجَانَةَ فَانْطَلَقْتُ اِلٰی عَلِیِّ بْنِ حُسَیْنٍ فَعَمِدَ عَلِیُّ بْنُ حُسَیْنٍ اِلٰی عَبْدٍ لَهٗ قَدْ اَعْطَاهُ بِهٖ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ عَشَرَةَ اٰلَافِ دِرْهَمٍ اَوْ اَلْفَ دِیْنَارٍ فَاَعْتَقَهٗ

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص نے کسی مسلمان (غلام) کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کی آزادی کے بدلے، اس شخص کے بھی ایک ایک عضو کو دوزخ سے آزاد کردے گا۔ سعید بن مرجانہ نے بیان کیا کہ پھر میں علی بن حسین (امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ) کے یہاں گیا (اور ان سے حدیث بیان کی) وہ اپنے ایک غلام کی طرف متوجہ ہوئے، جس کی عبد اللہ بن جعفر دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار قیمت دے رہے تھے اور آپ نے اسے آزاد کردیا۔

فوائد و مسائل | اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غلام آزاد کرنا کارِ ثواب ہے اور راہِ خدا میں اپنی محبوب اور قیمتی چیز کو خرچ کرنا زیادتی اجر کا باعث ہے۔

بَابٌ اَیُّ الرِّقَابِ اَفْضَلُ

باب کونسا غلام آزاد کرنا افضل ہے

۲۲۵۱۔ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ قَالَ اِیْمَانٌ بِاللّٰهِ وَجِهَادٌ فِیْ سَبِیْلِهٖ قُلْتُ فَاَیُّ الرِّقَابِ اَفْضَلُ قَالَ اَغْلَاهَا ثَمَنًا

حضرت ابوذر فرماتے ہیں میں نے بحضور نبوی عرض کی کونسا عمل افضل ہے فرمایا ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ۔ میں نے عرض کی کونسا غلام آزاد کرنا افضل ہے فرمایا جو قیمتی ہو اور مالک کی نظر میں اس

وَ اَنْفَسُهَا عِنْدَ اَهْلِهَا قُلْتُ فَاِنْ لَّمْ اَفْعَلْ قَالَ تُعِيْنُ صَانِعًا اَوْ تَصْنَعُ لِاَخْرَقَ قَالَ فَاِنْ لَّمْ اَفْعَلْ قَالَ تَدَعُ النَّاسَ مِنَ الشَّرِّ فَاِنَّهَا صَدَقَةٌ تَصَدَّقُ بِهَا عَلٰى نَفْسِكَ

کی قدر ہو۔ میں نے عرض کی اگر یہ مجھ سے نہ ہو سکے تو؟ فرمایا کسی کاریگر کی مدد کر یا بے ہنر کو کوئی کام سکھا دے۔ میں نے عرض اگر یہ بھی نہ کر سکوں تو؟ فرمایا پھر لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ کر دے یہ بھی صدقہ ہے جو تم اپنے او پر کرو گے۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو مسلم نے عتق، نسائی نے عتق اور جہاد اور ابن ماجہ نے احکام میں ذکر کیا ہے۔ ایمان اصل اور بنیاد ہے، ایمان کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔ جہاد فی سبیل اللہ، راہِ خدا میں عمدہ مال خرچ کرنا کسی کاریگر کی امداد و اعانت کرنا بے ہنر کو ہنر سکھا دینا اسی نوع کی نیکیاں کرنا باعثِ اجر و ثواب ہیں اور اگر کوئی اور نیکی نہ کر پائے تو اپنی ذات سے کسی کو نقصان نہ پہنچانا یہ تو ہر شخص کر سکتا ہے۔

۲۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عالم اور مفتی کو چاہیئے، تحمل بردباری کو اختیار کرے اور سائل سے نرمی کے ساتھ پیش آئے۔

بَابُ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْعَتَاقَةِ فِي الْكُسُوْفِ وَالْاٰيَاتِ

باب سورج گرہن اور آیات کے ظہور کے وقت غلام آزاد کرنے کا استحباب

اس عنوان کے ماتحت امام نے ایک ہی مضمون کی دو حدیثیں لکھی ہیں۔

۲۳۵۲، ۲۳۵۳ - عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرٍ قَالَتْ اَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَتَاقَةِ فِيْ كُسُوْفِ الشَّمْسِ

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کے وقت غلام آزاد کرنے کا حکم دیا تھا۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ سورج گرہن، زلزلہ اور اسی نوع کے حادثات کے رونما ہونے پر اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع اور صدقہ و خیرات کرنا چاہیئے۔

مصیبت و مشکلات کے وقت توبہ استغفار اور اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے

کسی بلا و آفت اور جسمانی انفرادی اجتماعی ظاہری یا باطنی مشکلات کے موقع پر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع کرنے، دعا کرنے، پناہ مانگنے، نیک کام کرنے اور صدقہ و خیرات کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ ترمذی کی

حدیث میں فرمایا - صدقہ اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بُری موت کو دفع کرتا ہے حتیٰ کہ مسندِ احمد کی حدیث میں فرمایا - قیامت کے دن مومن پر اس کے صدقہ کا سایہ ہوگا - اسی طرح سورج گرہن اور چاند گرہن کے موقع پر نماز پڑھنے کی تلقین بھی اسی سلسلہ کی ہدایت ہے۔

بَابٌ اِذَا اَعْتَقَ عَبْدًا بَيْنَ اثْنَيْنِ

باب جس نے دو افراد کے درمیان مشترک غلام

اَوْ اَمَةً بَيْنَ الشُّرَكَاءِ | گو یا متعدد افراد کے درمیان مشترک لونڈی کو آزاد کر دیا

اس عنوان کے تحت امام بخاری نے چھ حدیثیں ذکر کی ہیں جو اس سے قبل بھی مع تفہیم و ترجمانی کے گزر چکی ہیں - احادیث کے الفاظ میں فرق ہے مگر مضمون ایک ہے۔

۲۳۵۴ تا ۲۳۵۹ - عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَعْتَقَ شِرْكًا لَّهٗ فِيْ عَبْدٍ فَكَانَ لَهٗ مَالٌ يَّبْلُغُ ثَمَنَ الْعَبْدِ قُوِّمَ الْعَبْدُ قِيْمَةَ عَدْلٍ فَاَعْطٰى شُرَكَاءَهٗ حِصَصَهُمْ وَ عَتَقَ عَلَيْهِ وَاِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے کسی مشترک غلام کے اپنے حصے کو آزاد کر دیا اور اس کے پاس اتنا مال بھی تھا کہ غلام کی پوری قیمت اس سے ادا ہو سکے تو اس کی قیمت انصاف و عدل کے ساتھ لگائی جائے گی اور بقیہ شرکا کو ان کے حصے کی قیمت (اسی کے مال سے) دے کر غلام کو اسی کی طرف سے آزاد کر دیا جائے گا ورنہ (اگر اس کے پاس مال نہیں ہے تو) غلام کا جو حصہ آزاد ہو چکا وہ ہو چکا (اور بقیہ کی آزادی کے لیے غلام کو خود کوشش کرنی چاہیئے)۔

بَابٌ اِذَا اَعْتَقَ نَصِيْبًا فِيْ عَبْدٍ

جب کسی نے غلام کے اپنے حصے کو آزاد کر دیا

لَيْسَ لَهٗ مَالٌ اُسْتُسْعِيَ الْعَبْدُ غَيْرَ مَشْقُوْقٍ عَلَيْهِ عَلٰى نَحْوِ الْكِتَابَةِ | اور تنگدست تھا تو غلام سے کوشش کرائی جائے گی (کہ اپنی آزادی کے لیے جد و جہد کرے) لیکن اس پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا جائے گا، جیسے مکاتبت کی صورت میں ہوتا ہے۔

۲۳۶۰ - عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَعْتَقَ نَصِيْبًا اَوْ شَقِيْصًا فِيْ مَمْلُوْكٍ فَخَلَاصُهٗ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - جس نے کسی (مشترک) غلام کا اپنا حصہ آزاد کیا تو اس کی پوری آزادی اسی

عَلَيْهِ فِيْ مَالِهِ اِنْ كَانَ لَهٗ مَالٌ وَّ اِلَّا قُوِّمَ عَلَيْهِ فَاسْتُسْعِيَ بِهٖ غَيْرَ مَشْقُوْقٍ عَلَيْهِ

کے ذمے ہے، بشرطیکہ اس کے پاس مال ہو۔ ورنہ غلام کی قیمت لگائی جائے گی اور (اس سے اپنے بقیہ حصے کی قیمت ادا کرنے کی) کوشش کے لیے کہا جائے گا، لیکن کوئی دباؤ نہیں ڈالا جائیگا۔

دونوں عنوانوں کے ماتحت احادیث کی شرح کے لیے دیکھئے حدیث نمبر ۲۳۲۸، ۲۳۲۹

۲۳۶۱- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِيْ عَنْ اُمَّتِيْ مَا وَسْوَسَتْ بِهٖ صُدُوْرُهَا مَالَمْ تَعْمَلْ اَوْتَكَلَّمْ

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالےٰ نے میری امّت سے دل کے وسوسوں (بُرے خیالات) کو درگزر فرمایا ہے۔ جبتک ان پر عمل نہ ہو اور زبان سے کہے۔

فوائد و مسائل

اس حدیث کو امام بخاری نے طلاق، نذور، مسلم نے ایمان، ابوداؤد، ترمذی و نسائی اور ابن ماجہ نے طلاق میں ذکر کیا ہے۔

کیا وسوسوں پر مواخذہ ہوگا

مطلب حدیث یہ ہے کہ انسان کے ذہن میں طرح طرح کے خیالات، وسوسے آتے رہتے ہیں۔ کبھی ایسے خیالات بھی آتے ہیں جو منکرانہ اور ملحدانہ اعتراضات پر مشتمل ہوتے ہیں تو جب تک یہ صرف خیالات اور وساوس کی حد تک رہیں تو اللہ تعالےٰ ان پر مواخذہ نہیں فرماتا کیونکہ بُرے اور خلافِ شرع خیالات وخطرات اور وسوسوں سے محفوظ رہنا انسان کی قدرت میں نہیں ہے۔ ہاں اگر یہ خیالات، وساوس کی حد سے بڑھ کر اس شخص کا قول یا عمل بن جائیں تو پھر ان پر مواخذہ ہوگا۔

بخاری و مسلم کی احادیث میں ان وسوسوں کی وضاحت بھی موجود ہے۔ مثلاً نبی علیہ السلام نے فرمایا تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ فلاں فلاں کو کس نے پیدا کیا۔ پھر یہ سوال وہ اللہ تعالےٰ کے متعلق بھی ڈال دیتا ہے کہ ہر چیز کا کوئی پیدا کرنے والا ہے تو پھر اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جب سوال اللہ تعالےٰ کی ذاتِ اقدس تک پہنچ جائے تو پھر بندہ کو چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ سے پناہ مانگے اور رُک جائے یعنی ایسے خلافِ شرع وسوسوں کو دل سے بُرا جانے اور اپنے نفس سے صاف کہہ دے کہ میرے لیے یہ سوال قطعاً قابلِ غور نہیں ہے۔ مسلم کی حدیث میں فرمایا کہ جب ایسے وسوسے پیدا ہوں تو یہ کہہ کر بات ختم کر دے

آمَنْتُ بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ | میں اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا

یعنی ایسے وسوسوں کو قابلِ غور ہی نہ سمجھے آتے ہی رد کر دے۔

۲۔ واضح ہو کہ وسوسہ پر مواخذہ نہ ہونا اس اُمّت کی خصوصیات سے ہے اور اس امت کو یہ رعایت حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں ملی ہے۔ چنانچہ حدیثِ ہذا میں تجاوز اللہ لی کے الفاظ سے بھی یہ واضح ہے۔

۳۔ یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں یہ ہے کہ نفس کے خیالات اور وسوسوں پر مواخذہ نہ ہوگا اور سورہ بقرہ کی آیت وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ سے معلوم ہوتا ہے کہ وسوسوں اور خیالات کا بھی مواخذہ ہوگا۔ مفسّرین نے اس شبہ کے متعدد جواب دیے ہیں۔

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ حدیث کا تعلق احکامِ دنیا سے ہے یعنی طلاق، عتاق، بیع و شراء، ہبہ وغیرہ صرف دل میں ارادہ کر لینے سے منعقد نہیں ہوں گے۔ جب تک ان کو زبان یا عمل سے نہ کیا جائے اور آیت میں جو کچھ مذکور ہے اس کا تعلق احکامِ آخرت سے ہے اس لیے کوئی تعارض نہیں ہے (قرطبی)

۴۔ ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ حکم لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا سے منسوخ ہے یعنی اللہ تعالےٰ کسی کو اس کی قدرت و اختیار سے زائد تکلیف نہیں دیتا اور وسوسے انسان کے اختیار میں نہیں ہیں۔ متعدد صحابہ کرام (جن میں حضرت ابن عباس اور ابوہریرہ بھی شامل ہیں) کا یہی قول ہے۔

۵۔ بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ حدیث میں معافی ان وسوسوں اور خیالات کے لیے ہے جو بغیر قصد وارادہ کے پیدا ہوجاتے ہیں اور آیت میں جس محاسبہ کا ذکر ہے۔ اس سے مراد انسان کے وہ ارادے اور نیتیں ہیں جو انسان اپنے قصد و اختیار سے اپنے دل میں لاتا ہے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے خواہ کسی وجہ سے ان پر عمل نہ کر سکے قیامت کے دن ان کا محاسبہ ہوگا۔ یعنی مطلب حدیث یہ ہے کہ وہ خیالات و وساوس جو خود بخود بغیر اختیار کے پیدا ہوجاتے ہیں۔ ان پر مواخذہ نہ ہوگا اور آیت کا مفاد یہ ہے کہ جس کام کے کرنے کا قصد اور نیت کر لی جائے۔ اس کا محاسبہ ہوگا۔

۶۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ تفسیرِ مظہری میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے جو کام انسان پر فرض یا حرام کیے ہیں ان میں سے بعض کا تعلق انسان کے ظاہری اعضاء و جوارح سے ہے جیسے نماز حج زکوٰۃ اور تمام معاملات اور کچھ اعمال و احکام ایسے ہیں جو انسان کے قلب اور باطن سے متعلق ہیں۔ جیسے ایمان و اعتقاد اخلاقِ صالحہ جیسے سخاوت، قناعت، صبر و شکر تواضع و انکساری وغیرہ اسی طرح اخلاقِ ذمیمہ جیسے بغض، حسد، تکبّر، غرور، حرص، حُبِّ دنیا وغیرہ تو آیت کا مطلب یہ ہے کہ جیسے اعمالِ ظاہری کا

قیامت کے دن حساب لیا جائے گا۔ ایسے ہی اعمالِ باطنہ کا بھی حساب ہوگا۔

انسانی ذہن میں جو خیالات آتے ہیں انکی پانچ کیفیتیں ہیں

۱۔ **ھاجس**۔ اچانک کسی چیز کا صرف خیال آنا۔

۲۔ **خاطر**۔ بار بار کسی چیز کا صرف خیال آنا

۳۔ **حدیثِ نفس**۔ جس کام کا خیال آیا ہو ذہن میں صرف اس کو کرنے کا پروگرام بنانا۔

۴۔ **ھَمّ**۔ جس کام کا خیال آیا ہے اس کو کرنے کا خیال غالب ہو اور نہ کرنے کا خیال مغلوب ہو

۵۔ **عَزْم**۔ جس کام کا خیال آیا ہے اس کو کرنے کا پختہ عزم و ارادہ ہو اور نہ کرنے کا ہلکا سا خیال بھی باقی نہ رہے۔

تو اگر کسی شخص کے ذہن میں گناہ کا خیال آیا۔ اگر وہ ھاجس، خاطر، حدیثِ نفس اور ھَمّ کے مرتبہ میں ہے تو قیامت کے دن مواخذہ نہ ہوگا اور اگر عزم کرے یعنی اس گناہ کے خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لیے پختہ ارادہ کرے تو قیامت کے دن عزم پر مواخذہ ہوگا۔ اگرچہ کسی وجہ سے اس گناہ کو نہ کرسکے۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں گناہ کا عزم کرنے سے منع فرمایا ہے۔

وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ (حاشیہ صادی علی الجلالین ج ۱ ص ۹۹)	جو عورت عدت میں ہو اس سے نکاح کرنے کا عزم (پختہ ارادہ) نہ کرو۔

وسوسے اور اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت

چنانچہ مسلم شریف کی احادیث میں وسوسوں کے متعلق اللہ تعالےٰ کی شانِ رحمت اور اس کے رحم و کرم اور فضل کی جو کیفیت بیان ہوئی ہے ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ حدیثِ نفس پر مواخذہ نہیں فرماتا جبتک اس کے مطابق کلام یا عمل نہ کرے۔ اللہ تعالےٰ نے حدیثِ نفس کو معاف فرما دیا ہے۔

مَا حَدَّثَتْ بِهٖ اَنْفُسُهَا مَا لَمْ يَتَكَلَّمُوْا اَوْ يَعْمَلُوْا بِهٖ	جب تک اس کے مطابق کلام نہ کرے اور اس کو عملی جامہ نہ پہنائے۔

اللہ تعالےٰ فرشتوں سے فرماتا ہے نگاہ رکھو حالانکہ اللہ تعالےٰ خود بھی علیم و خبیر ہے۔ اگر میرا بندہ گناہ کرے تو اس کے نامۂ اعمال میں ایک گناہ لکھ دو اور

وَاِنْ تَرَكَهَا فَاكْتُبُوْهَا لَهٗ حَسَنَةً اِنَّمَا تَرَكَهَا مِنْ جَرَّاءِيْ	گناہ نہ کرے تو پھر بھی ایک نیکی لکھ دو کیونکہ اس نے میرے خوف کی بنار پر ترک کیا ہے۔

اس کے برعکس اگر نیکی کا ھَمّ کرے اور اس کو نہ کر پائے تو اس کے

فَإِنْ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً (مسلم شریف ج ۱ ص ۷۸)

نامہ اعمال میں اللہ تعالےٰ ایک کامل نیکی لکھ دیتا ہے اگر وہ نیکی کرلے تو اس کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی کا ثواب سات سو نیکیوں تک بلکہ اس سے بھی کئی گنا زائد لکھ دیتا ہے۔

غالباً اسی لیے بعض علمائے کاملین نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ سے انصاف نہیں بلکہ فضل مانگو۔ میرے والد محترم علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ قطب وقت حضرت شاہ فضل الرحمٰن مراد آبادی قدس سرہٗ العزیز نے مجلسِ ذکر میں ایک دفعہ فرمایا کہ لوگو! اللہ پاک سے مانگنا ہے تو انصاف نہیں بلکہ اس کا فضل و کرم مانگو۔

اس حدیث سے عطاء بن ابی رباح، ابن سیرین، حسن، سعید بن جبیر، شعبی، قتادہ، ثوری، اسحٰق، امام شافعی امام احمد اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین نے یہ استدلال فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو دل سے طلاق دیدے اور زبان پر طلاق کا لفظ نہ لائے تو ایسی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

بَابُ الْخَطَاءِ وَالنِّسْيَانِ فِي الْعَتَاقَةِ

باب آزاد کرنے اور طلاق وغیرہ میں خطاء نسیان

وَالطَّلَاقِ وَنَحْوِهِ وَلَا عَتَاقَةَ إِلَّا لِوَجْهِ اللّٰهِ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰى وَلَا نِيَّةَ لِلنَّاسِيْ وَالْمُخْطِئِ

کا حکم اور غلام اللہ کی رضا کے لیے آزاد کیا جائے کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہر شخص کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی اور بھولنے والے اور خطا کرنے والے کی نیت نہیں ہوتی۔

۱۔ علامہ عینی شارح بخاری نے لکھا ہے کہ قصدِ تام کے بغیر کسی فعل کے ہو جانے کو خطا کہتے ہیں حافظہ سے کسی چیز کا علم زائل ہو جائے اور بہت چیزوں کا علم باقی رہے اسے نسیان کہتے ہیں۔

خطاء یا نسیان کے طور پر طلاق دی تو وہ واقع ہو جائیگی

۲۔ واضح ہو کہ خطاء کے طور پر طلاق دینے کا مفہوم یہ ہے کہ زبان سے کہنا کچھ اور چاہتا تھا مگر اپنی بیوی کے لیے یہ الفاظ نکل گئے۔ تجھے طلاق اور ناسی بھول کر طلاق دینے کا مفہوم یہ ہے کہ قسم کھائی کہ میں اپنی بیوی کو طلاق نہ دوں گا اور بھول گیا اور اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو امام بخاری اور امام شافعی علیہما الرحمہ فرماتے ہیں۔ ناسی اور مخطی کی طلاق واقع نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر غلام آزاد کیا تو غلام آزاد نہ ہوگا۔ چنانچہ امام بخاری نے حدیث لکل امرئ ما نوی کو عنوان بنا کر یہ استدلال کیا ہے کہ خطاء و نسیان کی بناء پر جو فعل صادر ہو اس پر مواخذہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ خاطی و ناسی کی

نیت نہیں ہوتی اس لیے ناسی و مخطی کی طلاق واقع نہ ہو گی اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ

تَجَاوَزَ اللّٰهُ لِيْ عَنْ اُمَّتِيْ الْخَطَاءَ وَالنِّسْيَانَ (ابن ماجہ)	اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کے لیے خطاء و نسیان کی بناء پر صادر ہونے والے اعمال کو معاف کر دیا ہے

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خاطی و ناسی کی نیت نہیں ہوتی اور اعمال کا مدار نیت پر ہے۔ لہذا یہ مغمیٰ علیہ اور نائم کی طرح ہو گیا۔ لہذا خاطی و ناسی کے غلام آزاد کرنے اور بیوی کو طلاق دینے سے نہ غلام آزاد ہو گا اور نہ طلاق واقع ہو گی۔

احناف اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ناسی و خاطی کا آزاد کرنا اور طلاق دینا درست ہے۔ رہی یہ بات کہ اس کی نیت نہ تھی۔ یہ ایک ایسی چیز ہے کہ جس کا تعلق باطن سے ہے اور باطن کا حال (دل کا حال) اللہ ہی جانتا ہے۔ ہمارے پاس اس کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ باطن کے حال کو جان سکیں۔ لہذا طلاق و عتاق کو نیت پر موقوف کرنا درست نہیں ہے۔ ثانیاً اس مضمون کی احادیث کا تعلق حقوق العباد سے نہیں ہے بلکہ حقوق اللہ سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر بطور خطا و نسیان کوئی گناہ ہو جائے تو اس پر مواخذہ نہیں ہوتا لیکن اگر خطا و نسیان کی بنیاد پر قتل ہو جائے تو گنہگار نہ ہو گا مگر دیت واجب ہے۔ اسی طرح خاطی و ناسی کا آزاد کرنا یا طلاق دینا بھی درست ہے گو کہ اس کی نیت نہ ہو۔ ثالثاً جو شخص بطور خطاء و نسیان کلام کرتا ہے تو یہ کلامِ صحیح ہے جو عاقل بالغ سے صادر ہو رہا ہے۔ اگر نیت نہ ہونے کی بناء پر اس کے کلام کا اعتبار نہ کیا جائے تو پھر تو دنیا سے امن اٹھ جائے گا۔ ایک شخص عاقل و بالغ صحیح الدماغ ہے۔ خرید و فروخت کرتا ہے۔ قرض لیتا ہے۔ اسٹام پر اقرار نامہ لکھ دیتا ہے۔ غرضکہ مختلف قسم کے معاملات کرتا ہے اور کہہ دیتا ہے کہ میں نے یہ تمام کام خطاء نسیان کی حالت میں کیے ہیں۔ میری نیت اور ارادہ تو تھا نہیں تو کیا اس کے یہ تمام کام باطل اور غیر مؤثر قرار دے دیے جائیں گے؛ ایک شخص عاقل بالغ صحیح الدماغ شکار پر گولی چلانا چاہتا تھا مگر بطور خطا کسی آدمی کو لگ گئی یا یہ کہتا ہے کہ میں نے بھول کر قتل کیا ہے؛ تو کیا نیت و ارادہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کے اس عمل کو مؤثر نہیں مانا جائے گا؛ الغرض احناف کا موقف عقل و نقل کے بالکل مطابق ہے۔ اس لیے اگر کسی نے بطور خطاء و نسیان غلام آزاد کیا یا اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو غلام آزاد اور بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی۔

۴۔ اور خاطی و ناسی کو نائم اور مغمیٰ علیہ کی طرح قرار دینا اس لیے درست نہیں ہے کہ بحالتِ خطاء و نسیان عقل ہوتی ہے جو قصد پر دلالت کرتی ہے برخلاف نائم اور بیہوش کہ اسکو عقل کے استعمال کی اہلیت نہیں

ہوتی اور یہ معلوم بلا حرج ہے۔

نیز نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے ہر طلاق نافذ ہے (واقع ہو جائے گی۔)

كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ إِلَّا طَلَاقَ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُوْنِ	مگر بچہ اور مجنون کی طلاق نافذ نہ ہوگی۔

۵۔ واضح ہو کہ طلاق کی طرح غلام کی آزادی کے لیے بعض الفاظ صریح ہیں بعض کنایہ صریح میں نیت کی ضرورت نہیں بلکہ اگر کسی اور نیت سے بھی صریح الفاظ کہے جب بھی طلاق ہو جائے گی اور غلام آزاد ہو جائے گا۔ مثلاً غلام سے کہا تو آزاد ہے یا بیوی سے کہا تجھے طلاق تو خواہ نیت کی ہو یا نہ کی ہو بہر صورت طلاق واقع ہو جائے گی اور غلام آزاد ہو جائے گا۔ الغرض احناف کے نزدیک خاطی، ناسی، ہازل اور لاعب کا طلاق دینا یا غلام آزاد کرنا درست ہے یعنی اگر بطور خطا طلاق دی۔ کہنا کچھ اور چاہتا تھا زبان سے یہ الفاظ نکل گئے تجھے طلاق یا مسخرہ پن کھیل

طلاق کا معاملہ بڑا نازک ہے ہنسی مذاق میں طلاق دی واقع ہو جائے گی اگرچہ نیت نہ کی ہو

کے طور پر طلاق دی یا سہواً اور غفلت میں اپنی بیوی سے کہا تجھے طلاق تو طلاق واقع ہو جائے گی اگرچہ طلاق دینے کا ارادہ یا نیت نہ ہو۔ یہی حکم نکاح اور عتاق کا ہے۔

۵۔ البتہ مجنون جسے ہوش نہ ہو بیہوشی یا ایسا مریض جس کی عقل جاتی رہی ہو اور سرسام و برسام اور نیند کی حالت میں طلاق دی تو واقع نہ ہوگی۔

۶۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ نے تفسیر مظہری میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آیت وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا کہ اللہ کی آیات کو کھیل نہ بناؤ کی تفسیر میں فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ بیوی کو طلاق دیدیتے تھے اور غلام کو آزاد کر دیتے تھے اور پھر طلاق دے کر اور غلام آزاد کر کے مکر جاتے تھے اور کہتے کہ ہم تو ہنسی مذاق میں طلاق دی تھی اور غلام آزاد کیا تھا۔ ہم نے طلاق یا عتاق کی نیت نہیں کی تھی۔ اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی جس میں یہ بتایا گیا کہ اگر ہنسی مذاق مسخرہ پن میں طلاق دی تو واقع ہو جائے گی اور نیت نہ کرنے کا عذر نہیں مانا جائے گا۔ چنانچہ حضرت ابن عباس اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ اَلنِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالْعِتَاقُ	تین چیزیں ایسی ہیں جنھیں ہنسی کے طور پر کرنا یا دونوں برابر ہیں ایک طلاق، دوسرے عتاق تیسرے

(ابن مردویہ و ابن المنذر)

نکاح (تفسیر مظہری سورہ بقرہ)

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے۔

ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ
(رواہ الخمسۃ الا النسائی)

تین چیزیں ایسی ہیں جن کو ارادہ و نیت کر کے کہنا یا ہنسی مذاق کے طور پہ کہنا برابر ہے ایک نکاح دوسرے طلاق تیسری رجعت (ترمذی)

ثَلَاثٌ لَا يَجُوْزُ فِيْهِنَّ اللَّعِبُ الطَّلَاقُ وَالنِّكَاحُ وَالْعِتْقُ

تین چیزوں میں کھیل جائز نہیں۔ طلاق، نکاح، عتق (طبرانی)

لَا يَجُوْزُ اللَّعِبُ فِيْهِنَّ الطَّلَاقِ وَالنِّكَاحِ وَالْعِتَاقِ فَمَنْ قَالَهُنَّ فَقَدْ وَجَبْنَ

طلاق و نکاح و عتاق میں ہنسی مذاق جائز نہیں تو جس نے ہنسی کھیل کے طور پر طلاق دی نکاح کیا غلام آزاد کیا تو یہ واجب ہو جائیں گے۔

مَنْ طَلَّقَ وَهُوَ لَاعِبٌ فَطَلَاقُهٗ جَائِزٌ وَمَنْ اَعْتَقَ وَهُوَ لَاعِبٌ فَعِتْقُهٗ جَائِزٌ وَمَنْ نَكَحَ وَهُوَ لَاعِبٌ فَنِكَاحُهٗ جَائِزٌ

جس نے مسخرہ پن میں طلاق دی واقع ہو گئی۔ غلام آزاد کیا تو وہ آزاد ہو گیا۔ مسخرہ پن میں نکاح کیا تو نکاح بھی ہو گیا۔ (مصنف عبدالرزاق)

ان دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ مرد و عورت بلا قصد و نیت ہنسی ہنسی میں دو گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول کر لیں تو بھی نکاح منعقد ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر بلا قصد و نیت ہنسی مذاق کھیل یا خطاء و نسیان کے طور پر اپنی بیوی سے کہا۔ تجھے طلاق یا طلاقِ رجعی میں رجوع کیا تو طلاق بھی واقع ہو جائے گی اور رجعت بھی درست قرار پائے گی۔

۲۳۶۲۔ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ وَلِامْرِئٍ مَا نَوٰى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ لِدُنْيَا يُصِيْبُهَا اَوِ امْرَاَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ

علقمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر سے سنا آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق ثواب ملتا ہے تو جو اللہ اور رسول کے لیے ہجرت کرے اس کی ہجرت اللہ اور رسول کے لیے ہوگی اور جس کی ہجرت حصولِ دنیا یا کسی عورت سے شادی کی نیت سے ہوگی تو اس کی ہجرت دنیا اور عورت ہی کے لیے ہوگی۔

فوائد و مسائل

۱۔ یہ حدیث فیوض الباری پارہ اوّل صفحہ ۴۷ پر گزر چکی ہے وہاں ہم نے اس حدیثِ مبارک پر تفصیلی گفتگو کی ہے اور اس کے تمام مسائل بھی بیان کر دیے ہیں ضرور بالضرور ملاحظہ کیجئے۔

۲۔ حدیثِ ہٰذا کا مفہوم و مطلب یہ ہے کہ نیک عملوں کا ثواب اور ان کی مقبولیت کا مدار نیت پر ہے اگر نیک اعمال میں خلوص و للّٰہیت اور رضائے الٰہی کی نیت ہوگی تو وہ نیک عمل مقبول بھی ہوگا اور ثواب بھی ملے گا اور اگر کوئی نیک عمل خواہ وہ کیسا ہی بڑا اور عظیم ہو اور بری غرض اور فاسد نیت سے کیا گیا ہو تو اس کا ثواب نہیں ملے گا۔ مختصر یہ کہ اللہ کے ہاں وہی نیک عمل مقبول و محمود ہوگا جو صالح نیت یعنی محض رضائے الٰہی کے لیے کیا گیا ہو دین کی اصطلاح میں اسی کا نام اخلاص ہے۔

گناہ کے کاموں کو حُسنِ نیت سے کرنا شریعت سے مذاق ہے

۳۔ اس موقع پر یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ جو کام فی نفسہٖ بُرے ہیں اور جن سے اللہ تعالےٰ اور اس کے مقدس رسول نے منع فرمایا ہے۔ وہ تو بہرحال بُرے اور موجبِ غضبِ الٰہی ہیں۔ ان بُرے کاموں میں حُسنِ نیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص اس نیت سے چوری کرے ڈاکہ ڈالے کہ جو مال و دولت حاصل ہوگا اس سے غریبوں مسکینوں کی امداد و اعانت کروں گا تو یہ بُرا کام حُسنِ نیت سے نیک کام نہیں قرار پائے گا بلکہ بُرے کام کو اخلاص کے ساتھ کرنا مزید قباحت اور سزا میں زیادتی کا موجب ہوگا کیونکہ نیک نیتی سے بُرا کام کرنا دین کے ساتھ ایک قسم کا تلاعب (کھیل) ہی ہے۔

۴۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ اس دنیا میں صرف ظاہر پر فیصلے کیے جاتے ہیں۔ یعنی کسی کے دل میں کیا ہے؟ اس کو ٹٹولنے کی ذمہ داری ہم پر

اس دُنیا میں فیصلے ظاہر پر کیے جائیں گے

نہیں ڈالی گئی ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔

نَحْنُ نَحْكُمُ بِالظَّاهِرِ وَاللّٰهُ يَتَوَلَّى السَّرَائِرَ	ہمارا کام ظاہر پر حکم لگانا ہے مخفی راز اللہ کے سپرد ہیں۔

یعنی انسان جو کچھ کہتا اور کرتا ہے تو اس کے قول و عمل اور شواہد کے مطابق فیصلہ کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے یعنی احکام کے بارے میں اس دنیا میں ظاہری اعمال اصل اور بنیاد ہیں اور کسی کی نیت پر فیصلہ نہیں کیا جائے گا اور آخرت میں اعمال کا فیصلہ نیتوں پر ہوگا اور ظاہری اعمال اس کے تابع ہوں گے کیونکہ ظاہری اعمال کی نیتوں، دل کے بھیدوں اور سینوں کے رازوں کو جاننے سے ہم قاصر ہیں۔ مگر اللہ تعالےٰ ظاہر باطن دونوں کا جاننے والا ہے اس لیے آخرت میں اللہ تعالےٰ نیتوں پر فیصلے فرمائے گا۔

بَابٌ إِذَا قَالَ رَجُلٌ لِعَبْدِهِ هُوَ لِلّٰهِ

باب ایک شخص نے آزاد کرنے کی نیت سے اپنے غلام

وَنَوَى الْعِتْقَ وَالْإِشْهَادُ فِي الْعِتْقِ

کے لیے کہا کہ وہ اللہ کے لیے ہے اور آزادی کے ثبوت کے لیے گواہ بنانا

اس عنوان کے تحت امام بخاری نے تین حدیثیں درج کی ہیں۔ سب کا مضمون ایک ہی ہے۔ صرف ایک حدیث میں ضَلَّ کی جگہ اَبَقَ مِنِّی کے الفاظ ہیں کہ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں۔ راستہ میں میرا غلام بھاگ گیا اور دو حدیثوں میں ضَلَّ کے لفظ ہیں کہ راستہ میں میرا غلام مجھ سے بچھڑ گیا یا گم ہوگیا۔

۲۳۶۳، ۲۳۶۵۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ لَمَّا أَقْبَلَ يُرِيدُ الْإِسْلَامَ وَمَعَهُ غُلَامُهُ ضَلَّ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنْ صَاحِبِهِ فَأَقْبَلَ بَعْدَ ذٰلِكَ وَأَبُوهُرَيْرَةَ جَالِسٌ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ هٰذَا غُلَامُكَ قَدْ أَتَاكَ فَقَالَ أَمَا إِنِّي أُشْهِدُكَ أَنَّهُ حُرٌّ قَالَ فَهُوَ حِينَ يَقُولُ ۔ يَا لَيْلَةً مِنْ طُولِهَا وَعَنَائِهَا عَلَى أَنَّهَا مِنْ دَارَةِ الْكُفْرِ نَجَّتِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جب اسلام قبول کرنے کے ارادہ سے (مدینہ آئے) تو ان کے ساتھ ان کا غلام بھی تھا (اتفاق سے راستے میں) دونوں ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔ پھر جب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (مدینہ پہنچنے کے بعد) حضور اکرم کی خدمت میں تھے تو ان کے غلام بھی اچانک آگئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابوہریرہ! تمہارا غلام آگیا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ آزاد ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ پہنچ کر یہ شعر کہے تھے "ہائے ری طولِ شب اور اس کی سختیاں اگرچہ دارالکفر سے نجات بھی اسی نے دلائی ہے"۔

فوائد و مسائل

یہ احادیث مسائل ذیل پر مشتمل ہیں۔

۱۔ مہلب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ اگر کسی شخص نے اپنے غلام سے کہا تو آزاد ہے یا تو اللہ کے لیے آزاد ہے اور آزادی کی نیت کی تو تمام آئمہ کے نزدیک بالاتفاق غلام آزاد ہو جائے گا۔ اسی طرح ہر وہ کلام جس سے آزادی کا مفہوم سمجھا جائے غلام کی آزادی کے لیے کافی ہے۔

۲۔ علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی مراد کو پالے یا کسی مصیبت سے نجات پائے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے اسے غلام آزاد کرنا مستحب ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ نے دارالکفر سے نجات پانے پر جب کہ وہ سنہ ۶ھ میں مدینہ منورہ میں اسلام قبول کرنے کے لیے آئے تھے غلام آزاد کیا۔

بہرحال مصائب و آلام سے نجات پانے پر حسبِ توفیق صدقہ و خیرات کرنا باعثِ رحمت و برکت ہے۔

۳۔حضرت ابوہریرہ شاعر نہ تھے اسی لیے شارحین نے لکھا ہے کہ یہ شعر بیت ابو مرثد غنوی کا ہے جسے حضرت ابوہریرہ نے بطور تمثیل پڑھا معلوم ہوا ایسے اشعار پڑھنا جو جائز و مباح مضامین پر مشتمل ہوں۔جائز ہیں خصوصاً ایسے اشعار جو اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنار اور حضور نبی کریم علیہ السلام کی مدح و ثنار پر مشتمل ہوں نہ صرف جائز ہیں بلکہ عبادت ہیں۔ بلکہ حضور علیہ السلام کی سُنّت اور سُنّتِ تقریری بھی ہے ۔ حضرت حسان رضی اللہ تعالےٰ عنہ بحضور نبوی حضور کی مدح و ثنار۔ اور کفر و کفار کی ہجو عرض کرتے تو نبی علیہ السلام پسند فرماتے تھے۔ ایسے اشعار جو مخربِ اخلاق مضامین پر مشتمل ہوں یا ان میں بلا وجہ شرعی کسی مسلمان کی ہجو کی گئی ہو ان کا پڑھنا منع ہے۔

۴۔غلام آزاد کرنے پر گواہ بنا لینا یا کسی معاملہ کو طے کرتے وقت گواہ بنا لینا مناسب ہے۔کیونکہ گواہ یا دستاویز سے بوقتِ نزاع ثبوت مہیا ہو جاتا ہے۔

حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ حضرت ابوہریرہ کا نام عبدالشمس تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد نبی علیہ السلام نے ان کا نام عبداللہ رکھا۔ آپ کو بلیوں سے بہت پیار تھا۔حضور علیہ السلام نے ان کی آستین میں بلی دیکھی تو فرمایا۔ ابا ھریرہ بلی کے باپ یا بلی والے۔ اس وقت سے آپ ابوہریرہ مشہور ہوگئے ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانے میں بحرین کے گورنر مقرر ہوئے۔ آخر عمر میں مدینہ منوّرہ میں سکونت کو ترجیح دی ۔ حضرت ابوہریرہ سے سب سے زیادہ احادیث مروی ہیں ۔ جن کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتّر ہے۔ عینی ج ۱ ص ۱۲۴ ۷ھ کے اوائل میں فتح خیبر کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

بَابُ اُمِّ الْوَلَدِ

باب ام ولد کے متعلق

ام ولد اس لونڈی کو کہتے ہیں۔جس کے بچہ پیدا ہوا اور اس کے آقا نے اقرار کیا کہ یہ میرا بچہ ہے آقا کی موت کے بعد ام ولد خود بخود بالکل آزاد ہو جاتی ہے ۔اُم ولد کو نہ بیچ سکتے ہیں۔ نہ ہبہ نہ گروی اور نہ خیرات کر سکتے ہیں (درمختار عالمگیری) چنانچہ حضرت عمر، حضرت عثمان، عمر بن عبدالعزیز، حضرت حسن، عطار، مجاہد، سالم، ابن شہاب ابراہیم، امام مالک، سفیان ثوری، اوزاعی لیث، سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی ابویوسف محمد زفر حسن بن صالح، امام احمد اسحاق ابوعبید ابوثور رضی اللہ تعالےٰ عنہم کا یہی مسلک ہے اور حضرت صدیقِ اکبر حضرت علی ابن عباس ابن زبیر جابر اور ابوسعید ام ولد کی بیع کو جائز قرار دیتے ہیں۔

قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ | حضرت ابوہریرہ سے مروی کہ نبی علیہ السلام نے

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَۃِ اَنْ تَلِدَ الْاَمَۃُ رَبَّھَا

فرمایا۔ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ لونڈی اپنے سردار کو جنے گی۔

فوائد و مسائل ۱۔ یہ حدیثِ جبرئیل کا ایک حصہ ہے۔ جو فیوض پارہ اوّل کتاب الایمان کے صـ۲۶۱ پر مکمل تفہیم و ترجمانی کے ساتھ گزر چکی ہے۔ ۲۔ عنوان سے مناسبت اس حدیث کی شاید یہ ہے کہ جب لونڈی ۔ سے لڑکا پیدا ہوگا

حضور علیہ السلام کو قیامت کے وقت کا علم ہے

تو وہ لونڈی ہی رہے گی مگر لڑکا چونکہ آقا کا ہے اس لیے وہ آقا کا قائم مقام بن کر آقا ہی قرار پائے گا تو گویا لونڈی نے اپنے آقا کو جنا۔ ۳۔ حضرت جبرئیل امین نے اسلام، ایمان اور احسان کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیے تھے اور حضور نے جواب عطا فرمائے تھے۔ اس کے بعد حضرت جبرئیل امین نے عرض کی

فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ السَّاعَۃِ

یعنی مجھے قیامت کی بابت بتایئے کہ کب آئے گی

آپ نے جواب دیا۔

مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْھَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ

جس سے سوال کیا جا رہا ہے سائل سے زیادہ نہیں جانتا

اس موقع پر نبی علیہ السلام نے قرآنِ مجید کی آیت اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ الخ تلاوت فرما کر یہ واضح کیا تھا کہ قیامت امورِ خمسہ سے ہے اور امورِ خمسہ کا بالذّات کوئی عالم نہیں ہے اس لیے وقتِ قیامت کا بالذات علم صرف اور صرف اللہ عزّوجل کو ہے۔ یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ امورِ خمسہ اور غیب کے متعلق قرآن میں یہ تو ہے کہ اللہ تعالےٰ بالذات عالم ہے یا اس کے سوا بالذات کوئی علم نہیں رکھتا لیکن قرآن کی کسی آیت میں یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالےٰ کسی کو غیب پر مطلع نہیں کرتا بلکہ اس کے برعکس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء میں سے جسے چاہے غیب پر مطلع فرماتا ہے۔ حضور اقدس کے جوابی کلمات سے بعض لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کو وقتِ قیامت کا علم نہ تھا۔ لیکن یہ استدلال درست نہیں ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے۔

اللہ تعالےٰ نے نبی علیہ السلام کو تین قسم کے علم عطا فرمائے ہیں

۴۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اللہ تعالےٰ نے تین قسم کے علم عطا فرمائے ہیں۔ (مدارج ج ۱ صـ۱۶۸)

اول وہ علم جس کا تعلق تبلیغِ دین سے ہے (یعنی اسلام کے وہ احکام و مسائل، عقائد و اعمال جن کی تبلیغ

اور انہیں اُمت تک پہنچانا آپ کا فرضِ نبوت ہے اور جن کی تبلیغ میں کوتاہی آپ کی ذاتِ اقدس سے ممکن ہی نہیں ہے اور جس کے متعلق سورۂ مائدہ میں ارشادِ ربانی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (مائدہ ۶۷)

اے رسول پہنچا دو جو کچھ نازل ہوا تم پر تمہارے رب کی طرف سے ایسا نہ ہو تو تم نے اس کا کوئی پیغام نہ پہنچایا اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے

دوم وہ علم جس کے متعلق حضور علیہ السلام کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ جسے اس کا اہل سمجھیں اسے بتا دیں۔ جیسے صحابہ کرام میں خصوصی طور پر حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالےٰ کو منافقین کی پہچان کا علم دیا (اسد الغابہ ج ۱ ص ۳۹۱) یا جیسے بعض وہ علوم جن کے ساتھ حضور نے حضرت ابوہریرہ کو خاص کیا اور وہ انہیں تعلیم فرمائے۔ چنانچہ جناب ابوہریرہ فرماتے ہیں۔

حَفِظْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وِعَائَيْنِ۔ فَاَمَّا اَحَدُهُمَا بَثَثْتُهٗ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهٗ قُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُوْمُ (بخاری ج ۱ ص ۲۳)

میں نے نبی علیہ السلام سے دو برتن علم کے بھرے ہیں۔ ایک تو وہ جس کو میں نے نشر کر دیا اور دوسرے برتن کے علم کو ظاہر کردوں تو میری شہ رگ کاٹ دی جائے۔

سوم وہ علم جو اللہ تعالےٰ نے حضور کو دیا مگر دوسروں پر اس کے انکشاف سے منع فرمایا جیسے علومِ خمسہ (یعنی قیامت کے وقت کا علم، بارش کب ہوگی، کل کیا ہوگا۔ کون کہاں وفات پائے گا۔ شکمِ مادر میں کیا ہے) ان سب کا علم بھی اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ مگر دوسروں پر اس کے اظہار و بیان سے منع فرما دیا۔ چنانچہ علامہ شیخ احمد صاوی مالکی فرماتے ہیں۔

قَالَ الْعُلَمَاءُ الْحَقُّ اِنَّهٗ لَمْ يَخْرُجْ نَبِيُّنَا مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى اَطْلَعَهُ اللّٰهُ عَلٰى تِلْكَ الْخَمْسِ وَلٰكِنَّهٗ اَمَرَهٗ بِكَتْمِهَا

(تفسیر صاوی ج ۳ ص ۲۱۵)

علمائے کرام نے فرمایا کہ حق بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے اس وقت تک وفات نہیں پائی جب تک اللہ تعالےٰ نے آپ کو ان پانچ چیزوں کے علوم پر مطلع نہیں فرما دیا لیکن آپ کو ان علوم کے مخفی رکھنے کا حکم فرمایا۔

اور مفسّرِ شہیر علامہ سید محمد آلوسی روح المعانی میں لکھتے ہیں۔

لَمْ يُقْبَضْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک وفات

حَتّٰی عَلَّمَ کُلَّ شَیْءٍ یُمْکِنُ الْعِلْمُ بِهٖ
(تفسیر روح المعانی ج ۱۵ صـ۱۵۴)

نہیں پائی جب تک اللہ تعالٰے نے آپ کو ہر اس چیز کا علم نہیں دے دیا جس کا علم آپ کو دینا ممکن تھا۔

اور قیامت کے وقت کا علم عطا ہونا محال نہیں ہے ۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو قیامت برپا کرنے کا جب حکم ہوگا تو وقتِ قیامت ان پر ظاہر ہوگا۔ جب اسرافیل کو قیامت کے وقت کا علم دیا جانا ممکن ہے تو حضور سید العلمین صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کیوں ناممکن ہو اسی لیے شارح بخاری علامہ قسطلانی فرماتے ہیں۔

(وَلَا یَعْلَمُ مَتٰی تَقُوْمُ السَّاعَةُ) اَحَدٌ (اِلَّا اللّٰهُ) اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یُطْلِعُهٗ عَلٰی مَا یَشَاءُ مِنْ غَیْبِهٖ وَالْوَلِیُّ التَّابِعُ یَاْخُذُ عَنْهُ
(ارشاد الساری ج ۷ صـ۱۷۶)

اللہ تعالٰے کے سوا وقت وقوع قیامت کو کوئی نہیں جانتا سوا ان کے جن سے اللہ راضی ہے جو اللہ کے رسول ہیں کیونکہ اللہ تعالٰے اپنے غیب پر جس کو چاہتا ہے مطلع فرما دیتا ہے اور اولیاء اللہ جو رسولوں کے تابع ہوتے ہیں وہ ان سے غیب کا علم حاصل کرتے ہیں۔

بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو بہت ارفع و اعلٰے ہے اور آپ تو تمام کمالاتِ اوّلین و آخرین کے جامع ہیں۔ علامہ امام قرطبی اور علامہ آلوسی اور سیّدی احمد بن مبارک تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اولیاء کرام کو بھی حضور کے وسیلہ سے علوم خمسہ کا علم حاصل ہوتا ہے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں۔

فَمَنِ ادَّعٰی عِلْمَ شَیْءٍ مِّنْهَا غَیْرَ مُسْنِدٍ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ کَاذِبًا دَعْوَاهُ

جس شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ کے بغیر ان پانچ چیزوں کے علم کا دعوٰی کیا وہ اپنے دعوٰے میں جھوٹا ہوگا۔

اور سیّدی غوث عبد العزیز دباغ رضی اللہ عنہ سے جب ان پانچ چیزوں کے علم کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:۔

فَقَالَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعَنْ سَادَتِنَا الْعُلَمَاءِ وَکَیْفَ یَخْفٰی اَمْرُ الْخَمْسِ عَلَیْهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالْوَاحِدُ مِنْ اَهْلِ التَّصَرُّفِ مِنْ اُمَّتِهِ الشَّرِیْفَةِ لَا یُمْکِنُهُ التَّصَرُّفُ اِلَّا بِمَعْرِفَتِهٖ
(ابریز صـ۲۸۲)

سیدی عبد العزیز دباغ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماءِ کرام نے فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان پانچ چیزوں کا علم کیسے مخفی ہو سکتا ہے جب کہ آپ کی امّت کے اولیاء سے بھی ان کا علم پوشیدہ نہیں ہے اور اس وقت تک اولیاء امّت اس کائنات میں تصرّف نہیں کر سکتے جب تک ان علومِ خمسہ

| کا انہیں علم نہ ہو

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ حضرت جبرئیل امین کے سوال کے جواب میں وقتِ قیامت کے علم کی نفی نہیں فرمائی بلکہ یہ فرمایا۔

مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ (بخاری و مسلم کتاب الایمان) | وقتِ قیامت کے متعلق جواب دینے والا سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔

یعنی یہ نہیں فرمایا کہ مجھے وقتِ قیامت کا علم نہیں ہے بلکہ نہایت لطیف انداز میں یہ فرمایا کہ قیامت کے بارے میں میں سائل سے زیادہ نہیں جانتا تو حضور نے سائل سے زیادہ جاننے کی نفی فرمائی۔ لیکن اپنی ذات سے علمِ قیامت کی نفی نہیں فرمائی۔ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ آپ وقتِ قیامت کا علم تو رکھتے تھے مگر متعدد حکمتوں کی بنا پر اس کا اظہار اس لیے نہیں فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے دوسروں کو علمِ قیامت کے بتانے سے حضور کو منع فرما دیا تھا جیسا کہ علامہ قسطلانی، آلوسی اور علامہ صاوی علیہ الرحمہ نے تصریح فرمائی ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ علمِ قیامت کے انکشاف سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیوں منع فرما دیا تھا تو اس کی متعدد وجوہ ہیں جن میں سے دو یہ ہیں۔ اوّل سورۂ اعراف میں ارشادِ ربّانی ہے۔

لَا يَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً | قیامت نہیں آئے گی مگر تم پر اچانک۔

تو اگر حضور علیہ السلام قیامت کے وقت کا اظہار فرما دیتے تو تصریحِ قرآنی کے مطابق قیامت (بغتۃً) اچانک نہ رہتی۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر قیامت کے وقوع کا وقت معلوم ہو جائے تو سارا نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے اور قیامت کے قریب آنے سے پہلے ہی انسان پر قیامت قائم ہو جائے۔ جو کہ ناممکن ہے اس لیے علمِ قیامت کے اظہار سے حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو منع فرما دیا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ جب جبرئیل امین نے قیامت کی علامات دریافت فرمائیں تو حضور علیہ السلام نے علاماتِ قیامت میں سے چند بیان فرما دیں اور بعض احادیث میں وقوعِ قیامت کا دن مہینہ، تاریخ تک بیان فرما دی مثلاً یہ کہ محرم کی دس تاریخ جمعہ کے دن قیامت آئے گی۔ صرف سن نہیں بتایا۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ آپ کو قیامت کا علم نہ تھا بلکہ وجہ یہی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو اس کے اظہار و انکشاف سے منع فرما دیا تھا (فافہم)

قیامت کی علامات

قیامت کے متعلق سوال کے بعد حضرت جبرئیل نے عرض کیا۔

فَاَخْبِرْنِیْ عَنْ اَمَارَاتِهَا۔ مجھے قیامت کی کچھ نشانیاں ہی بتایئے

اس کے جواب میں حضور نے دو خاص نشانیاں بیان فرمائیں۔

ایک یہ کہ "لونڈی اپنی مالکہ اور آقا کو جنے گی" اور دوسری یہ کہ نادار اور ننگے اور بھوکے لوگ جن کا کام بکریاں

چرانا تھا وہ بھی بڑی بڑی شاندار عمارتیں بنائیں گے۔

شارحین نے حدیث کے ان الفاظ کی متعدد توجیہیں کیں۔ ایک توجیہہ یہ ہے کہ قربِ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اولاد ماں باپ کی نافرمان ہو جائے گی حتیٰ کہ لڑکیاں بھی سرکش اور نافرمان ہو جائیں گی جیسے ایک مالکہ اپنی لونڈی پر کرتی ہے۔ ایسے ہی لڑکیاں کریں گی۔ غرضیکہ قربِ قیامت میں عورت سے جو لڑکی ہوگی وہ بڑی ہو کر خود اپنی ماں پر حکومت چلائے گی۔ دوسری نشانی یہ بیان فرمائی۔ غریب و نادار بکریاں چرانے والے اونچے اونچے محلوں میں رہیں گے یعنی قربِ قیامت میں مال و دولت کی فراوانی ہوگی۔ ذلیل اور کم ظرف لوگوں کے ہاتھوں میں دولت آجائے گی اور وہ دولت مندی کے فتنہ میں مبتلا ہو کر فساد برپا کریں گے لوگوں کی عزتوں پر ہاتھ ڈالیں گے اور ظلم و عدوان سے گریز نہ کریں گے۔ یہی بات ایک دوسری حدیث میں یوں بیان فرمائی گئی ہے کہ

اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَھْلِہٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَۃَ	جب حکومت و اقتدار نااہلوں کے سپرد ہونے لگے تو پھر قیامت کا انتظار کرو

اس مسئلہ کی توضیح کے لیے فیوض پارہ اول کا صـ۲۲۲ تا ۲۲۷ تک ملاحظہ فرمائیں۔

نوٹ ۔ واضح ہو کہ جن احادیث میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی علامتوں کو بیان فرمایا ہے تو ضروری نہیں ہے کہ وہ تمام علامات جو وقوع پذیر ہوں گی حرام و مذموم ہوں کیونکہ علامۃ کے لیے یہ شرط نہیں ہے وہ ضرور بالضرور مذموم و حرام ہو جیسے علاماتِ قیامت کے سلسلہ میں حضور نے فرمایا مال کی زیادتی ہوگی۔ لوگ عالیشان مکان بنائیں گے حتیٰ کہ پچاس عورتوں کی ضروریات صرف ایک شخص پوری کرلے گا تو یہ بلاشبہ حرام و ناجائز نہیں ہے۔

۲۳۶۶ ۔ باب اُم الولد کے عنوان کے تحت امام بخاری نے حدیثِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا بھی ذکر کی ہے۔ جس میں حضرت سعد بن وقاص اور عبد بن زمعہ کے درمیان ایک لونڈی کے بچہ کے متعلق مقدمہ کا ذکر ہے۔ یہ ایک طویل حدیث ہے جو فیوض الباری کتاب البیوع پارہ ہشتم کے صفحہ ۲۵ پر اور پارہ نہم باب دعویٰ الوصی میں گذر چکی ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر (۲۲۶۰) ان دونوں مقامات پر ہم نے اس حدیث کے تمام مسائل بیان کر دیے ہیں ضرور ملاحظہ کیجئے۔

بَابُ بَیْعِ الْمُدَبَّرِ

باب مدبر کی بیع کے متعلق

مدبّر اس کو کہتے ہیں جس کی نسبت آقا نے یہ کہا کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے۔ مدبر کی بیع جائز ہے

یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ مجاہد، طاؤس، امام شافعی احمد، اسحق، ابوثور اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہم جواز کے قائل ہیں اور زید بن ثابت ابن عمر شعبی ابن ابی لیلے، امام مالک نخعی لیث اوزاعی اور امام ابوحنیفہ عدم جواز کا قول کرتے ہیں۔ کتاب البیوع میں بھی یہ عنوان گزر چکا ہے۔

۲۳۶۷۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ہم میں سے ایک شخص نے اپنے غلام کو مدبر قرار دیدیا۔

فَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٖ فَبَاعَهٗ قَالَ جَابِرٌ مَاتَ الْغُلَامُ عَامَ اَوَّلٍ

تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس غلام کو فروخت کردیا جابر کہتے ہیں۔ غلام پہلے سال ہی مرگیا۔

فوائد و مسائل امام بخاری علیہ الرحمہ کی رائے ہے کہ مدبر کو فروخت کرنا جائز ہے اور اس حدیث کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے لیکن امام اعظم ابوحنیفہ کی تحقیق یہ ہے کہ مدبر اپنے آقا کے انتقال کے بعد آزاد ہوجائے گا اور اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ مدبر مطلق کو بیچ سکتے ہیں نہ ہبہ، نہ رہن اور نہ صدقہ کرسکتے ہیں۔ البتہ مدبر مقید جسے اس کا آقا یہ کہے کہ اگر میں اس بیماری میں مرگیا تو آزاد ہے اس کی بیع امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک بھی جائز ہے۔

بَابُ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَهِبَتِهٖ

باب وَلا کی بیع اور اس کا ہبہ جائز نہیں

۲۳۶۸۔ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَعَنْ هِبَتِهٖ

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وَلا کی بیع و ہبہ سے منع فرمایا ہے۔

۲۳۶۹۔ اس عنوان کے ماتحت امام بخاری نے حدیث عائشہ بھی ذکر کی ہے جو مکمل تفہیم و ترجمانی کے ساتھ فیوض پارہ ہشتم ص۱۹۶ پر گزرچکی ہے۔

فوائد و مسائل وَلا۔ یعنی جب غلام کو آزاد کردیا جائے تو اس کی میراث آزاد کرنے والے کو ملے گی۔ اس مسئلہ میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے اور ولا۔ کو بیع کرنا یا ہبہ کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں اس کا دستور تھا۔

بَابٌ اِذَا اُسِرَ اَخُو الرَّجُلِ اَوْ عَمُّهٗ

باب اگر کسی کا بھائی یا چچا قید ہوکر آئے تو کیا اس

هَلْ يُفَادٰى اِذَا كَانَ مُشْرِكًا

کے مشرک ہونے کی صورت میں بھی اس کا فدیہ دیا جائیگا

مطلب عنوان یہ ہے کہ اگر کسی کا بھائی یا چچا کفار سے لڑائی میں قید ہوجائیں اور وہ کافر ہوں تو کیا ان کو بھی

فدیہ دے کر چھڑایا جائے گا؟ امام بخاری نے اس کا جواب نہیں تحریر کیا۔ کیونکہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے[۲] امام بخاری نے بھائی اور چچا کا ذکر کر کے زیرِ عنوان حدیث سے یہ استدلال فرمایا ہے کہ ذی محرم صرف ملکیت میں آجانے سے آزاد نہیں ہوتا۔ کیونکہ غزوۂ بدر کے اسیروں میں حضرت عباس اور عقیل بھی تھے جو کہ حضرت علی اور خود حضور علیہ السلام کے ذی محرم تھے اور انھیں فدیہ لے کر آزادی دی گئی تھی ۔۔۔ احناف کا مسلک یہ ہے کہ ذی رحم محرم اگر کسی کی ملکیت میں آجائے تو وہ فوراً آزاد ہو جاتا ہے کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ مَنْ مَلَكَ ذَا مَحْرَمٍ فَهُوَ حُرٌّ۔ اس حدیث کو ابو داؤد ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور امام بخاری کے استدلال کا جواب یہ ہے جس وقت اسیرانِ بدر سے فدیہ لیا گیا تو اسیران کسی فردِ خاص کی ملکیت نہ تھے۔ اس وقت تو یہ حکومت کی تحویل میں تھے۔ جب تک غنیمت کو تقسیم نہ کر دیا جائے۔ اس وقت تک غانمین اس کے مالک نہیں ہوتے تو حضرت عباس و عقیل اگرچہ ذی رحم تھے مگر اس وقت غنیمت تقسیم نہ ہونے کی وجہ سے وہ کسی کی مِلک میں نہیں آئے تھے۔

وَقَالَ اَنَسٌ قَالَ الْعَبَّاسُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَادَيْتُ نَفْسِيْ وَفَادَيْتُ عَقِيْلًا

(بخاری)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میں نے (جنگِ بدر کے بعد قید سے آزاد ہونے کے لیے) اپنا بھی فدیہ دیا تھا اور عقیل (رضی اللہ عنہ) کا بھی۔

ا۔ یہ تعلیق اس حدیث کا ایک حصہ ہے جو کتاب الصلوٰۃ باب القسمۃ میں گزر چکی ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے چچا ہیں۔ حضرت عباس کفارِ قریش کے اُن دس سرداروں میں تھے۔ جنہوں نے جنگِ بدر میں لشکرِ کفار کے کھانے کی ذمہ داری لی تھی اور یہ اس خرچ کے لیے بیس اوقیہ سونا ساتھ لے کر چلے تھے (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے) لیکن ان کے ذمے جس دن کھلانا تجویز ہوا تھا۔ خاص اسی روز جنگ کا واقعہ پیش آیا اور قتال میں کھانے کھلانے کی فرصت و مہلت نہ ملی تو بیس اوقیہ سونا ان کے پاس بچ رہا۔ جب وہ گرفتار ہوئے اور یہ سونا اُن سے لے لیا گیا تو انھوں نے درخواست کی کہ یہ سونا ان کے فدیہ میں محسوب کر لیا جائے مگر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمایا۔ ارشاد کیا جو چیز ہماری مخالفت میں صرف کرنے کے لیے لائے تھے وہ نہ چھوڑی جائے گی اور حضرت عباس پر ان کے دونوں بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کے فدیے کا بار بھی ڈالا گیا تو حضرت عباس نے عرض کیا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم مجھے اس حال میں چھوڑو گے کہ میں باقی عمر قریش سے مانگ مانگ کر بسر کیا کروں؟ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

فَاَيْنَ الْمَالُ الَّذِيْ تَرَكْتَهُ عِنْدَ اُمِّ الْفَضْلِ پھر وہ سونا کہاں ہے جس کو تمہارے مکہ مکرمہ سے

فَقَالَ يَا ابْنَ اَخِيْ مَنْ اَعْلَمَكَ فَوَاللّٰهِ مَا كَانَ عِنْدَنَا ثَالِثٌ فَقَالَ اَخْبَرَنِيَ اللّٰهُ

(بیہقی) عینی ج ۱۳ ص ۹۷

چلتے وقت تمہاری بی بی ام الفضل نے دفن کیا ہے اور تم ان سے کہہ کر آئے ہو کہ خبر نہیں ہے مجھے کیا حادثہ پیش آئے۔ اگر میں جنگ میں کام آجاؤں تو یہ تیرا ہے اور عبداللہ اور عبیداللہ کا اور فضل اور قثم کا (سب ان کے بیٹے تھے) حضرت عباس نے عرض کیا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ حضور نے فرمایا مجھے میرے رب نے خبردار کیا ہے۔ اس پر حضرت عباس نے عرض کیا۔ میں گواہی دیتا ہوں بے شک آپ سچے ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میرے اس راز پر اللہ کے سوا کوئی مطلع نہ تھا اور حضرت عباس نے اپنے بھتیجوں عقیل ونوفل کو حکم دیا وہ بھی اسلام لائے۔

وَكَانَ عَلِيٌّ لَهٗ نَصِيْبٌ فِيْ تِلْكَ الْغَنِيْمَةِ الَّتِيْ اَصَابَ مِنْ اَخِيْهِ عَقِيْلٍ وَعَمِّهٖ عَبَّاسٍ

حالانکہ اس غنیمت میں علی رضی اللہ عنہ کا بھی حصہ تھا جو ان کے بھائی عقیل کے چچا عباس رضی اللہ عنہ سے ملی تھی۔

یہ امام بخاری کا کلام ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عباس اور عقیل حضرت علی کے ذی رحم تھے اور جب یہ قید ہو کر غنیمت میں آئے تو حضرت علی کا بھی اس غنیمت میں حصہ تھا۔ مگر ان سے فدیہ لیا گیا۔ معلوم ہوا کہ ذی رحم مجرد ملک سے آزاد نہیں ہوتا۔ ورنہ حضرت عباس اور عقیل آزاد قرار پاتے اور ان سے فدیہ نہ لیا جاتا جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ کافر محض غنیمت بن جانے سے ملک میں نہیں آتا۔ کیونکہ اس امر کا اختیار رہتا ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے یا غلام بنا لیا جائے۔

فَلَا يَلْزَمُ الْعِتْقُ بِمُجَرَّدِ الْغَنِيْمَةِ

ہاں جب مال غنیمت تقسیم کر دیا جائے۔

اور کسی شخص کے حصہ میں ایسا قیدی آجائے جو اس کا ذی رحم ہو تو اب وہ اس کی ملک میں آجائے گا اور ملک میں آتے ہی آزاد قرار پائے گا۔

۲۳۷۰۔ حَدَّثَنِيْ اَنَسٌ اَنَّ رِجَالًا مِّنَ الْاَنْصَارِ اِسْتَاْذَنُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا ائْذَنْ فَلْنَتْرُكْ لِابْنِ اُخْتِنَا عَبَّاسٍ فِدَاءَهٗ فَقَالَ لَا تَدَعُوْنَ مِنْهُ دِرْهَمًا

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انصار کے بعض افراد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ ہمیں اس کی اجازت دیجئے کہ ہم اپنے بھانجے عباس (رضی اللہ عنہ) کو فدیہ لیے بغیر چھوڑ دیں لیکن حضور نے فرمایا کہ ان کے فدیہ سے ایک درہم بھی نہ چھوڑنا۔

فوائد و مسائل

۱۔ اس حدیث کو امام بخاری نے جہاد اور مغازی میں بھی ذکر کیا ہے۔ عنوان سے مطابقت اس حدیث کی یہ ہے کہ اس میں فدیہ لے کر جنگ کے قیدیوں کو چھوڑنے کا ذکر ہے کہ اہلِ قرابت خواہ ذوی الارحام سے ہوں یا عصبات سے ہوں فدیہ لیے جانے میں برابر ہیں۔ ۲۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے چچا تھے۔ انصار نے حضرت عباس کو اپنا بھانجا اس بنا پر کہا کہ آپ کے والد اور حضور کے دادا عبدالمطلب کی ننہال مدینہ کے قبیلہ بنو نجار میں تھی۔

واضح ہو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی والدہ جن کا نام قتیلہ ہے انصار سے نہ تھیں بلکہ حضرت عبدالمطلب کی والدہ سلمٰی بنتِ عمرو بن احیحہ بنی نجار سے تھیں۔ حضرت عبدالمطلب کے والد ہاشم نے دورانِ سفرِ شام مدینہ منورہ میں عمرو بن زید بن لبید النجاری (جو اپنی قوم کے سردار تھے) کے ہاں قیام کیا تھا۔ ان کی ایک صاحبزادی سلمٰی بہت حسین و جمیل تھیں۔ ہاشم نے ان کے لیے پیغامِ نکاح دیا تو سلمٰی کے والد عمرو نے منظور کر لیا مگر یہ شرط رکھی کہ سلمٰی ہمارے گھر ہی رہے گی اور ولادت کا مرحلہ بھی ہمارے گھر میں ظہور پذیر ہوگا۔ چنانچہ نکاح ہو گیا۔ مختصر یہ کہ ہاشم اپنی بیوی کو بوقتِ ولادت مدینہ چھوڑ گئے اور شام چلے گئے اور وہاں انتقال کر گئے اور سلمٰی کے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام شیبہ رکھا گیا۔ شیبہ سات سال تک اپنی والدہ کے پاس اپنے ننہال میں پرورش پاتے رہے اس کے بعد آپ کے چچا مطلب شیبہ کو خفیہ طور پر مکہ لے آئے۔ راستہ میں کوئی پوچھتا تو مطلب کہتے یہ میرا غلام ہے۔ اسی بنا پر شیبہ عبدالمطلب مشہور ہو گئے ورنہ آپ کا نام عبدالمطلب نہیں بلکہ شیبہ تھا۔ اسی بنا پر انصار نے حضرت عباس کو ابنِ اختنا کہا۔ (عینی ج ۱۳ ص ۹۸)

۳۔ غزوۂ بدر میں جو لوگ قید ہوئے وہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے قریبی عزیز تھے۔ حضور نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ اسیرانِ جنگ کے معاملہ میں کیا کیا جائے۔ حضرت صدیق اکبر نے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا مشورہ عرض کیا اور حضرت عمر نے قتل کرنے کا۔ حضور نے صدیق اکبر کے مشورہ کو پسند فرمایا اور اسیرانِ جنگ سے چار چار ہزار درہم فدیہ لیا گیا۔ لیکن جو ناداری کی وجہ سے فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے وہ چھوڑ دیے گئے۔ ان میں سے جو لکھنا جانتے تھے ان کو حکم ہوا کہ دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں تو چھوڑ دیے جائیں گے۔ حضرت زید بن ثابت نے اسی طرح لکھنا سیکھا تھا۔ (طبقات ابن سعد ص ۱۴)

انصار نے عرض کی کہ حضرت عباس ہمارے بھانجے ہیں۔ ہم اُن کا فدیہ چھوڑ دیتے ہیں لیکن نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مساوات کی بنا پر گوارا نہیں فرمایا اور ان کو بھی فدیہ ادا کرنا پڑا۔ فدیہ کی عام مقدار ۴۰ ہزار درہم تھی لیکن امراء سے زیادہ لیا گیا۔ حضرت عباس دولت مند تھے۔ اس لیے ان سے بھی زیادہ رقم وصول کی گئی۔ حضرت عباس نے زیادہ فدیہ وصول کرنے کی حضور علیہ السلام سے شکایت بھی کی تھی۔

ایک طرف تو ادائے فرض کی یہ مساوات تھی۔ دوسری طرف محبّت کا یہ تقاضا تھا کہ حضرت عباس کی کراہ سُن کر رات کو حضور علیہ السلام آرام نہ فرما سکے، لوگوں نے اُن کی گرہ کھول دی تو آپ نے آرام فرمایا۔

۲- چنانچہ مسلم کی حدیث کا مضمون ہے کہ جنگِ بدر میں ستّر کافر قید کر کے سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں لائے گئے۔ حضور نے ان کے متعلق صحابہ سے مشورہ طلب فرمایا۔ حضرت ابو بکر صدیق نے عرض کیا کہ یہ آپ کی قوم و قبیلے کے لوگ ہیں۔ میری رائے میں انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ اس سے مسلمانوں کو قوت بھی پہنچے گی اور کیا عجب ہے کہ اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو اسلام نصیب کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے آپ کی تکذیب کی۔ آپ کو مکہ مکرمہ میں نہ رہنے دیا۔ یہ کُفر کے سردار اور سرپرست ہیں ان کی گردنیں اُڑا دیجئے۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو فدیہ سے غنی کیا ہے۔ علی مرتضےٰ کو عقیل پر اور حضرت حمزہ کو عباس پر اور مجھے میرے قرابتی پر مقرر کیجئے کہ ان کی گردنیں ماریں۔ آخر کار فدیہ ہی لینے کی رائے قرار پائی اور جب فدیہ لیا گیا تو سورۃ انفال کی یہ آیت نازل ہوئی۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ	کسی نبی کے لائق نہیں ہے کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک زمین میں ان کا خون خوب نہ بہائے۔

یعنی کسی نبی کو یہ لائق نہیں ہے کہ قتلِ کفار میں مبالغہ کر کے کُفر کی ذلّت اور اسلام کی شوکت کا اظہار کئے بغیر کافروں کو زندہ قید کرے۔ اس کے بعد ارشادِ باری ہے۔

تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ	تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے

یہ مومنین کو خطاب ہے اور مال سے فدیہ مراد ہے اللہ تعالےٰ نے مومنین سے فرمایا تمہارے لئے آخرت کا ثواب ہے جو قتلِ کفار اور اعزازِ اسلام پر مرتّب ہے — حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ حکم بدر میں تھا جب کہ مسلمان تھوڑے تھے پھر جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوئی اور وہ فضلِ الٰہی سے قوی ہوئے تو قیدیوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً اور رب تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو اختیار دیا کہ چاہے کافروں کو قتل کریں چاہے انہیں غلام بنائیں چاہے فدیہ لیں چاہے آزاد کریں۔

بَابُ عِتْقِ الْمُشْرِكِ

باب مشرک غلام کو آزاد کرنا

۱۲۳۷- عَنْ هِشَامٍ اَخْبَرَنِىْ اَبِىْ اَنَّ حَكِيْمَ بْنَ حِزَامٍ اَعْتَقَ فِى الْجَاهِلِيَّةِ مِائَةَ رَقَبَةٍ وَّحَمَلَ عَلٰى مِائَةِ بَعِيْرٍ فَلَمَّا اَسْلَمَ حَمَلَ	حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے اپنے کُفر کے زمانے میں سو غلام آزاد کئے تھے اور سو اونٹوں کی قربانی دی تھی۔ پھر جب اسلام لائے تو سو اونٹوں کی قربانی دی اور سو

عَلٰی مِائَۃِ بَعِیْرٍ وَّ اَعْتَقَ مِائَۃَ رَقَبَۃٍ قَالَ فَسَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَءَیْتَ اَشْیَآءَ کُنْتُ اَصْنَعُھَا فِی الْجَاھِلِیَّۃِ کُنْتُ اَتَحَنَّثُ بِھَا یَعْنِیْ اَتَبَرَّرُ بِھَا قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَسْلَمْتَ عَلٰی مَا سَلَفَ لَکَ مِنْ خَیْرٍ

غلام آزاد کیے۔ آپ نے بحضور نبوی عرض کی کہ بحالت کفر ثواب کی نیت سے میں نے جو کام کئے کیا مجھے ان کا ثواب ملے گا۔ اَتَحَنَّثُ کے معنیٰ اَتَبَرَّرُ کے ہیں۔ نبی علیہ السلام نے جواباً فرمایا۔ جو نیکیاں تم نے بحالت کفر کی ہیں ان کے سمیت اسلام میں داخل ہوئے ہو (بخاری)

فوائد و مسائل ۱۔ اَتَحَنَّثُ کے معنی عبادت کے ہیں یعنی وہ کام جو رضائے الٰہی کے لیے کیا جائے۔

۲۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ غلام اگر مشرک ہو اور ثواب کی نیت سے اسے آزاد کیا جائے تو جائز ہے کیونکہ حکیم بن حزام نے حالتِ کفر میں حصولِ ثواب کے لیے جو غلام آزاد کیے۔ اسلام لانے کی وجہ سے وہ باعثِ اجر و ثواب قرار پائے تو اگر مسلمان کسی کافر یا مشرک غلام کو آزاد کرے گا تو بطریقِ اولیٰ مستحقِ ثواب ہوگا۔

۳۔ امام مالک شافعی احمد کی رائے یہ ہے کہ قسم کے کفارہ اور ظہار میں کافر غلام کا آزاد کرنا جائز نہیں ہے جیسے "قتلِ خطا" میں جائز نہیں ہے۔ امامِ اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ قسم کے کفارہ اور ظہار میں کافر غلام کو آزاد کرنا اس لیے جائز ہے کہ قرآنِ مجید میں مطلقاً غلام آزاد کرنے کا حکم دیا ہے خواہ کافر ہو یا مسلمان اور قتلِ خطا میں غلام کے مسلمان ہونے کی قید ہے۔ لہٰذا مسلمان غلام آزاد کیا جائیگا۔ نیز ضابطہ یہ ہے کہ نص کا جو مقتضیٰ ہے۔ اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اگر آیت یا حدیث کا حکم مطلق ہے تو مطلق پر اور اگر مقیّد ہے تو مقیّد پر عمل کیا جائے گا۔

۴۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ کافر نے بحالتِ کفر جو نیکیاں کی ہیں اسلام لانے کی وجہ سے ان نیکیوں کا بھی اسے ثواب ملے گا۔

حضرت حکیم بن حزام ۵۔ حضرت حکیم بن حزام حضور علیہ السلام کی ولادت سے تیرہ سال قبل کعبہ میں پیدا ہوئے۔ فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا۔ نبی علیہ السلام نے انھیں سوال نہ کرنے کی ترغیب دی جس کے بعد انھوں نے تاحیات اپنی ضرورت کے لیے کسی سے سوال نہ کیا حتیٰ کہ حضرت ابوبکر و عمر نے انھیں باصرار بیت المال سے وظیفہ لینے کے لیے کہا۔ آپ نے انکار کردیا۔ آپ کی ایک سو بیس سال عمر ہوئی۔ ساٹھ سال بحالتِ جاہلیت رہے اور ساٹھ سال بحالتِ اسلام۔ ۵۴ھ میں حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں آپ نے انتقال فرمایا۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہم (اسد الغابہ ج ۲ صفحہ ۴)

بَابُ مَنْ مَلَكَ مِنَ الْعَرَبِ

باب جس نے عربی کو غلام بنایا

فَوَهَبَ وَبَاعَ وَجَامَعَ وَفَدٰی وَ سَبَی الذُّرِّيَّةَ قَوْلِهٖ تَعَالٰی ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا الخ

پھر اسے ہبہ کیا یا بیچا یا اس سے جماع کیا یا فدیہ لیا اور جس نے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنایا۔

عنوان سے آیت کی مناسبت یہ ہے کہ اس میں عَبْدًا مَّمْلُوْكًا کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ مطلق ہے اس میں عربی اور عجمی کی کوئی قید نہیں ہے۔ جس سے واضح ہوا کہ جنگ میں جو کافر خواہ وہ عربی ہو یا عجمی ہو، قید ہوگا وہ مالِ غنیمت میں شمار ہوگا اور اسے یا قتل کیا جائے گا یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے گا یا پھر غلام بنالیا جائے گا اور جب وہ غلام ہو جائے گا تو اس پر غلاموں کے احکام نافذ و جاری ہوں گے۔

۲۷۳۲۔ اسی عنوان باب مَنْ مَلَكَ مِنَ الْعَرَبِ میں امام بخاری نے حدیث مسور بن مخرمہ بھی ذکر کی ہے۔ جس میں وفدِ ھوازن کا ذکر ہے۔ یہ وفد بحضورِ نبوی حاضر آیا اور اس نے اپنے قیدیوں کی واپسی کی درخواست کی تھی۔ امام بخاری نے اس حدیث کو ذکر کرکے یہ واضح کیا ہے کہ کافروں سے جنگ میں جو کافر بھی قید ہوگا خواہ وہ عجمی ہو یا عربی اس میں کوئی تفریق نہ ہوگی یعنی عرب بھی قیدی بنائے جائیں گے۔ یہ حدیث مع مکمل تفہیم و ترجمانی کے فیوض پارہ نہم کتاب الوکالہ میں گزر چکی ہے۔ ملاحظہ کیجئے حدیث نمبر ۲۱۵۸ نیز حدیث نمبر ۲۱۶۰

۲۷۳۳۔ اَخْبَرَنَا ابْنُ عَوْنٍ قَالَ كَتَبْتُ اِلٰی نَافِعٍ فَكَتَبَ اِلَيَّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَغَارَ عَلٰی بَنِي الْمُصْطَلِقِ

عبداللہ بن عون کہتے ہیں کہ میرے سوال پر نافع نے اپنے مکتوب میں لکھا کہ نبی علیہ السلام نے بنی مصطلق پر حملہ کیا جب کہ وہ غافل تھے اور ان کے جانوروں

وَهُمْ غَارُّوْنَ وَاَنْعَامُهُمْ تُسْقٰى عَلَى الْمَآءِ فَقَتَلَ مُقَاتِلَتَهُمْ وَسَبٰى ذَرَارِيَّهُمْ وَاَصَابَ يَوْمَئِذٍ جُوَيْرِيَةَ حَدَّثَنِىْ بِهٖ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ عُمَرَ وَكَانَ فِىْ ذٰلِكَ الْجَيْشِ

کو تالابوں پر پانی پلایا جا رہا تھا۔ آپ نے ان میں سے مقابلہ کرنے والوں کو قتل کیا اور ان کی اولاد کو قیدی بنالیا۔ انہی قیدیوں میں جویریہ بھی ملی تھیں۔ عبداللہ بن عمر نے یہ واقعہ بیان کیا اور وہ اس لشکر میں شامل تھے۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو مسلم نے مغازی ابوداؤد نے جہاد اور نسائی نے سیر میں ذکر کیا ہے۔ حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مصطلق کے قیدی تقسیم کیئے تو جویریہ بنتِ حارث ثابت بن قیس بن شماس یا ان کے چچا زاد بھائی کے حصہ میں آئیں اور مکاتبت کو قبول کر کے بحضور نبوی حاضر آئیں۔ عرض کی میں جویریہ بنت حارث ہوں۔ میرے والد اپنی قوم کے سردار تھے آج میں بڑی مشکل میں ہوں حضور عقدِ کتابت کی رقم میں میری مدد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں تجھے بہتر مشورہ دوں۔ عرض کی دیجئے۔ فرمایا تمہاری کتابت کی رقم میں ادا کر دیتا ہوں اور تم مجھ سے نکاح کر لو۔ وہ رضامند ہوگئیں۔ نبی علیہ السلام نے ان سے نکاح فرمالیا۔ جب صحابہ کرام کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے کہا کہ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا خاندان تو حضور کا سسرال ہو گیا ہے چنانچہ صحابہ نے بنی مصطلق کے تمام قیدی جن کی تعداد ایک سو تھی حضور نبی علیہ السلام سے نسبت اور آپ کے احترام کی بناء پر بخوشی آزاد کر دیے ۲۔ اس حدیث میں اَغَارَ کا لفظ ہے جس کا مطلب اچانک حملہ کرنے کے ہیں۔ ابتداءِ اسلام میں ایسا جائز تھا۔ بعد میں پہلے اسلام کی دعوت دینا ضروری قرار پایا۔

۲۳۷۴۔ عَنْ ابْنِ مُحَيْرِيْزٍ قَالَ رَاَيْتُ اَبَا سَعِيْدٍ فَسَاَلْتُهٗ فَقَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ غَزْوَةِ بَنِى الْمُصْطَلِقِ فَاَصَبْنَا سَبْيًا مِّنْ سَبْىِ الْعَرَبِ فَاشْتَهَيْنَا النِّسَآءَ فَاشْتَدَّتْ عَلَيْنَا الْعُزْبَةُ وَاَحْبَبْنَا الْعَزْلَ فَسَاَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا عَلَيْكُمْ اَنْ لَّا تَفْعَلُوْا مَا مِنْ نَسَمَةٍ كَائِنَةٍ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

ابن محیریز کہتے ہیں۔ میں نے ابوسعید سے سوال کیا۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ بنی مصطلق کے لیے نکلے۔ اس غزوے میں ہمیں عرب قیدی ملے (قبیلہ بنی مصطلق کے)۔ (راستے ہی میں ہمیں عورتوں کی خواہش ہوئی اور تجرد شاق گزرنے لگا، اس لیے (ان باندیوں سے ہم بستری میں) ہم عزل کرنا چاہتے تھے۔ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا، ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن جن ارواح کی قیامت تک

اِلَّا وَهِیَ کَائِنَةٌ | کے لیے پیدائش مقدر ہو چکی وہ تو بہر حال پیدا ہو کے رہیں گے۔

برتھ کنٹرول، عزل جائز ہے

اس حدیث سے واضح ہوا کہ اپنی بیوی سے عزل جائز ہے۔ مسئلہ کی تفصیل یہ ہے۔
۱۔ حدیث وفقہ کی تقریباً تمام کتب میں مستقل طور پر باب العزل کا عنوان قائم ہے اور شارحین نے عزل کے متعلق شرح وبسط کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ شارحینِ حدیث اور فقہار نے عزل کے معنیٰ یہ کئے ہیں کہ اپنی بیوی سے جماع کے وقت ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ مادہ باہر گرے۔ مقصد اس عمل کا یہ ہے کہ بچے پیدا نہ ہوں ــــــ جہاں تک میرے علم اور عقل کا تعلق ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ عزل اور برتھ کنٹرول یا دوسرے لفظوں میں خاندانی منصوبہ بندی کا مطلب ومقصد ایک ہی ہے۔ فی زمانہ برتھ کنٹرول کے مختلف طریقے ہیں۔ ادویہ کا استعمال، لیدر کا استعمال وغیرہ وغیرہ۔ زمانہ رسالت میں مانع حمل ادویہ اور اشیاء ایجاد نہیں ہوئی تھیں۔ اس لیے صرف عزل کے ذریعے بچہ کی پیدائش کو روکا جاتا تھا۔

۲۔ زمانہ رسالت میں صحابہ کرام دو وجہ سے عزل کرتے تھے۔ لونڈی سے عزل کرتے تھے تاکہ اس کے اولاد نہ ہو۔ کیونکہ جس لونڈی کے اولاد ہو جائے وہ شرعاً اُمِ ولد ہو جاتی ہے اور اس کی بیع ممنوع وناجائز قرار پاتی ہے۔ چنانچہ بخاری ومسلم، ابوداؤد، مسندِ احمد وابن ماجہ کی متعدد احادیث میں اس وجہ کا واضح طور پر ذکر ہے اور اپنی بیوی سے عزل اس لیے کرتے تھے تاکہ اولاد زیادہ نہ ہو۔ چنانچہ مسلم ومسندِ احمد کی حدیث میں ہے کہ حضرت اسامہ فرماتے ہیں کہ بحضورِ نبوی ایک شخص حاضر ہوا۔ عرض کی میں اپنی

اِنِّیْ اَعْزِلُ عَنْ اِمْرَاَتِیْ فَقَالَ لَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَ تَفْعَلُ ذٰلِكَ فَقَالَ اَشْفَقُ عَلٰى وَلَدِهَا اَوْ عَلٰى اَوْلَادِهَا | بیوی سے عزل کرتا ہوں۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عزل کیوں کرتے ہو۔ اس نے جواباً عرض کی اس کے بچہ یا اولاد پر شفقت کی بنا پر (مسلم)

علامہ شوکانی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا کہ اس میں عزل کی وجوہات میں سے ایک وجہ کا ذکر ہے اور وہ یہ ہے کہ کثرتِ اولاد سے بچا جائے (نیل الاوطار ج ۶ صہ ۱۹۸)۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ صحابہ کرام اپنی ازواج سے عزل (برتھ کنٹرول) کرتے تھے ــــــ اور اس لیے کرتے تھے تاکہ اولاد کی کثرت نہ ہو۔ ثابت ہوا کہ کثرتِ اولاد کی مشکلات سے بچنے کے لیے اپنی بیوی سے عزل جائز ہے یعنی عقیدہ کی صحت وسلامتی کے ساتھ (اللہ تعالےٰ کو قادر وقدیر اور خالق ورازق سمجھتے ہوئے) محض سبب کے طور پر عزل کے عمل کو اپنانا جائز ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ اس عمل کو موثرِ حقیقی نہ سمجھے اور یہ عقیدہ رکھے کہ خواہ کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جائے جسے اللہ تعالےٰ کو پیدا کرنا مقصود ہے

بہرحال و بہر صورت پیدا ہو گا۔ چنانچہ یورپ میں جن عورتوں نے مانع حمل گولیاں استعمال کیں اخبارات شاہد ہیں کہ ان کے ایک نہیں دو بچے بھی پیدا ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کسی صحابی نے عزل کے متعلق سوال کیا تو آپ نے بڑے حکیمانہ انداز میں انھیں بتایا کہ عزل محض ایک سبب ہے اسے موثر حقیقی نہ سمجھا جائے اور اللہ تعالےٰ کے خالق و رازق ہونے کے عقیدہ کو ذہنوں سے اوجھل نہ ہونے دیا جائے چنانچہ بخاری مسلم ابوداؤد، احمد، موطا امام محمد کی احادیث میں اس امر کی تصریح ہے۔ حضرت جابر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بحضور نبوی عرض کی۔ میں اس بات کو اچھا نہیں سمجھتا کہ میری لونڈی حاملہ ہو۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ اگر　　　تو چاہتا ہے تو عزل کر مگر

فَقَالَ اعْزِلْ عَنْهَا اِنْ شِئْتَ فَاِنَّهٗ سَيَاْتِيْهَا مَا قُدِّرَ لَهَا

اس کے باوجود جو مقدر ہے وہ ضرور پیدا ہو گا (موطا امام محمد)

اسی طرح امام اور بزار نے باسناد حسن حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک شخص نے عزل کے متعلق نبی علیہ السلام سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ پانی جس سے بچے کی پیدائش اللہ کو منظور ہے۔

اَهْرَقْتَهٗ عَلٰى صَخْرَةٍ لَاَخْرَجَ اللّٰهُ مِنْهَا وَلَدًا اَوْ يَخْلُقَنَّ اللّٰهُ نَفْسًا هُوَ خَالِقُهَا　(موطا امام محمد)

اسے تو پتھر پر بھی ڈال دے تو اس صورت میں بھی اللہ تعالےٰ بچہ پیدا فرمادے گا یا نفس کو پیدا فرمادے گا جس کا وہ خالق ہے۔

۲۔ موطا امام محمد کی شرح التعلیق الممجد میں حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی علیہ الرحمہ زیر عنوان باب العزل لکھتے ہیں کہ صحابی رسول حضرت ابن عباس، جابر بن عبداللہ، سعد بن ابی وقاص، زید بن ثابت اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہم اپنی بیوی اور لونڈی سے عزل کو جائز قرار دیتے ہیں۔ البتہ حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے کراہت کا قول کیا ہے (یعنی یہ حضرات عزل کو جائز تو قرار دیتے ہیں مگر اس عمل کو اچھا نہیں سمجھتے یعنی مکروہ تنزیہہ قرار دیتے ہیں اور مکروہِ تنزیہہ فعلِ جائز ہے۔ حرام یا مکروہِ تحریمہ یا گناہ ہرگز نہیں ہے)۔

۳۔ علامہ ابن عبدالبر[1] اور علامہ ابن ہبیرہ نے لکھا ہے کہ اپنی بیوی کی اجازت سے عزل کے جواز پر اجماع ہے۔ حافظ ابن حجر[2] شارح بخاری فرماتے ہیں۔ عزل کے جواز سے بغرضِ علاج اسقاطِ حمل کا جواز بھی واضح ہو

---

[1] ونقل ابن عبد البر وابن هبيره الاجماع على انها لا يعزل عن الزوجة الحرة الا باذنها [2] قال حافظ ابن حجر يتنزع من حكم العزل معالجة المراة

جاتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ بچہ میں رُوح نہ پڑی ہو۔ علامہ ابن ہمام علیہ الرحمہ فتح القدیر میں لکھتے ہیں کہ اسقاطِ حمل مباح ہے جب تک اعضاء نہ بنے ہوں اور رُوح نہ پڑی ہو (یعنی اگر حاملہ بیوی کو حمل کی وجہ سے جان کا خطرہ پیدا ہو جائے یا سخت بیماری کا ترجیب تک بچہ میں جان نہ پڑی ہو اسقاطِ حمل جائز ہے) فقہ حنفی کی مشہور کتاب خانیہ میں ہے کہ اپنی بیوی کا اسقاطِ حمل اس صورت میں ناجائز وگناہ ہے جب کہ عذرِ شرعی نہ ہو (یعنی حاملہ کی جان یا سخت وشدید بیماری کا خطرہ نہ ہو) اور صاحب بحرالرائق نے فرمایا۔ بضرورت اسقاطِ حمل جائز ہے کیونکہ اس کے لیے دلیلِ صحیح موجود ہے جس پر اسقاط کو قیاس کیا جائے گا۔

۴۔ صحابی رسول حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے ابن قہد یمنی نے اپنی لونڈی سے عزل کے متعلق سوال کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ وہ تیری کھیتی ہے اب یہ تیری مرضی ہے خواہ

هُوَ حَرْثُكَ اِنْ شِئْتَ عَطَشْتَهٗ وَاِنْ شِئْتَ سَقَيْتَهٗ	اس کو پیاسا رکھ یا سیراب کردے (موطا امام محمد صہ ۱۹۵)

۵۔ امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ ہمارا مؤقف بھی یہی ہے کہ لونڈی سے عزل میں حرج نہیں البتہ

لَا نَرٰى بِالْعَزْلِ بَاْسًا عَنِ الْاَمَةِ وَ اَمَّا الْحُرَّةُ فَلَا يَنْبَغِيْ اَنْ يَّعْزِلَ عَنْهَا اِلَّا بِاِذْنِهَا	اگر بیوی حُرہ ہو تو اس کی اجازت سے عزل کرنا جائز ہے (مؤطا صہ ۱۹۵)

۶۔ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ موطا امام محمد کی ان روایات کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام مالک اور امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے اور سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما نے قرآن مجید

اِسْقَاطُ النُّطْفَةِ قَبْلَ نَفْخِ الرُّوْحِ ؎ قَالَ اِبْنُ الْهُمَامِ يُبَاحُ الْاسقاطُ مَالَمْ يَتَخَلَّقْ ۴۔ لَا اَقُوْلُ اِنَّهٗ يُبَاحُ الْاِسْقَاطُ مُطْلَقًا اَنْ يَّلْحَقَهَا اِثْمٌ مِنْهَا اِذَا اسقطت من غَيْرِ عُذْرٍ ؎ قَالَ فِي الْبَحْرِ ينبغي الاعتماد عليه لان له اصلا صحيحا يقاس عليه

(التعليق الممجد) ——— ؎ اِنَّ جَوَازَ الْعَزْلِ مُسْتَنْبَطٌ مِنَ الْكِتَابِ فَاِنَّهٗ تَعَالٰى قَالَ فِيْ بَابِ وَطْيِ النِّسَاءِ نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ فَسَمَّى بُضْعَ الْمَرْأَةِ حَرْثًا وَمِنَ الْمَعْلُوْمِ اَنَّ الْحَرْثَ يَتَخَيَّرُ فِيْهِ الْاِنْسَانُ بَيْنَ اَنْ يَّسْقِيَهٗ وَاَنْ لَّا يَسْقِيَهٗ فَكَذٰلِكَ بُضْعُ النِّسَاءِ وَبَلْ قِيْلَ اَنَّ نُزُوْلَ اَنّٰى شِئْتُمْ اَيْ كَيْفَ شِئْتُمْ كَانَ لِبَيَانِ جَوَازِ الْعَزْلِ۔

کی آیت نساءکم حرث لکم الخ سے عزل کے جواز کا استدلال فرمایا ہے - آیت میں انی شئتم بمعنی کیف شئتم اور آیت کے اس جملہ سے عزل کا جواز ثابت ہوتا ہے (طبرانی وحاکم) اور حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر اور حضرت امیرالمومنین فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق، بیہقی نے مرفوع اور موقوف حدیثیں روایت کی ہیں جن سے لونڈی سے اس کی اجازت کے بغیر اور اپنی حُرّہ بیوی سے اس کی اجازت سے عزل کا جائز ہونا واضح ہے - اسی طرح ابنِ ماجہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع حدیث اور علامہ ابن حجر نے تلخیص الجبیر میں اور امام طحاوی علیہ الرحمہ نے شرح معانی الاثار میں متعدد احادیث و آثار نقل کئے ہیں جن سے عزل کا جواز ثابت ہوتا ہے اور حضرت عمر نے جو یہ فرمایا ہے کہ لوگ اپنی لونڈیوں سے عزل کرتے ہیں - جو لونڈی میرے پاس آئے گی اور اس کا آقا یہ اعتراف کرے گا کہ میں نے اس سے جماع کیا ہے تو یہ اولاد آقا ہی کی قرار دوں گا - اب یہ تمہاری مرضی ہے کہ تم عزل کرو یا نہ کرو - تو حضرت عمر نے اپنے اس فرمان میں لونڈی سے حرمت کا قصد نہیں فرمایا کیونکہ وہ بھی لونڈی سے عزل کو جائز قرار دیتے ہیں [1]

نوٹ - یہ تمام مضمون موطا امام محمد اور اس کی شرح تعلیقِ ممجد کا خلاصہ ہے - جسے ہم نے آسان زبان میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے - موطا امام محمد ص ۱۹۴/۱۹۵

۷ - مولانا عبدالحی لکھنوی علیہ الرحمہ نے احادیثِ عزل پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بعض صحابہ کرام نے عزل کو مکروہ اس لیے قرار دیا کہ عزل کی کراہت کا قول کرنے سے ایک تو حقِ زوجہ کو تقویت ملتی ہے اور دوم یہ کہ عزل کا عمل قضا و قدر کے معاند ہے - حقِ زوجہ کے تقویت کی دلیل - حدیثِ احمد و ابنِ ماجہ ہے کہ

---

[1] حدیثِ جُدامہ میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے عزل کو وادِ خفی یعنی کم درجہ کا "زندہ درگور کرنا" قرار دیا تھا - اگرچہ حدیث کے اس جملہ سے شارحین نے کراہتِ تنزیہہ مراد لی ہے تاہم صاحبِ فتح القدیر نے صحابہ کرام کے درمیان عزل کے متعلق ایک علمی مذاکرے کا ذکر کیا ہے - جس میں حضرت عمر، حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے - انہوں نے آپس میں عزل کا ذکر کیا اور سب نے کہا اس میں کوئی جرم نہیں - حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ عزل موؤدۃ صغریٰ ہے تو حضرت علی نے جواب دیا کہ یہ موؤدۃ صغریٰ نہیں جب تک اس پر سات ادوار نہ گزر جائیں یعنی ۱ - سلالہ ۲ - نطفہ ۳ - علقہ ۴ - مضغہ ۵ - عظام ۶ - لحم ۷ - خلق آخر - اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی سے کہا کہ آپ نے سچ بتایا - اللہ آپ کی عمر دراز کرے -

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا۔

قَالَ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یعزل عن الحرۃ اِلَّا بِاِذْنِہَا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد بیوی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل سے منع فرمایا ہے۔

(نیل الاوطار ج ۶ صـ۱۹۶)

اور قضا و قدر کے معاند ہونے کی دلیل حدیثِ جابر و حدیثِ انس ہے فافہم (التعلیق المجد مؤطا امام مالک صـ۱۹۴، ۱۹۵)

۸۔ واضح ہو حدیث جدامہ سے عزل کی ممانعت کا قول کیا جاتا ہے جس میں عزل کے متعلق سوال کے جواب میں نبی علیہ السلام نے فرمایا ذَالِکَ الوادُ الخفی الخ (احمد و مسلم) اور حدیث ابو سعید میں ہے یہود نے عزل کو المَوۡدَۃُ الصغریٰ قرار دیا۔ اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ کَذَبَتْ یہود۔ یہودی جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ دونوں حدیثیں آپس میں معارض ہیں۔ ایک سے عزل کا جواز اور دوسری سے ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح بخاری شریف کی حدیث میں کہ حضور علیہ السلام سے عزل کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا۔ ماعلیکم ان لا تفعلوا۔ حدیث کے اس جملہ سے بھی ممانعت کا قول کیا گیا ہے۔ شارح مسلم حضرت امام نووی علیہ الرحمہ اور علامہ ابن قیم نے ان احادیث میں تطبیق دی ہے۔ فرماتے ہیں[۱]۔ جن احادیث میں عزل کی ممانعت ہے وہ کراہتِ تنزیہی پر محمول ہیں اور جن میں عزل کی اجازت ہے وہ اس پر محمول ہیں کہ یہ فعل حرام نہیں ہے۔ غرضکہ شارحینِ کرام نے ممانعت کی احادیث میں نہی کو نہی تنزیہہ قرار دیا ہے اور جو فعل مکروہ تنزیہہ ہو وہ جائز ہوتا ہے۔

۹۔ علامہ ابن ہمام علیہ الرحمہ نے اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ عزل جائز ہے اور عامۃ العلماء کا یہی مذہب ہے۔ دس صحابہ کرام حضرت علی، سعد بن ابی وقاص، زید بن ثابت، ابو ایوب، جابر، ابن عباس، حسن بن علی، خباب بن ارت، ابو سعید خدری و عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے عزل کا جائز ہونا مروی ہے۔ (فتح القدیر صـ ۲۷۲/۲۷۳ ج ۳)

مسلم شریف کی ان حدیثوں سے بھی عزل کا جائز ہونا ثابت ہوتا ہے۔ بخاری شریف میں بھی اس مضمون کی احادیث موجود ہیں۔

---

[۱] ثم هٰذِهِ الاَحَادِيْثُ مَعَ غَيْرِهَا يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا بِاَنَّ مَا وَرَدَ فِي النَّهْيِ مَحْمُوْلٌ عَلٰى كَرَاهَةِ التَّنْزِيْهِ وَمَا وَرَدَ فِي الْاِذْنِ فِيْ ذَالِكَ مَحْمُوْلٌ عَلٰى اَنَّهٗ لَيْسَ بِحَرَامٍ

(حاشیہ مسلم جلد اوّل صـ۴۶۴)

حضرت جابر[۱] رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم عزل کرتے تھے اور قرآن کا نزول جاری تھا۔ سفیان نے کہا اگر عزل کا عمل ممنوع ہوتا تو قرآنِ مجید میں اس کی ممانعت آجاتی۔ (مسلم)

حضرت جابر[۲] فرماتے ہیں کہ ہم عہدِ نبوی میں عزل کرتے تھے (نبی صلے اللہ علیہ وسلم) کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے منع نہیں فرمایا۔ (مسلم ج ۱ ص ۴۶۵)

فقہاءِ کرام ائمہ دین اور شارحینِ حدیث نے بخاری و مسلم کی انہی احادیث کی بنا پر عزل کو جائز و مباح قرار دیا ہے۔ اس لیے اس عمل کو مطلقاً حرام و ناجائز قرار دینا سخت زیادتی ہے۔

البتہ ایک احتیاط کی سخت ضرورت ہے

اور یہ حکومت کا کام ہے کہ وہ عزل (برتھ کنٹرول) کی ادویہ و آلات وغیرہ صرف شادی شدہ افراد کے لیے مختص کردے اور ایسا انتظام کیا جائے کہ یہ ادویہ و آلات وغیرہ غیر شادی شدہ مرد و عورت نہ حاصل کرسکیں تاکہ کوئی ان سے ناجائز فائدہ نہ اٹھا سکے اور یہ بھی ضروری ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کی تشہیر کے ساتھ ساتھ ان احادیث کو بھی بیان کیا جائے۔ جن میں نبی علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے جسے اللہ تعالےٰ کو پیدا کرنا مقصود ہے وہ بہرحال و بہرصورت پیدا ہوگا تاکہ لوگ عقیدہ کی درستگی کے ساتھ اس عمل کو اگر اپنانا چاہیں تو اپنالیں مگر اسے محض ایک سبب سمجھیں اور موثرِ حقیقی صرف اور صرف خداوندِ قدوس کو جانیں۔

۲۲۷۵۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ مَا زِلْتُ اُحِبُّ بَنِیْ تَمِیْمٍ مُنْذُ ثَلٰثٍ سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْهِمْ سَمِعْتُهٗ یَقُوْلُ هُمْ اَشَدُّ اُمَّتِیْ عَلَی الدَّجَّالِ قَالَ وَجَاءَتْ صَدَقَاتُهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهٖ صَدَقَاتُ قَوْمِنَا وَكَانَتْ سَبِیَّةٌ مِّنْهُمْ عِنْدَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تین باتوں کی وجہ سے، جنہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنا ہے، میں بنوتمیم سے ہمیشہ محبت کرتا رہوں گا۔ حضور اکرم ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ لوگ دجّال کے مقابلے میں میری امت میں سب سے زیادہ سخت ثابت ہوں گے۔ انہوں نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ بنوتمیم کے یہاں سے صدقات (وصول ہو کر) آئے

---

[۱] عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا نَعْزِلُ وَالْقُرْاٰنُ یَنْزِلُ زَادَ اِسْحَاقُ قَالَ سُفْیَانُ لَوْ كَانَ شَیْئًا یُنْهٰی عَنْهُ لَنَهَانَا عَنْهُ الْقُرْاٰنُ

[۲] عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا نَعْزِلُ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ نَبِیَّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ یَنْهَنَا عَنْهُ (مسلم ج اول ص ۴۶۵)

عَائِشَۃَ فَقَالَ اَعْتِقِیْہَا فَاِنَّہَا مِنْ وُلْدِ اِسْمٰعِیْلَ

آئے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ ہماری قوم کے صدقات ہیں۔ بنو تمیم کی ایک عورت قید ہو کر حضرت عائشہ کو ملی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اسے آزاد کردو کہ یہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ جہادِ اسلامی میں جو قیدی ہاتھ آئیں ان کو غلام بنانا جائز ہے خواہ وہ عربی ہو یا عجمی۔ بنو تمیم سے حضور علیہ السلام اس لیے بھی خوش تھے کہ وہ حقوق کی ادائیگی کا خیال رکھتے تھے اور مال کی بہتر سے بہتر چیز راہِ خدا میں خرچ کرتے تھے۔

بَابُ فَضْلِ مَنْ اَدَّبَ جَارِیَتَہٗ وَعَلَّمَہَا

باب اپنی باندی کو ادب سکھلانے اور تعلیم دینے کی فضیلت

۲۳۷۶۔ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ کَانَتْ لَہٗ جَارِیَۃٌ فَعَالَہَا فَاَحْسَنَ اِلَیْہَا ثُمَّ اَعْتَقَہَا وَتَزَوَّجَہَا کَانَ لَہٗ اَجْرَانِ

(بخاری)

حضرت موسیٰ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس باندی ہو اور وہ اس کی پرورش کرے (اور اسے تعلیم دے) اور اس کے ساتھ حُسنِ معاملت کرے، پھر اسے آزاد کر کے اس سے شادی کرے تو اس پر دو اجر ملتے ہیں

غلاموں، زیردستوں، ماتحتوں کے ساتھ نیک برتاؤ کی ہدایات

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم جب دنیا میں مبعوث ہوئے تو عام حالت یہ تھی کہ لوگ زیردستوں اپنے ماتحتوں خصوصاً غلاموں کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کرتے تھے۔ قوم کا سردار (وڈیرہ) اپنے ماتحتوں پر ظلم و زیادتی کرتا تھا۔ نبی علیہ السلام نے کسی بھی انسان کے ساتھ غیر انسانی سلوک کرنے اور ان پر ظلم و زیادتی کرنے سے منع فرمایا۔ خصوصاً غلاموں کے ساتھ نرمی، لطف و مہربانی سے پیش آنے کی ہدایات دیں۔ ان احادیث میں اگرچہ غلاموں کا ذکر ہے جو آقا کی ملکیت ہوتے تھے مگر ان حدیثوں کی روح یہی ہے کہ کسی شخص کو کسی شخص پر خواہ کسی نوعیت و کیفیت کی برتری حاصل ہو اسے بہرحال و بہر صورت ظلم و زیادتی سے پرہیز کرنا لازم ہے

بَابُ قَوْلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْعَبِیْدُ اِخْوَانُکُمْ

باب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ غلام تمہارے بھائی ہیں انہیں

فَاَطْعِمُوْہُمْ مِمَّا تَاْکُلُوْنَ

وہ کھلاؤ جو تم کھاتے ہو

ماں باپ عزیز و اقارب اور ہمسایہ کے ساتھ نیک سلوک کی ہدایت

وَ قَوْلِہٖ تَعَالٰی وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ذِی الْقُرْبٰی الْقَرِیْبُ وَالْجُنُبُ الْغَرِیْبُ الْجَارُ الْجُنُبُ یَعْنِی الصَّاحِبَ فِی السَّفَرِ۔ بخاری

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اللہ کی بندگی کرو۔ اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داروں، یتیموں اور محتاجوں اور پاس کے ہمسائے اور دُور کے ہمسائے اور کروٹ کے ساتھی اور راہگیر اور اپنے باندی غلام کے ساتھ نیک برتاؤ کرو) بے شک اللہ کو خوش نہیں آتا اترانے والا بڑائی مارنے والا ——— ذی القربٰی سے رشتہ دار مراد ہیں اور جنب سے اجنبی اور الجار الجنب سے رفیقِ سفر مراد ہے۔

فوائد و مسائل

یہ سورہ نساء کی آیت (۲۶) ہے جو حسبِ ذیل ہدایات پر مشتمل ہے۔

۱۔ کسی جاندار یا بے جان غرضیکہ کسی بھی چیز کو اس کی ربوبیت اور اس کی عبادت میں شریک نہ کیا جائے۔

۲۔ والدین کی خدمت کے لیے ادب و تعظیم کے ساتھ مستعد رہنا چاہیئے اور ان پر خرچ کرنے میں کمی نہیں کرنی چاہیئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا۔ اس کی ناک خاک آلود ہو۔ حضرت ابو ہریرہ نے عرض کی کس کی یارسول اللہ۔ فرمایا جس نے بوڑھے ماں باپ پائے یا ان میں سے ایک کو پایا (اور ان کی خدمت کرکے) جنتی نہ ہو گیا (مسلم)

۳۔ رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والوں کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ان کی عمر میں برکت اور رزق میں وسعت ہوتی ہے (بخاری و مسلم)

۴۔ یتیم کی سرپرستی کرنے والوں کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا قیامت کے دن وہ میرے ایسے قریب ہوں گے جیسے انگشتِ شہادت اور بیچ کی انگلی (بخاری)

۵۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بیوہ و مسکین کی امداد و خبر گیری کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔

۶۔ نیز فرمایا۔ جبرئیل مجھے ہمسایوں کے ساتھ احسان کرنے کی تاکید کرتے رہے۔ اس حد تک کہ گمان ہوتا تھا کہ ان کو وارث قرار دیدیں (بخاری و مسلم) اسی طرح اپنی بیوی، رفیقِ سفر، ایک ساتھ پڑھنے یا مجلس یا مسجد میں بیٹھنے

والوں اور مسافر و مہمان کے ساتھ بھی نیک سلوک کی ہدایت دی گئی ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا جو اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے مہمان کا اکرام کرنا چاہیئے (بخاری و مسلم)

۷۔ نیز باندی غلام سے ان کی طاقت و قوت سے زیادہ کام لینے اور ان کے ساتھ سخت کلامی کرنے سے منع فرمایا گیا ہے اور یہ کہ کھانا کپڑا انھیں بقدرِ ضرورت دینا لازم و واجب ہے۔

۲۳۷۷۔ حَدَّثَنَا وَاصِلٌ الْاَحْدَبُ قَالَ سَمِعْتُ الْمَعْرُوْرَ بْنَ سُوَيْدٍ قَالَ رَاَيْتُ اَبَا ذَرٍّ الْغِفَارِيَّ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ وَّعَلٰى غُلَامِهٖ حُلَّةٌ فَسَاَلْنَاهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ اِنِّيْ سَابَبْتُ رَجُلًا فَشَكَانِيْ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعَيَّرْتَهٗ بِاُمِّهٖ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اِخْوَانَكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ اَيْدِيْكُمْ فَمَنْ كَانَ اَخُوْهُ تَحْتَ يَدِهٖ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَاْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا تُكَلِّفُوْهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَاِنْ كَلَّفْتُمُوْهُمْ مَّا يَغْلِبُهُمْ فَاَعِيْنُوْهُمْ

حضرت معرور کہتے ہیں ہیں نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ کے بدن پر بھی ایک ہی حُلّہ تھا اور آپ کے غلام کے بدن پر بھی ایک ہی حُلّہ تھا۔ ہم نے اس کا سبب پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ میری ایک صاحب (بلال رضی اللہ عنہ) سے تلخ کلامی ہو گئی۔ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے میری شکایت کی۔ مجھ سے آنحضور نے دریافت فرمایا۔ کیا تم نے انھیں ان کی ماں کی طرف سے عار دلائی ہے پھر آپ نے فرمایا۔ یہ غلام تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ نے انھیں تمہارے زیردست کر دیا ہے۔ تو اللہ جس کے زیر دست کسی بھائی کو کر دے تو اس کو وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے اور وہ پہنائے جو خود پہنتا ہے اور کسی ایسے کام کا مکلّف نہ کرے جو بہت بھاری ہو اور اگر ایسے کام کا مکلف کرے تو پھر خود بھی اس کی مدد کرے۔

فوائد و مسائل آقا کے لیے یہ لازم و واجب ہے کہ حسبِ طاقت و وسعت غلام کے کھانے پہننے کی ضروریات کو پوری کرے البتہ مساوات مستحب ہے واجب نہیں ہے۔

بَابُ الْعَبْدِ اِذَا اَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهٖ وَنَصَحَ سَيِّدَهٗ

باب جو غلام اپنے رب کی عبادت بھی اچھی طرح کرے اور اپنے آقا کی خیر خواہی بھی

۲۳۷۸۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعَبْدُ اِذَا

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ غلام، جو اپنے آقا کا بھی

نَصَحَ سَیِّدَہٗ وَ اَحْسَنَ عِبَادَۃَ رَبِّہٖ کَانَ لَہٗ اَجْرُہٗ مَرَّتَیْنِ

خیر خواہ ہو اور اپنے رب کی عبادت بھی اچھی طرح کرتا ہو تو اسے دو اجر ملتے ہیں۔

۲۳۷۹- عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّمَا رَجُلٌ کَانَتْ لَہٗ جَارِیَۃٌ فَاَدَّبَھَا فَاَحْسَنَ تَادِیْبَھَا وَاَعْتَقَھَا وَتَزَوَّجَھَا فَلَہٗ اَجْرَانِ وَاَیُّمَا عَبْدٍ اَدّٰی حَقَّ اللّٰہِ وَ حَقَّ مَوَالِیْہِ فَلَہٗ اَجْرَانِ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس کسی کے پاس بھی باندی ہو اور وہ اسے ادب دے پورے حسن و خوبی کے ساتھ، پھر آزاد کر کے اس سے شادی کرلے تو اسے دو اجر ملتے ہیں اور جو غلام اللہ تعالیٰ کے بھی حقوق ادا کرے اور اپنے مولیٰ کے بھی تو اسے دو اجر ملتے ہیں۔

۲۳۸۰- قَالَ اَبُوْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِلْعَبْدِ الْمَمْلُوْکِ الصَّالِحِ اَجْرَانِ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْلَا الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالْحَجُّ وَبِرُّ اُمِّیْ لَاَحْبَبْتُ اَنْ اَمُوْتَ وَاَنَا مَمْلُوْکٌ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، غلام جو کسی کی ملکیت میں ہو اور صالح ہو تو اسے دو اجر ملتے ہیں اور ابو ہریرہ نے کہا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد، حج اور والدہ کی خدمت (کے فضائل) نہ ہوتے تو میں پسند کرتا کہ کسی کا غلام ہو کر مروں۔

۲۳۸۱- عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نِعْمَ مَا لِاَحَدِھِمْ یُحْسِنُ عِبَادَۃَ رَبِّہٖ وَیَنْصَحُ لِسَیِّدِہٖ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کتنا مبارک ہے کسی کا وہ غلام جو اپنے رب کی عبادت تمام حسن و آداب کے ساتھ بجا لاتا ہو اور اپنے مالک کی خیر خواہی بھی کرتا ہو۔

فوائد و مسائل یہ احادیث اپنے مطلب و مفہوم میں واضح ہیں۔ حضور علیہ السلام کی تعلیم کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ آپ نے ہر فرد اور ہر طبقہ کے حقوق متعین فرما کر انہیں ان کی ادائیگی کا حکم دیا ہے۔ آقاؤں اور سربراہوں کو ہدایت کی کہ وہ اپنے غلاموں اور زیر دستوں کے بارے میں اللہ سے ڈریں اور ان کے حقوق ادا کریں اور غلاموں اور زیر دستوں کو ہدایت فرمائی کہ اپنے آقا کے خیر خواہ اور وفادار رہیں اور یہ بھی فرمایا کہ جو غلام اپنے آقا کے حقوق اور اپنے خالق و مالکِ حقیقی کے حقوق ادا کرتا ہے وہ دو اجر کا مستحق ہے۔ حدیث نمبر ۲۳۸

کے آخری جملے وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ کے متعلق علامہ ابن بطال نے فرمایا کہ یہ جملے حضور علیہ السلام کے نہیں بلکہ ابوہریرہ ہیں۔ داؤدی نے کہا یہ جملے مدرج ہیں اور اسمٰعیلی نے من طریق عبداللہ بن مبارک ہیں والذی نفس ابوہریرہ کے الفاظ ہیں نیز امام مسلم علیہ الرحمہ نے بھی اس امر کی تصریح کی ہے کہ یہ جملے حضرت ابوہریرہ کے ہیں۔

بَابُ كَرَاهِيَةِ التَّطَاوُلِ عَلَى الرَّقِيْقِ

باب غلام پر اپنی بڑائی جتانے کی کراہت کے متعلق

تطاول کے معنی ترفع اور حد سے تجاوز کرنے کے ہیں یعنی تکبر و غرور

وَقَوْلِهٖ عَبْدِیْ وَ اَمَتِیْ | اور یہ کہنا کہ میرا غلام میری باندی

شارح بخاری علامہ عینی وقسطلانی علیہما الرحمہ نے فرمایا۔ عنوان میں کراہت سے کراہتِ تنزیہہ مراد ہے۔ لہٰذا مستحب یہ ہے کہ کوئی اپنے مملوک کو عبدی نہ کہے ـــــ امام بخاری علیہ الرحمہ نے آیات واحادیث سے استدلال کر کے یہ واضح کیا ہے کہ عبدی اور امتی کہنا جائز ہے۔ مثلاً سورہ نور آیت ۳۲ میں فرمایا۔

وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ | اور نکاح کر دو اپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا۔

اور سورہ نحل آیت ۷۵ میں فرمایا۔ عَبْدًا مَّمْلُوْكًا ۔ سورہ یوسف آیت ۲۵ میں فرمایا۔ وہ دونوں دروازہ کی طرف دوڑے اور عورت نے ان کا کرتہ پیچھے سے چیر دیا۔

وَاَلْفَیَا سَیِّدَهَا لَدَی الْبَابِ | اور دونوں کو عورت کا (سید) خاوند دروازہ کے پاس ملا

سورہ نساء آیت ۲۵ میں فرمایا۔

فَتَیٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ | جو تمہارے ہاتھ کی مِلک ہیں ایمان والی کنیزیں

اور سورہ یوسف میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے ساتھی سے کہا تھا۔

وَاذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ | اپنے رب کے ہاں میرا ذکر کرنا

آیت میں ربّکَ سے سَیِّدُکَ مراد ہے اور نبی کریم علیہ السلام نے بنوسلمہ سے فرمایا تھا مَنْ سَیِّدُكُمْ تمہارا سردار کون ہے (بخاری)

بزرگوں کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے | اسی طرح بزرگوں، استادوں، علماء و مشائخ کے احترام کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے۔ چنانچہ جب یہود بنی قریظہ نے حضرت سعد بن معاذ کے فیصلہ کو تسلیم کر لیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا وہ سوار ہو کر آئے

مسجد کے قریب پہنچے تو نبی علیہ السلام نے فرمایا
قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ (بخاری کتاب المغازی) اپنے سید (سردار) کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔

۲۳۸۲- عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا نَصَحَ الْعَبْدُ سَیِّدَہٗ وَاَحْسَنَ عِبَادَۃَ رَبِّہٖ کَانَ لَہٗ اَجْرُہٗ مَرَّتَیْنِ

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب غلام اپنے آقا کی خیرخواہی کرے اور اپنے رب کی عبادت تمام حُسن و آداب کے ساتھ بجالائے تو اسے دوگنا ثواب ملتا ہے۔

۲۳۸۳- عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَمْلُوْکُ الَّذِیْ یُحْسِنُ عِبَادَۃَ رَبِّہٖ وَیُؤَدِّیْ اِلٰی سَیِّدِہِ الَّذِیْ لَہٗ عَلَیْہِ مِنَ الْحَقِّ وَالنَّصِیْحَۃِ وَالطَّاعَۃِ لَہٗ اَجْرَانِ

حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مملوک جو اپنے رب کی عبادت حُسن و آداب کے ساتھ بجالاتا ہے اور اس کے آقا کے جو اس پر حق (خیرخواہی اور فرمانبرداری کے ہیں) انھیں بھی ادا کرتا ہے تو اسے دوگنا اجر ملتا ہے۔

۲۳۸۴- عَنْ ھَمَّامِ بْنِ مُنَبِّہٍ اَنَّہٗ سَمِعَ اَبَا ھُرَیْرَۃَ یُحَدِّثُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ لَا یَقُلْ اَحَدُکُمْ اَطْعِمْ رَبَّکَ وَضِّئْ رَبَّکَ اِسْقِ رَبَّکَ وَلْیَقُلْ سَیِّدِیْ مَوْلَایَ وَلَا یَقُلْ اَحَدُکُمْ عَبْدِیْ اَمَتِیْ وَلْیَقُلْ فَتَایَ وَفَتَاتِیْ وَغُلَامِیْ

ہمام بن منبہ سے مروی ہے کہ انھوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سُنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کوئی شخص (کسی غلام یا کسی بھی شخص سے) یہ نہ کہے "اپنے رب کو کھانا کھلاؤ۔ اپنے رب کو وضو کراؤ، اپنے رب کو پانی پلاؤ۔ بلکہ میرے سردار، میرے آقا (سیدی و مولای) کہنا چاہیے۔ اسی طرح کوئی شخص یہ نہ کہے "میرا بندہ، میری بندی" بلکہ یوں کہنا چاہیے "میرا آدمی، میری لونڈی (فتای و فتاتی و غلامی)

عبدالرسول نام رکھنا اور عبدی (میرا بندہ) کہنا جائز ہے

علامہ ابن بطال کہتے ہیں۔ عبدی و امتی کہنا جائز ہے کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ مِنْ عِبَادِکُمْ وَ اِمَائِکُمْ اور حدیث میں ممانعت تحریم کے لیے نہیں بلکہ تنزیہہ کے لیے ہے۔ اسی طرح علامہ عینی شارح بخاری نے تصریح کی کہ امام بخاری نے آیات و احادیث پیش کر کے یہ واضح کیا ہے کہ عبدی و امتی۔ میرا غلام میری لونڈی کہنا جائز ہے اور احادیث میں جو ممانعت آئی ہے تو

یہ نہی تنزیہہ کے لیے ہے تحریم کے لیے نہیں۔ لِلتَّنْزِیْہِ لَا لِلتَّحْرِیْمِ عینی ج ۱۲ ص ۱۱۵

البتہ ازراہِ تکبر و غرور کسی کو اپنا بندہ کہنا ممنوع ہے۔ تقریباً تمام شارحین نے اس مضمون کی احادیث پر یہی گفتگو کی ہے جس سے واضح ہو کہ عبد النبی عبد الرسول نام رکھنا بطریق اولیٰ جائز ہے۔ عبد النبی عبد الرسول نام رکھنے کو حرام و شرک قرار دینا سخت زیادتی بلکہ جہالت ہے۔ اسی طرح اہلسنت و جماعت اپنی ذات کو حضور علیہ السلام کی تعظیم و توقیر کے لیے عبد النبی کہتے ہیں۔ یہ بھی جائز ہے۔

غیر اللہ پر لفظِ رب کا اطلاق کرنا جائز ہے یا نہیں

اسی طرح رب کے بھی ایک حقیقی معنیٰ ہیں۔ یعنی مالکِ حقیقی قائم بالذات۔ ترجس معنیٰ میں اللہ تعالےٰ کو رب کہتے ہیں۔ اس معنیٰ میں غیر اللہ کو رب کہنا حرام بلکہ شرک ہے اور مجازی معنے میں غیر اللہ کو رب کہنا یعنی رب بمعنیٰ مربّی تربیت دینے والا، انتظام کرنے والا یا رب بمعنیٰ سردار (رئیس) سلطان بادشاہ جائز ہے۔ اور جیسا کہ خود قرآن و حدیث میں لفظِ رب کا اطلاق غیر اللہ پر آیا ہے اور اضافت کے ساتھ لفظ رب کا غیر اللہ پر اطلاق بلاشبہ جائز ہے جیسے رب المال، رب البیت بولتے ہیں اور کتب فقہ میں اس لفظ کا استعمال عام ہے اور سورۂ یوسف میں ہے۔

وَاذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔ میرا ذکر اپنے رب کے ہاں کرنا یعنی سردار کے ہاں

۲۳۸۵، ۲۳۸۶، ۲۳۸۷۔ امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس عنوان کے ماتحت تین حدیثیں اور لکھی ہیں۔ ایک حدیث کا مضمون یہ ہے کہ جس نے اپنے غلام کا ایک حصہ ادا کر دیا الخ یہ حدیث پارہ نہم میں گزر چکی ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۲۳۲۹، ۲۳۲۸۔ دوسری حدیث کا مضمون یہ ہے۔ تم میں سے ہر شخص اپنے ماتحتوں کا نگران ہے اور ہر ایک سے قیامت کے دن سوال ہوگا الخ کتاب الاستقراض باب العبد راعٍ میں بھی گزر چکی ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۲۲۴۹۔

تیسری حدیث کا مضمون ہے کہ اگر غلام زناکاری سے باز نہ آئے تو اسے فروخت کر دو خواہ قیمت میں ایک رسی ہی ملے۔ یہ حدیث فیوض پارہ ہشتم ص ۱۸۵ پر گزر چکی ہے۔

بَابُ اِذَا اَتَاهُ خَادِمُهٗ بِطَعَامِهٖ

جب کسی کا خادم کھانا لائے

۲۳۸۸۔ قَالَ اَخْبَرَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ

حضرت محمد بن زیاد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَى أَحَدَكُمْ خَادِمُهُ بِطَعَامِهِ فَإِنْ لَمْ يُجْلِسْهُ مَعَهُ فَلْيُنَاوِلْهُ لُقْمَةً أَوْ لُقْمَتَيْنِ أَوْ أُكْلَةً أَوْ أُكْلَتَيْنِ فَإِنَّهُ وَلِيَ عِلَاجَهُ

ہے کہ جب کسی کا خادم کھانا لائے اور وہ اسے اپنے ساتھ رکھلانے کے لیے) نہ بٹھا سکے تو ایک یا دو لقمہ اسے دیدے کیونکہ اس نے کھانا پکانے میں محنت کی ہے (بخاری)

فوائد و مسائل واضح ہو اسلامی تعلیم کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک وجوبی جن کو ادا کرنا لازم و واجب ہے۔ بیوی اور نابالغ بچوں اور غلام کا نفقہ واجب ہے۔ ایک اخلاقی تعلیم۔ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اخلاقی تعلیم کی قانونی حیثیت یہ ہے کہ اس کو بجالانا مستحب ہے واجب نہیں۔ جیسے اس حدیث میں مکارمِ اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے کہ غلام یا نوکر جو کھانا پکاتا مشقت اٹھاتا ہے۔ اسے بھی کھانے میں شریک کرلیا جائے۔ یا جیسے نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ وہ شخص مومنِ کامل نہیں جو خود تو پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا ہمسایہ بھوکا رہے۔

بَابُ الْعَبْدُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ

باب غلام اپنے آقا کے مال کا نگران ہے

وَنَسَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَالَ إِلَى السَّيِّدِ

اور نبی علیہ السلام نے غلام کے مال کو آقا کی طرف منسوب فرمایا۔

۲۳۸۹- عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَالْإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ فِي أَهْلِهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالْمَرْأَةُ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا رَاعِيَةٌ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا وَالْخَادِمُ فِي مَالِ سَيِّدِهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ قَالَ فَسَمِعْتُ هَؤُلَاءِ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَحْسِبُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالرَّجُلُ فِي مَالِ أَبِيهِ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر فرد نگران ہے اور اس سے نگرانی کے متعلق پوچھا جائیگا اور حاکم نگران ہے۔ اس سے اس کی رعیت کی نگرانی کے متعلق سوال ہوگا۔ مرد اپنے گھر کے معاملات کا نگران ہے۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگران ہے اور ہر ایک سے نگرانی کے متعلق قیامت کے دن سوال ہوگا۔ مجھے خیال ہے حضور نے یہ بھی فرمایا کہ لڑکا اپنے باپ کے مال کا نگران ہے۔ پس ہر فرد نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

فوائد و مسائل یہ حدیث اس سے قبل متعدد ابواب میں گزر چکی ہے۔ مطلب حدیث واضح ہے کہ ہر شخص کی دینی ملی مذہبی اور قانونی ذمہ داریاں ہیں جنہیں اسے ادا کرنا چاہیئے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس کے نہ اہل وعیال ہوں نہ دوست و احباب نہ وہ حاکم ہو نہ کسی ادارہ کا سربراہ نہ کارخانہ دار نہ جاگیردار غرضیکہ اس کی کوئی رعیت ہی نہ ہو تو وہ کس کا نگران ہوگا؟ حالانکہ حدیث یہی ہے کہ ہر فرد نگران ہے۔ جواب یہ ہے کہ خود اس کی ذات تو ہے وہی اس کی رعیت ہے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے۔ تیرے نفس (ذات) کا بھی تجھ پر حق ہے تو انسان کی ذات ہی اس کی رعیت ہے۔ وہ اپنی ذات کے اعمال و افعال کا ذمہ دار ہے اور قیامت کے دن انسان سے خود اپنی ذات کے متعلق بھی سوال ہوگا۔

بَابٌ اِذَا ضَرَبَ الْعَبْدَ فَلْيَجْتَنِبِ الْوَجْهَ

باب غلام کو مارے تو چہرہ پر نہ مارے

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَاتَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَجْتَنِبِ الْوَجْهَ

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب کوئی کسی سے جھگڑا کرے تو چہرہ پر نہ مارے

فوائد و مسائل چہرہ کو ہدف بنانے کی روایت عام ہے۔ ذکر چونکہ غلاموں کا ہو رہا تھا۔ اس لیے امام بخاری اس حدیث کو اس عنوان کے تحت لے آئے ورنہ چہرہ پر مارنے کی ممانعت غلام کے ساتھ خاص نہیں۔ ہر انسان بلکہ حیوان کے بھی چہرہ پر مارنا منع ہے۔ حتیٰ کہ تادیب اور تعزیر اور رجم کے موقع پر بھی چہرہ کو بچانے کا حکم ہے۔ نبی علیہ السلام نے ایک زانیہ عورت کے رجم کا حکم دیا تو فرمایا۔

اِرْجُمُوْا، وَاتَّقُوا الْوَجْهَ　　　رجم کرو مگر چہرہ کو بچاؤ

۲۔ امام نووی علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ انسانی جسم میں چہرہ خصوصاً حسن و جمال کا مخزن ہے۔ انسان کے دیکھنے سونگھنے، کھانے پینے کا ذریعہ بھی چہرہ ہی ہے۔ چہرہ پر مارنے سے اس کے ادراک کی قوتوں کے معطل ہونے کا خطرہ ہے۔ اس لیے چہرہ پر مارنے سے منع فرمایا۔ چہرہ پر مارنے کی ممانعت کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ حدیث میں آیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ　　　اللہ تعالےٰ نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا ہے۔

یعنی چہرہ اللہ تعالےٰ کی صناعی اور کاریگری کا شاہکار ہے لہٰذا اسے نہ بگاڑا جائے۔

كِتَابُ الْمُكَاتَبِ

مُكَاتَبْ بفتح التاء، وہ غلام جس کو اس کا مالک یہ کہہ دے یا لکھ دے کہ اتنی رقم مجھے ادا کردو

توتم آزاد ہو۔ اگروہ رقم غلام ادا کردے تو آزاد ہو جائے گا ورنہ غلام ہی رہے گا۔ مکاتِب بکسر تاء مالک مکاتبت کرنے والا۔ کتابت۔ مالک کے کَاتَبْتُكَ عَلٰى اَلْفِ دِرْهَمٍ میں نے تجھ پر ہزار درہم لازم کردیئے۔ مکاتَب کا لفظ کتب سے مشتق ہے جس کا معنی ہے جمع کرنا جیسے محاورہ ہے کتبت الکتاب جب کلمات و حروف کو جمع کیا جائے۔ دوسرا معنی لازم کرنا جیسا کہ کتب علیکم الصیام تم پر روزے لازم کئے گئے اسی طرح

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا	بے شک نماز مومنین پر لازم ہے وقتِ مقررہ میں (فتح الباری ص۱۳۹ ج۵)

۲۔ مکاتبت اسلام سے قبل بھی تھی۔ حضور علیہ السلام نے اسے برقرار رکھا۔ بعض نے کہا کہ اسلام میں سب سے پہلے مکاتب حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ابوالمومل جن کے متعلق حضور نے فرمایا۔ اعینوه۔ ان کی اعانت کرو۔ مستورات میں پہلی مکاتبہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ نبی علیہ السلام کے وصال کے بعد پہلا مکاتب ابوامیہ حضرت عمر کے غلام اس کے بعد سیرین حضرت انس رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں۔

بَابُ اِثْمِ مَنْ قَذَفَ مَمْلُوْكَهٗ

باب جس نے اپنے غلام پر کوئی تہمت لگائی

اس عنوان کے تحت امام بخاری نے کوئی حدیث ذکر نہیں کی۔ البتہ کتاب الحدود میں اس عنوان کے مناسب حدیث کا ذکر ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ اگر کوئی اپنے غلام پر جھوٹی تہمت لگائے تو قیامت کے دن اسے کوڑے لگائے جائیں گے۔

بَابُ الْمُكَاتَبِ وَنُجُوْمِهٖ فِىْ كُلِّ سَنَةٍ نَجْمٌ

باب مکاتب اور اس کی قسطیں ہر سال ایک قسط کی ادائیگی ہوگی

وَقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِىْٓ اٰتٰىكُمْ وَقَالَ رَوْحٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قُلْتُ لِعَطَآءٍ اَوَاجِبٌ عَلَىَّ اِذَا عَلِمْتُ لَهٗ مَالًا اَنْ اُكَاتِبَهٗ	اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ "جو لوگ اپنے مملوک (غلام یا باندی) سے کتابت کا معاملہ کرنا چاہیں، انہیں یہ معاملہ کر لینا چاہیئے۔ اور انہیں اللہ کے اس مال میں سے بھی دینا چاہیئے جنہیں تمہیں اس نے عطا کیا ہے۔ روح نے ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے بیان کیا کہ میں نے عطاء سے پوچھا۔ اگر مجھے معلوم

ہوجائے کہ میرے غلام کے پاس مال ہے تو مجھ پر واجب ہو جائے گا کہ میں اس سے کتابت کا معاملہ کروں ؟ انھوں نے فرمایا کہ میرا خیال یہی ہے کہ واجب ہو جائے گا۔ عمرو بن دینار نے بیان کیا کہ میں نے عطاء سے پوچھا۔ کیا آپ نے اس سلسلہ میں کسی سے روایت کی تو انھوں نے جواب دیا کہ نہیں اور مجھے انھوں نے خبر دی کہ موسیٰ بن انس نے انہیں خبر دی کہ سیرین (ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے والد) نے انس رضی اللہ عنہ سے کتابت کی درخواست کی۔ وہ مالدار تھے۔ لیکن آپ نے انکار کیا۔ اس پر سیرین عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کتابت کا معاملہ کر لو ، انھوں نے پھر بھی انکار کیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں دُرّے سے مارا آپ اس آیت کی تلاوت کر رہے تھے کہ " غلاموں میں اگر خیر دیکھو تو ان سے کتابت کا معاملہ کر لو "۔ (بخاری)

فوائد و مسائل ۱۔ نجوم جمع ہے نجم کی۔ نجم کا معنیٰ طالع (ستارہ) کے ہیں۔ لیکن یہاں وقت مراد ہے۔ اسی سے امام شافعی کا قول ہے۔ اقل التاجیل نجمان اے شھران۔ رافعی کہتے ہیں کہ نجم اصل میں وقت کے معنیٰ میں ہے۔ عرب ستاروں کے طلوع سے حساب کرتے تھے۔ قرض دینے والا کہتا تھا۔ اِذا طلع نجم الثریا اَدّیتُ حقك جب ثریا طلوع ہوگا تو میں تمہارا حق ادا کر دوں گا تو اوقات کا نام نجوم رکھا گیا۔ پھر وقت پر ادا کردہ چیز کو نجم کہنے لگے۔

۲۔ آیت میں فکاتبوھم۔ امر کا صیغہ ہے جو استحباب کے لیے ہے کیونکہ اس امر پر اجماع ہے کہ مالک کو غلام کو فروخت کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ غلام کی قیمت دگنی ہو گئی ہو تو جب فروخت پر مجبور نہیں کیا جا سکتا تو مکاتبت پر کیسے مجبور کیا جائے گا۔

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ حویطب بن عبدالعزیٰ کے غلام صبیح نے اپنے مولیٰ سے کتابت کی درخواست کی مولیٰ نے انکار کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی تو حویطب نے اس کو سو دینار پر مکاتب کر دیا۔

اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا سے واضح ہوا کہ غلام کو مکاتب بنانا مستحب ہے۔ خیر سے کیا مراد ہے؟ امام نووی نے فرمایا۔ خیر سے مراد کمانے کی قوت ہے۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا خیر سے مراد صدق امانت وعدہ کا وفا کرنا ہے۔ بعض نے خیر سے مراد نماز اور نیک نفسی مراد لی۔ الغرض مطلبِ آیت یہ ہے کہ اگر تم اپنے مملوک کو کمانے پر قادر، دیندار اور معاملہ کا اچھا دیکھو تو اس کو مکاتب بنا دو۔

علامہ عینی و قسطلانی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر کا دُرّہ لگانا محض تادیب کے طور پر تھا۔ اگر مکاتب بنانا واجب ہوتا تو حضرت انس انکار نہ کرتے۔

امام قرطبی نے فرمایا۔ غلام اور اس کی کمائی سب مالک کی مِلک ہوتی ہے تو اگر مکاتبت کو واجب

قرار دیا جائے تو صورت یہ ہوگی۔

خُذْ كَسْبِيْ وَاعْتِقْنِيْ | مجھ سے مال لے کر آزاد کر دے

جس کے معنیٰ یہ ہوتے کہ مجھے بلا معاوضہ آزاد کر دے اور یہ بالاتفاق واجب نہیں ہے (فتح الباری ج ۵ ص ۱۴۱) میں کتابت کے مستحب ہونے پر دلائل تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔

۲۳۹۱ - قَالَ عُرْوَةُ قَالَتْ عَائِشَةُ اِنَّ بَرِيْرَةَ دَخَلَتْ عَلَيْهَا تَسْتَعِيْنُهَا فِيْ كِتَابَتِهَا وَعَلَيْهَا خَمْسَةُ اَوَاقٍ نُجِّمَتْ عَلَيْهَا فِيْ خَمْسِ سِنِيْنَ فَقَالَتْ لَهَا عَائِشَةُ وَنَفِسَتْ فِيْهَا اَرَاَيْتِ عَدَدْتُ لَهُمْ عِدَّةً وَاحِدَةً اَيَبِيْعُكِ اَهْلُكِ فَاُعْتِقَكِ فَيَكُوْنَ وَلَاءُكِ لِيْ فَذَهَبَتْ بَرِيْرَةُ اِلٰى اَهْلِهَا فَعَرَضَتْ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ فَقَالُوْا لَا اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ لَنَا الْوَلَاءُ قَالَتْ عَائِشَةُ فَدَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرِيْهَا فَاَعْتِقِيْهَا فَاِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَيْسَتْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ مَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَهُوَ بَاطِلٌ شَرْطُ اللّٰهِ اَحَقُّ وَاَوْثَقُ

عروہ نے کہا کہ حضرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ بریرہ رضی اللہ عنہا ان کے پاس آئیں، اپنے کتابت کے معاملہ میں ان کی مدد حاصل کرنے کے لیے بریرہ رضی اللہ عنہا کو پانچ اوقیہ چاندی پانچ سال کے اندر پانچ قسطوں میں ادا کرنا تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ انہیں خود بریرہ رضی اللہ عنہا میں دلچسپی ہوگئی تھی کہ یہ بتاؤ۔ اگر میں انھیں ایک ہی مرتبہ (چاندی کی یہ مقدار) ادا کردوں تو کیا تمہارے مالک تمہیں میرے ہاتھوں بیچ دیں گے؛ پھر میں تمہیں آزاد کر دوں گی اور تمہاری ولاء میرے لیے ہوگی۔ بریرہ رضی اللہ عنہا اپنے مالکوں کے پاس گئیں اور ان کے سامنے یہ نئی صورت پیش کی۔ انھوں نے کہا کہ ہم یہ صورت اس وقت منظور کر سکتے ہیں کہ ولاء ہمارے لیے ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر میرے پاس نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ تو میں نے آپ سے اُس کا تذکرہ کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بریرہ کو خرید کر آزاد کر دو، ولاء تو اسی کی ہوتی ہے جو آزاد کرے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطاب کیا۔ آپ نے فرمایا۔ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو ایسی شرطیں (معاملات میں) لگاتے ہیں۔ جن کی کوئی اصل کتاب اللہ میں نہیں ہے تو جو شخص کوئی ایسی شرط

لگائے جس کی اصل کتاب اللہ میں نہ ہو تو وہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شرط زیادہ مستحق اور زیادہ مضبوط ہے۔

فوائد و مسائل | یہ حدیث فیوض پارہ دوم صفحہ ۱۸۲ پر گزر چکی ہے۔ یہاں بھی امام بخاری نے منعقد عنوان قائم کرکے اسی حدیث کا ذکر کیا ہے لہٰذا ہم صرف اس حدیث کا حوالہ دینگے۔ مضمون حدیث ذہن میں رکھیں واضح ہے۔

بَابُ مَا يَجُوزُ مِنْ شُرُوطِ الْمُكَاتَبِ

باب مکاتب سے کس قسم کی شرطیں جائز ہیں؟

وَمَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ	اور جس نے کوئی ایسی شرط لگائی جس کی اصل کتاب اللہ میں موجود نہ ہو

۲۳۹۲- اس عنوان کے تحت امام بخاری نے حدیث بریرہ ذکر کی ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔ عقدِ کتابت کے جواز کی شرطیں یہ ہیں۔ غلام عاقل بالغ ہو اور عقدِ کتابت کو قبول کرے اور کتابت کی رقم ذکر کی جائے کہ فوراً ادائیگی یا قسط وار۔ علامہ عینی فرماتے ہیں۔ عقدِ کتابت میں ایسی قیود لگانا جو قرآن و سُنّت اور اجماعِ امت کے خلاف ہوں وہ باطل ہیں۔ البتہ یہ شرط لگانا دُرست ہے کہ خریدار اس کو آزاد کرے گا جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ شرط لگائی تھی کہ قیمت میں ادا کروں گی پھر آزاد کروں گی ۲- اور یہ شرط لگانا کہ غلام کی میراث (ولا) آزاد کرنے والے کے لیے نہ ہوگی باطل ہے۔ جیسا کہ حضرت بریرہ کے مالک نے یہ شرط لگائی تھی کہ ولا ہمارے لیے ہوگی۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا یہ شرط جائز نہیں ہے۔

بَابُ اسْتِعَانَةِ الْمُكَاتَبِ وَسُؤَالِهِ النَّاسَ

باب مکاتب کا لوگوں سے امداد طلب کرنا اور سوال کرنا

۲۳۹۳- اس عنوان کے ماتحت بھی امام بخاری نے حدیث بریرہ ہی ذکر کی ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت بریرہ نے جناب عائشہ صدیقہ سے اپنے کتابت کے معاملہ میں امداد طلب کی تھی اور سوال کیا تھا۔ جس سے واضح ہوا کہ مکاتب کا اپنے معاملہ میں مدد طلب کرنا اور سوال کرنا جائز ہے۔

بَابُ بَيْعِ الْمُكَاتَبِ إِذَا رَضِيَ

باب مکاتب کی بیع، اگر وہ اس پر راضی ہو

وَقَالَتْ عَائِشَةُ هُوَ عَبْدٌ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ شَيْءٌ وَقَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ مَا بَقِيَ	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ مکاتب پر (بدلِ کتابت میں سے) جب تک کچھ بھی باقی

عَلَيْهِ دِرْهَمٌ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ هُوَ عَبْدٌ اِنْ عَاشَ وَاِنْ مَاتَ وَاِنْ جَنٰى مَا بَقِيَ عَلَيْهِ شَيْءٌ

ہے وہ غلام ہی رہے گا۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جب تک ایک درہم بھی باقی ہے (مکاتب آزاد متصور نہیں ہوگا) ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مکاتب پر جب تک کچھ بھی باقی ہے وہ اپنی زندگی، موت اور جرم (سب) میں غلام ہی متصور ہوگا۔

۲۳۹۴۔ اس عنوان کے تحت بھی امام نے حدیث بریرہ ذکر کی ہے جس میں یہ ہے حضرت بریرہ حضرت عائشہ کے پاس آئیں تو آپ نے فرمایا۔ اگر تمہارا مالک بہ مان لے تو میں کتابت کی ساری رقم یک دم ادا کر کے تمہیں خرید لوں اور پھر آزاد کر دوں۔

بَابٌ اِذَا قَالَ الْمُكَاتَبُ اشْتَرِنِيْ

باب مکاتب نے کسی سے کہا کہ مجھے خرید کر

وَاَعْتِقْنِيْ فَاشْتَرَاهُ لِذٰلِكَ

آزاد کر دو اور اس نے اسی غرض سے لے خریدا

۲۳۹۵۔ اس عنوان کے ماتحت بھی امام بخاری علیہ الرحمہ نے حدیثِ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا ذکر فرمائی ہے۔ حضرت بریرہ مکاتبہ تھیں۔ انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے استدعا کی تھی۔ کہ مجھے خرید کر آزاد کر دیجئے۔ الخ

كِتَابُ الْهِبَةِ وَفَضْلِهَا وَ

کتاب ہبہ کے متعلق ہبہ کی

اَلتَّحْرِيْضِ عَلَيْهَا

فضیلت اور اس کی ترغیب

ہبہ کی تعریف شرائط اور اس کے بعض ضروری احکام و مسائل

۱۔ کسی چیز کا دوسرے کو بلا عوض مالک کر دینا یعنی اس میں عوض ہونا شرط و ضروری نہیں دینے والے کو واہب کہتے ہیں اور جس کو دی گئی اسے موہوب لہ اور چیز کو موہوب ۲۔ ہبہ صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں۔ واہب عاقل ہو

لہ الهبة۔ لغوی معنیٰ۔ کسی کو کوئی چیز دینا جس سے وہ فائدہ اٹھائے خواہ وہ مال ہو یا کوئی اور چیز اور اصطلاحِ شرع میں ہبہ کے معنیٰ۔ تَمْلِيْكُ الْمَالِ بِلَا عِوَضٍ۔ کسی کو مال کا بغیر عوض کے مالک بنا دینا۔

مجنون کا ہبہ درست نہیں بالغ ہونا بالغ کا ہبہ صحیح نہیں ۔ جو چیز ہبہ کی جائے وہ موجود ہو اور قبضہ میں ہو۔ تو اگر ایسی چیز کو ہبہ کیا کہ جو موجود نہ ہو یا واہب کے قبضہ میں نہ ہو ہبہ درست نہیں ۔ مشاع نہ ہو متمیز ہو ۔ مشغول نہ ہو ۔ اور جو چیز تقسیم کے قابل ہے اسے ہبہ کرنا درست نہیں ہے ہاں تقسیم کرکے ہبہ کردے تو صحیح ہے ۔ تھن میں دودھ ، بھیڑ کی پیٹھ پر اون ، زمین میں درخت، درخت میں پھل ، زراعت جو کھیت میں ہے ان کا ہبہ درست نہیں ۔ یہ سب مشاع کے حکم میں ہیں ۔ اسی طرح جو چیز معدوم ہے اس کا ہبہ باطل ہے ۔

۳۔ ہبہ میں یہ ضروری ہے کہ موہوب شئے غیر موہوب سے جُدا ہو اگر غیر کے ساتھ متصل ہو، ہبہ صحیح نہیں مثلاً درخت میں جو پھل لگے ہوں ۔ اُن کو ہبہ کرنا درست نہیں جو چیز ہبہ کی گئی اگر وہ قابلِ تقسیم ہو تو ضرور ہے کہ اس کی تقسیم ہو گئی ہو بغیر تقسیم کیے ہوئے ہبہ دُرست نہیں ۔

۴ ۔ ہبہ دو قسم ہے ایک تملیک دوسرا اسقاط مثلاً جس پر مطالبہ تھا اسے ہبہ کرنا اس کو ساقط کرنا ہے ۔ مدیون کے سوا دوسرے کو دین ہبہ کرنا اس وقت صحیح ہے کہ قبضہ کا بھی اس کو حکم دیدیا ہو اور قبضہ کا حکم نہ دیا ہو تو صحیح نہیں ۔

۵ ۔ ایک شخص نے ہنسی مذاق کے طور پر دوسرے سے چیز ہبہ کرنے کو کہا مثلاً ہنسی مذاق میں دوست احباب کہتے ہیں کہ مٹھائی کھلاؤ یا یہ چیز دے دو مگر اس نے سچ مچ کو ہبہ کردیا یہ ہبہ صحیح ہے ۔

۶ ۔ ہبہ کے بہت سے الفاظ ہیں ۔ میں نے تجھے ہبہ کیا ۔ یہ چیز تمہیں کھانے کو دی ۔ یہ چیز میں نے فلاں کے بیٹے یا تیرے لیے کر دی ۔ میں نے یہ چیز تیرے نام کر دی ۔ اس معاملہ میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر لفظ ایسا بولا جس سے ملک رقبہ سمجھی جاتی ہو یعنی خود اس شئے کی مِلک تو ہبہ ہے اور اگر منافع کی تملیک معلوم ہوتی ہو تو عاریت ہے اور دونوں کا احتمال ہے تو نیت دیکھی جائے گی (درمختار)

الھدیۃ ۔ کسی کی عزت افزائی کے لیے جو مال دیا جائے یا بھیجا جائے اسے ہدیہ کہتے ہیں ۔
الصدقۃ ۔ وہ مال جو کسی کو بغرض حصولِ ثواب دیا جائے اسے صدقہ کہتے ہیں ۔ صدقہ میں قبضہ شرط نہیں ہے ۔ بغیر قبضہ کے بھی صدقہ درست ہو جائیگا ۔
الاباحۃ ۔ کسی کو اس امر کی رخصت واجازت دی جائے کہ تم اسے کھاؤ یا لے جاؤ بغیر عوض کے ۔ اس کو اباحۃ کہتے ہیں ۔ ایجاب وقبول سے ہبہ منعقد ہو جاتا ہے اور اس کی تکمیل قبضہ سے ہوتی ہے ۔
(کرمانی والمجلہ)

۷۔ ہبہ کے ارکان ایجاب و قبول ہیں اور اس کا حکم یہ ہے کہ ہبہ کرنے سے چیز موہوب لہ کی ملک ہو جاتی ہے۔

مشاع کی تعریف

۸۔ مشاع اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ایک جزو غیر متعین کا یہ مالک ہو۔ یعنی دوسرا شخص بھی اس میں شریک ہو اور دونوں حصوں میں امتیاز نہ ہو اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قابلِ قسمت جو تقسیم ہونے کے بعد قابلِ انتفاع باقی رہے۔ جیسے زمین مکان دوسری غیر قابلِ قسمت کہ تقسیم کے بعد اس قابل نہ رہے کہ جیسے چکی۔ چھوٹی سی کوٹھری کہ تقسیم کر دینے سے ہر ایک کا حصہ بیکار ہو جاتا ہے۔ مشاع غیر قابلِ قسمت کا ہبہ بالاتفاق جائز ہے اور قابلِ قسمت ہو تو اس کا ہبہ فاسد ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ فی نفسہٖ ہبہ جائز ہوگا مگر اس شئے میں موہوب لہٗ کی ملکیت ثابت نہیں ہوگی۔ چنانچہ مشاع کے ہبہ کرنے کی صورت میں ملکیت جب ہی ثابت ہوگی جب کہ تقسیم سے وہ حصہ جس کا ہبہ کیا گیا ہو علیحدہ کر دیا جائے۔ مثال کے طور پر ایک مکان الف و ب کی مشترک ملکیت ہے جو قابلِ تقسیم ہے۔ الف نے ج کے حق میں اس مکان کا اپنا نصف حصہ ہبہ کر دیا اگرچہ ہبہ منعقد ہو جائے گا لیکن ج کی ملکیت اس وقت تک ثابت نہ ہوگی تاوقتیکہ الف اپنا حصہ علیحدہ کرکے ج کے قبضہ میں نہ دیدے۔

۹۔ مشاع کا ہبہ صحیح نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قبضہ کے وقت شیوع پایا جائے اور اگر ہبہ کے وقت شیوع ہے مگر قبضہ کے وقت شیوع نہ ہو تو ہبہ صحیح ہے مگر مکان کا نصف حصہ ہبہ کیا اور قبضہ نہیں دیا۔ پھر دوسرا نصف ہبہ کیا اور پورے مکان پر قبضہ دے دیا ہبہ صحیح ہوگیا اور اگر نصف ہبہ کرکے قبضہ دے دیا پھر دوسرا نصف ہبہ کیا اور اس پر قبضہ دے دیا۔ یہ دونوں ہبہ صحیح نہیں۔ (عالمگیری)

۱۰۔ ہبہ میں یہ ضروری ہے کہ موہوب شئے غیر موہوب سے جدا ہو۔ اگر غیر کے ساتھ متصل ہو، ہبہ صحیح نہیں۔ مثلاً درخت میں جو پھل لگے ہوں۔ اُن کو ہبہ کرنا درست نہیں جو چیز ہبہ کی گئی۔ اگر وہ قابلِ تقسیم ہو تو ضرور ہے کہ اس کی تقسیم ہوگئی ہو بغیر تقسیم کیے ہوئے ہبہ درست نہیں اور اگر تقسیم کے قابل ہی نہ ہو یعنی تقسیم کے بعد وہ شئے قابلِ انتفاع نہ رہے مثلاً چھوٹی سی کوٹھڑی یا حمام، ان میں ہبہ صحیح ہونے کے لیے تقسیم ضرور نہیں (ہدایہ وغیرہا)

۱۱۔ جو چیز تقسیم کے قابل ہے اس کو اجنبی کے لیے ہبہ کرے یا شریک کے لیے دونوں صورتیں ناجائز ہیں ہاں اگر ہبہ کرنے کے بعد واہب نے اُسے خود یا اُس کے حکم سے کسی دوسرے نے تقسیم کرکے قبضہ دے دیا یا موہوب لہٗ کو حکم دے دیا کہ تقسیم کرکے قبضہ کر لو اور اس نے ایسا کر لیا۔ ان صورتوں میں

ہبہ جائز ہوگیا کیونکہ مانع زائل ہوگیا۔ اگر بغیر تقسیم موہوب لہٗ کو قبضہ دے دیا موہوب لہٗ اس چیز کا مالک نہیں ہوگا بلکہ اس کے تصرّف سے جو نقصان ہوگا اس کا ضامن ہوگا اور خود واہب اس میں تصرف کرے، مثلاً بیع کردے اس کا تصرف نافذ ہوجائے گا (بحر درمختار)

۱۲۔ تھن میں دودھ، بھیڑ کی پیٹھ پر اون، زمین میں درخت، درخت میں پھل، یہ چیزیں مشاع کے حکم میں ہیں کہ ان کا ہبہ صحیح نہیں مگر دودھ دوہ کر اون کاٹ کر پھل توڑ کر موہوب لہٗ کو تسلیم کردیے تو ہبہ جائز ہوگیا کہ مانع زائل ہوگیا۔

۱۳۔ جو مشاع غیر قابلِ قسمت ہے اس کا ہبہ صحیح ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ اس کی مقدار معلوم ہو یعنی اس چیز میں اس کا حصہ اتنا ہے جس کو ہبہ کرتا ہے۔ اگر معلوم نہ ہو تو ہبہ صحیح نہیں۔

۱۴۔ ایک شخص نے دو کپڑے ایک شخص کو دیے اور یہ کہا کہ ایک تمہارا ہے اور ایک تمہارے لڑکے کا اور جدا ہونے سے قبل یہ نہیں متعین کیا کہ کون کس کا ہے۔ یہ ہبہ جائز نہیں اور بیان کردیا ہے تو جائز ہے (ردالمحتار)

۱۵۔ دو شخصوں نے ایک شخص کو مکان جو قابلِ قسمت ہے ہبہ کردیا اور قبضہ دے دیا۔ ہبہ صحیح ہے کہ یہاں شیوع نہیں ہے اور اگر ایک نے دو شخصوں کو ہبہ کیا اور یہ دونوں بالغ ہیں یا ایک بالغ ہے دوسرا نابالغ اور یہ نابالغ اسی بالغ کی پرورش میں ہے اور فقیر بھی نہیں ہیں اور مکان قابلِ تقسیم ہے تو ہبہ صحیح نہیں کہ مشاع کا ہبہ ہے۔

۱۶۔ شیوع جو تمامیت قبضہ کو روکتا ہے وہ شیوع ہے جو عقد کے ساتھ مقارن ہو۔ عقد کے بعد جو شیوع طاری ہوگا وہ مانع نہیں (ہدایہ فتح القدیر مبسوط۔ کنز) ہبہ کے لیے قبول ضروری ہے یعنی موہوب لہٗ جب تک قبول نہ کرے اس کے حق میں ہبہ نہیں ہوگا اگرچہ واہب کے حق میں فقط ایجاب سے ہبہ ہوجائیگا

۱۷۔ ہبہ تمام ہونے کے لیے قبضہ کی بھی ضرورت ہے بغیر اس کے ہبہ تمام نہیں ہوتا پھر اگر اسی مجلس میں قبضہ کرے تو واہب کی اجازت کی بھی ضرورت نہیں اور مجلس بدل جانے کے بعد قبضہ کرنا چاہتا ہے تو اجازت درکار ہے۔ ہاں اگر جس مجلس میں ہبہ کیا ہے اس نے کہہ دیا ہے کہ تم قبضہ کرلو تو اب اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں وہی پہلی اجازت کافی ہے (ہدایہ درمختار)

۱۸۔ ہبہ کے لیے قبضۂ کامل کی ضرورت ہے اگر موہوب شے (یعنی جو چیز ہبہ کی گئی ہے) واہب کی مِلک کو شاغل ہو تو قبضۂ کامل ہوگیا اور ہبہ تمام ہوگیا اور اس کی ملک میں مشغول ہے تو قبضۂ کامل نہیں ہوا مثلاً بوری میں واہب کا غلّہ ہے بوری ہبہ کردی اور مع غلہ کے قبضہ دیدیا یا مکان میں واہب کے سامان ہیں مکان ہبہ کردیا اور سامان کے ساتھ قبضہ دیا ہبہ تمام نہیں ہوا اور اگر غلّہ ہبہ کیا یا مکان میں جو چیزیں تھیں ان کو ہبہ کیا اور بوری سمیت قبضہ دے دیا یا مکان اور سامان سب پر قبضہ دیدیا ہبہ تمام ہوگیا۔

الغرض ہبہ میں یہ ضروری ہے کہ جو چیز ہبہ کی جائے۔ واہب اس کو موہوب لہٗ کے قبضہ میں دیدے اور اس ہبہ کی ہوئی چیز سے متعلق تمام اختیارات سے مکمل طور پر دستبردار ہو جائے ۔۔۔ واضح ہو کہ ہبہ ایک رضا کارانہ عمل ہے جبراً ہبہ نا جائز اور کالعدم ہوگا۔ ہبہ اپنے عزیز اقربا۔ اور اولاد کے حق میں کرنا بھی صحیح و درست ہے۔ ہبہ کے مزید مسائل اس باب کی احادیث کے تحت بھی بیان ہوں گے بغور مطالعہ فرمائیے

۲۳۹۶-عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے مسلمان خواتین! ہرگز کوئی پڑوسن اپنی دوسری پڑوسن کے لیے (معمولی ہدیہ کو بھی) حقیر نہ سمجھے، خواہ بکری کے کھر کا ہی کیوں نہ ہو۔

۲۳۹۷-عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ لِعُرْوَةَ ابْنَ اُخْتِیْ اِنْ كُنَّا لَنَنْظُرُ اِلَی الْهِلَالِ ثُمَّ الْهِلَالِ ثَلٰثَةَ اَهِلَّةٍ فِیْ شَهْرَیْنِ وَمَا اُوْقِدَتْ فِیْ اَبْیَاتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَارٌ فَقُلْتُ خَالَةُ مَا كَانَ یُعِیْشُكُمْ قَالَتِ الْاَسْوَدَانِ التَّمْرُ وَالْمَاءُ اِلَّا اَنَّهٗ قَدْ كَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جِیْرَانٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ كَانَتْ لَهُمْ مَنَائِحُ وَكَانُوْا یَمْنَحُوْنَ رَسُوْلَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَلْبَانِهِمْ فَیَسْقِیْنَا۔

حضرت عروہ سے مروی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے فرمایا، میرے بھانجے! (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں حال یہ تھا کہ) ہم ایک چاند دیکھتے، پھر دوسرا دیکھتے، پھر تیسرا دیکھتے، اس طرح دو دو مہینے گزر جاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں آگ نہ جلتی تھی۔ میں نے پوچھا۔ خالہ! پھر آپ لوگ زندہ کیسے رہتی تھیں؟ آپ نے فرمایا صرف دو چیزوں، کھجور اور پانی پر (گزر ہوتا تھا) البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند انصاری پڑوسی تھے جن کے پاس دودھ دینے والی بکریاں تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کا دودھ بھیج دیتے تھے جو حضور ہمیں پلاتے تھے۔

بَابُ الْقَلِیْلِ مِنَ الْهِبَةِ

باب معمولی ھدیہ دینا

۲۳۹۸-عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ دُعِیْتُ اِلٰی ذِرَاعٍ اَوْ كُرَاعٍ لَاَجَبْتُ وَلَوْ اُهْدِیَ اِلَیَّ ذِرَاعٌ اَوْ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر مجھے

دست یا پائے (کے گوشت) پر بھی بلایا جائے تو میں قبول کروں گا اور مجھے دست یا پائے (کے گوشت) کا ہدیہ بھیجا جائے تو اسے قبول کروں گا۔

بَاب مَنِ اسْتَوْهَبَ مِنْ اَصْحَابِهٖ شَيْئًا

باب جو اپنے دوستوں سے ہدیہ مانگے

۲۳۹۹ - وَقَالَ اَبُوْ سَعِيْدٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْسَلَ اِلَى امْرَاَةٍ مِّنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَكَانَ لَهَا غُلَامٌ نَجَّارٌ قَالَ لَهَا مُرِيْ عَبْدَكِ فَلْيَعْمَلْ لَنَا اَعْوَادَ الْمِنْبَرِ فَاَمَرَتْ عَبْدَهَا فَذَهَبَ فَقَطَعَ مِنَ الطَّرْفَاءِ فَصَنَعَ لَهٗ مِنْبَرًا فَلَمَّا قَضَاهُ اَرْسَلَتْ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَدْ قَضَاهُ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْسِلِيْ بِهٖ اِلَيَّ فَجَاءُوْا بِهٖ فَاحْتَمَلَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَهٗ حَيْثُ تَرَوْنَ

ابو سعید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنے ساتھ میرا بھی حصہ رکھنا۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہاجر خاتون کے پاس آدمی بھیجا۔ ان کا ایک غلام بڑھئی تھا۔ ان سے آپ نے فرمایا کہ اپنے غلام سے ہمارے لیے لکڑیوں کا ایک منبر بنانے کے لیے کہیں۔ چنانچہ انھوں نے اپنے غلام سے کہا۔ وہ جا کر جھاؤ کاٹ لائے اور اسی کا ایک منبر بنایا۔ جب وہ منبر بنا چکے تو خاتون نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ منبر تیار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرے پاس بھجوا دیں۔ لوگ اسے لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اٹھایا اور جہاں تم اب دیکھ رہے ہو وہیں آپ نے اسے رکھ دیا۔

فوائد و مسائل ہدیہ کرنے کے فضائل بکثرت احادیث میں آئے ہیں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ تَهَادُوْا تَحَابُّوْا۔ باہم ہدیہ کرو۔ اس سے آپس میں محبت بڑھتی ہے۔ حضور نے فرمایا ہدیہ سے حسد دُور ہوتا ہے۔ ہدیہ کا بدلہ دینا مستحب ہے۔ بدلہ دینے پر قادر نہ ہو تو اس کی ثنا کرے یعنی یہ کہے۔ جزاک اللہ خیرا۔ نیز فرمایا تین چیزیں واپس نہ کی جائیں۔ تکیہ، دودھ، تیل۔ اگر کوئی پھول بھی ہدیہ کرے تو اسے واپس نہ کرے کہ یہ جنّت سے آیا ہے (خلاصہ حدیث ترمذی)

نیز فرمایا۔ پھول ہدیہ کیا جائے تو واپس نہ کرے یہ اٹھانے میں ہلکا ہے (یعنی دینے والے کا احسان زیادہ نہیں ہے) اور خوشبو بھی ہے۔

۲۔ زیر عنوان احادیث سے واضح ہوا کہ کوئی معمولی چیز بھی ہدیہ کرے تو برا نہ مانے قبول کر لے۔

فِرسن شاۃ کے معنیٰ بکری کے کھُر کے ہیں۔ ظاہر ہے اسے کون ہدیہ دیتا ہے؟ لیکن اس لفظ کو استعمال فرماکر نبی علیہ السلام نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ہدیہ خواہ کیسا ہی معمولی کیوں نہ ہو اس کو حقیر نہ سمجھا جائے قبول کرلیا جائے ـــــ غریب آدمی معمولی چیزیں ہی ہدیہ کر سکتا ہے جو اس کے جذبۂ محبت کا آئینہ دار ہوتا ہے تو معمولی چیز کو واپس کردینا اس کے جذبۂ محبت کو مجروح کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی علیہ السلام معمولی سے معمولی ہدیہ قبول فرمالیا کرتے تھے اور کسی مسلمان کا دل نہیں توڑتے تھے۔

نیز یہ بھی واضح ہوا کہ دوست احباب سے حسبِ موقع و محل ہدیہ طلب کرنا جائز ہے اور باہمی محبت و اُلفت کا باعث ہے ـــــ نبی علیہ السلام کے کاشانۂ مبارک میں دو ماہ تک آگ نہیں جلتی تھی۔ یہ حضور علیہ السلام کا فقر اختیاری تھا۔ آپ فی الواقع غریب نہ تھے بلکہ آپ نے یہ اندازِ زندگی خود اختیار فرمایا تھا۔ جو آتا تھا فقراء و مساکین میں تقسیم فرمادیتے تھے۔

۲۴۰۰ - اس عنوان کے تحت امام نے حدیث عبداللہ بن ابی قتادہ بھی ذکر کی ہے جو کتاب الحج میں مع تفہیم و ترجمانی کے گزرچکی ہے۔ خلاصہ حدیث یہ ہے کہ حضرت ابوقتادہ نے گورخر شکار کیا تھا وہ محرم نہ تھے۔ اس میں سے کچھ بچا ہوا گوشت ان کے پاس تھا۔ پھر بحضور نبوی حاضر آئے۔

فَقَالَ مَعَكُمْ مِنْهُ شَيْءٌ فَقُلْتُ نَعَمْ فَنَاوَلْتُهُ الْعَضُدَ فَاَكَلَهَا حَتّٰى نَفَّدَهَا وَهُوَ مُحْرِمٌ فَحَدَّثَنِيْ بِهٖ زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا اس میں سے کچھ بچا ہوا تمہارے پاس موجود ہے۔ میں نے عرض کیا۔ جی ہاں اور وہی دست آپ کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے اسے تناول فرمایا تا آنکہ وہ ختم ہوگیا۔ آپ بھی اس وقت محرم تھے۔

فوائد و مسائل

۱۔ حدیث کے یہی جملے عنوان کے مطابق ہیں۔ جن سے واضح ہوا کہ حضور علیہ السلام نے وہ گوشت طلب فرمایا۔ تو اپنے ساتھیوں سے کوئی چیز ہبہ کرانے کا یہی انداز ہے۔

۲۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ حج کے موقع پر محرم کو خود شکار کرنا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی غیر محرم شکار کرے تو محرم کو اس شکار کا گوشت کھانا جائز ہے۔

بَاب مَنِ اسْتَسْقٰى[101]

باب پانی طلب کرنا

وَقَالَ سَهْلٌ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْقِنِيْ.

حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔ "مجھے پانی پلاؤ"

۲۴۰۱- قَالَ سَمِعْتُ اَنَسًا یَقُوْلُ اَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ دَارِنَا ھٰذِہٖ فَاسْتَسْقٰی فَحَلَبْنَا لَہٗ شَاۃً لَّنَا ثُمَّ شُبْتُہٗ مِنْ مَّآءِ بِئْرِنَا ھٰذِہٖ فَاَعْطَیْتُہٗ وَاَبُوْبَکْرٍ عَنْ یَّسَارِہٖ وَعُمَرُ تُجَاھَہٗ وَاَعْرَابِیٌّ عَنْ یَّمِیْنِہٖ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ عُمَرُ ھٰذَا اَبُوْبَکْرٍ فَاَعْطَی الْاَعْرَابِیَّ ثُمَّ قَالَ الْاَیْمَنُوْنَ الْاَیْمَنُوْنَ اَلَا فَیَمِّنُوْا قَالَ اَنَسٌ فَھِیَ سُنَّۃٌ فَھِیَ سُنَّۃٌ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اسی گھر میں تشریف لائے اور پانی طلب فرمایا۔ ہمارے پاس ایک بکری تھی اسے ہم نے دوہا۔ پھر میں نے اس میں اپنے کنویں کا پانی ملا کر آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے بائیں طرف بیٹھے ہوئے تھے۔ عمر رضی اللہ سامنے تھے اور ایک اعرابی دائیں طرف تھے۔ جب آپ پی کر فارغ ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ ابوبکر ہیں۔ لیکن آپ نے اسے اعرابی کو عطا فرمایا (کیونکہ وہ دائیں طرف بیٹھے ہوئے تھے) پھر فرمایا، دائیں طرف بیٹھنے والے (مقدم ہیں) دائیں طرف بیٹھنے والے ہی! ہاں، دائیں طرف سے ابتداء کیا کرو۔ انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہی سُنّت ہے، یہی سُنّت ہے

فوائد و مسائل اس مضمون کی احادیث اس سے قبل متعدد ابواب میں گزر چکی ہیں۔ علامہ عینی لکھتے ہیں۔ اَلْاَیْمَنُوْنَ۔ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ ترکیبِ عبارت یوں ہے۔ اَلْاَیْمَنُوْنَ مُقَدَّمُوْنَ اور دوسرا اَلْاَیْمَنُوْنَ تاکید کیلئے ہے۔ یہ حدیث مسائلِ ذیل پر مشتمل ہے دودھ پانی نمک آگ ایسی اشیاء بوقتِ ضرورت کسی دوست ہمسایہ وغیرہ سے طلب کرنا جائز ہے اور جو مانگے اسے دے دینا اور بخل سے کام نہ لینا مستحب ہے۔ صحابہ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کی یہی کیفیت تھی کہ وہ ایثار و قربانی سے کام لیتے تھے۔ فیاضی اور سخاوت ان کی طبیعتِ ثانیہ تھی۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کی صفتِ ایثار کو بیان فرمایا ہے۔ سورہ حشر میں فرمایا۔ وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ وَلَوْ کَانَ بِھِمْ خَصَاصَۃٌ اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ انھیں شدید محتاجی ہو۔ اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بھوکا شخص آیا۔ حضور نے ازواجِ مطہرات کے حجروں پر معلوم کرایا۔ کیا کھانے کی کوئی چیز ہے۔ معلوم ہوا کہ کسی بی بی صاحبہ کے ہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ تب حضور علیہ السلام نے اصحاب سے فرمایا جو اس شخص کو مہمان بنائے۔ اللہ تعالیٰ اس

پر رحمت فرمائے۔ حضرت ابوطلحہ انصاری کھڑے ہو گئے اور حضور سے اجازت لے کر مہمان کو اپنے گھر لے گئے۔ گھر جا کر بی بی سے دریافت کیا۔ کچھ ہے۔ انھوں نے کہا کچھ نہیں۔ صرف بچوں کے لیے تھوڑا سا کھانا رکھا ہے۔ حضرت ابوطلحہ نے فرمایا۔ بچوں کو بہلا کر سُلا دو اور جب مہمان کھانے بیٹھے تو چراغ دُرست کرنے اٹھو اور چراغ کو بجھا دو تاکہ وہ اچھی طرح کھالے۔ یہ اس لیے تجویز کی کہ مہمان یہ نہ جان سکے کہ اہلِ خانہ اس کے ساتھ نہیں کھا رہے ہیں کیونکہ اس کو یہ معلوم ہوگا تو وہ اصرار کرے گا اور کھانا کم ہے بھوکا رہ جائے گا۔ اس طرح مہمانوں کو کھلایا اور آپ ان صاحبوں نے بھوکے رات گزاری۔ جب صبح ہوئی اور سید عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا رات فلاں فلاں لوگوں میں عجیب معاملہ پیش آیا۔ اللہ تعالےٰ ان سے بہت راضی ہے۔

۲۔ اپنے عزیز و اقربا، دوست احباب کے گھر جانا سنت ہے تاکہ اس ملاقات سے رشتۂ محبت و اخوت قائم رہے اور ایک دوسرے کے حال احوال سے باخبر رہیں تاکہ دُکھ درد میں ساتھ ہو سکے۔

۳۔ دودھ کی لسی نبی علیہ السلام کو پسند تھی۔ اس کا پینا سُنت ہے۔

۴۔ تقسیم دہنی طرف سے شروع کرنی مسنون ہے۔ اگرچہ بائیں طرف بیٹھے ہوئے افراد علم و فضل میں افضل ہوں۔ مزید تفصیل کے لیے حدیث نمبر ۲۱۹۹، ۲۱۹۸ و ۲۲۱۱ ملاحظہ کیجیے۔

بَابُ قَبُوْلِ هَدِيَّةِ الصَّيْدِ

باب شکار کا ہدیہ قبول کرنا

وَقَبِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَبِيْ قَتَادَةَ عَضُدَ الصَّيْدِ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شکار کے دست کا ہدیہ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے قبول فرمایا تھا۔

۲۴۰۲ ۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ اَنْفَجْنَا اَرْنَبًا بِمَرِّ الظَّهْرَانِ فَسَعَى الْقَوْمُ فَلَغِبُوْا فَاَدْرَكْتُهَا فَاَخَذْتُهَا فَاَتَيْتُ بِهَا اَبَا طَلْحَةَ فَذَبَحَهَا وَبَعَثَ بِهَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَرِكِهَا اَوْ فَخِذَيْهَا لَا شَكَّ فِيْهِ فَقَبِلَهُ قُلْتُ وَاَكَلَ مِنْهُ قَالَ وَاَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ قَالَ بَعْدُ قَبِلَهُ (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ مرالظہران میں ہم نے ایک خرگوش کا پیچھا کیا۔ لوگ (اس کے پیچھے) دوڑے اور اسے تھکا دیا اور میں نے قریب پہنچ کر اسے پکڑ لیا۔ پھر ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے یہاں لایا۔ آپ نے اسے ذبح کیا اور اس کے پیچھے کا یا دونوں رانوں کا گوشت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی بھیجا۔ (شعبہ نے بعد میں یقین کے ساتھ) کہا کہ دونوں رانیں آپ نے بھیجی تھیں، اس میں کوئی

شبہ نہیں۔ حضور اکرم نے اسے قبول فرما لیا تھا۔ میں نے پوچھا۔ اس میں سے آپ نے تناول بھی فرمایا تھا؟ انھوں نے بیان کیا کہ تناول بھی فرمایا تھا۔ اس کے بعد پھر آپ نے فرمایا کہ آپ نے وہ ہدیہ قبول کیا تھا۔

فوائد و مسائل | اس حدیث کو امام بخاری نے ذبائح، مسلم نے ذبائح، ابو داؤد و ترمذی نے اطعمہ نسائی و ابن ماجہ نے صید میں ذکر کیا ہے۔ علامہ کرمانی علیہ الرحمہ نے فرمایا مَرّ الظہران ایک گاؤں کا نام ہے جس میں کھیت اور باغ ہیں۔ یہ مکہ معظمہ سے پانچ میل کے فاصلہ پر مدینہ منورہ کی جانب واقع ہے۔ یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

۱۔ ضرورت کے لیے شکار کرنا جائز ہے اور بلا ضرورت محض نشانہ بازی اور شوق کے طور پر شکار کرنا

بوقتِ ضرورت شکار کرنا جائز ہے | اور اس کو کام میں نہ لانا ممنوع ہے۔ بعض لوگ محض تفریح طبع کے لیے شکار کرتے ہیں اور جانور کے گوشت پوست سے فائدہ نہیں اُٹھاتے وہ بیکار جاتا ہے یا جانور پر گولی چلا کر اس کو تڑپتا بلکتا چھوڑ دیتے ہیں اور اسے ذبح کر کے کام میں نہیں لاتے۔ ایسا کرنا گناہ اور ظلم ہے ——— ترمذی، ابوداؤد و نسائی کی حدیث میں فرمایا۔ مَنْ تَبِعَ الصَّيْدَ غَفَلَ ۔ جس نے شکار کا تعاقب کیا وہ غافل ہوا۔ جس سے شکار کے تعاقب کرنے کی ممانعت کا پہلو نکلتا ہے۔ مطلبِ حدیث یہ ہے۔ بلا وجہ اور بلا ضرورت شکار کرنا یا شکار کرنے اور جانور ڈھونڈنے، اس کا تعاقب کرنے میں ایسا منہمک ہو جانا کہ اپنے دینی و دنیوی فرائض سے غافل ہو جائے جیسا کہ عموماً شکاریوں کی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ وہ شکار میں ایسے مصروف ہو جاتے ہیں کہ فرض نماز بھی ترک ہو جاتی ہے تو اس طرح شکار میں مصروف ہو جانا جائز نہیں ہے کہ اس سے فرائض و واجبات میں کوتاہی ہو یہی اس حدیث کا مطلب ہے۔

۲۔ جب چند لوگ شکار کا تعاقب کریں۔ ان میں سے جو بھی اس کو پکڑ لے یا جس کی گولی سے وہ زخمی ہو وہی اس کا مالک قرار پائے گا۔

۳۔ روایتِ ترمذی میں فَذَبَحَهَا بِمَرْوَةٍ کے الفاظ ہیں۔ یعنی آپ نے اس کو پتھر سے ذبح کیا تو پتھر سے ذبح اس صورت میں درست ہے جب کہ پتھر تیز دھار والا ہو۔ یعنی اس سے جانور کی رگیں کٹ جائیں اور اگر پتھر کے بوجھ یا ضرب سے جانور کو ہلاک کیا تو یہ شرعاً ذبح نہیں ہے۔ ایسے جانور کا گوشت حلال نہیں ہوگا۔

۴۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ

خرگوش حلال جانور ہے | ۔ ائمہ اربعہ مالک شافعی، حنبل اور امام اعظم ابو حنیفہ اور تمام

علماء کا یہی مذہب ہے کہ خرگوش حلال ہے ۔ البتہ عبد اللہ بن عمرو بن عاص، عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ اور عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کراہت کا قول کرتے ہیں۔ مگر کثیر احادیث جنہیں بیہقی، طبرانی، نسائی، ابن ماجہ نے روایت کیا ہے خرگوش کی اباحت واضح ہے۔ علامہ عینی نے ان تمام احادیث کو عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۱۳۲ میں ذکر فرمایا ہے۔

۵۔ بعض احادیث کا یہ مضمون ہے کہ نبی علیہ السلام نے خرگوش کا گوشت کھانے کا حکم دیا ہے یا یہ ہے کہ آپ نے خود نہیں کھایا مگر اس کے کھانے سے منع بھی نہیں فرمایا اور طبرانی کی حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔

لَا آكُلُهَا وَلَا أُحَرِّمُهَا — نہ میں اس کو کھاتا ہوں نہ کھانے سے منع فرماتا ہوں

تو جب آپ نے منع نہیں فرمایا تو پھر خرگوش مکروہ کیسے قرار دیا جائے گا؟

۲۴۰۳۔ عَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ أَهْدَى لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِمَارًا وَحْشِيًّا وَّهُوَ بِالْأَبْوَاءِ أَوْ بِوَدَّانَ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَلَمَّا رَاى مَا فِي وَجْهِهِ قَالَ أَمَا اِنَّا لَمْ نَرُدَّهُ عَلَيْكَ اِلَّا أَنَّا حُرُمٌ

حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ نے کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گورخر کا ہدیہ پیش کیا تھا۔ حضور اس وقت مقام ابواء یا مقام ودان میں تھے (راوی کو شبہ ہے) حضور اکرم نے ان کا ہدیہ واپس کر دیا۔ پھر ان کے چہرے پر (ندامت کے آثار) دیکھ کر فرمایا کہ ہم نے اس لیے واپس کیا ہے کہ ہم احرام کی حالت میں ہوں۔

فوائد و مسائل ابواء اور ودان دو مقاموں کے نام ہیں جو کہ مدینہ و مکہ کے درمیان واقع ہیں۔ اس سے قبل کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابو قتادہ نے شکار کا گوشت بحضور نبوی پیش کیا آپ نے قبول فرمایا۔ اس حدیث میں ہے کہ صعب کا شکار آپ نے قبول نہیں فرمایا حالانکہ دونوں حالتوں میں آپ محرم تھے ۔ جواب یہ ہے قتادہ نے شکار کا گوشت پیش کیا تھا جب کہ وہ خود محرم نہ تھے اور حضرت صعب نے زندہ شکار پیش کیا تھا اور محرم زندہ شکار کا مالک نہیں ہوتا۔ اس لیے آپ نے اسے قبول نہیں فرمایا۔ البتہ اگر غیر محرم نے شکار کو ذبح کر کے اس کا گوشت محرم کو دیا تو وہ گوشت کا مالک ہو جاتا ہے۔

بَابُ قَبُوْلِ الْهَدِيَّةِ

باب ہدیہ قبول کرنا

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّاسَ كَانُوا يَتَحَرَّوْنَ بِهَدَايَاهُمْ يَوْمَ عَائِشَةَ يَبْتَغُوْنَ بِهَا اَوْ يَبْتَغُوْنَ بِذٰلِكَ مَرْضَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ لوگ ہدیہ بھیجنے کے لیے میری باری کا انتظار کرتے تھے۔ وہ اس طریقہ سے حضور علیہ السلام کی خوشی[1] چاہتے تھے۔

۲۴۰۵- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَهْدَتْ اُمُّ حُفَيْدٍ خَالَةُ ابْنِ عَبَّاسٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقِطًا وَّسَمْنًا وَّاَضُبًّا فَاَكَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْاَقِطِ وَالسَّمْنِ وَتَرَكَ الضَّبَّ تَقَذُّرًا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاُكِلَ عَلٰى مَائِدَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَوْ كَانَ حَرَامًا مَّا اُكِلَ عَلٰى مَائِدَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ان کی خالہ اُم حفید رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پنیر، گھی اور گوہ کا ہدیہ بھیجا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پنیر اور گھی میں سے تو تناول فرمایا لیکن گوہ ناپسند ہونے کی وجہ سے چھوڑ دی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (اسی) دستر خوان پر (گوہ کو بھی) کھایا گیا اور اگر وہ حرام ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستر خوان پر کبھی نہ کھائی جاتی۔

فوائد و مسائل ۱- عنوان کے مطابق اس حدیث میں فَاَكَلَ النَّبِيُّ کے جملے ہیں۔ جو ہدیہ قبول کرنے پر دال ہیں — گوہ کے حلال ہونے میں اختلاف ہے۔

گوہ مکروہ تحریمہ ہے اکثر فقہاء اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے گوہ کو حلال قرار دیتے ہیں۔

---

[1] مجھے یاد پڑتا ہے کہ مکتوبات میں حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہ السبحانی نے لکھا ہے کہ میں کھانا وغیرہ پکا کر لوگوں میں تقسیم کر دیتا تھا اور اس کا ثواب حضور علیہ السلام اور آپ کے اہلبیت اطہار سیّدنا حسن و حسین سیّدہ فاطمہ زہرا اور امیر المومنین سیدنا علی رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کی ارواحِ مبارک کو بخش دیتا تھا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ محسوس ہوا کہ آپ مجھ سے کچھ کبیدہ خاطر ہیں۔ میں نے بحضورِ نبوی گریہ زاری کی اور اس کا سبب پوچھا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ میں کھانا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر کھاتا ہوں۔ اس جملہ سے حضور نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ حضرت عائشہ صدیقہ کی روحِ مبارک کو کیوں شاملِ ثواب نہیں کرتے —— حضرت مجدّد فرماتے ہیں۔ اس خواب کے بعد اب میں ازواجِ مطہرات کو بھی ثواب پہنچانے میں شریک کر لیتا ہوں۔

لیکن احناف اسے مکروہِ تحریمہ کہتے ہیں۔ کیونکہ نبی علیہ السلام نے اس کے کھانے سے منع فرمایا ہے۔
ابوداؤد نے اطعمہ میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ نَهٰى عَنْ اَكْلِ الضَّبِّ ___ کہتے ہیں کہ گوہ کے گوشت میں بدبو ہوتی ہے۔ ابن بطال کہتے ہیں کہ بعض چیزیں ایسی ہیں جو حرام نہیں ہیں مگر یہ جائز ہے کہ کسی کو وہ چیز کسی وجہ سے پسند نہ ہو تو اسے نہ کھائے ___ ہدایہ میں ہے کہ گوہ مکروہِ تحریمی ہے۔ کیونکہ نبی علیہ السلام سے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے متعلق سوال کیا تو آپ نے اس کے کھانے سے منع فرمایا۔ عینی ج ۱۲ صہ ۱۳۴

۲۔ علامہ قسطلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ گوہ کی عمر بڑی لمبی ہوتی ہے۔ سات سو سال سے بھی زیادہ عمر پاتی ہے۔ اس کے دانت نہیں گرتے کیونکہ پورا جبڑا ایک ہی دانت پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ چالیس روز صرف ایک قطرہ پیشاب کرتی ہے اور پانی نہیں پیتی۔ علامہ دمیری علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ بچھوں سے اس کی بڑی دوستی ہے۔ اس کے بل میں بچھو بھی اپنا مسکن بناتے ہیں (حیات الحیوان)

۲۴۰۶۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُتِیَ بِطَعَامٍ سَاَلَ عَنْهُ اَهَدِيَّةٌ اَمْ صَدَقَةٌ فَاِنْ قِيْلَ صَدَقَةٌ قَالَ لِاَصْحَابِهٖ كُلُوْا وَلَمْ يَاْكُلْ وَاِنْ قِيْلَ هَدِيَّةٌ ضَرَبَ بِيَدِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَكَلَ مَعَهُمْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب کوئی کھانے کی چیز لائی جاتی تو آپ دریافت فرماتے۔ یہ ہدیہ ہے یا صدقہ....؟ اگر کہا جاتا کہ صدقہ ہے تو آپ اپنے اصحاب سے فرماتے کہ کھاؤ۔ لیکن خود نہ کھاتے اور اگر کہا جاتا کہ ہدیہ ہے تو آپ خود بھی ہاتھ بڑھاتے اور صحابہ کے ساتھ تناول فرماتے۔

فوائد و مسائل حضور علیہ السلام صدقاتِ واجبہ تناول نہیں فرماتے تھے۔ ابن بطال علیہ الرحمۃ کہتے ہیں صدقہ واجبہ قبول نہ فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ صدقاتِ واجبہ لوگوں کے مالوں کا میل ہے نیز صدقہ واجبہ اغنیاء کر لینا جائز نہیں ہے اور حضور علیہ السلام غنی ہیں۔ قرآنِ مجید میں ارشادِ باری ہے۔

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَاَغْنٰى (عینی ج ۱۲ صہ ۱۳۵) اے حبیب ہمیں حاجتمند پایا پھر غنی کر دیا

معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام کو غریب و محتاج کہنا جائز نہیں ہے۔

۲۴۰۷۔ عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ اُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَحْمٍ

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مرتبہ گوشت

فَقِيْلَ تُصُدِّقَ عَلٰى بَرِيْرَةَ قَالَ هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَّلَنَا هَدِيَّةٌ

پیش کیا گیا اور یہ بتا دیا گیا کہ بریرہ رضی اللہ تعالٰے عنہا کو کسی نے صدقہ میں دیا ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے لیے یہ صدقہ ہے اور ہمارے لیے جب ان کے واسطہ سے پہنچا ہدیہ ہے۔

۲۴۰۸- وَاُهْدِىَ لَهَا لَحْمٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا تُصُدِّقَ عَلٰى بَرِيْرَةَ هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَّلَنَا هَدِيَّةٌ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ بریرہ رضی اللہ عنہا کے یہاں (صدقہ کا) گوشت آیا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اچھا یہ وہی ہے جو بریرہ کو صدقہ میں ملا ہے، یہ ان کے لیے تو صدقہ ہے لیکن ہمارے لیے ہدیہ۔

۲۴۰۹- عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى عَائِشَةَ فَقَالَ اَعِنْدَكُمْ شَيْءٌ قَالَتْ لَا اِلَّا شَيْءٌ بَعَثَتْ بِهٖ اُمُّ عَطِيَّةَ مِنَ الشَّاةِ الَّتِىْ بَعَثْتَ اِلَيْهَا مِنَ الصَّدَقَةِ قَالَ اِنَّهَا بَلَغَتْ مَحِلَّهَا

ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا، کیا کوئی چیز (کھانے کی) تمہارے پاس ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا کے یہاں جو آپ نے صدقہ کی بکری بھیجی تھی، اس کا گوشت انھوں نے بھیجا ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ اپنی جگہ پہنچ چکا۔

جس مستحق کو مالِ زکوٰۃ دیا جائے اسے اس کا مالک بنا دینا ضروری ہے

صدقاتِ واجبہ، زکوٰۃ فطرانہ کا مستحق وہ شخص ہے جو مالکِ نصاب نہ ہو جو غنی ہو مالکِ نصاب ہو اسے صدقہ واجبہ دینا جائز نہیں ہے حضرت بریرہ مستحقِ صدقہ تھیں۔ جب صدقہ ان کی ملک میں آگیا تو صدقہ کرنے کا عمل تمام ہو گیا۔ اب حضرت بریرہ اس کی مالک ہو گئیں اور ان کو یہ اختیار حاصل ہو گیا کہ جس کو چاہیں دیں خواہ وہ غریب ہو یا غنی۔ چنانچہ حضور نبی کریم علیہ السلام کے ارشاد کے الفاظ

هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَّلَنَا هَدِيَّةٌ

کہ بریرہ کے لیے صدقہ ہے (تو اگر وہ ہمیں دیدیں) تو ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

اِنَّهَا بَلَغَتْ مَحِلَّهَا (بخاری) | صدقہ اپنے مستحق کو پہنچ گیا۔

سے یہی واضح ہوتا ہے کہ اگر غریب و مسکین کو (جو مالکِ نصاب نہ ہو) زکوٰۃ وفطرانہ دے کر مالک بنادیا جائے اور وہ اپنی مرضی سے یا کسی کے ترغیب دلانے سے صدقہ کی چیز کسی غنی (مالکِ نصاب) کو دیدے تو اس کا کھانا اور استعمال کرنا جائز ہے۔

فائدہ اس حدیث کو امام بخاری نے زہادر علیٰ مسلم نے زکوٰۃ اور عتق۔ نسائی نے بیوع، فرائض طلاق اور شروط میں ذکر کیا ہے۔ علامہ علیہ الرحمہ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا کہ لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ جب فقیر کی ملک کر دیا گیا تو وہ اس کا مالک ہوگیا۔ جب وہ اس کا مالک ہوگیا تو اب اس کو اس میں تصرف کا حق حاصل ہوگیا خواہ وہ اسے فروخت کرے یا کسی کو ہدیہ دیدے۔ لِاَنَّ التَّحْرِيْمَ يَتَعَلَّقُ بِالصِّفَةِ لَا بِالذَّاتِ وَقَدْ تَغَيَّرَ مَا تُصُدِّقَ بِهٖ عَلٰى بَرِيْرَةَ بِانْتِقَالِهٖ اِلٰى مِلْكِهَا وَخُرُوْجِهٖ عَنْ مِلْكِ الْمُتَصَدِّقِ (عینی ج ۱۳ ص ۱۳۵)

معلوم ہوا کہ صدقہ واجبہ زکوٰۃ فطرانہ وغیرہ جب محتاج کو دیا جائے تو اسے اس کا مالک بنادینا ضروری ہے اور ادائیگی زکوٰۃ کے وقت کسی قسم کی شرط لگانا جائز نہیں ہے۔ یعنی جب زکوٰۃ محتاج کو دے دی گئی تو اب یہ شرط لگانا زکوٰۃ کا مال تم خود استعمال کروگے یا اس زکوٰۃ کے مال سے تم کپڑے بنا کر پہنوگے وغیرہ وغیرہ۔ ایسی شرط لگانا درست نہیں ہے کیونکہ یہ شرطیں ملکیت کے منافی ہیں۔

بَابُ مَنْ اَهْدٰى اِلٰى صَاحِبِهٖ وَتَحَرّٰى

باب جس نے اپنے دوست کو ہدیہ بھیجا اور اس

بَعْضَ نِسَآئِهٖ دُوْنَ بَعْضٍ

کی کسی خاص بیوی کا انتظار کیا

۲۴۱۰ - عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّاسُ يَتَحَرَّوْنَ بِهَدَايَاهُمْ يَوْمِيْ وَقَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ اِنَّ صَوَاحِبِيْ اجْتَمَعْنَ، فَذَكَرَتْ لَهٗ فَاَعْرَضَ عَنْهَا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ لوگ ہدایا بھیجنے کے لیے میری باری کا انتظار کرتے تھے ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میری سوکنیں (امہات المومنین رضوان اللہ علیہن) جمع تھیں اس وقت انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا (کہ آنحضور صحابہ سے فرمادیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کا انتظار نہ کیا کریں) تو آپ نے انھیں کوئی جواب نہ دیا۔

۱۱۴۲ - عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ نِسَاءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنَّ حِزْبَيْنِ فَحِزْبٌ فِيْهِ عَائِشَةُ وَحَفْصَةُ وَ صَفِيَّةُ وَ سَوْدَةُ وَالْحِزْبُ الْاٰخَرُ اُمُّ سَلَمَةَ وَ سَائِرُ نِسَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ كَانَ الْمُسْلِمُوْنَ قَدْ عَلِمُوْا حُبَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَائِشَةَ فَاِذَا كَانَتْ عِنْدَ اَحَدِهِمْ هَدِيَّةٌ يُرِيْدُ اَنْ يُّهْدِيَهَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَّرَهَا حَتّٰى اِذَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِ عَائِشَةَ بَعَثَ صَاحِبُ الْهَدِيَّةِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِ عَائِشَةَ فَكَلَّمَ حِزْبُ اُمِّ سَلَمَةَ فَقُلْنَ لَهَا كَلِّمِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَلِّمُ النَّاسَ فَيَقُوْلُ مَنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْدِيَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَدِيَّةً فَلْيُهْدِهِ اِلَيْهِ حَيْثُ كَانَ مِنْ بُيُوْتِ نِسَائِهِ فَكَلَّمَتْهُ اُمُّ سَلَمَةَ بِمَا قُلْنَ فَلَمْ يَقُلْ لَهَا شَيْئًا فَسَاَلْنَهَا فَقَالَتْ مَا قَالَ لِيْ شَيْئًا فَقُلْنَ لَهَا فَكَلِّمِيْهِ قَالَتْ فَكَلَّمَتْهُ حِيْنَ دَارَ اِلَيْهَا اَيْضًا فَلَمْ يَقُلْ لَهَا شَيْئًا فَسَاَلْنَهَا فَقَالَتْ مَا قَالَ لِيْ شَيْئًا فَقُلْنَ لَهَا كَلِّمِيْهِ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی دو جماعتیں تھیں - ایک میں عائشہ، حفصہ، صفیہ اور سودہ رضوان اللہ علیہن اور دوسری جماعت میں ام سلمہ اور بقیہ ازواجِ مطہرات رضوان اللہ علیہن تھیں۔ مسلمانوں کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عائشہ کے ساتھ محبت کا علم تھا - اس لیے جب کسی کے پاس کوئی ہدیہ ہوتا اور وہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا تو انتظار کرتا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے گھر میں قیام کی باری ہوتی تو ہدیہ دینے والے اپنا ہدیہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجتے - اس پر ام سلمٰے رضی اللہ عنہا کی جماعت کی ازواجِ مطہرات نے آپس میں صلاح مشورہ کیا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کریں تاکہ آپ لوگوں سے فرمادیں کہ جسے آنحضور کے ہاں ہدیہ بھیجنا ہو وہ (کسی کی خاص باری کا انتظار کیے بغیر) جہاں بھی آنحضور ہوں، وہیں بھیجا کریں - چنانچہ ازواج کے مشورہ کے مطابق حضرت ام سلمٰی نے بحضور نبوی عرض کی۔ حضور نے کوئی جواب نہیں دیا - پھر ان ازواج نے پوچھا تو انھوں نے بتا دیا کہ مجھے آپ نے جواب نہیں دیا - انھوں نے بیان کیا کہ پھر جب آپ کی باری آئی تو دوبارہ انھوں نے آپ سے عرض کیا - اس مرتبہ بھی

حَتّٰی یُکَلِّمَكِ فَدَارَ اِلَیْهَا فَکَلَّمَتْهُ فَقَالَ لَهَا
لَا تُؤْذِیْنِیْ فِیْ عَائِشَةَ فَاِنَّ الْوَحْیَ
لَمْ یَاْتِنِیْ وَاَنَا فِیْ ثَوْبِ امْرَاَةٍ اِلَّا
عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَالَتْ اَتُوْبُ اِلَی اللّٰهِ
مِنْ اِیْذَائِكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ثُمَّ اِنَّهُنَّ
دَعَوْنَ فَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ
عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَرْسَلْنَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی
اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَقُوْلُ اِنَّ نِسَآءَكَ یَنْشُدْ
نَكَ اللّٰهَ الْعَدْلَ فِیْ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍ فَکَلَّمَتْهُ
فَقَالَ یَا بُنَیَّةُ اَلَا تُحِبِّیْنَ مَا اُحِبُّ قَالَتْ
بَلٰی فَرَجَعَتْ اِلَیْهِنَّ فَاَخْبَرَتْهُنَّ
فَقُلْنَ ارْجِعِیْ اِلَیْهِ فَاَبَتْ اَنْ تَرْجِعَ
فَاَرْسَلْنَ زَیْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ فَاَتَتْهُ
فَاَغْلَظَتْ وَقَالَتْ اِنَّ نِسَآءَكَ یَنْشُدْنَكَ
اللّٰهَ الْعَدْلَ فِیْ بِنْتِ ابْنِ اَبِیْ قُحَافَةَ فَرَفَعَتْ
صَوْتَهَا حَتّٰی تَنَاوَلَتْ عَائِشَةَ وَهِیَ
قَاعِدَةٌ فَسَبَّتْهَا حَتّٰی اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ
صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیَنْظُرُ اِلٰی
عَائِشَةَ هَلْ تَکَلَّمُ قَالَ فَتَکَلَّمَتْ عَائِشَةُ
تَرُدُّ عَلٰی زَیْنَبَ حَتّٰی اَسْکَتَتْهَا قَالَتْ
فَنَظَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
اِلٰی عَائِشَةَ وَقَالَ اِنَّهَا بِنْتُ اَبِیْ بَکْرٍ
(بخاری)

آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جب ازواج نے
پوچھا تو انھوں نے پھر وہی بتایا کہ آپ نے مجھے
اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ازواجِ مطہرات نے
حضرت امِ سلمہ سے کہا کہ ایک بار پھر عرض کرو تاکہ
آپ اس معاملہ میں کچھ فرمائیں تو جب ان کی
باری آئی تو انھوں نے پھر عرض کی۔ اس پر حضور
اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عائشہ کے بارے
میں مجھے اذیت نہ دو۔ عائشہ کے سوا، اپنی ازواج
میں سے کسی کے بستر میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی
ہے۔ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضور
اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر! انھوں نے
عرض کیا، آپ کو ایذا پہنچانے سے اللہ کے حضور
میں توبہ کرتی ہوں، یا رسول اللہ! پھر ان ازواج نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی حضرت
فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بُلایا اور ان کے ذریعے حضور
اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ کہلوایا کہ آپ
کی ازواج ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی کے بارے میں
خدا کے لیے آپ سے ہر معاملہ میں عدل (برابری)
چاہتی ہیں۔ چنانچہ انھوں نے بھی آپ سے گفتگو
کی۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری بیٹی!
کیا تم وہ پسند نہیں کرتی ہو جو میں پسند کروں۔ انھوں
نے جواب دیا کہ کیوں نہیں۔ اس کے بعد وہ واپس
آگئیں اور ازواج کو اطلاع کی۔ انھوں نے ان
سے بھی دوبارہ خدمتِ نبوی میں جانے کے لیے کہا۔ لیکن حضرت فاطمہ نے دوبارہ جانے سے انکار کیا تو
انھوں نے (ام المومنین) زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو بھیجا۔ وہ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئیں تو انھوں

نے باصرار عرض کیا کہ آپ کی ازواج ، ابو قحافہ کی بیٹی کے بارے میں آپ سے خدا کے لیے ہر معاملہ میں عدل (برابری) مانگتی ہیں۔ ان کی آواز بلند ہوگئی اور انھوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی نہیں چھوڑا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ انھوں نے بھی ان کو جواب دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف دیکھنے لگے کہ دیکھیں کچھ بولتی ہیں یا نہیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی بول پڑیں اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی باتوں کا جواب دینے لگیں اور آخر انھیں خاموش کر دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ یہ ابوبکر کی بیٹی ہے۔ (بخاری)

فوائد و مسائل واضح ہو کہ اگر کسی کی متعدد بیویاں ہوں تو شرعاً اس پر لازم و واجب ہے کہ نان نفقہ اور رہائش میں عدل و انصاف سے کام لے۔ سب بیویوں کی جو ضروریات شوہر کو پورا کرنا لازم ہے اس میں برابری و مساوات قائم رکھے۔ قرآنِ مجید میں ارشادِ باری ہے۔

اگر کسی کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو نان نفقہ اور رہائش میں مساوات فرض ہے

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا

اگر تمہیں خوف ہو کہ عدل نہ کرو گے تو ایک ہی سے نکاح کرو یا وہ باندیاں جن کے تم مالک ہو۔ یہ زیادہ قریب ہے اس سے کہ تم سے ظلم نہ ہو

اور فرماتا ہے :۔

لَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۚ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

تم سے ہرگز نہ ہو سکے گا کہ عورتوں کو برابر رکھو اگرچہ حرص کرو تو یہ تو نہ ہو کہ ایک طرف پورا جھک جاؤ اور دوسری کو لٹکتی چھوڑ دو اور اگر نیکی اور پرہیزگاری کرو تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر دونوں بیویوں میں عدل نہ کرے گا تو قیامت کے دن حاضر ہوگا اس طرح پر کہ آدھا دھڑ ساقط (بے کار) ہوگا (ترمذی و حاکم)

ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے مروی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے تو ازواجِ مطہرات میں قرعہ ڈلتے جن کا قرعہ نکلتا انھیں اپنے ساتھ لے جاتے (بخاری و مسلم)

نیز فرمایا بیشک عدل کرنے والے اللہ کے نزدیک رحمٰن کی دہنی طرف نور کے منبر پر ہوں گے اور اس

کے دونوں ہاتھ دہنے ہیں۔ وہ لوگ جو حکم کرنے اور اپنے گھر والوں میں عدل کرتے ہیں۔ (مسلم)

قرآنِ مجید اور احادیث سے واضح ہوا کہ جس کی دو یا تین یا چار بیویاں ہوں اس پر عدل فرض ہے یعنی جو چیزیں اختیاری ہوں ان میں سب عورتوں کا یکساں لحاظ کرے یعنی ہر ایک کو اس کا پورا حق ادا کرے۔ پوشاک اور نان نفقہ اور رہنے سہنے میں سب کے حقوق پورے ادا کرے۔

اگر کوئی شخص اپنی بیویوں میں عدل نہیں کرتا تو قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا جاسکتا ہے اور قاضی عدل کا حکم دے گا ــــ لیکن جو بات شوہر کے اختیار میں نہیں ہے۔ اس میں مجبور و معذور ہے۔ امورِ غیر اختیاری میں عدل و مساوات لازم و واجب نہیں ہے۔ مثلاً ایک بیوی سے زیادہ محبّت ہے اور دوسری سے کم۔ اس میں مساوات قائم کرنا شوہر کے بس کی بات نہیں ہے۔

چنانچہ ابوداؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ و ابن حبان نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باری میں عدل فرماتے اور کہتے الٰہی میں جس کا مالک ہوں اس میں میں نے یہ تقسیم کردی اور جس کا مالک تو ہے میں مالک نہیں (یعنی محبت قلب) اس میں ملامت نہ فرما۔

۱۔ معلوم ہوا کہ ایک سے زیادہ بیویاں ہونے کی صورت میں اگر کسی بیوی سے محبّت زیادہ ہے یہ بات عدل کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ انسان کے اختیار میں نہیں ہے کہ ہر ایک سے محبت میں مساوات کو قائم رکھے۔ بیویوں کے درمیان عدل و مساوات کے اس ضابطہ کو پیشِ نظر رکھ کر حدیثِ زیرِ عنوان پر غور کیجئے۔

۲۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تمام اختیاری امور میں ازواجِ مطہرات کے ساتھ قطعاً حتماً مساوی سلوک فرماتے تھے۔ عدل و انصاف آپ کی طبیعتِ ثانیہ تھیں اور یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ حضور عدل نہ فرمائیں۔

۳۔ ازواجِ مطہرات نے بھی جو عرض و معروض کی وہ نان نفقہ رہائش میں عدل و مساوات کے متعلق نہ تھی بلکہ ان کی خواہش یہ تھی کہ آپ کو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا زیادہ محبوب تھیں۔ نِسَاءُكَ يُنْشِدْنَكَ اللهَ الْعَدْلَ کا مطلب یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات یہ چاہتی تھیں کہ حضور علیہ السلام محبّتِ قلبی میں بھی مساوات فرمائیں۔ جو حضور پر لازم و واجب نہ تھی۔ کیونکہ کسی بیوی سے محبت کا زیادہ ہونا انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ علامہ عینی علیہ الرحمہ نے حدیث کے مذکورہ بالا جملوں کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔ وَلٰكِنَّ الْمَعْنَى التَّسْوِيَةَ بَيْنَهُنَّ فِي الْمَحَبَّةِ الْمُتَعَلِّقَةِ بِالْقَلْبِ لِاَنَّهٗ كَانَ يُسَوِّي بَيْنَهُنَّ فِي الْاَفْعَالِ الْمَقْدُوْرَةِ (عینی ج ۱۳ ص۱۳۷)

اسی لیے علماء کا اس امر پر اجماع ہے کہ اپنی تمام بیویوں کے درمیان از روئے قلبی محبت مساوات قائم رکھنا شوہر کے لیے لازم و واجب نہیں ہے۔ یہ حدیث مسائلِ ذیل پر مشتمل ہے۔

۳۔ام المومنین حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی یہ عظیم وجلیل فضیلت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے خصوصی محبت والفت تھی۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ اِنَّھَا بِنْتُ اَبِیْ بَکْرٍ یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا حضرت ابوبکر صدیق کی صاحب زادی ہیں۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق عقلمند، عارف اور معاملہ فہم ہیں۔ ایسے ہی حضرت عائشہ بھی ہیں۔ نیز نزولِ وحی کے سلسلہ میں حضور کا ارشاد بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت اور ان کے مرتبہ کی بلندی پر دلالت کرتا ہے۔

۴۔حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات نبی علیہ السلام سے حیا فرماتی تھیں۔ اسی لیے انھوں نے عرض و معروض کے لیے حضرت فاطمہ کو وسیلہ بنایا جو نبی علیہ السلام کو بہت محبوب تھیں۔

۵۔اگر کسی کی متعدد بیویاں ہوں تو محبتِ قلبی میں مساوات ضروری نہیں ہے۔

۶۔ازواجِ مطہرات حضور کا ایسا ادب کرتی تھیں کہ ذرا سی ناگواری دیکھتیں تو فوراً معذرت کرلیتی تھیں حضرت اِم سلمہ کا بحضور نبوی یہ عرض کرنا اَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ اَذَاكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اسی کے مظہر ہیں۔

۷۔حضرت زینب نے ذرا زوردار الفاظ میں بحضور نبوی عرض کی اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ آپ کی پھوپھی کی صاحبزادی تھیں۔ خون کے اس قریبی رشتہ کی وجہ سے بے تکلفی آجاتی ہے۔

۸۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے معروضہ پر التفات نہ فرمانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہدیہ بھیجنے والے کو مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ فلاں وقت اور فلاں کی موجودگی میں ہدیہ بھیجا کرے۔

بَابُ مَالَا یُرَدُّ مِنَ الْھَدِیَّةِ

باب وہ ہدیہ جو واپس نہ کیا جائے

۲۱۴۲۔حَدَّثَنِیْ ثُمَامَةُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ دَخَلْتُ عَلَیْہِ فَنَاوَلَنِیْ طِیْبًا قَالَ کَانَ اَنَسٌ لَّا یَرُدُّ الطِّیْبَ قَالَ وَزَعَمَ اَنَسٌ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ لَا یَرُدُّ الطِّیْبَ (بخاری)

عزرہ نے بیان کیا کہ میں ثمامہ بن عبداللہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے مجھے خوشبو دی اور کہا کہ انس خوشبو واپس نہیں کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم علیہ السلام خوشبو واپس نہیں فرماتے تھے۔

فوائد نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ خوشبو واپس نہ کی جائے۔ اسی لیے حضرت انس خوشبو واپس نہیں کرتے۔ معلوم ہوا کہ خوشبو کا ہدیہ قبول کرنا مستحب ہے۔

بَابُ مَنْ رَّاٰی الْهِبَةَ الْغَائِبَةَ جَائِزَةً

باب جن کے نزدیک غیر موجود چیز کا ہدیہ کرنا درست ہے

اس عنوان کے ماتحت امام بخاری نے قبیلہ ہوازن کے وفد والی حدیث ذکر کی ہے جو مکمل ترجمانی کے ساتھ کتاب العتق میں گزر چکی ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۲۳۲۷

۲۴۱۳۔ حدیث زیرِ عنوان کا خلاصہ یہ ہے کہ جب قبیلہ ہوازن کا وفد بحضور نبوی حاضر ہوا تو نبی علیہ السلام نے صحابہ سے فرمایا۔ تمہارے بھائی توبہ کر کے آئے تو اگر تمہاری مرضی ہو تو ان کے قیدی واپس کر دیئے جائیں۔ صحابہ نے عرض کی ہم راضی ہیں (بخاری)

امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس عنوان سے اس امر کا ارادہ کیا ہے کہ ہبہ کے جواز کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ شی اور موھوب لہٗ مجلس میں موجود ہوں اگر غائب بھی ہوں تو بھی ہبہ درست ہے اور اس سلسلہ میں ہوازن کے قیدیوں کے واقعہ سے استدلال فرمایا ہے کہ اس میں واہب حضور علیہ السلام تھے اور اشیاء موہوبہ یعنی قیدی بلکہ موھوب لہٗ بھی مجلس میں موجود نہ تھے۔

علامہ عینی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ متعدد وجوہ سے یہ استدلال درست نہیں۔ اوّل اس لیے کہ ہوازن کے قیدی مالِ غنیمت سے تھے اور غانمین تقسیم سے قبل مالِ غنیمت کے مستحق تو تھے مگر مالک نہ تھے۔ دوم یہ کہ تقسیم سے قبل غانمین کا حصہ معلوم نہیں ہو سکتا تو یہ ہبہ مجہول شئے کا ہوا جو جائز نہیں ہے۔ سوم یہ کہ ترک پر ہبہ کا اطلاق بہت بعید ہے۔ یہ بات بہت واضح ہے کہ قبیلہ بنی ہوازن کے قیدیوں کو چھوڑنا ہبہ نہیں بلکہ (اعتاق) آزاد کرنا تھا۔ (فافہم)

بَابُ الْمُكَافَأَةِ فِي الْهِبَةِ

باب ہبہ کا بدلہ دینا

۲۴۱۴ - عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيْبُ عَلَيْهَا (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کا بدلہ بھی دے دیا کرتے تھے۔

فوائد و مسائل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ جو شخص آپ پر احسان کرتا۔ آپ اس کا بدلہ عطا فرما دیا کرتے تھے — اگر ہبہ بشرط العوض ہو یعنی یہ کہا کہ یہ چیز تم کو ہبہ کرتا ہوں اس شرط پر کہ فلاں چیز تم مجھ کو دو۔ یہ ابتداءً ہبہ ہے مگر انتہا کے لحاظ سے بیع ہے۔ اس میں بیع کے احکام ثابت ہوں گے۔ غرضکہ وہ ہدیہ جس کا بدلہ لینا مطلوب ہو تو یہ بیع کی طرح ہے اور بدلہ دینا واجب ہے اور وہ ہدیہ جو بغرضِ ثواب و صلہ رحمی کے لیے ہو (رضا کارانہ) اس کا بدلہ دینا ضروری نہیں ہے اگر دیدے تو فعلِ حسن ہے۔

بَابُ الْهِبَةِ لِلْوَلَدِ

باب اپنے بیٹے کو ہبہ کرنا

وَاِذَا اَعْطٰى بَعْضَ وَلَدِهٖ شَيْئًا لَّمْ يَجُزْ حَتّٰى يَعْدِلَ بَيْنَهُمْ وَيُعْطِىَ الْاٰخَرِيْنَ مِثْلَهٗ وَلَا يُشْهَدُ عَلَيْهِ وَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْدِلُوْا بَيْنَ اَوْلَادِكُمْ فِى الْعَطِيَّةِ

اور اپنے بعض لڑکوں کو اگر کوئی چیز ہبہ کی تو جب تک انصاف کے ساتھ تمام لڑکوں کو برابر نہ دے یہ ہبہ جائز نہیں ہوگا، البتہ باپ کے خلاف گواہی نہ دی جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عطیوں کے سلسلہ میں اپنی اولاد کے درمیان انصاف سے کام لو۔

کیا اپنی تمام اولاد کو برابری کے ساتھ دینا ضروری ہے

واضح ہو کہ اولاد کو جب کوئی چیز ہبہ کی جائے تو برابری کے ساتھ ہبہ کی جائے۔ کم و بیش ہبہ کرنا مکروہ ہے مگر یہ حکم دیانت کا ہے اور قضاء کا حکم یہ ہے کہ اگر باپ بحالتِ صحت اپنا سارا مال جائداد ایک ہی لڑکے کو دیدے۔ دوسروں کو کچھ نہ دے تو ایسا کر سکتا ہے۔ دوسرے کسی قسم کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔ البتہ ایسا کرنے میں گناہ ہے اور اگر کسی مصلحتِ جائز کی وجہ سے کسی کو کم اور کسی کو زیادہ دے مثلاً ایک عالم فاضل متقی پرہیزگار ہے اسے زیادہ دیا اور دوسرا دنیا کے کاموں میں اشتغال رکھتا ہے اسے کم دیا تو یہ صورت بلا کراہت جائز ہے۔ (بحر الرائق) امام ثوری، لیث بن سعد، قاسم بن عبدالرحمٰن، محمد بن منکدر امام اعظم ابوحنیفہ، امام محمد و ابو یوسف و امام شافعی و امام احمد فرماتے ہیں کہ اولاد کو کمی بیشی کے ساتھ کسی چیز کو ہبہ کرنا جائز ہے (عینی ج ۱۳ ص ۱۴۲)

وَهَلْ لِّلْوَالِدِ اَنْ يَّرْجِعَ فِىْ عَطِيَّتِهٖ وَمَا يَاْكُلُ مِنْ مَّالِ وَلَدِهٖ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَا يَتَعَدّٰى (بخاری)

اور کیا والد اپنا عطیہ واپس بھی لے سکتا ہے؟ باپ اپنے لڑکے کے مال سے نیک نیتی کے ساتھ جب کہ تعدی کا ارادہ نہ ہو لے سکتا ہے۔

فوائد و مسائل

۱- احناف کا موقف یہ ہے باپ اپنے بیٹے کو غرضکہ کسی بھی ذی رحم محرم (جیسے بیٹا بیٹی بھائی بہن، چچا چچی) کو کوئی چیز ہبہ کر دے تو اسے رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔

۲- اور والد کا بوقتِ ضرورت اپنے بیٹے کے مال میں تصرف کرنا اور اپنے نان نفقہ کے لیے خرچ کرنا جائز ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

فَكُلُوْا مِنْ مَّالِ اَوْلَادِكُمْ (ترمذی) | اپنی اولاد کے مال سے کھاؤ

علامہ عینی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک باپ اگر محتاج ہو تو اسے اپنے غیر موجود بیٹے کا سامان اپنے نفقہ کیلئے فروخت کرنا جائز ہے۔ کیونکہ باپ حاجت کے وقت بیٹے کے مال کا مالک ہو جاتا ہے۔ البتہ باپ کو بیٹے کی زمین یا مکان اپنی حاجت کے لیے فروخت کرنا درست نہیں ہے اور امام محمد و ابو یوسف کے نزدیک باپ کو اپنی اولاد کے مال اور زمین دونوں کو اپنی حاجت کے لیے فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ اس

میں سب کا اتفاق ہے کہ ماں کو اپنی ضرورت کے لیے اپنی اولاد (خواہ چھوٹی ہو یا بڑی) کے مال کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ (عینی ج ۱۳ ص ۱۴۳ و شرح الطحاوی)

ذی رحم محرم کو ہبہ کی گئی چیز کو واپس لینا جائز نہیں ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِذَا کَانَتِ الْھِبَۃُ لِذِیْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ لَمْ یَرْجِعْ فِیْھَا

جب ذی رحم محرم کو کوئی چیز ہبہ کردی جائے تو اس میں رجوع نہ کیا جائے۔ (بیہقی، دارقطنی، مستدرک)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ ذی رحم محرم کو ہبہ کی گئی چیز کو واپس لینا جائز نہیں ہے اور ابوداؤد و ترمذی و نسائی اور ابن ماجہ کی احادیث میں یہ ہے کہ باپ نے اگر اپنے بیٹے بیٹی (ذی رحم محرم) کو ہبہ کیا تو اس کو رجوع جائز ہے تو ان کا مطلب یہ ہے کہ جیسے باپ کو اپنی اولاد کے مال سے خرچ کرلینا جائز ہے۔ ایسے ہبہ کی ہوئی چیز کو اپنے استعمال میں لانا جائز ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ ہبہ سے رجوع یا اس کو فسخ کرنا جائز ہے۔

شوہر بیوی کو اور بیوی شوہر کو کوئی چیز ہبہ کرے تو اس کو واپس لینا جائز نہیں ہے

حضرت ابراہیم نخعی حضرت عمر سے روایت کرتے ہیں نیز حضرت عطاء و مجاہد رضی اللہ عنہم سے بھی یہ روایت ہے کہ ذی رحم محرم کو ہبہ کیا اور اس نے شی موہوبہ پر قبضہ کرلیا تو اب واہب کو رجوع کرنا جائز نہیں ہے —— نیز حضرت ابراہیم نخعی علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ شوہر بیوی کو یا بیوی شوہر کو ہبہ کرے تو ان کے لیے ہبہ سے رجوع جائز نہیں ہے۔ کیونکہ شوہر اور بیوی بھی ایک درجہ میں ذی رحم محرم ہیں —— احناف کہتے ہیں کہ شوہر اور بیوی میں ایک خاص قسم کی قرابت ہے۔ بہت ہی قریبی رشتہ۔ اسی وجہ سے دونوں ایک دوسرے کے بغیر حجب وارث ہوتے ہیں اور اسی رشتۂ ازدواج کی وجہ سے شوہر کی بیوی کے حق میں گواہی اور بیوی کی شوہر کے حق میں گواہی نامقبول ہے۔ جیسے باپ کی بیٹے کے حق میں اور بیٹے کی باپ کے حق میں گواہی قبول کرنا ممنوع ہے —— میاں بیوی کا رشتہ محبت و الفت اور مودت پر مبنی ہے۔ تو اگر شوہر بیوی کو یا بیوی شوہر کو کوئی چیز ہبہ کرکے واپس لے لے تو یہ فعل محبت و الفت کی ضد ہوگا جو منع ہے لہٰذا عقلاً بھی شوہر و بیوی کا آپس میں ہبہ کے عمل کو واپس کرنا ممنوع ہونا چاہیے (مبسوط سرخسی ج ۱۲ ص ۵۱)

غرضکہ ہبہ ایک رضا کارانہ فعل ہے۔ اس کا مقصد آپس میں محبت و الفت اور تعلق پیدا کرنا ہوتا ہے۔ ذی رحم محرم کو ہبہ کرکے رجوع کرنے کی ممانعت کی عقلی دلیل یہی ہے کہ اس سے صلہ رحمی مجروح ہوتی ہے ذی رحم محرم کو ہبہ کرکے رجوع کرنے میں ایک نوع کی عداوت، دشمنی اور رنجش پیدا ہوتی ہے جو قطع رحمی کے مترادف ہے۔

ہبہ کی ہوئی چیز کو واپس لینے کے بعض اہم مسائل

کسی چیز کو ہبہ کرکے واپس لینا بری بات ہے جیسا کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا واپس لینے

ولے کی مثال ایسی ہے جیسے کتا قے کرکے پھر چاٹ جائے ـــ لیکن چونکہ ہبہ ایک رضا کارانہ فعل ہے۔ ایسا تصرف نہیں ہے کہ واہب پر لازم ہو۔ اگر دے کر واپس ہی لینا چاہتا ہے تو قاضی واپس کرا دے گا۔ واہب کو واپس نہ لینے پر قاضی مجبور نہیں کرسکتا۔ واپس لینے کا حکم بھی حدیث ابن ماجہ سے ثابت ہے

اَلْوَاهِبُ اَحَقُّ بِالْهِبَةِ مَالَمْ يُثَبْ مِنْهَا

۲= ہبہ کی گئی چیز پر موھوب لہ کا قبضہ ہی نہ ہوا تو ہبہ تمام نہ ہوا۔ واہب نے رجوع کرلیا تو ہبہ ختم ہوگیا۔ نیز اسے رجوع[1] نہیں کہیں گے ـــ کیونکہ رجوع یہ ہے کہ موھوب لہ کو قبضہ دے دیا۔ ہبہ تمام ہوگیا۔ اس کے بعد واہب واپس لے تو واپسی کے لیے دو شرطیں ہیں۔ قضاء قاضی یا موھوب لہٗ کا راضی ہونا۔ اگر ان دونوں شرطوں میں سے کوئی نہ پائی جائے تو رجوع جائز نہ ہوگا۔ یہ بات یاد رکھئے کہ رجوع کرنے سے جو سات چیزیں مانع ہیں۔ اگر یہ بھی نہ ہوں تو بھی رجوع کے لیے۔ قضاء قاضی یا موہوب لہٗ کی رضا ضروری ہے (عالمگیری) يَعْنِي الرَّجُوْعَ عِنْدَ عَدَمِ الْمَوَانِعِ السَّبْعِ مَشْرُوْطٌ اَيْضًا بِرَضَاءِ الْمَوْهُوْبِ لَهٗ اَوِالْقَضَاءِ

وہ صورتیں جن کی وجہ سے ہبہ میں رجوع نہیں ہوسکتا

ہبہ میں رجوع کرنے سے سات چیزیں مانع ہیں۔ ان موانع کو امام نسفی علیہ الرحمہ نے اس شعر میں جمع کیا ہے۔

قَدْ يَمْنَعُ الرَّجُوْعَ عَنِ الْهِبَةِ ... يَا صَاحِبِيْ حُرُوْفُ دَمْعِ خَزَقَہ

۱۔ دال سے مراد زیادت متصلہ ہے یعنی موھوب (ہبہ شدہ چیز میں) کوئی ایسی بات پیدا ہوجائے جس سے قیمت میں اضافہ ہوجائے۔ زیادت کی چند صورتیں بطور مثال یہ ہیں۔ زمین ہبہ کی موھوب لہ نے اس میں مکان بنالیا یا درخت لگائے یا مکان ہبہ کیا اور اس میں موھوب لہٗ نے نئی تعمیر کی۔ جانور ہبہ کیا اور وہ پہلے سے زیادہ موٹا فربہ ہوگیا۔ کپڑا ہبہ کیا اور موہوب لہٗ نے اس کو سی لیا یا رنگ لیا کاغذ ہبہ کیا اور موہوب لہٗ نے اس پر کتاب چھپوائی یا لکھوالی۔ لکڑی لوہا پیتل کوئی دھات ہبہ کی اور موہوب لہٗ

---

[1] یہ ایسے ہی ہے جیسے باپ اگر بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کردے تو اسے رجوع جائز نہیں تو باپ کے لیے رجوع کے لفظ کا استعمال صورۃً ہے یعنی جب باپ اپنے بیٹے کو ہبہ کی گئی چیز کو استعمال کرتا ہے تو یہ رجوع صورۃً ہے حقیقۃً رجوع نہیں ہے بلکہ تملک مستانف ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ اَنْتَ وَمَالُكَ لِاَبِيْكَ (فافہم)

نے اس کی چیز بنالی۔ ان تمام صورتوں میں ہبہ کی گئی چیز واپس نہیں لی جا سکتی۔

۲۔ مؔ سے مراد موت ہے یعنی واہب یا موہوب لہٗ دونوں میں سے کوئی بھی مرگیا تو رجوع نہیں ہوسکتا۔ واہب مرجائے تو ہبہ کی ہوئی چیز اس کے ورثہ میں منتقل نہ ہوگی۔ موہوب لہٗ مرجائے تو ہبہ کی ہوئی چیز اس کے ورثہ میں تقسیم ہوگی۔

۳۔ عینؔ سے مراد عوض ہے یعنی اگر واہب نے ہبہ کا عوض لے لیا تو اب رجوع نہیں کرسکتا۔

۴۔ خاؔ سے مراد خروج یعنی ہبہ اگر موہوب لہٗ کی ملک سے خارج ہوجائے تو اس صورت میں بھی رجوع نہیں ہوسکتا۔ مثلاً موہوب لہٗ نے ہبہ کی گئی چیز کو فروخت کردیا۔

۵۔ زاؔ سے مراد زوجیت، یعنی اپنی بیوی کو ہبہ کیا تو رجوع نہیں کرسکتا۔

۶۔ قافؔ سے مراد قرابت یعنی ذی رحم محرم کو ہبہ کیا تو رجوع نہیں کرسکتا۔ باپ، دادا، ماں، دادی، بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی، بھائی، بہن، چچا، پھوپھی یہ سب ذی رحم محرم ہیں۔

۷۔ ہاؔ سے مراد ہلاک یعنی ہبہ کی گئی چیز کا ہلاک ہوجانا، مانع رجوع ہے کہ جب وہ چیز ہی نہ رہی تو رجوع کیا کرے گا۔

وَاشْتَرَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عُمَرَ بَعِيرًا ثُمَّ اَعْطَاهُ ابْنَ عُمَرَ وَقَالَ اِصْنَعْ بِهٖ مَا شِئْتَ (بخاری)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ سے ایک اونٹ خریدا اور پھر اسے آپ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا کہ اس کا جو چاہو کرلو۔

یہ اس حدیث کا ایک حصہ ہے جسے امام بخاری نے کتاب البیوع میں ذکر کیا ہے۔ دیکھئے فیوض پارہ ہشتم ص۔ اس حدیث میں باپ کا ہبہ سے رجوع کا ذکر نہیں ہے کیونکہ معطی نبی علیہ السلام ہیں حضرت عمر نہیں ــــ کیا والد کے لیے یہ ضروری ہے کہ اپنی تمام اولاد کو برابری کے ساتھ ہبہ کرے تو اس مسئلہ میں فقہاء کا معنیٰ تسویہ میں اختلاف ہے۔ حضرت امام مالک، لیث، ثوری، شافعی، امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے۔ البتہ سب کو برابر دینا تمام علماء کے نزدیک مستحب ہے۔

۲۴۱۵۔ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ اَنَّ اَبَاهُ اَتٰى بِهٖ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ نَحَلْتُ ابْنِيْ هٰذَا غُلَامًا فَقَالَ اَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَ مِثْلَهٗ قَالَ لَا قَالَ فَارْجِعْهُ (بخاری)

حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ ان کے والد انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور عرض کی کہ میں نے اپنے بیٹے کو ایک غلام دیا ہے۔ حضور اکرم نے دریافت فرمایا۔ کیا ایسا ہی غلام اپنے دوسرے لڑکوں کو بھی دیا ہے؟ انھوں نے

عرض کی نہیں ۔ آپ نے فرمایا کہ پھر (ان سے بھی) واپس لے لو (بخاری)

فوائد و مسائل امام نووی شارح مسلم نے تصریح فرمائی ہے ہبہ سے رجوع کی جو کراہت بیان ہوئی ہے اس سے مراد کراہت تحریمی نہیں بلکہ کراہت تنزیہی ہے (نووی علی المسلم کتاب الہبات)
احناف کا بھی یہی مذہب ہے کہ ہبہ کرکے رجوع کرنا اچھا نہیں اور رجوع کو کتے کی قے کرکے چاٹ جانے سے تشبیہ دینے کا مقصود محض ناپسندیدگی ہے حرمت نہیں کیونکہ کتے کا فعل ناپسندیدہ ہو سکتا ہے مگر حرام نہیں ہو سکتا کیونکہ کتا انسان کی طرح مکلف نہیں ہے (مبسوط سرخسی) ج ۱۲
واضح ہو کہ جو فعل مکروہ تنزیہہ ہو وہ جائز ہوتا ہے غرضکہ احناف کا موقف یہ ہے کہ ہبہ کرکے واپس لینا جائز ہے اگرچہ موہوب لہٗ نے شئی موہوبہ پر قبضہ بھی کرلیا ہو الا یہ کہ وہ موانع پائے جائیں جن کی موجودگی کی وجہ سے ہبہ میں رجوع کرنا جائز نہیں ہے جو تفصیلاً اوپر بیان ہو چکے ہیں ۔

بَابُ الْاِشْهَادِ فِي الْهِبَةِ

باب ہبہ کے گواہ بنانا

۲۴۱۶ ۔ عَنْ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُولُ اَعْطَانِيْ اَبِيْ عَطِيَّةً فَقَالَتْ عَمْرَةُ بِنْتُ رَوَاحَةَ لَا اَرْضٰى حَتّٰى تُشْهِدَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ اَعْطَيْتُ ابْنِيْ مِنْ عَمْرَةَ بِنْتِ رَوَاحَةَ عَطِيَّةً فَاَمَرَتْنِيْ اَنْ اُشْهِدَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَعْطَيْتَ سَائِرَ وَلَدِكَ مِثْلَ هٰذَا قَالَ لَا قَالَ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا بَيْنَ اَوْلَادِكُمْ فَرَجَعَ فَرَدَّ عَطِيَّتَهٗ

(بخاری)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ منبر پر بیان فرما رہے تھے کہ میرے والد نے مجھے ایک عطیہ دیا تو عمرہ بنت رواحہ (نعمان رضی اللہ عنہ کی والدہ) نے کہا کہ جب تک آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر گواہ نہ بنائیں میں تیار نہیں ہو سکتی ۔ چنانچہ (حاضر خدمت ہو کر) انھوں نے عرض کیا، عمرہ بنت رواحہ سے اپنے بیٹے کو میں نے ایک عطیہ دیا تو انھوں نے کہا کہ پہلے میں آپ کو اس کا گواہ بنا لوں ۔ حضور اکرم نے دریافت کیا ۔ کیا اسی جیسا عطیہ اپنی تمام اولاد کو دیا ہے ۔ انھوں نے عرض کی نہیں آپ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل و انصاف کو قائم رکھو ۔ چنانچہ وہ واپس ہوئے اور ہدیہ واپس لے لیا ۔

فوائد و مسائل ۱- حدیثِ مسلم میں صراحت ہے کہ نعمان کو ان کے والد نے غلام ہبہ کیا تھا ۲- اگرچہ اس حدیث میں حضور علیہ السلام نے رجوع کا حکم دیا ہے کہ یا تو سب اولاد کو برابر برابر دو ورنہ جس کو دیدیا ہے اس سے بھی واپس لے لو۔ علامہ عینی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ فضل و احسان کے لیے ہے ——— رہا یہ سوال کہ اس کی دلیل کیا ہے کہ ان احادیث میں امر وجوب کے لیے نہیں ہے تو دلیل حضرت صدیقِ اکبر و فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہما کا عمل ہے۔ انہوں نے اپنی تمام اولاد کو برابری کے ساتھ نہیں دیا۔ تو اگر حدیث میں امر وجوب کے لیے ہوتا تو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما ایسا نہ کرتے۔ علامہ عینی نے طحاوی کے حوالے سے اس مضمون کی احادیث ذکر کی ہیں۔ عینی ج ۱۳ ص ۱۴۷

۳- اور سب سے اہم دلیل اجماع ہے یعنی اس بات کے جواز پر اجماع ہے کہ ایک آدمی اپنی اولاد کے ہوتے ہوئے سارا مال کسی اور کو ہبہ کردے اور اپنی اولاد میں سے کسی کو کچھ نہ دے ——— تو جب یہ جائز ہے تو یہ بھی جائز ہونا چاہیئے کہ آدمی اپنی سب اولاد کو برابری کے ساتھ نہ دے یا اپنے صرف ایک ہی لڑکے یا لڑکی کو سارا مال دیدے (ذکرہ ابن عبدالبر علیہ الرحمہ)

اپنی ساری اولاد کو مساوی طور پر دینا مستحب ہے

البتہ یہ اور اس مضمون کی احادیث سے واضح ہوا کہ اپنی اولاد خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں سب کو ہبہ و صدقہ میں مساوی طور پر دینا مستحب ہے۔ البتہ ایک کو زیادہ اور ایک کو کم دیا تو یہ فعل حرام نہیں ہے صرف مکروہ تنزیہیہ ہے ——— بعض علماء نے فرمایا۔ کسی کو زیادہ اور کسی کو کم دینا حرام اور ظلم ہے۔ یہ حضرات حدیث زیرِ بحث سے استدلال کرتے ہیں کہ نعمان بن بشیر نے اپنی اولاد کو عطیہ دینے میں مساوات اختیار نہیں کی۔ ان کی بیوی نے کہا کہ میں تو جب راضی ہوں گی کہ نبی علیہ السلام تمہارے اس عمل (عدم مساوات) پر گواہ بن جائیں۔ بحضور نبوی جب اس معاملہ کو پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا

اِنِّیْ لَا اَشْهَدُ عَلٰی جَوْرٍ | میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا (مسلم)

معلوم ہوا اپنی اولاد کو عطیہ و ہبہ میں مساوی نہ دینا ظلم ہے اور ظلم حرام ہے۔ اس لیے اگر کسی نے اپنی اولاد کو مساوی طور پر ہبہ نہ کیا تو یہ ہبہ باطل ہے۔ اس کو چاہیئے کہ اس ہبہ سے رجوع کرے۔ سب اولاد کو مساوی طور پر دے۔ لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ ظلم و جور کا اطلاق کفر و شرک حرام و مکروہ پر بھی آتا ہے اور یہاں ظلم سے مراد حرام نہیں ہے کیونکہ اس سلسلہ کی دوسری روایات میں یہ تصریح ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا میں گواہ نہیں بنتا تم کسی اور کو گواہ بنا لو۔ چنانچہ طحاوی اور عبدالرزاق کے الفاظ

یہ ہیں۔
فَاشْهَدْ عَلٰى هٰذَا غَيْرِىْ (طحاوی) | تم اس معاملہ میں کسی اور کو گواہ بنا لو

بحالتِ صحت اور مرض الموت میں ہبہ و دیگر تصرفات کا حکم

۴۔ واضح ہو کہ ایک مسلمان (مرد یا عورت) اس امر کا مجاز ہے کہ وہ اپنی زندگی میں بحالتِ صحت (مرضِ موت میں نہیں) جس شخص کو چاہے اپنی کل جائدادِ منقولہ یا غیر منقولہ یا اس کا کوئی حصہ ہبہ کر دے۔ اسی طرح اسے یہ بھی حق ہے کہ اپنی اولاد میں سے کمی بیشی کے ساتھ ہبہ کرے یعنی کسی کو زیادہ دے کسی کو کم دے یا اپنی اولاد میں سے صرف ایک کو دیدے اور باقی اولاد کو کچھ نہ دے۔

مرض الموت کی تعریف

مرض الموت جس میں موت کا خوف غالب ہو اور اندیشہ شدید ہو جیسے فالج، دق، سل، دل کا مریض۔ ایسے ہی دیگر امراضِ مزمنہ کے مرض الموت ہونے کے لیے آئمۂ حنفیہ نے سال بھر کی حد مقرر کر رکھی ہے۔ اگر سال بھر کے اندر مریض کی موت واقع ہو جائے تو وہ مرض الموت قرار پائے گا اور اس حالت میں مریض نے جو تصرفات کیے مثلاً بیع اور شراء خواہ وارث سے کیے یا غیر وارث سے سب کے سب باطل اور غیر نافذ ہوں گے۔ حتیٰ کہ ہبہ تو درکنار مرض الموت میں کوئی شخص وارث کے ہاتھ اپنی جائداد پوری قیمت (یعنی اس وقت کی بازاری قیمت) پر بھی فروخت کر دے تو سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک دیگر ورثہ کی اجازت کے بغیر صحیح و نافذ نہ ہوگی۔ تلویح میں ہے۔ لَوْ بَاعَ اَحَدُ الْوَرَثَةِ عَيْنًا مِنْ اَعْيَانِ التَّرِكَةِ۔ بِمِثْلِ الْقِيْمَةِ فَلَا يَجُوْزُ

اور اگر یہ امراض سال سے تجاوز کر جائیں اور مریض صاحبِ فراش ہو جائے حتیٰ کہ چلنے پھرنے سے بھی بالکل معذور ہو جائے تو اسے مرض الموت نہ کہا جائے گا۔ کیونکہ ایک سال گزر جانے کے بعد ان امراض سے مرنے کا وہ خوف نہیں رہتا جسے شرع مرض الموت میں اعتبار کرتی ہے ـــــ

بہرحال جب فالج، دمہ، سل، دق، دل کا مرض۔ ایسے امراض مزمنہ کا مریض ایک سال گزار لے تو اس مریض کا حکم شرعاً بعینہٖ مثلِ صحیح و تندرست کے ٹھہرتا ہے اور ایسا مریض ایک سال گزرنے کے بعد جو تصرفات بیع و ہبہ وغیرہ وارث خواہ غیر وارث کے نام کرے وہ سب صحیح و نافذ ہوں گے۔ عالمگیری، ردالمحتار، فتاویٰ قاضی خان، جامع الفتاوی، طحاوی وغیرہ، متون و شروح میں اس مسئلہ کی تصریح ہے۔[۱]

---

[۱] وَالْمُقْعَدُ وَالْمَفْلُوْجُ وَالْاَشَلُّ، وَالْمَسْلُوْلُ اِذَا تَطَاوَلَ ذٰلِكَ فَصَارَ بِحَالٍ لَّا يُخَافُ مِنْهُ الْمَوْتُ فَهُوَ كَالصَّحِيْحِ حَتّٰى تَصِحَّ هِبَتُهٗ مِنْ جَمِيْعِ الْمَالِ

فوائد و مسائل ۱۔ ابراہیم ابن یزید نخعی کہتے ہیں کہ اگر شوہر بیوی کو یا بیوی شوہر کو کوئی چیز ہبہ کرے تو یہ جائز ہے اس تعلیق کو عبد الرزاق اور امام طحاوی نے وصل کیا ہے ۲۔ عمر بن عبد العزیز فرماتے ہیں۔ شوہر بیوی کو یا بیوی شوہر کو کوئی چیز ہبہ کر دے تو دونوں رجوع نہیں کر سکتے۔ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کا بھی یہی مذہب ہے ۳۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے درمیان عدل فرماتے تھے۔ آپ نے مرض کی حالت میں اپنی ازواج سے اجازت طلب فرمائی تھی کہ جناب عائشہ کے ہاں جلوہ فرما رہیں۔ ازواج مطہرات نے اپنی اپنی باری حضور کو ہبہ فرما دی اور ان کو رجوع کا حق نہ رہا۔ ۴۔ حدیث میں ہبہ کو واپس کرنے کی مثال کتے کے قے کر کے چاٹنے سے دی گئی ہے تو اس تشبیہ سے مراد یہ ہے کہ ہبہ کر کے واپس لینا۔ مروت اور حسنِ اخلاق کے خلاف ہے لیکن شرعاً ہبہ کو واپس لینا مروّت کے خلاف نہیں ہے تو اس حدیث سے رجوع کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ البتہ اس مثال سے یہ واضح ہے کہ ہبہ کو واپس لینا اچھا نہیں ہے۔

(عالمگیری) قُلْتُ فَائِدَتُهٗ اِنْ قَدْ تَطَوَّلَ سَنَةً فَاَكْثَرَ كَمَا يَأْتِيْ فَلَا يُسَمّٰى مَرَضَ الْمَوْتِ وَاِنِ اتَّصَلَ بِهِ الْمَوْتُ (ردالمحتار) اِذَا تَصَرَّفَ بَعْدَ سَنَةٍ فَهُوَ كَالصَّحِيْحِ يَجُوْزُ تَصَرُّفَاتُهٗ (قاضی خان) فَسَّرَ اَصْحَابُنَا التَّطَاوُلَ بِالسَّنَةِ فَاِذَا بَقِيَ عَلٰى هٰذِهِ الْعِلَّةِ سَنَةً فَتَصَرُّفُهٗ بَعْدَ سَنَةٍ لِتَصَرُّفِهٖ حَالَ صِحَّتِهٖ (عالمگیری) وَهُوَ اَنَّهٗ اَيِ الْمَرَضُ لَا يَمْنَعُ الْخُرُوْجَ لِقَضَاءِ حَوَائِجِهٖ فَهِبَتُهٗ لِاَحَدِ اَوْلَادِهٖ وَبَيْعُهٗ لِبَقِيَّتِهِمْ بِالْغَبْنِ مُطْلَقًا صَحِيْحٌ نَافِذٌ صَرَّحُوْا بِهٖ فِيْ كُلِّ مَرَضٍ يَطُوْلُ (سَنَةً) كَالدِّقِّ وَالسِّلِّ وَالْفَالِجِ (فتاوی خیریہ)

لہ اور اس حدیث سے حضرت طاؤس، عکرمہ، امام شافعی، امام احمد و اسحٰق نے یہ استدلال فرمایا ہے کہ واہب رجوع نہیں کر سکتا۔ لیکن باپ نے اگر بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کی ہے تو اس کو رجوع جائز ہے سیدنا امام مالک علیہ الرحمہ کی رائے یہ ہے کہ اگر اجنبی کو ہبہ کیا اور اس نے اس کا عوض نہ دیا تو واہب واپس لے سکتا ہے۔ امام احمد کی بھی (فی روایۃ) یہی رائے ہے۔
اور سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اجنبی کو ہبہ کیا اور اس نے اس کا عوض نہ دیا تو جب تک ہبہ کی گئی چیز موجود ہے واہب رجوع کر سکتا ہے۔ حضرت عمر حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت ابوہریرہ اور فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بھی یہی منقول ہے (عینی ج ۱۳ ص ۱۴۸-۱۴۹)

مہر خالص بیوی کا حق ہے اسی کو ادا کیا جائے

۵۔ واضح ہو کہ مہر خالص بیوی کا حق ہے اور شوہر کے لیے اس کی ادائیگی لازم و واجب ہے۔ حتیٰ کہ اگر شوہر مہر ادا کئے بغیر مر جائے تو جیسے دیگر واجبات تقسیمِ میراث سے پہلے اس کے ترکہ سے ادا کئے جائیں گے اسی طرح مہر بھی ادا کیا جائے گا۔ البتہ اگر عورت اپنی مرضی سے بغیر کسی جبر و اکراہ کے مہر معاف کر دے یا شوہر کو اپنے مہر کی رقم ہبہ کر دے تو یہ جائز ہے۔ سورۂ نسا میں فرمایا۔

فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا | اگر وہ اپنے نفس کی خوشی سے مہر میں سے تمہیں کچھ دیدیں تو اسے کھاؤ

مگر اس سلسلہ میں مجبور کرنا اور مہر بخشوانے کے لیے بدخُلقی سے پیش آنا جائز نہیں ہے۔ واضح ہو

مہر معاف کرنے یا ہبہ کرنے کا مطلب

کہ زمانۂ جاہلیت میں مہر کے معاملہ میں مستورات پر متعدد قسم کے ظلم روا رکھے جاتے تھے۔

۶۔ مہر جو عورت کا حق ہے اس کو دینے کی بجائے عورت کے اولیاء شوہر سے وصول کر لیتے تھے اور اس طرح عورت کے اس حق سے محروم کر دیا جاتا تھا۔

۷۔ اگر مہر دینا پڑ جائے تو بادلِ نخواستہ بہت تلخی کے ساتھ دیتے تھے۔ قرآنِ مجید میں فرمایا۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً | کہ مہر کسی اور نہ دیا جائے بلکہ بیوی کو دیا جائے

اور "نِحْلَةً" فرما کر یہ حکم دیا گیا کہ مہر خوشدلی کے ساتھ دیا جائے اور اس کو بیوی کا حق سمجھ کر ادا کیا جائے۔

۸۔ زمانۂ جاہلیت میں ایک ظُلم مہر کے بارے میں کیا جاتا تھا کہ شوہر بیوی کو مجبور کر کے مہر معاف کرا لیا کرتے تھے۔ قرآنِ مجید میں فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ فرما کر یہ واضح کر دیا گیا کہ دھونس دباؤ اور جبر و اکراہ کے ذریعہ مہر معاف کرا لینے سے مہر معاف نہ ہوگا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اَلَا لَا تَظْلِمُوْا اَلَا لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِءٍ اِلَّا بِطِيْبِ نَفْسٍ مِّنْهُ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۵۶) | خبردار (خوب اچھی طرح جان لو) کہ کسی کا مال دوسرے کے لیے حلال نہیں ہے جب تک اس کے نفس کی خوشی حاصل نہ ہو۔

ہمارے دور میں بھی مستورات پر زمانۂ جاہلیت کے ظلم کی جھلک نظر آتی ہے۔ طرح طرح کے حیلے بہانے اور جبر و اکراہ کے ذریعہ بعض لوگ مہر معاف کرا لیتے ہیں۔ ایسا کرنا گناہِ عظیم اور ظلم ہے اور اس طرح معاف کرانے سے مہر معاف نہیں ہوتا۔ بہر حال یہ حقوق العباد کا معاملہ ہے۔ اگر

واقعی بیوی بلاجبر و اکراہ اپنی خوشی سے مہر معاف کردے یا ہبہ کردے تو معاف ہو جائیگا۔

۲۴۱۷۔ قَالَتْ عَائِشَةُ لَمَّا ثَقُلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاشْتَدَّ وَجَعُهُ اسْتَأْذَنَ أَزْوَاجَهُ أَنْ يُمَرَّضَ فِي بَيْتِي فَأَذِنَّ لَهُ فَخَرَجَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ تَخُطُّ رِجْلَاهُ الْأَرْضَ وَكَانَ بَيْنَ الْعَبَّاسِ وَبَيْنَ رَجُلٍ آخَرَ قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ فَذَكَرْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَا قَالَتْ عَائِشَةُ فَقَالَ لِي وَهَلْ تَدْرِي مَنِ الرَّجُلُ الَّذِي لَمْ تُسَمِّ عَائِشَةُ قُلْتُ لَا قَالَ هُوَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری بڑھی اور تکلیف زیادہ ہوگئی تو آپ نے اپنی ازواج سے میرے گھر ایام مرض گزارنے کی اجازت چاہی اور ازواج نے اجازت دیدی تو آپ اس طرح تشریف لائے کہ دونوں قدم زمین پر گھسٹ رہے تھے۔ آپ اس وقت عباس رضی اللہ عنہ اور ایک اور صاحب کے درمیان (ان کا سہارا لیے ہوئے) تھے۔ عبید اللہ نے بیان کیا کہ پھر میں نے حضرت عائشہ کی اس حدیث کا ذکر ابن عباس سے کیا تو انھوں نے مجھ سے دریافت فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالے عنہا نے جن کا نام نہیں لیا، جانتے ہو وہ کون تھے؟ میں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔

فوائد ومسائل مرضِ وفات میں نبی علیہ السلام نے جناب عائشہ صدیقہ کے ہاں رونق افروز رہنے کی ازواجِ مطہرات سے اجازت لی تھی جو انھوں نے دیدی۔ حضور حضرت عباس اور حضرت علی کے کندھوں کا سہارا لے کر تشریف لائے ــــ حضرت علی کا نام نہ لینے کی وجہ یہ تھی کہ ایک طرف حضرت عباس تھے جو آخر تک سہارا دیتے رہے اور دوسری طرف سہارا دینے والے تین شخص تھے جو باری باری سہارا دیتے تھے۔ حضرت علی، فضل بن عباس، اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہم)

۲۴۱۸۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَقِيءُ ثُمَّ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنا ہدیہ واپس لینے والا اس کتّے کی طرح ہے جو قے کرکے چاٹ جائے۔

فوائد ومسائل ہبہ کرکے واپس لینا اچھی بات نہیں ہے۔ اسی امر کی کراہت کو بیان کرنے کے لیے نبی علیہ السلام نے کتے کی قے کرکے چاٹ جانے سے تشبیہ دی ہے۔ یہ مسئلہ گذشتہ

اوراق میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

بَابُ هِبَةِ الْمَرْأَةِ لِغَيْرِ زَوْجِهَا

باب بیوی کا اپنے شوہر کے علاوہ کسی کو ہبہ

وَعِتْقِهَا إِذَا كَانَ لَهَا زَوْجٌ فَهُوَ جَائِزٌ إِذَا لَمْ تَكُنْ سَفِيهَةً فَإِذَا كَانَتْ سَفِيهَةً لَمْ يَجُزْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمْ

کرنا یا غلام آزاد کرنا جائز ہے حالانکہ اس کا شوہر بھی ہو جب کہ وہ بے عقل نہ ہو۔ اگر بے عقل ہے تو جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے بے وقوفوں کو انکے مال نہ دو۔

(بخاری)

مطلب عنوان یہ ہے کہ جو عورت عاقلہ بالغہ ہے تو وہ اپنے ملکیتی مال کو جس کو چاہے ہبہ کر سکتی ہے۔ اگر غلام ہے تو اس کو آزاد کر سکتی ہے کیونکہ وہ اپنی ذاتی ملکیت میں خود مختار ہے اور اس کے لیے اسے شوہر سے اجازت لینا ضروری نہیں ہے ۔۔۔ آیتِ مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ ایسے ناسمجھ یتیم جو کہ مال کا مصرف نہ پہچانیں انہیں ان کا مال نہ دو تاکہ ضائع نہ کر دیں۔ البتہ جب ان میں ہوشیاری اور معاملہ فہمی پیدا ہو جائے تو ان کا مال انکے سپرد کر دو۔

۲۴۱۹۔ عَنْ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَسْمَاءَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَالِي مَالٌ إِلَّا مَا أَدْخَلَ عَلَيَّ الزُّبَيْرُ فَأَتَصَدَّقُ قَالَ تَصَدَّقِي وَلَا تُوعِي فَيُوعِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ

حضرت اسماء فرماتی ہیں۔ میں نے بحضور نبوی عرض کی۔ میرے پاس صرف وہی مال ہے جو (میرے شوہر) زبیر رضی اللہ عنہ نے میرے پاس رکھا ہے تو کیا میں اس میں سے صدقہ کر سکتی ہوں؟ حضور اکرم نے فرمایا۔ صدقہ کیا کرو اتنا سینت کے نہ رکھو کہ اللہ بھی تم سے یہی معاملہ کرے۔

۲۴۲۰۔ عَنْ فَاطِمَةَ عَنْ أَسْمَاءَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَنْفِقِي وَلَا تُحْصِي فَيُحْصِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ وَلَا تُوعِي فَيُوعِيَ اللّٰهُ

حضرت اسماء سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خرچ کیا کرو، گنا نہ کرو تاکہ تمہیں بھی گن گن کے نہ ملے اور چھپا کے نہ رکھو تاکہ تم سے اللہ تعالیٰ (اپنی نعمتوں کو) نہ چھپا لے۔

فوائد و مسائل ۱۔ ان دونوں حدیثوں میں صدقہ خیرات کرنے کی ترغیب دی گئی۔ صدقہ ایک ایسی نیکی ہے جو بلاؤں کو رد کرتی ہے اور رزق میں برکت کا باعث ہوتی ہے۔

۲- یہ بھی واضح ہوا کہ بیوی شوہر کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر حسب عرف و رواج صدقہ و خیرات کرے تو جائز ہے مگر صدقہ کی مالیت ایسی ہونی چاہیئے جو شوہر پر گراں نہ ہو یعنی وہ رقم ایسی ہو کہ عام طور پر اسقدر صدقہ و خیرات کرنے سے شوہر نہ روکتے ہوں۔

۲۴۲۱- اَنَّ مَیْمُوْنَۃَ بِنْتَ الْحَارِثِ اَخْبَرَتْھَا اَنَّھَا اَعْتَقَتْ وَلِیْدَۃً وَّلَمْ تَسْتَاذِنِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا کَانَ یَوْمُھَا الَّذِیْ یَدُوْرُ عَلَیْھَا فِیْہِ قَالَتْ اَشَعَرْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنِّیْ اَعْتَقْتُ وَلِیْدَتِیْ قَالَ اَوَفَعَلْتِ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ اَمَا اِنَّكِ لَوْ اَعْطَیْتِھَا اَخْوَالَكِ کَانَ اَعْظَمَ لِاَجْرِكِ

ام المومنین میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ انھوں نے ایک باندی، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے اجازت لیے بغیر آزاد کر دی، پھر جس دن نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی باری آپ کے گھر قیام کی تھی، انھوں نے خدمت نبوی میں عرض کیا، یارسول اللہ! آپ کو بھی معلوم ہوا میں نے اپنی باندی آزاد کردی ہے۔ حضور نے فرمایا، اچھا تم نے آزاد کر دیا! انھوں نے عرض کیا کہ ہاں۔ فرمایا کہ اگر اس کے بجائے تم اپنے ماموں کو دیدیتیں تو تمہیں زیادہ اجر ملتا۔

فوائد و مسائل ۱- اس حدیث سے واضح ہوا کہ بیوی اپنی ذاتی ملک میں خود مختار ہے خواہ کسی کو ہبہ کرے یا غلام آزاد کرے۔ شوہر سے اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ حدیث موطا میں اَخْوَالِكِ کی جگہ اُخْتَكِ کا لفظ ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں۔ دونوں روایتیں صحیح ہیں۔ ان میں تعارض نہیں علامہ ابن بطال علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے واضح ہوا کہ ذی رحم محرم کو ہبہ کرنا غلام و لونڈی کو آزاد کرنے سے افضل ہے۔ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

اَلصَّدَقَۃُ عَلَی الْمِسْکِیْنِ صَدَقَۃٌ وَ عَلٰی ذِی الرَّحِمِ صَدَقَۃٌ وَ صِلَۃٌ
(ترمذی و نسائی و احمد)

مسکین پر صدقہ کرنا ایک نیکی ہے لیکن ذی رحم و محرم کو صدقہ دینا نیکی بھی ہے اور صلہ رحمی بھی ہے۔

معلوم ہوا کہ اپنے عزیز و اقربا کو تحفے تحائف دینا یا کوئی چیز ہبہ کرنا دُگنے ثواب کا باعث ہے۔ البتہ عتق کے فضائل بھی اپنی جگہ ہیں۔ بعض اوقات ثواب میں زیادتی حالات کی بنیاد پر ہوتی ہے مثلاً دو مسکین ہیں۔ ایک کے پاس پہننے کو کپڑے نہیں ہیں۔ دوسرا بھوک کی وجہ سے قریب المرگ تو اس حالت میں بھوکے کو کھلانا، ننگے مسکین کو کپڑا پہنانے سے افضل اور زیادتی ثواب

کا موجب ہے۔

۲۴۲۲- اس کے بعد امام بخاری نے قرعہ اندازی والی حدیث ذکر کی ہے جو گزشتہ اوراق میں مکمل تشریح کے ساتھ متعدد بار گزر چکی ہے۔ خلاصہ حدیث یہ ہے کہ نبی علیہ السلام اپنی ازواج کے لیے قرعہ اندازی فرماتے تھے۔ جس کا نام نکل آتا حضور انہیں کو سفر میں ہمراہ لے جاتے نیز آپ کا یہ بھی معمول تھا کہ آپ نے اپنی تمام ازواج کے لیے ایک ایک دن اور رات کی باری مقرر کر دی تھی، البتہ (آخر میں) سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نے (کبر سنی کی وجہ سے) اپنی باری عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی تھی، اس سے ان کا مقصد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا و خوشنودی حاصل کرنا تھی۔

بَابٌ بِمَنْ يُبْدَأُ بِالْهَدِيَّةِ

باب ہدیہ کا زیادہ مستحق کون ہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنَّ لِيْ جَارَيْنِ فَاِلٰى اَيِّهِمَا اُهْدِيْ قَالَ اِلٰى اَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَابًا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے دو پڑوسی ہیں تو مجھے کس کے یہاں ہدیہ بھیجنا چاہیئے؟ آپ نے فرمایا کہ جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو۔

فوائد و مسائل مہلب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ہمسایوں میں سے اس کو ہدیہ دینے کی ہدایت فرمائی جس کا دروازہ سب سے زیادہ نزدیک ہو۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ جس ہمسایہ کا دروازہ نزدیک ہوگا اسے آتے جاتے دیکھا جا سکتا ہے اور جب کوئی ضرورت پیش آئے تو وہ جلد پوری کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لہذا ہدیہ وغیرہ کا دوسروں کی نسبت اسے دینا زیادہ مناسب ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمسایہ کو تحفہ تحائف ہدیہ وغیرہ بھیجنا مستحب ہے خصوصاً جب کہ وہ غریب ہو۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَقْبَلِ الْهَدِيَّةَ لِعِلَّةٍ

باب جس نے کسی عذر کی وجہ سے ہدیہ قبول نہیں کیا

وَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ كَانَتِ الْهَدِيَّةُ فِيْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَدِيَّةً وَالْيَوْمَ رِشْوَةً

عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہدیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہدیہ تھا اور اب رشوت ہے۔

۱- شریعت نے ہدیہ کو قبول کرنے کی ترغیب دی ہے کیونکہ ہدیہ محبت و بھائی چارہ کا آئینہ دار ہے۔

اس سے محبت بڑھتی ہے اور یہ ایک پُرخلوص رضا کارانہ عمل ہے۔ اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے معمولی ہدیہ کو بھی قبول کرنے کی ہدایت فرمائی ہے ــــ البتہ بعض اوقات ایسی وجوہات ہوتی ہیں جن کی موجودگی میں ہدیہ کے مقاصد پورے نہیں ہوتے۔ عوام میں بدظنی پیدا ہوتی ہے اور جس کو ہدیہ دیا گیا ہے اس کا وقار، ثقاہت اور غیر جانبداری مجروح ہوتی ہے جیسے قاضی، جج، مجسٹریٹ اور دیگر حکام، انہیں ہدیہ قبول کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمۃ نے اس کو رشوت قرار دیا ہے۔

۲۔ اس تعلیق کو ابن سعید نے وصل کیا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے ہدیہ قبول فرمایا ہے۔ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا۔ ان حضرات کے دور میں ہدیہ ہدیہ تھا۔ لیکن اب ہمارے زمانہ میں حکام کو جو دیا جاتا ہے۔ وہ رشوت ہے۔ عینی ج ۳ ص ۱۵۴۔ مطلب یہ ہے کہ عموماً حکام وعمال کو لوگ عہدہ کی بنا پر ہدیہ دیتے ہیں اور اس کے پردہ میں ان کی نیت اپنے ذاتی مفاد کے حصول کی ہوتی ہے۔ اسی لیے فقہاءِ احناف نے فرمایا۔ عہدہ کے ملنے کے بعد ہدیہ وغیرہ آئے حکام اسے قبول نہ کریں۔

۲۴۲۴۔ اس عنوان کے ماتحت امام بخاری نے حدیث جثامہ ذکر کی ہے۔ انہوں نے بحضور نبوی گورخر کا ہدیہ پیش کیا۔ حضور علیہ السلام نے بوجہ محرم ہونے کے قبول نہ فرمایا (بخاری) مزید تشریح کے لیے دیکھئے حدیث نمبر ۲۴۰۳۔ معلوم ہوا کہ کسی معقول وجہ سے ہدیہ قبول نہ کرنا بُری بات نہیں ہے۔

۲۴۲۵۔ ابوحمید ساعدی کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے قبیلہ ازد کے ایک صحابی کو زکوٰۃ وصدقات کی وصولی کے لیے عامل بنایا۔ جب وہ واپس آئے تو کہنے لگے یہ مال صدقہ کا ہے اور یہ مجھے ہدیہ میں ملا ہے۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ اپنے والد یا والدہ کے گھر بیٹھیں پھر دیکھیں کہ کوئی ان کو ہدیہ دیتا ہے؟ (بخاری)

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یَاْخُذُ اَحَدٌ مِّنْہُ شَیْئًا اِلَّا جَآءَ بِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَحْمِلُہٗ عَلٰی رَقَبَتِہٖ اِنْ کَانَ بَعِیْرًا لَّہٗ رُغَآءٌ اَوْ بَقَرَۃً لَّھَا خُوَارٌ اَوْ شَاۃً تَیْعَرُ ثُمَّ رَفَعَ بِیَدِہٖ حَتّٰی رَاَیْنَا عُفْرَۃَ اِبْطَیْہِ

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے اس میں سے اگر کوئی شخص کچھ بھی لے گا تو قیامت کے دن اسے اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے آئے گا۔ اگر اونٹ ہے تو وہ اپنی آواز نکالتا ہوگا۔ گائے ہے تو وہ اپنی آواز نکالتی ہوگی پھر آپ نے اپنے ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ ہم نے

اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ ثَلٰثًا (بخاری)

آپ کی بغلِ مبارک کی سفیدی دیکھ لی (اور فرمایا) اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا، اے اللہ کیا میں نے پہنچا دیا، تین مرتبہ آپ نے فرمایا۔

فوائد و مسائل اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب الزکوٰۃ کے آخر میں بھی ذکر کیا ہے دیکھئے فیوض پارہ ششم صہ ۹۴ رُغاء اونٹ کی آواز کو خُوَارٌ گائے کی آواز کو تَیْعَرُ بکری کی آواز کو کہتے ہیں۔ اس حدیث سے واضح ہوا عمال کو جو تحائف ملیں وہ سٹیٹ کی ملکیت ہیں۔ بیت المال میں جمع ہوں گے۔ عمال کا اس میں کوئی حصہ نہ ہوگا (عینی ج ۱۳ صہ ۱۵۶)

قاضی جج وغیرہ حکام کو ہدیہ لینا جائز نہیں ہے واضح ہوا کہ اگرچہ فی نفسہٖ ہدیہ لینا دینا جائز بلکہ سُنّت ہے لیکن فقہاءِ احناف نے قاضی کی ثقاہت اور اس کے وقار اور اس کے متعلق لوگوں میں اعتماد قائم رہنے کی علّت کی بناء پر قاضی کے لیے ہدیہ لینے کی ممانعت کا قول کیا ہے کیونکہ قاضی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہر اس بات سے اجتناب کرے جس سے لوگوں میں اس کے متعلق بدگمانی پیدا ہونے کا خطرہ ہو۔ چنانچہ فقہاء احناف فرماتے ہیں۔

۱۔ قاضی کو ہدیہ قبول کرنا ناجائز ہے کہ یہ ہدیہ نہیں ہے بلکہ رشوت ہے جیسا کہ آج کل اکثر لوگ حکام کو ڈالی کے نام سے دیتے ہیں اور اس کا مقصود صرف یہی ہوتا ہے کہ اگر کوئی معاملہ ہوگا تو ہمارے ساتھ رعایت ہوگی۔ قاضی کو اگر یہ معلوم ہو کہ اس کی چیز پھیر دی جائے گی تو اسے تکلیف ہوگی تو چیز کو لے لے اور اس کی واجبی قیمت دیدے۔ کم قیمت دے کر لینا بھی ناجائز ہے اور اگر کوئی شخص ہدیہ رکھ کر چلا گیا۔ معلوم نہیں کہ وہ کون تھا یا اس کا مکان دُور ہے پھیرنے میں دقّت ہے تو بیت المال میں یہ چیز داخل کر دے خود نہ رکھے۔ جب دینے والا مل جائے اسے واپس کر دے (درمختار)

۲۔ جس طرح ہدیہ لینا جائز نہیں ہے دیگر تبرعات بھی ناجائز ہیں مثلاً قرض لینا عاریت لینا کسی سے کوئی کام مفت کرانا بلکہ واجبی اُجرت سے کم دے کر کام لینا بھی جائز نہیں (ردالمحتار)

۳۔ واعظ و مفتی و مدرس و امام مسجد ہدیہ قبول کر سکتے ہیں کہ ان کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ ان کے علم کا اعزاز ہے۔ کسی چیز کی رشوت نہیں ہے۔ اگر مفتی کو اس لیے ہدیہ دیا کہ فتوے میں رعایت کرے تو دینا لینا دونوں حرام اور اگر فتویٰ بتانے کی اُجرت ہے تو یہ بھی حلال نہیں ہاں لکھنے کی اُجرت لے سکتا ہے مگر یہ بھی نہ لے تو بہتر ہے (درمختار ردالمحتار)

۴۔ قاضی کو بادشاہ نے یا کسی حاکم بالا نے ہدیہ دیا تو لینا جائز ہے یونہی قاضی کے کسی رشتہ دار محرم نے ہدیہ دیا یا ایسے شخص نے ہدیہ دیا جو اس کے قاضی ہونے سے پہلے دیا کرتا تھا اور اتنا ہی دیا جتنا پہلے دیا کرتا تھا تو قبول کرنا جائز ہے اور پہلے جتنا دیتا تھا اب اس سے زائد دیا تو جتنا زیادہ دیا ہے واپس کردے ہاں ہدیہ دینے والا پہلے سے اب زیادہ مال دار ہے اور پہلے جو کچھ دیتا تھا اپنی حیثیت کے لائق دیتا تھا اور اس وقت جو پیش کر رہا ہے اس حیثیت کے مطابق ہے تو زیادتی کے قبول کرنے میں حرج نہیں (در مختار رد المحتار فتح)

بَابٌ اِذَا وَهَبَ هِبَةً اَوْ وَعَدَ ثُمَّ مَاتَ قَبْلَ اَنْ تَصِلَ اِلَيْهِ

باب ایک شخص نے دوسرے کو ہدیہ دیا یا اس سے وعدہ کیا پھر (فریقین میں سے کسی ایک کا) ہدیہ کے موہوب لہٗ تک پہنچنے سے پہلے انتقال ہوگیا۔

۱۔ عنوان دو امور پر مشتمل ہے۔ ہبہ اور وعدہ امام بخاری علیہ الرحمہ نے عنوان کا جواب اس لیے ذکر نہیں کیا کہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ بہرحال جمہور فقہاء اور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ امام شافعی و احمد رضی اللہ تعالٰی عنہم کا مسلک یہ ہے کہ ہبہ موہوب لہ کا قبضہ شرط ہے تو اگر زید نے کوئی چیز ہبہ کی اور موہوب لہٗ نے یا اس کے وکیل نے ہبہ کی گئی چیز پر قبضہ نہ کیا اور موہوب لہٗ مرگیا یا واہب مرگیا تو ہبہ تمام نہ ہوا ہبہ کی گئی چیز واہب کے ورثہ کی قرار پائے گی اور اگر موہوب لہٗ نے قبضہ کرلیا ہے اب واہب یا موہوب لہٗ کا انتقال ہوگیا تو اس صورت میں ہبہ کی گئی چیز موہوب لہٗ کے ورثہ کی ہوگی کیونکہ ہبہ تمام ہوگیا ــــ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ لَا تَجُوْزُ الْهِبَةُ اِلَّا مَقْبُوْضَةً (مبسوط)

نیز سیدنا امام اعظم و امام شافعی اور جمہور فقہاء ام المومنین عائشہ صدیقہ کی حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انہیں غابہ کی جائداد ہبہ کی تھی۔ حضرت عائشہ نے ان پر قبضہ نہ کیا تو بوقت رحلت حضرت صدیق اکبر نے اس ہبہ کو مسترد فرما دیا۔ اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں۔

فَلَوْ كُنْتِ جَدَدْتِيْهِ وَاحْتَزْتِيْهِ كَانَ لَكِ وَ اِنَّمَا هُوَ الْيَوْمَ مَالُ الْوَارِثِ

جن سے واضح ہوا کہ ہبہ بلا قبضہ مکمل نہیں ہوتا۔ خواہ ہبہ اجنبی کو کیا جائے یا اپنی اولاد کو۔ عدم قبضہ اور عدم تقسیم کی وجہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس ہبہ کو مسترد کر دیا۔ یہ بھی واضح ہوا کہ مرض الموت کی حالت میں مریض کے مال سے ورثہ کا حق متعلق ہو جاتا ہے اور یہ کہ حمل (یعنی وہ بچہ جو ابھی شکم مادر میں ہے) ورثہ میں شمار ہوگا۔

واضح ہو کہ امام سرخسی علیہ الرحمہ نے مبسوط میں لکھا ہے کہ حضرت صدیقِ اکبر کے الفاظ اِنَّكِ لَمْ تَكُوْنِيْ قَبَضْتِيْهِ وَلَاحَزْتِيْهِ وَالْمُرَادُ بِالْحِيَازَةِ الْقِسْمَةُ لِاَنَّهُ يُقَالُ حَازَ كَذَا اَيْ جَعَلَهُ فِيْ حَيِّزِهِ بِقَبْضِهِ وَحَازَ كَذَا اَيْ جَعَلَهُ فِيْ حَيِّزِهِ بِالْقِسْمَةِ سے معلوم ہوا کہ مشاع کا ہبہ جو قابلِ قسمت ہو مطلقاً باطل نہیں ہے کیونکہ امیرالمومنین حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدہ عائشہ صدیقہ کو غابہ کی جو جائداد ہبہ فرمائی تھی وہ قابلِ تقسیم تھی ۔ البتہ موہوب لہٗ تقسیم کے بعد مالک ہوگا۔

۲۔ عنوان کا دوسرا جز وعدہ ہے ۔ اس مسئلہ میں بھی امام اعظم ابوحنیفہ و شافعی و جمہور فقہا کا مذہب یہی ہے کہ ہبہ کرنے کا وعدہ کیا تو یہ وعدہ لازم نہیں ہے کیونکہ یہ منافع غیر مقبوضہ ہیں ۔ اس لیے وعدہ کرنے والا رجوع کرسکتا ہے ۔

وَقَالَ عَبِيْدَةُ اِنْ مَّاتَ وَكَانَتْ فُصِلَتِ الْهَدِيَّةُ وَالْمُهْدٰى لَهٗ حَيٌّ فَهِيَ لِوَرَثَتِهٖ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فُصِلَتْ فَهِيَ لِوَرَثَةِ الَّذِيْ اَهْدٰى

اور حضرت عَبِیدہ بن عمرو السلمانی کہتے ہیں اگر ہدیہ دینے والا مرگیا اور جو چیز ہدیہ کی گئی ہے وہ اس سے جُدا ہوچکی ہے (یعنی قاصد نے اس چیز پر قبضہ کرلیا ہے) اور جس کو ہدیہ بھیجا گیا یعنی مہدی لہٗ زندہ ہے تو اس صورت میں مہدی لہٗ یا اس کے وارث ہدیہ کے حقدار ہوں گے اور اگر ہدیہ بھیجنے والے سے ہدیہ جُدا نہ ہوا تو اس صورت میں ہدیہ بھیجنے والا یا اس کے وارث حقدار ہوں گے ۔

حضرت عبیدہ کے نزدیک قاصد کا ہدیہ پر قبضہ کرلینا مہدی لہٗ کا قبضہ کرنا قرار پائے گا ۔

جمہور علماء امام ابوحنیفہ علیہم الرحمہ کا موقف یہ ہے کہ ہدیہ کے تمام ہونے کے لیے ضروری ہے کہ مہدیٰ لہٗ خود قبضہ کرے یا اس کا وکیل قبضہ کرے محض قاصد کے قبضہ سے ہدیہ تمام نہ ہوگا ۔

صدقہ ہبہ اور وقف میں فرق

صدقہ وہ عطیہ ہے جو حصولِ ثواب کے لیے دیا جائے چنانچہ حضرت ابن عباس اور حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ صدقہ بلا قبضہ جائز نہیں ۔ جب صدقہ قبضہ کے ساتھ مکمل ہوجائے تو پھر رجوع جائز نہیں ہے ۔ خواہ صدقہ ذی رحم محرم کو دیا جائے یا اجنبی کو ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صدقہ سے مقصود حصولِ ثواب ہے اور وہ نفسِ صدقہ سے پورا ہوگیا ۔ صدقہ اور وقف میں فرق یہ ہے کہ صدقہ میں اصل شے خرچ کی جاتی ہے اور وقف کی صورت میں جائداد کی آمدنی واقف کی شرائط کے مطابق صرف ہوتی ہے ۔ (مبسوط سرخسی)

وَقَالَ الْحَسَنُ اَيُّهُمَا مَاتَ قَبْلُ فَهِيَ

اور حسن بصری نے فرمایا کہ جب قاصد نے ہدیہ

لوَرَثَۃِ الْمُھْدٰی لَہٗ اِذَا قَبَضَھَا الرَّسُوْلُ | پہنچانے کے لیے ہدیہ پر قبضہ کر لیا تو فریقین نے کسی کا بھی انتقال ہو جائے ہر دو صورت میں ہدیہ

مہدی لہٗ کے لیے یا اس کے ورثہ کے لیے ہوگا۔

لیکن جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ ہدیہ کے جائز ہونے کے لیے مہدی لہٗ یا اس کے وکیل کا قبضہ کرنا ضروری ہے۔ قاصد کے قبضہ کرنے سے ہدیہ تمام نہ ہوگا۔

چنانچہ حضرت ابن عباس و حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

لَا تَجُوْزُ الصَّدَقَۃُ اِلَّا مَقْبُوْضَۃً | کہ صدقہ اس وقت تک تمام نہیں ہوتا جب تک متصدق لہٗ (جس کو صدقہ کیا گیا) مال صدقہ پر قبضہ نہ کرلے۔

اس لیے امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ صدقہ چونکہ ہبہ کی مانند ہے اس لیے اس کا تمام قبضہ سے ہوگا۔ البتہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں صدقہ بلا قبضہ مکمل ہو جاتا ہے۔ احناف ان کے ارشاد کو اس صورت سے متعلق قرار دیتے ہیں کہ کوئی شخص، اپنے نابالغ بچہ کو کوئی چیز ہبہ کرے تو چونکہ وہ ولی ہونے کی وجہ سے اپنے نابالغ بچہ کی طرف سے قابض ہوتا ہے۔ اس لیے نابالغ بچہ کو کیا گیا ہبہ اس لیے بلا قبضہ جائز ہے کہ اس کا ولی اس کی طرف سے قابض ہوتا ہے ——

احناف کی اس تاویل کی بنیاد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ انسان کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال مگر تیرے مال میں سے تیرا وہ ہے جو تو نے کھایا اور فنا کر دیا یا پہنا اور پرانا کر دیا۔

اَوْ تَصَدَّقْتَ فَاَمْضَيْتَ وَ مَا سِوٰی ذٰلِكَ فَھُوَ مَالُ الْوَارِثِ | یا صدقہ کیا جو گزر گیا اور اس کے علاوہ جو مال و دولت ہے وہ وارثوں کے لیے ہے۔ (مبسوط سرخسی ج ۱۲ ص ۴۸)

تو امضاء صدقہ قبضہ سے ہی ہوتا ہے۔

حضرت مہلب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ وعدہ پورا کرنا مستحب ہے واجب نہیں ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو کوئی چیز دینے کا وعدہ کرلے اور مر جائے تو اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جس کے لیے وعدہ کیا ہے وہ حقداروں اور مرنے والوں کے قرضخواہوں میں شریک نہ ہوگا۔ معلوم ہوا کہ وعدہ پورا کرنا مستحسن ہے اور مکارم اخلاق سے ہے لیکن واجب نہیں ہے (عینی ج ۱۲ ص ۱۵۷)

۲۴۲۶۔ حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، اگر بحرین کا مال (جزیہ کا) آیا تو میں تمہیں اتنا اتنا تین مرتبہ دوں گا۔ لیکن بحرین سے مال آنے سے پہلے ہی حضور کا وصال ہو گیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک منادی سے یہ اعلان کرنے کے لیے کہا کہ جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی وعدہ ہو یا آپ پر اس کا کوئی قرض ہو تو وہ ہمارے پاس آئے۔ چنانچہ میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ حضور نے مجھ سے وعدہ کیا تھا تو انھوں نے تین لپ بھر کر مجھے دیئے (جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا تھا) بخاری

فوائد و مسائل ۱۔ اس حدیث کو امام مسلم نے فضائل النبی میں ذکر کیا ہے اور امام بخاری نے کتاب الکفالہ میں بھی ذکر کیا ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۲۱۵۰

۲۔ علامہ عینی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ عنوان سے اس حدیث کی مطابقت یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے حضرت جابر سے وعدہ فرمایا اور وفات سے قبل آپ کا وصال ہو گیا اور صورت مسئلہ دوسروں کے لیے یہ ہے کہ واہب کا انتقال ہو جائے اور ہبہ کی گئی چیز پر موہوب لہ قبضہ نہ کرے تو وہ چیز واہب کے ورثاء کے لیے ہوگی موہوب لہ اس کا حقدار نہ ہوگا —— اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ لازم نہ تھا اور نہ حضور نے حضرت ابوبکر صدیق کو حکم دیا تھا۔ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بطور احسان ایسا کیا۔ حالانکہ حضور پر اور حضرت صدیق اکبر پر لازم و واجب نہ تھا۔ لیکن آپ نے حضور کے وصال کے بعد آپ کے اسوہ کی پیروی کرتے ہوئے وعدہ پورا کر دیا کیونکہ حضرت صدیق اکبر ہی حضور کے بعد سب سے زیادہ صادق الوعد تھے۔

بَابٌ كَيْفَ يُقْبَضُ الْعَبْدُ وَالْمَتَاعُ

باب غلام اور سامان کے قبضہ کی کیفیت کے بیان میں

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ كُنْتُ عَلَى بَكْرٍ صَعْبٍ فَاشْتَرَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ هُوَ لَكَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک سرکش اونٹ پر سوار تھا۔ نبی علیہ السلام نے مجھ سے وہ خریدا اور پھر فرمایا یہ اونٹ تمہارا ہے (یعنی تم کو ہبہ کر دیا)

اس تعلیق کو امام بخاری علیہ الرحمہ نے کتاب البیوع میں موصولاً ذکر کیا ہے۔ دیکھئے فیوض پارہ ہشتم صہ۹۰۔ یہاں اس تعلیق کے ذکر سے موہوب کے قبض کی کیفیت کا بتانا مقصود ہے اور موہوب یہاں وہ اونٹ ہے جو حضرت عبد اللہ بن عمر کے قبضہ میں تھا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خرید کر

انہیں ہبہ فرما دیا تھا ـــ معلوم ہوا کہ موہوب کا موہوب لہٗ کے ہاتھ میں ہونا بھی قبضہ ہی ہے۔ یعنی جو چیز ہبہ کی ہے وہ پہلے ہی سے موہوب لہٗ کے قبضہ میں ہے تو ایجاب وقبول کرتے ہی موہوب لہٗ کی ملک ہوگئی جدید قبضہ کی ضرورت نہیں ہے (بحر درّمختار) اسی طرح ایک چیز خریدی اور قبضہ کرنے سے پہلے کسی کو ہبہ کردی اور موہوب لہٗ سے کہہ دیا کہ تم قبضہ کر لو۔ اس نے قبضہ کرلیا ہبہ تمام ہوگیا۔ رہن کا بھی یہی حکم ہے (عالمگیری)

۲۴۲۷۔ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ قَسَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْبِيَةً وَّلَمْ يُعْطِ مَخْرَمَةَ مِنْهَا شَيْئًا فَقَالَ مَخْرَمَةُ يَا بُنَيَّ انْطَلِقْ بِنَآ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَانْطَلَقْتُ مَعَهٗ فَقَالَ ادْخُلْ فَادْعُهٗ لِيْ قَالَ فَدَعَوْتُهٗ لَهٗ فَخَرَجَ اِلَيْهِ وَعَلَيْهِ قَبَآءٌ مِّنْهَا فَقَالَ خَبَأْنَا هٰذَا لَكَ قَالَ فَنَظَرَ اِلَيْهِ فَقَالَ رَضِيَ مَخْرَمَةُ (بخاری)

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند قبائیں تقسیم کیں اور مخرمہ رضی اللہ تعالٰے عنہ کو اس میں سے ایک بھی نہیں دی۔ انہوں نے (مجھ سے) فرمایا! بیٹے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلیں۔ میں ان کے ساتھ چلا۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ اندر جاؤ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرو کہ میں آپ کا منتظر کھڑا ہوں۔ چنانچہ میں جا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بُلا لایا۔ آپ اس وقت انہیں قباؤں میں سے ایک قبا اپنے ایک کندھے پر ڈالے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ ہم نے یہ قبا تمہارے لئے رکھی ہوئی تھی۔ مخرمہ نے اس کو دیکھا فرمایا مخرمہ خوش ہوگئے۔

فوائد ومسائل ۱۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ ہدیہ مہدیٰ الیہ کی طرف منتقل کرنے سے مکمل ہو جاتا ہے اور یہ کہ تالیفِ قلوب مستحب ہے۔ ۲۔ حضرت مخرمہ بن نوفل زہری نے ۵۴ھ ایکسو پندرہ برس کی عمر میں وفات پائی۔ آپ فتح مکہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ۳۔ اس حدیث کو امام بخاری نے لباس، ادب، شہادات میں، مسلم نے زکوٰۃ، ابو داؤد نے لباس، ترمذی نے استیذان اور نسائی نے زینۃ میں ذکر کیا ہے۔

بَابٌ اِذَا وَهَبَ هِبَةً فَقَبَضَهَا الْاٰخَرُ

باب جب کوئی چیز ہبہ کی اور موہوب لہ نے اس پر قبضہ کرلیا

وَلَمْ يَقُلْ قَبِلْتُ | مگر زبان سے (قبول کیا) نہ کہا۔

۲۴۲۸۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص بحضور نبوی حاضر آیا۔ عرض کی میں ہلاک ہوگیا۔ میں نے رمضان میں (روزہ رکھ کر) اپنی بیوی سے قربت کی۔ حضور نے فرمایا۔ غلام آزاد کر سکتا ہے۔ متواتر دو مہینے کے روزے رکھ سکتا ہے ؛ ساٹھ مسکینوں کو (کفارہ) میں کھانا کھلاسکتا ہے۔ اس نے عرض کی نہیں۔

فَجَآءَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ بِعَرَقٍ وَّالْعَرَقُ الْمِكْتَلُ فِيْهِ تَمْرٌ فَقَالَ اذْهَبْ بِهٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهٖ قَالَ عَلٰى اَحْوَجَ مِنَّا يَا رَسُوْلَ اللهِ وَالَّذِىْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا اَهْلُ بَيْتٍ اَحْوَجُ مِنَّا قَالَ اذْهَبْ فَاَطْعِمْهُ اَهْلَكَ

اتنے میں ایک انصاری نے بحضور نبوی کھجوروں سے بھری ہوئی زنبیل پاس کی نبی علیہ السلام نے فرمایا یہ کھجوریں لے جا اور انہیں محتاجوں میں صدقہ کردے۔ اس نے عرض کی مجھے اس کی قسم جس نے آپ کو رسول بناکر مبعوث فرمایا۔ مدینہ کے دونوں کناروں کے درمیان مرے اہل وعیال سے زیادہ کوئی محتاج نہیں اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اور اپنے اہل وعیال کو یہ کھجوریں کھلادو (کفارہ ادا ہوجائے گا (بخاری)

فوائد ومسائل یہ حدیث کتاب الصوم باب اذا جامع فی رمضان فیوض پارہ ہشتم صہ۴۲ میں گزر چکی ہے۔

۱۔ سیدنا امام بخاری علیہ الرحمہ کا موقف یہ ہے اگر کسی نے کوئی چیز ہبہ کی اور موہوب لہٗ نے اس پر قبضہ کرلیا لیکن زبان سے (قبول کیا) نہ کہا تو ہبہ تمام ہوگیا۔ امام بخاری حدیث زیر عنوان سے استدلال فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے اس شخص کو کھجوروں کا ٹوکرا عطا فرمایا اور اس نے اس پر قبضہ کرلیا مگر زبان سے (قبلتُ) نہ کہا۔ معلوم ہوا کہ ہبہ کے تمام ہونے کے لیے موہوب لہٗ کا قبول کرنا ضروری نہیں ہے۔

۲۔ احناف کا موقف یہ ہے قبضہ کے ساتھ موہوب لہٗ کا (قبلتُ) کہنا ضروری ہے۔ اگر موہوب لہٗ زبان سے قبول نہ کرے تو اس کے حق میں ہبہ تمام نہ ہوگا۔ نیز حدیث زیر عنوان سے امام بخاری علیہ الرحمہ کا استدلال محلِ نظر ہے کیونکہ حدیث میں اس شخص کا زبان سے قبول کرنے یا قبول نہ کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ دوم یہ ہے کہ زیر عنوان حدیث میں کھجوروں کا ٹوکرا حضور نے جو عطا فرمایا وہ ہبہ نہیں بلکہ صدقہ تھا اور صدقہ کے تمام ہونے کے لیے زبان سے قبلتُ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نیز حدیث خالد بن عدی جسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ تمہارا مسلمان بھائی

جب کوئی چیز ہبہ کرے تو فَلْیَقْبَلْهُ وَلَا یَرُدَّهٗ تو اسے قبول کر لو رد مت کرو، معلوم ہوا کہ ہبہ کے تمام ہونے کے لیے زبان سے قبول کرنا ضروری ہے۔ بہرحال احناف کا مذہب یہ ہے کہ واہب کا یہ کہنا کہ میں نے ہبہ کیا۔ یہ ایجاب صرف واہب سے متعلق ہے موھوب لہ کے حق میں یہ ہبہ اس وقت تمام ہوگا جب کہ وہ قبضہ کے ساتھ ساتھ زبان سے اقبلتُ قبول کیا ہے کہے۔

واضح ہو کہ فقہاءِ احناف نے حدیث و آثار سے ہبہ کے لیے ایجاب و قبول اور قبضہ وغیرہ کی جو شرطیں لگائی ہیں وہ عقلاً بھی بہت ضروری اور فائدہ مند ہیں۔ مقصد ان کا یہ ہے کہ جھگڑا فساد اور مقدمہ بازی نہ ہو۔ نیز ہبہ ایک رضاکارانہ عمل ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ بالکل واضح غیر مبہم ہو ایجاب و قبول سے ہبہ منعقد ہو جاتا ہے اور قبضہ سے اس کا اتمام ہوتا ہے۔ ایجاب و قبول کے بعد قبضہ نہ کیا تو ہبہ مکمل نہ ہوا غیر نافذ قرار پائے گا۔

بَابُ اِذَا وَهَبَ دَيْنًا عَلٰى رَجُلٍ

باب اپنا قرض کسی کو ہبہ کر دینا؛

قَالَ شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ هُوَ جَائِزٌ وَّ وَهَبَ الْحَسَنُ ابْنُ عَلِيٍّ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ لِرَجُلٍ دَيْنَهٗ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهٗ عَلَيْهِ حَقٌّ فَلْيُعْطِهٖ اَوْ لِيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ فَقَالَ جَابِرٌ قُتِلَ اَبِيْ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ فَسَاَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُرَمَاءَهٗ اَنْ يَّقْبَلُوْا ثَمَرَ حَائِطِيْ وَيُحَلِّلُوْا اَبِيْ

شعبہ نے کہا اور ان سے حکم نے کہ یہ جائز ہے۔ حسن بن علی علیہما السلام نے ایک شخص کو اپنا قرض ہدیہ میں دیا تھا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی کا دوسرے شخص پر کوئی حق ہے تو اسے ادا کر دینا چاہئے یا معاف کرا لینا چاہیئے جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے والد شہید ہوئے تو ان پر قرض تھا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے قرضخواہوں سے کہا کہ وہ میرے باغ کی کھجور اپنے قرض کے بدلے میں قبول کر لیں اور میرے والد کو معاف کر دیں۔

۱۔ اس مسئلہ میں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اگر کسی پر قرض ہے اور وہ اس کو ہبہ کر دے تو جائز ہے اور اس میں قبضہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ موھوب (یعنی قرض پہلے ہی) موھوب لہ کے قبضہ میں ہے ـــــ بات یہ ہے کہ مدیون کو اپنا قرض ہبہ کر دینا دراصل مدیون کو بری الذمہ کرنا اور اپنا حق ساقط کرنا ہے اور ابراء (معاف کر دینے) میں قبول کی ضرورت نہیں ہے۔

۲- اور اگر اپنا قرض مدیون کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو ہبہ کرے تو امام شافعی و امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما کے نزدیک یہ ہبہ جائز نہیں ہے کیونکہ ہبہ میں یہ ضروری ہے کہ جس چیز کو ہبہ کیا جا رہا ہے وہ واہب کے قبضہ میں ہو۔

۲۴۲۹ - حضرت جابر فرماتے ہیں کہ اُحد کی لڑائی میں ان کے والد شہید ہو گئے تھے (اور قرض چھوڑ گئے تھے) قرضخواہوں نے تقاضے میں بڑی شدت اختیار کی تو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے اس سلسلے میں گفتگو کی۔ حضور اکرم نے ان سے فرمایا کہ وہ میرے باغ کی کھجوریں لے لیں اور میرے والد کو معاف کر دیں لیکن انھوں نے انکار کیا۔ حضور اکرم صبح کے وقت میرے ہاں تشریف لائے اور کھجور کے درختوں میں ٹہلتے رہے اور برکت کی دُعا فرماتے رہے۔ پھر میں نے پھل توڑ قرضخواہوں کے سارے حقوق ادا کر دیے اور میرے پاس کھجور بچ بھی گئی۔ میں نے آپ کو واقعہ کی اطلاع دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی وہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور اکرم نے ان سے فرمایا۔ عمر سُن رہے ہو۔ حضرت عمر نے عرض کیا۔ ہمیں تو پہلے ہی یقین ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، بخدا، اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں آپ اللہ کے رسول ہیں (بخاری)

فوائد و مسائل یہ حدیث مع مکمل ترجمہ کے کتاب الاستقراض میں گزر چکی ہے دیکھئے حدیث نمبر ۲۲۳۷ ۲- اس حدیث کی عنوان سے مطابقت بہ تکلف یہ ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے حضرت جابر کے والد کے قرضخواہوں کو یہ ترغیب دی کہ وہ ان کو بری الذمہ کر دیں۔ اگر وہ کر دیتے تو یہ قرض کا ہبہ قرار پاتا۔ معلوم ہوا کہ اگر کسی پر قرض ہو اور قرضخواہ اس کو اپنا قرض ہبہ کر دے تو یہ جائز ہے

بَابُ هِبَةِ الْوَاحِدِ لِلْجَمَاعَةِ

باب کسی چیز کا متعدد اشخاص کو ہبہ کرنا

وَقَالَتْ أَسْمَاءُ لِلْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَّابْنِ أَبِي عَتِيقٍ وَرِثْتُ عَنْ أُخْتِي عَائِشَةَ بِالْغَابَةِ وَقَدْ أَعْطَانِي بِهِ مُعَاوِيَةُ مِائَةَ أَلْفٍ فَهُوَ لَكُمَا (بخاری)

اسماء رضی اللہ عنہا نے قاسم بن محمد اور ابن ابی عتیق سے فرمایا کہ میری بہن عائشہ رضی اللہ عنہا سے وراثت میں مجھے غابہ (کی جائداد) ملی تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مجھے اس کا ایک (لاکھ) (درہم) دیتے تھے (مگر میں نے فروخت نہ کیا) یہ جائداد میں تم دونوں کو ہبہ کرتی ہوں (بخاری)

لکما۔ خطاب ہے قاسم بن محمد اور عبد اللہ ابن ابی عتیق کو تو یہ صورت ایک شخص کا دو افراد کو ہبہ کرنا ہوا۔

فوائد و مسائل ۱- حضرت علامہ ابن بطال علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس عنوان سے امام بخاری علیہ الرحمہ کا مقصد (مشاع کے ہبہ کو (مطلقاً) جائز قرار دینا ہے جو کہ امام شافعی علیہ الرحمہ کا بھی

موقف ہے ۔ اور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے موقف کو رد کرتا ہے جو مشاع کے ہبہ کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ لیکن یہ بات درست نہیں ہے۔ سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ مطلقاً مشاع کے ہبہ کو ناجائز قرار نہیں دیتے بلکہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر مشاع ایسی چیز کا ہے جو قابل تقسیم نہ ہو تو اس کا ہبہ جائز ہے اور اگر ایسی چیز ہے جو قابلِ تقسیم ہے تو مشاع قابلِ تقسیم کا ہبہ اس صورت میں فاسد ہے جب کہ بوقتِ عقد اور بوقتِ ہبہ اس چیز میں شیوع پایا جائے۔ اور اگر بوقتِ عقد شیوع ہو مگر قبضہ کے وقت شیوع نہ رہے یعنی اس چیز کو تقسیم کر کے موہوب لہٗ کے قبضہ میں دیدیا جائے تو اس صورت میں ہبہ جائز قرار پائے گا۔ فالعبرۃ للشیوع المانع وقت القبض لا وقت العقد

۲۔ امام بخاری علیہ الرحمہ کا اثرِ حضرت اسماء رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ غابہ کی جو جائداد حضرت اسماء نے ہبہ کی وہ مشاع تھی۔ معلوم ہوا کہ مشاع کا ہبہ جائز ہے اور اس اثر سے احناف کے موقف کا رد ہو گیا جو کہتے ہیں مشاع کا ہبہ جائز نہیں ہے ۔ لیکن امام بخاری کے اس استدلال سے احناف کا موقف مضمحل نہیں ہوتا۔ کیونکہ غابہ کے مال میں دو احتمال ہیں۔ اول یہ کہ وہ مال قابلِ تقسیم تھا دوم یہ کہ وہ مال قابلِ تقسیم نہیں تھا تو اگر وہ مال اس قبیل سے تھا جو قابلِ تقسیم نہ ہو تو ایسے مال کے ہبہ کے جواز میں کوئی نزاع نہیں ہے۔ سب کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے ۔ اور اگر غابہ کا مال اس قبیل سے تھا تو احناف کے نزدیک وہ شیوع مانع ہبہ ہوتا ہے جو بوقتِ قبضہ دہی پایا جائے۔

ہبۃ المشاع کی توضیح

۳۔ از روئے لغت مشاع غیر مقسوم کو کہتے ہیں۔ صحاح میں ہے یُقَالُ سَھْمٌ شَائِعٌ ای غیر مقسوم ۔ اور عالمگیری میں ہے کہ فقہاء کے نزدیک مشاع اس چیز کو کہتے ہیں۔ جس کے ایک جزءِ غیر متعین کا یہ مالک ہو یعنی دوسرا شخص بھی اس میں شریک ہو اور دونوں حصوں میں امتیاز نہ ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں اول قابلِ قسمت جو تقسیم ہونے کے بعد قابلِ انتفاع باقی رہے جیسے زمین مکان وغیرہ۔ دوم غیر قابلِ قسمت جو تقسیم کے بعد قابلِ انتفاع نہ رہے جیسے چھوٹی سی کوٹھری، چکی، حمام وغیرہ جو تقسیم کر دینے کے بعد قابلِ انتفاع نہیں رہتی۔ ہر ایک کا حصہ بیکار سا ہو جاتا ہے۔ یعنی تقسیم کے بعد اس چیز سے ایسا نفع نہ اٹھایا جا سکے جیسا کہ تقسیم سے پہلے حاصل تھا۔ (مجمع الانہر ج ۲ صـ ۳۵۶ ـــ سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک ایسے مشاع کا ہبہ جائز ہے جو قابل تقسیم نہ ہو اور وہ مشاع جو قابلِ قسمت ہے اس کا ہبہ جائز نہیں۔

۴۔ ہدایہ میں ہے۔ لَا یَجُوْزُ الْھِبَۃُ فِیْمَا یُقْسَمُ اِلَّا مَحُوْزَۃً مَقْسُوْمَۃً" و ھبۃ المشاع فیما لا یقسم جائز۔ قابلِ تقسیم چیز کا اس وقت تک ہبہ جائز نہیں جبتک

کہ جزء موہوب کو تقسیم کر کے علیحدہ نہ کر لیا جائے اور غیر قابلِ تقسیم کا ہبہ جائز ہے اس کے جواز میں اتفاق و اجماع ہے۔

۵۔ امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ ہبۃ المشاع کو ناجائز اس لیے قرار دیتے ہیں کہ ہبہ میں شی موہوب پر موہوب لہٗ کا قبضہ ضروری ہے اور قبضہ کامل کے لیے جب کہ قبضہ سے پہلے موہوب شی کا شیوع ختم ہو جائے ورنہ غیر موہوب کو موہوب کے ساتھ ملانا لازم آئے گا۔ مزید تفصیل کے لیے بدائع جزء سابع کتاب الہبۃ ملاحظہ فرمائیں۔

۲۴۳۰۔ حضرت سہل بن سعد سے مروی ہے کہ بحضور نبوی ایک مشروب پیش کیا گیا۔ آپ نے اس سے نوش فرمایا۔ آپ کے دائیں طرف ایک بچہ تھا اور بائیں طرف بڑے لوگ بیٹھے تھے۔ آپ نے غلام سے فرمایا تو اجازت دیدے تو میں پیالہ میں بچا ہوا مشروب ان کو دیدوں۔ اس نے عرض کی میں آپ کے نوش کردہ پانی کا اپنا حصہ کسی اور کو دینا پسند نہیں کرتا۔ نبی علیہ السلام نے پیالہ اس کے ہاتھ میں دیدیا۔

فوائد و مسائل | یہ حدیث کتاب المساقات اور کتاب المظالم میں مع تفہیم و ترجمانی کے گزر چکی ہے دیکھئے حدیث نمبر ۲۱۹۸/۲۲۸۴ —— ۲۔ امام بطال علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس حدیث سے استدلال فرمایا کہ اس مشروب میں سے اس لڑکے کا حصہ ممتاز و متعین نہ تھا معلوم ہوا کہ مشاع کا ہبہ جائز ہے لیکن یہ استدلال متعدد وجوہ سے مناسب نہیں ہے۔

اول اس لیے کہ وہ مشروب بحضور نبوی ہدیہ کیا گیا تھا تو اس کے مالک صرف حضور علیہ السلام تھے۔ حاضرین کا اس میں حصہ کہاں تھا؟ دوم یہ کہ متعدد احادیث سے واضح ہے کہ نبی علیہ السلام کو جب کوئی چیز ہدیہ کی جاتی تو عادتِ کریمہ یہ تھی کہ حضور خود بھی تناول فرماتے اور حاضرین کو بھی عطا فرماتے تھے اور تقسیم کی ابتداء دہنی طرف سے کرتے تھے —— تو اس حدیث کا تعلق ہبہ سے ہے ہی نہیں رہی یہ بات کہ آپ نے اس لڑکے سے اجازت کیوں مانگی تو اس کی وجہ یہ تھی تقسیم دہنی طرف سے کرنے کو حضور پسند فرماتے تھے۔ اس لیے علماء نے اس مضمون کی احادیث سے یہ استدلال فرمایا ہے جو دہنی طرف سے اسے پہلے دینا (خواہ وہ بچہ ہی ہو) مستحب ہے۔ لڑکے سے اجازت لینے کی وجہ نہ تھی کہ اس مشروب میں اس کا حق تھا۔ کیونکہ وہ مشروب بحضور نبوی ہدیہ کیا گیا تھا حاضرینِ مجلس کو نہیں۔ چنانچہ اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ ایک شخص نے رمضان میں روزہ رکھ کر توڑ دیا۔ نبی علیہ السلام نے اس کو کفارہ دینے کی ہدایت فرمائی۔ اس نے اپنی غربت کا عذر پیش کیا کہ اتنے میں کھجوروں کا ایک ٹوکرا حضور کو ہدیہ آیا اور آپ نے صرف اس شخص کو وہ کھجوروں کا ٹوکرا عطا فرما دیا۔ دیکھئے حدیث نمبر ۲۴۲۸ —— اس

حدیث سے واضح ہے کہ کھجوروں کے اس ٹوکرہ میں جو بحضور نبوی ہدیہ کیا گیا تھا حاضرین مجلس اس میں شریک نہ تھے۔

بَابُ الْهِبَةِ الْمَقْبُوضَةِ

باب مقبوضہ و غیر مقبوضہ

وَغَيْرِ الْمَقْبُوضَةِ وَالْمَقْسُومَةِ وَغَيْرِ الْمَقْسُومَةِ

مقسوم اور غیر مقسوم چیز کے ہبہ کے متعلق

مقبوضہ کا حکم پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس کے ضمن میں غیر مقبوضہ کا بیان بھی ہو گیا اور مقسوم کا حکم واضح ہے تو ترجمہ سے مراد غیر مقسوم ہے اور اسی کا بیان مقصود ہے۔

وَقَدْ وَهَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ لِهَوَازِنَ مَا غَنِمُوا مِنْهُمْ وَهُوَ غَيْرُ مَقْسُومٍ عَنْ جَابِرٍ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَقَضَانِي وَزَادَنِي

نبی علیہ السلام اور ان کے اصحاب نے قبیلہ ہوازن کو ان کی غنیمت واپس فرما دی تھی اور وہ تقسیم نہیں ہوئی تھی۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ میں نبی علیہ السلام کی خدمت میں (مسجد میں) حاضر ہوا۔ آپ نے (میرے اونٹ کی قیمت) ادا کی اور کچھ زیادہ عطا کیا۔

۱۴۳۱ - عَنْ مُحَارِبٍ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُولُ بِعْتُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعِيرًا فِي سَفَرٍ فَلَمَّا أَتَيْنَا الْمَدِينَةَ قَالَ ائْتِ الْمَسْجِدَ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ فَوَزَنَ قَالَ شُعْبَةُ أُرَاهُ فَوَزَنَ لِي فَأَرْجَحَ فَمَا زَالَ مِنْهَا شَيْءٌ حَتّٰى أَصَابَهَا أَهْلُ الشَّامِ يَوْمَ الْحَرَّةِ

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے سنا۔ آپ فرماتے تھے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر میں ایک اونٹ بیچا تھا۔ جب ہم مدینہ پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھو۔ پھر آپ نے وزن کیا۔ شعبہ نے بیان کیا، میرا خیال ہے کہ (جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے لیے وزن کیا (آپ کے حکم سے حضرت بلال نے) اور (اس پلڑے کو جس میں سکہ تھا) جھکا دیا (تاکہ مجھے زیادہ ملے) اس میں سے تھوڑا سا میرے پاس جب سے محفوظ تھا، لیکن شام والے (اموی لشکر) یوم حرہ کے موقع پر چھین لے گئے۔

فوائد و مسائل (۱) امام بخاری علیہ الرحمہ نے وفد ہوازن کے واقعہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ آپ نے

قبیلہ ہوازن کی غنیمت کو واپس کر دیا تھا جو کہ غیر مقسوم تھا۔ معلوم ہوا کہ مشاع کا ہبہ جائز ہے ـــــ لیکن یہ استدلال تام نہیں ہے کیونکہ جو کچھ اس میں مذکور ہے اس پر ہبہ کا اطلاق ہی نہیں ہوتا کیونکہ ہبہ میں قبضہ شرط ہے۔ مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا۔ لَا تَجُوْزُ الْهِبَةُ حَتّٰى يُقْبَضَ اور غیر مقسوم کو یہ لازم ہے کہ وہ غیر مقبوض ہو اور غیر مقبوض پر ہبہ شرعی کا اطلاق ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ یہاں ہبہ یا ہدیہ کی صورت ہی نہیں ہے۔ قبیلہ ہوازن کے جو لوگ قید ہوئے تھے۔ وہ اسلام کے قانون کے مطابق غلام بنا لیے جاتے لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قیدیوں کو آزاد فرمایا۔ اور کسی کو آزاد کر دینا ہبہ نہیں ہے۔

۲۔ اسی طرح حضرت جابر سے نبی علیہ السلام نے اونٹ خریدا اور مدینہ واپس آ کر اس کی قیمت ادا فرمائی اور قیمت سے کچھ زیادہ عطا فرمایا۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے اصل قیمت کے علاوہ جو زیادہ عطا فرمایا اسے اصل قیمت سے الگ کر کے نہیں دیا (جس کے حضرت جابر حقدار تھے) بلکہ زیادہ اصل قیمت کے ساتھ ملا کر عطا فرمایا اور یہ مشاع کی صورت ہے۔ معلوم ہوا کہ مشاع کا ہبہ جائز ہے ـــــ لیکن یہ استدلال بھی تام نہیں ہے۔ کیونکہ نبی علیہ السلام نے اصل قیمت سے جو زیادہ عطا فرمایا وہ منفصل و متمیز تھا۔ یعنی زیادتی اصل قیمت سے بالکل الگ اور معین تھی۔ یہی وجہ ہے۔ اسی حدیث میں حضرت جابر فرماتے ہیں۔ وَاللّٰهِ لَا اُفَارِقُ زِيَادَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى فَقَدَهَا فِيْ اَيَّامِ الْحَرَّةِ ـــــ دیکھیے حضرت جابر تصریح فرما رہے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اس قیمت سے جو زیادہ عطا فرمایا اس کو میں تبرکاً ہمیشہ اپنے پاس رکھتا تھا۔ معلوم ہوا کہ حضور نے جو زیادہ عطا فرمایا وہ اصل قیمت سے بالکل علیحدہ اور معین و ممتاز تھا۔

۲۴۳۲، ۲۴۳۳ ۔ اس عنوان کے ماتحت امام نے دو حدیثیں اور لکھی ہیں۔ یہ حدیثیں کتاب المظالم، کتاب المساقات اور کتاب الاستقراض باب حسن القضاء میں مع تفہیم و ترجمانی کے گزر چکی ہیں۔ دیکھیے حدیث نمبر ۲۱۹۸، ۲۲۸۸، ۲۲۳۵ ـــــ ایک روایت کا مضمون یہ ہے کہ بحضور نبوی مشروب پیش کیا گیا الخ دوسری حدیث کا مضمون یہ ہے کہ حضور نے ایک شخص سے اونٹ قرض لیا اور جس عمر کا اونٹ قرض لیا تھا اس سے زیادہ عمر کا اونٹ جو کہ اس سے زیادہ قیمتی تھا قرضخواہ کو عطا فرمایا۔ امام بخاری نے ان احادیث سے یہ استدلال فرمایا کہ مشاع کا ہبہ جائز ہے مگر ان کا استدلال تام نہیں ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا۔

بَابٌ اِذَا وَهَبَ جَمَاعَةٌ لِقَوْمٍ

باب جب متعدد اشخاص نے متعدد افراد کو کوئی چیز ہبہ کی

۲۴۳۴ - اس عنوان کے ماتحت امام بخاری نے حدیث وفد ہوازن ذکر کی جو کتاب الوکالۃ میں مع تفہیم و ترجمانی کے گزر چکی ہے - دیکھئے حدیث نمبر ۲۱۶۰ - اس حدیث سے امام بخاری نے یہ استدلال کیا ہے کہ قبیلہ ہوازن کے قیدیوں کو واپس کر دینا جماعت کا جماعت کو یا فردِ واحد کا جماعت کو ہبہ کرنا ہے اور دونوں صورتوں میں شیوع ہے - لیکن یہ بات واضح ہے - قیدیوں کو واپس کرنا سرے سے ہبہ ہے ہی نہیں یہ تو اعتاق ہے لہٰذا امام کا استدلال تام نہیں ہے۔

بَابُ مَنْ اُهْدِیَ لَهٗ هَدِیَّةٌ وَّعِنْدَهٗ

جُلَسَآؤُهٗ فَهُوَ اَحَقُّ وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ جُلَسَآءَهٗ شُرَكَآءُهٗ وَلَمْ يَصِحَّ

باب کسی کو ہدیہ دیا گیا اور دوسرے لوگ بھی اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو اس کا مستحق وہی ہے ابن عباس سے جو منقول ہے کہ اس کے پاس بیٹھنے والے بھی اس ہدیہ میں شریک ہوں گے صحیح نہیں ہے

فوائد و مسائل واضح ہو کہ مسئلہ یہی صحیح ہے - کسی شخص کو کسی نے کوئی چیز ہدیہ دی اور اہلِ مجلس اس کے مستحق نہ ہوں گے - اس سلسلہ میں حضرت ابن عباس سے جو مروی ہے امام بخاری فرماتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے - امام ابو یوسف بھی یہی فرماتے ہیں (کرمانی) البتہ اگر وہ چیز کھانے پینے کی ہے اہلِ مجلس میں سے کسی ایک کو دی جائے تو عرف و رواج اگر یہ ہو کہ وہ تمام اہلِ مجلس کے لیے ہے تو وہ اباحت ہے ہدیہ یا ہبہ نہیں ہے۔

۲۴۳۵ - حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے - نبی علیہ السلام نے قرضخواہ کو زیادہ قیمتی اونٹ عطا فرمایا تھا (بخاری)

یہ حدیث باب القضا میں گزر چکی ہے - دیکھئے حدیث نمبر ۲۲۳۵ - امام بخاری نے اس حدیث سے یہ استدلال فرمایا کہ نبی علیہ السلام نے قرضخواہ کو اس کے قرض سے جو زائد عطا فرمایا اس میں کوئی دوسرا شریک نہ تھا۔

بَابُ اِذَا وَهَبَ بَعِيْرًا لِّرَجُلٍ

وَهُوَ رَاكِبُهٗ فَهُوَ جَآئِزٌ

کسی نے دوسرے شخص کو اونٹ ہبہ کیا اور موہوب لہٗ اسی پر سوار تھا تو جائز ہے

۲۴۳۶ - حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے اور میں ایک سرکش اونٹ پر سوار تھا - نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہ اونٹ مجھے بیچ دو - چنانچہ آپ نے اُسے خرید لیا اور پھر فرمایا، عبداللہ اب یہ تمہارا ہے (بخاری)

فوائد و مسائل اس حدیث سے واضح ہوا - اگر کوئی کسی کو اونٹ ہبہ کر دے اور موہوب لہٗ اس اونٹ پر سوار ہو تو یہ جائز ہے کیونکہ موہوب لہٗ اور اس اونٹ میں تخلیہ کر دینا بمنزلہ قبض ہے

بَابُ هَدِيَّةِ مَا يُكْرَهُ لُبْسُهَا

باب ایسے کپڑے کو ہبہ کرنا جس کا پہننا جائز نہ ہو

واضح ہو کہ کسی بھی ایسی چیز کو ہبہ کرنا جو مال متقوم ہو جائز ہے اور اس کا قبول کرنا بھی جائز ہے۔ مثلاً ریشمی کپڑا یا چاندی سونے کے زیورات ہبہ کیے جائز ہے اگرچہ مرد کو ریشم اور چاندی سونے کے زیورات کو پہننا ناجائز ہے۔ مگر مرد یہ کرسکتا ہے کہ ریشمی کپڑا اور چاندی سونے کے زیورات اپنی مستورات کو پہننے کے لیے دیدے یا ان کو فروخت کرکے اپنے صرف میں لائے۔ حتیٰ کہ چاندی سونے کی مورتیوں کو ہبہ کرنا اور اس کو قبول کرنا اور بعینہٖ انہیں اپنے قبضہ میں رکھنا جائز ہے کیونکہ یہ مالِ متقوم ہے۔ ان مورتیوں کو توڑ پھوڑ کر زیور بنایا جاسکتا ہے یا فروخت کرکے اپنے صرف میں لایا جاسکتا ہے۔

۲۴۳۷۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ مسجد کے دروازے پر ایک ریشمی حلّہ (بک رہا ہے) آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی اچھا ہوتا اگر آپ اسے خرید لیتے اور جمعہ کے دن اور وفد کی پذیرائی کے مواقع پر اسے زیبِ تن فرماتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسے وہی لوگ پہنتے ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ کچھ دنوں کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں بہت سے (ریشمی) حلّے آئے اور آپ نے ایک حلّہ ان میں سے حضرت عمر کو بھی عنایت فرمایا۔ حضرت عمر نے اس پر عرض کیا کہ آپ یہ مجھے پہننے کے لیے عنایت فرما رہے ہیں حالانکہ آپ خود عطارد کے حلّوں کے بارے میں جو کچھ فرمانا تھا فرما چکے ہیں۔

فَقَالَ اِنِّیْ لَمْ اَکْسُکَهَا لِتَلْبَسَهَا فَکَسَا عُمَرُ اَخًا لَهٗ بِمَکَّةَ مُشْرِکًا

نبی علیہ السلام نے فرمایا یہ حلّہ میں نے تمہیں پہننے کے لیے نہیں دیا چنانچہ حضرت عمر نے وہ حلّہ مکہ میں مقیم اپنے مشرک بھائی کو دیدیا۔

۲۴۳۸۔ عَنْ عَلِیٍّ قَالَ اَهْدٰى اِلَیَّ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُلَّةً سِيَرَاءَ فَلَبِسْتُهَا فَرَاَيْتُ الْغَضَبَ فِیْ وَجْهِهٖ فَشَقَقْتُهَا بَيْنَ نِسَائِیْ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک ریشمی حُلّہ ہدیہ میں دے دیا تو میں نے اسے پہن لیا، لیکن جب غصّے کے آثار روئے مبارک پر دیکھے تو اسے (اپنے گھر کی) عورتوں میں پھاڑ کر تقسیم کردیا۔

فوائد و مسائل

۱۔ ان دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ ایسی چیز کو ہبہ کرنا اور اس کا قبول کرنا جائز ہے جس کا استعمال شرعاً ممنوع ہو۔ ۲۔ ریشم مرد کو پہننا حرام ہے مستورات کو جائز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ریشمی قبا حضرت عمر نے اپنے کافر بھائی کو دیدیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے

گھر کی مستورات کو دیدیا کیونکہ ان کو ریشم پہننا جائز تھا۔ حضرت عمر نے اپنے جس بھائی کو دیا وہ آپ کا اخیافی بھائی تھا۔ بعض نے کہا رضاعی بھائی تھا۔ نام اس کا عثمان بن حکیم تھا۔ بعد میں یہ مسلمان ہوگئے تھے۔

۳۔ حضور نبی کریم کی حیاتِ مبارک میں حضرت علی کی ایک ہی زوجہ مطہرہ سیّدہ فاطمہ تھیں اور نسائی جمع کا صیغہ ہے اس سے مراد حضرت علی کی زوجہ حضرت فاطمہ، ان کی والدہ فاطمہ بنتِ اسد ان کے بھائی عقیل کی زوجہ فاطمہ بنتِ شیبہ بن ربیعہ اور فاطمہ بنتِ حمزہ بن عبد المطلب ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

۲۴۳۹۔ حضرت ابنِ عمر فرماتے ہیں حضور علیہ السلام سیدہ فاطمہ کے مکان میں تشریف نہ لائے۔ حضرت علی نے حضور سے تشریف نہ لانے کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا۔

قَالَ اِنِّیْ رَاَیْتُ عَلٰی بَابِھَا سِتْرًا مُّوَشِّیًا فَقَالَ مَالِیْ وَلِلدُّنْیَا فَاَتَاھَا عَلِیٌّ فَذَکَرَ ذٰلِكَ لَھَا فَقَالَتْ لِیَاْمُرْنِیْ فِیْهِ بِمَا شَآءَ قَالَ تُرْسِلُ بِهٖ اِلٰی فُلَانٍ اَھْلِ بَیْتٍ بِھِمْ حَاجَةٌ

میں نے دروازہ پر دھاری دار ریشمی پردہ لٹکا ہوا دیکھا ہے۔ مجھے دنیا کی ایسی آرائش پسند نہیں حضرت علی کے اس وجہ کو ذکر کرنے پر سیدہ فاطمہ نے فرمایا حضور جو حکم فرمائیں سر آنکھوں پر۔ حضور نے فرمایا۔ فلاں گھر والوں کو یہ پردہ بھیجدو انہیں ضرورت ہے۔

فوائد و مسائل واضح ہو کہ دروازہ وغیرہ پر پردہ لٹکانا شرعاً ممنوع نہیں ہے مگر حضور علیہ السلام کا فقر اختیاری تھا اور دُنیا کی زیب و زینت آپ کو مرغوب نہ تھی۔ اس لیے مکان کے اندر تشریف نہ لائے اور یہی سادگی آپ نے اپنی مقدس صاحبزادی کے لیے بھی پسند فرمائی —— بعض روایات میں مکان کے اندر تشریف نہ لانے کی وجہ یہ بھی بیان ہوئی ہے کہ وہ پردہ تصویر دار تھا ۲۔ مُوَشِّیًا کا معنیٰ دھاری دار کے ہیں۔ علامہ کرمانی و صاحب الخیر الجاری نے بھی یہی وجہ لکھی ہے کہ اس پردہ میں تصاویر اور نقوش بنے ہوئے تھے۔

بَابُ قَبُوْلِ الْھَدِیَّةِ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ

مُشرکوں سے ہدیہ قبول کرنا جائز ہے

امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس عنوان کو قائم کرکے یہ واضح کیا ہے کہ مشرکوں سے ہدیہ قبول کرنا جائز ہے نیز ممانعت کی حدیث کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ علامہ بدر محمود عینی شارح بخاری علیہ الرحمۃ نے اس موضوع پر گفتگو فرمائی ہے اور احادیثِ ممانعت پر بھی بحث کی ہے۔ دیکھئے عینی ج ۱۳ ص ۱۶۷/۱۶۸۔

بہرحال یہ ایک واضح بات ہے کہ امام بخاری کا موقف درست ہے اور حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے مُشرکوں سے ہدیہ قبول فرمایا ہے۔

وَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَاجَرَ اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِسَارَةَ فَدَخَلَ قَرْيَةً فِيْهَا مَلِكٌ اَوْ جَبَّارٌ فَقَالَ اَعْطُوْهَا اٰجَرَ (بخاری)

حضرت ابوہریرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے سارہ کے ساتھ ہجرت کی تو ایک ایسے شہر میں پہنچے جہاں ایک بادشاہ یا (یہ کہا کہ) ظالم حکمران تھا۔ اس بادشاہ نے کہا کہ انھیں سارا کو، آجر دے دو۔

فوائد و مسائل اس تعلیق کو امام نے کتاب البیوع اور احادیث الانبیاء میں موصولاً ذکر کیا ہے اور اس میں حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی ہجرت کا واقعہ مذکور ہے دیکھئے فیوض پارہ ہشتم ص۲۳۷ عنوان کے مطابق اس تعلیق میں اَعْطُوْهَا اٰجَرَ کے الفاظ ہیں جس سے واضح ہوا کہ حربی کافر کا اپنی ملک میں بیع و شراء و ہبہ وغیرہ کے ذریعہ تصرف کرنا جائز ہے اور یہ کہ کافر سے ہدیہ قبول کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت سارہ نے اجر کو قبول فرمالیا۔

وَاُهْدِيَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاةٌ فِيْهَا سُمٌّ وَقَالَ اَبُوْ حُمَيْدٍ اَهْدٰى مَلِكُ اَيْلَةَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَغْلَةً بَيْضَاءَ وَكَسَاهُ بُرْدًا وَكَتَبَ لَهٗ بِبَحْرِهِمْ

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (خیبر کے یہودیوں کی طرف سے) ہدیہ کے طور پر بکری کا ایسا گوشت پیش کیا گیا تھا جس میں زہر تھا۔ ابوحمید نے بیان کیا کہ ایلہ کے حکمران نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سفید خچر اور چادر ہدیہ کے طور پر بھیجی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے دریا کے پانی میں اس کا حصہ مقرر فرمایا۔

۲۴۴۰ - حَدَّثَنَا اَنَسٌ قَالَ اُهْدِيَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُبَّةُ سُنْدُسٍ وَّقَالَ يَنْهٰى عَنِ الْحَرِيْرِ فَعَجِبَ النَّاسُ مِنْهَا فَقَالَ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَمَنَادِيْلُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فِي الْجَنَّةِ اَحْسَنُ مِنْ هٰذَا وَقَالَ سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ اِنَّ اُكَيْدِرَ دُوْمَةَ اَهْدٰى اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دبیز قسم کے ریشم کا ایک جبہ ہدیہ کے طور پر پیش کیا گیا۔ حضور اکرم اس کے استعمال سے (مردوں کو) منع فرماتے تھے صحابہ کو بڑی حیرت ہوئی (کہ کتنا عمدہ ریشم ہے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (تمہیں اس پر حیرت ہے) اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، جنت میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے رومال اس سے بھی زیادہ

خوبصورت ہیں.... سعید نے بیان کیا، ان سے قتادہ نے اور ان سے انس رضی اللہ عنہ نے کہ دومہ (تبوک کے قریب.... ایک مقام) کے اکیدر (نصرانی) نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ بھیجا تھا (یعنی جس ہدیہ کا ذکر اس حدیث میں ہے)

فوائد و مسائل ان احادیث سے واضح ہوا کہ کفار و مشرکین سے ہدیہ قبول کرنا جائز ہے ۲۔ جو ریشمی جبہ نبی علیہ السلام کو ہبہ کیا گیا صحابہ کو اس کی عمدگی پر تعجب ہوا اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رومال اس جبہ سے زیادہ قیمتی اور عمدہ ہوگا۔ مقصود یہ بتانا ہے کہ مومنین کو جنت میں جو نعمتیں عطا ہوں گی وہ انسانی تصور سے بھی زیادہ قیمتی اور عمدہ ہوں گی ۳۔ حضرت سعد کا ذکر خصوصی طور پر اس لیے فرمایا کہ وہ قبیلہ اوس کے سردار تھے۔ نبی علیہ السلام نے ان کو سید الانصار کا لقب دیا تھا۔ اس لیے فرمایا کہ تمہارا رومال جنت میں اس جبہ سے بہتر ہوگا۔

حضور علیہ السلام تحفے، تحائف قبول فرماتے تھے واضح ہو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دوست و احباب کے تحفے اور ہدایا قبول فرمالیتے تھے اور آپ نے اس کو ازدیادِ محبت کا بہترین ذریعہ قرار دیا۔ اسی لیے صحابہ عموماً کچھ نہ کچھ ہر روز آپ کے گھر بھیجا کرتے تھے اور خصوصیت کے ساتھ اس دن بھیجتے تھے، جس دن آپ حجرۂ عائشہ میں قیام فرماتے تھے۔ ایک دفعہ راستہ میں ایک کھجور ہاتھ آگئی۔ فرمایا اگر صدقہ کا شبہ نہ ہوتا تو میں اس کو تناول کرتا۔ ایک بار امام حسن علیہ السلام نے صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور منہ میں ڈال لی تو فرمایا۔ کیا تمہیں خبر نہیں کہ ہمارا خاندان صدقہ نہیں کھاتا۔ پھر منہ سے اُگلوا دیا (بخاری) —— آپ کے سامنے جب کوئی شخص کوئی چیز لے کر آتا تو دریافت فرماتے کہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟ اگر ہدیہ کہتا قبول فرماتے اور اگر یہ کہتا کہ صدقہ، تو آپ ہاتھ روک لیتے اور دوسرے صاحبوں کو عنایت فرما دیتے —— نیز حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ میں گھر میں آتا ہوں تو کبھی کبھی اپنے بستر پر کھجور پاتا ہوں۔ جی میں آتا ہے کہ اُٹھا کر منہ میں ڈال لوں، پھر خیال ہوتا ہے کہ کہیں صدقہ کی کھجور نہ ہو (بخاری) —— ایک دفعہ ایک عورت نے ایک چادر خدمتِ اقدس میں پیش کی، آپ نے لے لی، اسی وقت ایک صاحب نے مانگ لی، آپ نے ان کو عنایت فرما دی (بخاری کتاب الجنائز) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم (جن لوگوں کے ہدایا اور تحفے قبول فرماتے تھے، ان کو ان کا صلہ بھی ضرور عطا فرماتے تھے۔ كَانَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَ يُثِيبُ عَلَيْهَا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کا معاوضہ دیتے تھے۔

غیر مسلم ملوک و سلاطین کے ہدیے حضور علیہ السلام نے قبول فرمائے ہیں آس پاس کے ملوک و سلاطین بھی آپ کو تحفے

بھیجا کرتے تھے۔ حدود شام کے ایک رئیس نے ایک سفید خچر تحفہ دیا تھا۔ عزیز مصر نے ایک خچر مصر سے بھیجا تھا، ایک امیر نے آپ کو موزے بھیجے تھے۔ ایک دفعہ قیصر روم نے آپ کی خدمت میں ایک پوستین بھیجی تھی جس میں دیبا کی سنجاف لگی ہوئی تھی۔ یمن کا مشہور بادشاہ ذی یزن جس نے حبشی حکومت مٹا کر ایران کے زیر اثر عربی حکومت قائم کی تھی اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک قیمتی حُلّہ بھیجا، جس کو اس نے ۳۳ اونٹوں کے بدلہ میں خریدا تھا۔ آپ نے قبول فرمایا۔ پھر حضور علیہ السلام نے اس کو ایک حُلّہ ہدیۃً بھیجا جو ۲۰ سے کچھ زیادہ اونٹوں کے عوض خریدا گیا تھا۔ (ابوداؤد ج ۲ صہ ۲۰۱) جو سلاطین آپ کو ملبوسات ہدیہ کرتے تھے نبی علیہ السلام انہیں استعمال بھی فرماتے تھے۔

لباس کفار و مشرکین یہود و نصاریٰ کے متعلق ایک اہم بحث

واضح ہو کہ لباس کے معاملہ میں حرمت و کراہت کا مدار اس لباس کی کفار و مشرکین کے ساتھ اختصاصیت و شعاریت ہے کہ وہ لباس کفر و اسلام کے درمیان فرق پیدا کرے اور اس کے پہننے والے کے متعلق یہ کہا جائے یہ مسلمان ہے، یہ مجوسی ہے، یہ عیسائی ہے۔ تو اگر کسی لباس میں اس حیثیت و کیفیت کی اختصاصیت و شعاریت پیدا ہو جائے یا ہو یعنی اس لباس کے پہننے سے مسلم و غیر مسلم میں فرق و امتیاز پیدا ہو تو بے شک اس کا پہننا مسلمانوں کے لیے ممنوع قرار پائے گا لیکن حکمِ ممانعت اسی وقت تک رہے گا جب تک اس لباس میں شعاریت و اختصاصیت باقی رہے، اگر نہ رہے تو پھر اس لباس کا پہننا جائز و مباح قرار پائے گا۔ کیونکہ یہ بات بالکل واضح ہے۔ ہر وضع قطع ڈیزائن کا لباس جب کہ وہ جائز چیز سے بنا ہوا اپنی اصل میں جائز و مباح ہے۔ حتیٰ کہ زنّار، جنیو، صلیب وغیرہ (جو شعارِ کفر ہیں) یا قشقہ (جو علامتِ کفر ہے) اپنی اصل میں جائز و مباح تھے۔ یعنی فی نفسہٖ یہ چیزیں حرام و ممنوع نہ تھیں۔ حرمت و ممانعت کی وجہ ان کا شعارِ کفر ہونا ہے۔ اسی طرح لباس کا معاملہ ہے کہ کسی بھی وضع کے لباس میں جب شعاریت و اختصاصیت بالکفار پائی جائے گی تو شرعاً اس کا استعمال کرنا ممنوع قرار پائے گا ــــ چنانچہ فقہاءِ اسلام نے قلنسوۃ المجوس، زی الافرنج، زی اھل الشرک، من لباس العجم ایسے الفاظ کے ساتھ جن ملبوسات کو ممنوع و حرام قرار دیا ہے (تو اس سے وہ لباس جو کافر و مشرک پہنیں یا مختلف ڈیزائن اور وضع کے وہ ملبوسات جو غیر مسلم ممالک میں عمومی طور پر استعمال ہوں اور پاکستان میں بھی غیر ملکی وضع کا لباس استعمال ہو رہا ہے) ہرگز ہرگز مراد نہیں ہے بلکہ مذکورہ بالا خط کشیدہ جملوں سے جن ملبوسات کو فقہاءِ اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے اس سے صرف اور صرف وہ خاص لباس مراد ہے جو کفار و مشرکین کا مذہبی شعار اور علامت خاص ہو

ا۔ واضح ہو کہ جہاد میں کفار و مشرکین کا مختلف قسم کا سامان، لباس وغیرہ ہاتھ آتا۔ لیکن حدیث د

آثارِ صحابہ و تاریخ میں یہ نہیں ملتا کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین اور صحابہ کرام نے کفار و مشرکین کا غنیمت میں ملنے والا لباس استعمال کرنے سے منع فرمایا ہو بلکہ صحیح احادیث واضح ہے کہ خود حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین اور صحابہ کرام نے لباسِ کفار و مشرکین استعمال فرمایا۔ چنانچہ ایلہ کے حکمران اور شاہِ روم اور امیر آذر بائیجان کے کافر و مشرک حکمرانوں نے حضور علیہ السلام کو جو لباس بھیجا آپ نے اسے زیبِ تن فرمایا۔ (بخاری، ابوداؤد، طحاوی، نیل الاوطار ج ۱ ص ۸۳)
شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حضور کی عموماً عادتِ کریمہ یہ تھی کہ آپ سادہ لباس چادر پیوندار موٹے کپڑے اور کبھی باُونی

دگاہے لباسِ نفیس گراں بہا کہ ملوکِ عجم ارسال می نمودند بقصدِ استمالت خاطر ایشاں می پوشید (مدارج النبوۃ)

اور کبھی بادشاہانِ عجم کے بطور تحفہ ارسال کردہ نفیس اور قیمتی لباس کو ان کی خاطر داری کے لیے زیبِ تن فرما لیتے تھے۔

ان النجاشی اھدی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم خفین اسودین سادجین فلبسھا (ترمذی مشکوٰۃ)

نجاشی بادشاہ حبشہ نے حضور کی خدمت میں دو موزے سیاہ و سادہ پیش کیے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو استعمال فرمایا۔

وعن المغیرۃ بن شعبۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لبس جبۃ رومیۃ

مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جُبّہ رُومیہ پہنا۔ (بخاری)

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جبۃ طیالسۃ کسروانیہ دکھایا اور فرمایا۔

ھٰذہٖ جبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | یہ ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جبہ شریف

حضور کا جُبّہ رومی و جبہ طیالسہ کسروانیہ زیبِ تن فرمانا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جُبّہ رومیہ زیبِ تن فرمایا ——— لبس جبہ رومیہ (بخاری) جبۃ من جباب الروم (ابوداؤد) اور مسلم و بخاری کی اکثر روایتوں میں جبہ شامیہ ہے۔ علامہ علی قاری فرماتے ہیں۔ ولا منافاۃ بینھما لان الشام حینئذ داخل تحت حکم قیصر ملک الروم ——— علامہ علی قاری علیہ الرحمہ نے تصریح فرمائی۔ جبہ طیالسہ لباسِ عجم سے تھا۔ کسروانیہ ملکِ فارس کی طرف منسوب (مرقات)
جبہ طیالسہ وہ جبہ تھا جو حضور علیہ السلام جمعہ کے دن اور وفود سے ملاقات کے وقت بھی

زیبِ تن فرماتے تھے اور حضرت ام المومنین جناب عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ سے ان کی ہمشیرہ بنتِ سیدنا امیرالمومنین ابوبکر الصدیق سیدہ اسمار رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو ملا تھا۔ اسی جبہ شریف کے دھوون کو حضرت اسمار بیماروں کو پلاتی تھیں اور وہ شفایاب ہوتے تھے۔ یہ برکت، یہ عظمت تو بہرحال اس جبہ اقدس میں حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے زیبِ تن فرمانے کی بنا پر آئی تھی، مگر تھا یہ جبہ بھی لباسِ عجم سے۔ جبہ رومیہ تنگ آستینوں کا تھا۔ چنانچہ سننِ ابوداؤد میں و نسائی میں یہ تصریح ہے کہ جب حضور نے وضو کرنا چاہا تو آستین بوجہ تنگی کے اونچی نہ ہوئیں تو آپ نے وہ جبہ اُتار کر یا جبہ کے اندر سے ہاتھ باہر نکال کر دھوئے۔

ان مذکورۂ بالا آثار و تصریحاتِ شارحین سے واضح ہے کہ حضور علیہ السلام نے جبہ کسروانیہ، جبہ رومیہ تنگ آستینوں والا، جو بادشاہِ فارس کی طرف منسوب تھا زیبِ تن فرمایا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام بعض اوقات وہ لباس جو شاہانِ عجم بطور تحفہ و ہدیہ پیش کرتے، زیبِ تن فرماتے تھے۔

۲۔ سوال یہ ہے کہ غنیمت میں اور بطور تحفہ ملنے والا کفار و مشرکین کا لباس وضع کفار و مشرکین نہ تھا؟ تو ظاہر ہے کہ یہ لباس کفار کے زیرِ قبضہ ممالک میں بنا تھا اور اس کی وضع قطع یا ڈیزائن بھی انہی غیر مسلم ممالک میں رہنے والے غیر مسلموں ہی کی تھی ——— یہ لباس بہرحال نہ تو لباسِ مسلمین تھا اور نہ اس کی وضع قطع عربی تھی مگر اس کے باوجود اس لباس کو خود نبی علیہ السلام نے اور صحابہ کرام نے استعمال فرمایا۔

۳۔ شارحینِ حدیث نے غنیمت میں ملنے والے یا بطورِ تحفہ ملنے والے لباسِ کفار کے متعلق یہ بحث کی ہی نہیں کہ یہ لباس وضعِ کفار ہے اس لیے ممنوع ہے بلکہ صرف یہ تصریح فرمائی کہ۔

ومن فوائد الحديث الانتفاع بثياب الكفار حتىٰ يتحقق نجاستها لانه صلى الله عليه وسلم لبس الجبة الرومية وكانت الشام اذا ذالك دار كفر	اس حدیث کے فوائد سے یہ ہے کہ کافروں کے کپڑوں سے فائدہ اٹھانا جائز ہے (الّا یہ کہ ان کی نجاست واضح ہو جائے تو پھر استعمال نہ کیئے جائیں (پاک کر کے استعمال کیے جائیں) کیونکہ حضور علیہ السلام نے جبہ رومیہ زیبِ تن فرمایا اور شام اس وقت دارالکفر تھا۔

غرضکہ یہ امر واضح ہے کہ یہ لباس وضع عرب، وضعِ صحابہ، وضع مسلمانانِ مکہ و مدینہ نہ تھا اور یہ کہ یہ لباس تھا تو کفار و مشرکین کی وضع قطع کا مگر یہ لباس ان کا لباسِ عام تھا۔ اس کی وضع قطع ایسی نہ تھی

جو کفار و مشرکین کا مذہبی شعار ہو۔ معلوم ہوا کہ کفار و مشرکین کا وہ لباس جو وہ عام طور پر اپنے ملکوں میں استعمال کرتے ہیں مسلمانوں کو اس کا پہننا جائز ہے کیونکہ لباس خواہ کسی وضع قطع کا ہو اپنے اصل میں جائز و مباح ہے اور ممانعت کا مدار اس لباس کا کفار و مشرکین کا مذہبی شعار ہونا ہے۔

تشبہ بالکفار کا ضابطہ

۴۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا۔ "یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرو" تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کو ہر معاملہ، ہر بات اور ہر چیز میں غیر مسلموں کی مخالفت کرنی چاہیئے۔ اسی طرح حدیث من تشبہ کا بھی یہ مطلب نہیں ہے کہ جس چیز میں بھی غیر مسلموں سے مشابہت پائی جائے، وہ ممنوع ہے۔ لفظ تشبہ کے معنی یہ ہیں کہ "اپنے آپ کو کسی کے مشابہ بنانا" یعنی حقیقۃً یا حکماً قصدِ مشابہت کا پایا جانا ضروری ہے۔ مثلاً ایک شخص کوئی فعل خاص اس نیت سے کرے کہ کفار کی سی شکل پیدا ہو یا وہ یہ نیت نہ کرے مگر وہ فعل کفار کا شعار اور ان کی علامتِ خاصہ ہو جس سے وہ پہچانے جاتے ہوں تو اس کی ممانعت ہے اور اس پر حدیث من تشبہ صادق ہوگی۔ غرضیکہ غیر مسلموں کے وہی رسم و رواج اسلام میں ممنوع قرار پائیں گے جو یا تو غیر مسلموں کی علامتِ خاصہ اور شعارِ مذہبی ہوں یا کتاب و سنت میں ان کی ممانعت آگئی ہو لیکن مطلقاً کسی بات میں اشتراک اور مشابہت کا ہونا ہرگز منع نہیں ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور و معروف و معتبر کتاب درمختار و بحرالرائق میں ہے۔

اَلتَّشَبُّهُ بِهِمْ لَا يُكْرَهُ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ بَلْ فِي الْمَذْمُوْمِ وَفِيْمَا يُقْصَدُ بِهِ التَّشَبُّهُ

اہلِ کتاب سے تشبہ ہر چیز میں مکروہ نہیں ہے بلکہ بری بات میں تشبہ ممنوع ہے اور وہاں کہ ان سے مشابہت کا قصد کیا جائے۔

انما ممنوعون من التشبه بالكفرة واهل البدعة فى شعائرهم لا منهيون عن كل بدعة فالمدار على الشعار (فقہ اکبر علی قاری)

یعنی ہم کو یہ منع ہے کہ کفار اور اہلِ بدعت کے شعار میں تشبہ کریں، نہ کہ ان کی ہر بدعت منع ہو۔ تو مدارِ کار شعار پر ہے۔

وكراهية اهل البدع مقرر عندنا ايضا ليكن لا مطلقا بل فى المذموم وفيما قصد به التشبه (شامی)

یعنی اہلِ بدعت سے تشبہ کا ممنوع ہونا مقرر ہے لیکن مطلقاً نہیں، بلکہ اس چیز میں جو فی نفسہ مذموم ہو، یا ان سے مشابہت کا قصد ہو۔

معلوم ہوا کہ لباسِ کفار و مشرکین میں اسی وضع کا لباس مسلمانوں کے لیے ممنوع قرار پائے گا جو

کفار و مشرکین کا شعار و علامت ہو اور اس میں ایسا اختصاص پایا جائے جیسا مثلاً پولیس کی وردی میں پایا جاتا ہے کہ جو کوئی اسے پہنے پہچانا جاتا ہے کہ حکومت کا کارندہ ہے۔ تو جس لباس میں پولیس کی وردی جیسی اختصاصیت بالکفار پائی جائے گی وہ بیشک ممنوع قرار پائے گا ورنہ نہیں۔ لہٰذا محض کسی لباس پر امریکی چینی جاپانی کے لفظ کا استعمال ہو، اسی طرح وہ لباس جو یہودی، عیسائی، مجوسی کفار و مشرکین عمومی طور پر استعمال کریں یا محض ملکی لباس ہو لیکن وہ لباس ان کا شعارِ مذہبی نہ ہو یعنی ایسا لباس نہ ہو جس کی وضع مسلم اور کافر میں فرق پیدا کرے تو یہ عمومی لباس (خواہ وہ کفار و مشرکین ہی کی تہذیب و تمدن کا عکاس ہو) مسلمانوں کو استعمال کرنا جائز ہے۔

جیسے ہمارے ملک پاکستان میں غیر مسلم ممالک سے پرانے یا نئے ملبوسات آتے ہیں اور وہ یہود و نصاریٰ کی وضع قطع، ان کی تہذیب و تمدن اور نت نئے فیشنوں کے عکاس ہوتے ہیں اور ان ملبوسات کو پاکستان کے غریب اور متوسط طبقہ کے کروڑوں مسلمان لنڈا بازار سے خرید کر اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ ان ملبوسات کا استعمال جائز و مباح ہے کیونکہ ان کی وضع قطع شعاری نہیں ہے لہٰذا ان کا پہننا بلاشبہ جائز ہے۔ بعض علماء کرام ان ملبوسات کے استعمال کو تشبہ کی بنیاد پر مطلقاً ناجائز قرار دیدیتے ہیں۔ جو شرعاً درست نہیں ہے کیونکہ ممانعت کا مدار اس لباس کی شعاریت اور اختصاص بالکفار پر ہے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا۔

قلنسوۃ المجوس (۵) فقہ کی تقریباً تمام کتب معتبرہ میں لکھا ہے۔ وضع قلنسوۃ المجوس علی راسہ قیل لا یکفر کہ پارسیوں کی ٹوپی پہننا کہا گیا ہے کہ کفر نہیں کیونکہ ایک مسلمان کو اسلام سے خارج اسی چیز کا انکار کرنا ہے جس کے اقرار سے وہ مسلمان قرار پایا ہے۔ وقیل یکفر لانہ علامۃ الکفر اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایسا کرنا کفر ہے۔ کیونکہ یہ ٹوپی علامتِ کفر ہے ——— یہاں یہ امر خاص طور پر قابلِ غور و فکر ہے کہ آخر مجوس کے لباس میں سے صرف ان کی ٹوپی میں ایسی کونسی بات ہے کہ تمام کتب فقہ حنفی میں واضح طور پر اس کو ذکر کرکے حکمِ کفر لگایا ہے تو اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ یہ خاص ٹوپی صرف اور صرف مجوس ہی کے ساتھ خاص ہے، اور ان کا شعار دینی ہے ایسا کہ یہ خاص مجوسی وضع کی ٹوپی مسلم اور مجوسی میں امتیاز پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ امام کبیر علامہ کردری حنفی لوحِ سلطانی جو لکڑی یا چاندی کی بنی ہوتی ہے۔ اس کا پہننا مسلمان کو جائز ہے یا نہیں فرماتے ہیں۔

وتعلیق البابرۃ اعنی اللوح السلطانی | لوحِ سلطانی جو لکڑی یا چاندی سے بنی ہوتی ہے یہ

امارة ملكية لا تعلق لها بالدين كان من خشب او | بنی ہوتی ہے یہ ملکی علامت ہے اس کا تعلق دین سے نہیں ہے (اس لیے جائز)

بخلاف وضع قلنسوة المجوس وشد الزنار امارة الكفر كالختان امارة الاسلام | بخلاف مجوسی وضع کی ٹوپی پہننا اور زنار باندھنا علامتِ کفر ہے، جیسے ختنہ علامتِ اسلام ہے۔

واضح ہوا قلنسوة المجوس کی اختصاصیت وشعاریت با مجوس ایسی شدید وسخت ہے کہ اس وضع کی ٹوپی پہننا مجوس کی ایسی خاص نشانی ہے جیسے ختنہ اسلام کی نشانی وعلامت ہے۔

امام کبیر علامہ کروری مزید فرماتے ہیں۔

• وضع قلنسوة المجوس وشد الزنّار امارة الكفر كالختان امارة الاسلام (وجیز) | کہ مجوس کی خاص وضع کی ٹوپی پہننا اور زنار باندھنا کفر کی علامتِ خاص ہے، جیسے ختنہ اسلام کی نشانی وعلامت ہے

• ولبس زی الافرنج كفر على الصحيح (حدیقہ ندیہ) | اور فرنگیوں کی وضع پہننی صحیح مذہب میں کفر ہے۔

• والخروج الى نيروز المجوس والموافقة معهم فيما يفعلون فى ذالك اليوم كفر (صفحہ ۲۲۲ وجیز) | آتش پرستوں کی عید نیروز میں جانا اور وہ جو مذہبی رسوم ادا کرتے ہیں اس میں ان کی موافقت کرنا کفر ہے

• وضع قلنسوة المجوس على راسه كفر (بزاز عالمگیری وغیرہ ص ۳۲۳) | مجوس کی خاص ٹوپی پہننا کفر ہے۔

دیکھئے! زی الافرنج وقلنسوة المجوس سے کفار ومشرکین کا وہ خاص لباس ہے جس سے کفر واسلام میں فرق وامتیاز پیدا ہوتا ہے اور جس کو اختیار کرنا، گویا اپنے کافر ہونے کا اظہار کرنا ہے۔ اسی طرح قلنسوة المجوس سے عام ٹوپی مراد نہیں ہے جو مسلم وکافر میں مشترک ہوگئی ہو یا عام لباس مراد نہیں۔ ایسا عام لباس جسے کافر ومسلم دونوں پہنیں بلکہ اس ٹوپی سے ان کی خاص ٹوپی مراد ہے جس کے پہننے سے یہ پہچان ہوتی ہے کہ یہ مجوسی ہے تو جس لباس میں اس درجہ کی شعاریت واختصاصیت باکفار پائی جائے گی وہ لباس ہو یا کوئی اور چیز بلاشبہ ممنوع قرار پائیگا۔

ان حوالوں سے واضح ہوا کہ کفار ومشرکین کی ٹوپی جس کا پہننا حرام وکفر تک ہے اس سے ایسی خاص وضع کی ٹوپی مراد ہے جو مسلم وکافر میں اس طرح وجہ امتیاز بنے جیسے ختنہ۔ اس کے علاوہ ٹوپی ہو یا کوئی لباس جو کفار کا مذہبی شعار نہ ہو بلکہ عمومی لباس ہو۔ اس کا پہننا مسلمانوں کو منع نہیں ہے۔

برنس لباس نصاریٰ | ۶۔ حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے برنس پہنی ہے (بخاری)

امام لغت جوہری نے لکھا ہے۔ ا۔ برانس جمع برنس۔ ھو کل ثوب راسه ملتزق به و قال الجوھری ھو قلنسوۃ طویلۃ کان النساك يلبسونها فی صدر الاسلام
علامہ بدر محمود عینی شارح بخاری نے حدیث بخاری کے تحت لکھا کہ

وسئل مالك عن لبسها اتکرھہا فانه يشبه لباس النصاری قال لا باس بها وقد کانوا يلبسونها هنا (عینی) ص۳۰۶ ج ۱۹)

اور حضرت امام مالک سے پوچھا گیا کہ یہ برنس تو عیسائیوں کے لباس کے مشابہ ہے تو آپ نے فرمایا اس کے پہننے میں کوئی حرج نہیں، عیسائی یہ لباس وہاں پہنا کرتے تھے۔

نہ صرف یہ بلکہ برنس کی کیفیت یہ ہوگئی کہ عہدِ نبوی میں مسلمان اس کو بلا روک ٹوک پہننے لگے حتیٰ کہ جب حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ بحالتِ احرام کیا پہنا جائے تو آپ نے فرمایا۔

لا تلبسوا القمیص والسراویل و العمائم والبرانس (بخاری)

قمیص سراویل، عمامہ اور برنس بحالت احرام مت پہنو

یہ برنس وہی ہے جو لباسِ نصاریٰ کے مشابہ ہے لیکن اس کے باوجود بغیر کسی اعتراض کے صحابہ کرام برنس پہننے لگے۔ حتیٰ کہ خود حضور علیہ السلام نے مذکورہ بالا حدیث میں برنس کا ذکر فرما کر اس کے جائز و مباح ہونے کا اظہار فرما دیا۔ غور کیجئے برنس جو لباسِ عجم اور وضع نصاریٰ ہے بلکہ عیسائیوں کے لباس کے مشابہ بھی ہے مگر اس کے باوجود صحابہ کرام برنس کو پہن رہے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہے برنس غیر مسلموں کا عمومی لباس تھا۔ اس لباس کی وضع قطع کا عیسائیوں کے مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا اس لیے مسلمانوں کو اس لباس کا پہننا مباح قرار پایا۔

بال کے چمڑے کی جوتیاں

۷۔ علامہ کردری امام فقہ حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہشام نے امام ابو یوسف (امامِ ثانی) کو لوہے کی کیلوں سے سلی ہوئی جوتیاں[1] پہنے دیکھا تو عرض کی کیا آپ ان جوتیوں کے پہننے میں کوئی حرج نہیں دیکھتے یہ تو عیسائی راہبوں کے

---

[1] قال ھشام رايتُ علی الامام الثانی۔ نعلين محفوفين۔ بمسامير الحديد فقلتُ اتری باسا فانها من لباس الرھبان وکان الثوری ابن یزید یکرھه فقال کان علیه السلام یلبس النعال التی۔ لها شعر۔ اشارہ الی ان التشابهۃ بالرھبان فی فعل فیه صلاح العباد لا یضرفان الاراضی ما لا یمکن قطعها بمثل ھٰذہ النعال کالجبالِ والاراضی الصلبۃ

(وجیز کردری ج ص۳۷۳)

لباس سے ہے اور امام ثوری ابن یزید علیہ الرحمۃ ان جوتیوں کے پہننے کو مکروہ جانتے تھے۔ امام ابو یوسف نے جواب دیا کہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی بال کے چمڑے کی جوتیاں استعمال فرمائی ہیں ۔ علامہ کروری فرماتے ہیں کہ امام یوسف نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ اگر کسی فعل میں عیسائی راہبوں سے مشابہت ہو مگر اس کام میں لوگوں کا فائدہ ہو تو ایسے فعل کو اختیار کرنے میں حرج نہیں کیونکہ پتھریلی زمین اور پہاڑوں پر کیلوں والی جوتیاں ہی کام دیتی ہیں۔

غور فرمایئے کہ بالوں والی جوتی اور لوہے کے کیلوں والی جوتی عیسائی راہبوں کے لباس سے تھی لیکن اس کے باوجود خود حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے استعمال فرمائی حتیٰ کہ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے بہارِ شریعت میں تحریر فرمایا۔ بال کے چمڑے کی جوتیاں جائز ہیں۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے بعض مرتبہ اس قسم کی نعلین استعمال فرمائی ہیں۔ لوہے کی کیلوں سے سلے ہوئے جوتے جائز ہیں، بلکہ اس زمانے میں ایسے بہت سے جوتے ہیں جن کی سلائی کیلوں سے ہوتی ہے (عالمگیری) بہارِ شریعت حصہ شانزدہم صہ ۵۹

۸۔ حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص فرماتے ہیں۔

رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیّ ثوبین معصفرین فقال ان ھذہ من ثیاب الکفار۔ فلا تلبسھما (مسلم)	حضور علیہ السلام نے مجھے معصفر کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا یہ تو کافروں کے لباس سے ہے اسے مت پہنو۔

ثوب معصفر کو حضور علیہ السلام نے لباسِ کفار قرار دیا ہے۔ ہے کوئی مسلمان جو یہ کہہ سکے یہ لباسِ کفار نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود جمہور علماء صحابہ و تابعین امام شافعی و امامِ اعظم سراجِ امت سیدنا امام ابوحنیفہ و امام مالک فرماتے ہیں کہ ثوب معصفر کا پہننا صرف مکروہ تنزیہہ ہے کہ نہ پہنو تو بہتر، پہنو تو گناہ نہیں ہے[1] اس موقع پر ایک بات عرض کروں گا کہ معصفر سے رنگے ہوئے کپڑے کے پہننے میں اختلاف ہے اور شیخ محقق نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ مختار مذہب حنفی کراہت تحریمی است تو شیخ محقق کا ارشاد "مختار مذہب حنفی کراہت تحریمی ہے" کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ من ثیاب الکفار

[1] واختلف العلماء فی ثیاب المعصفرۃ وھی المصبوغۃ بعصفر فاباحھا الجمہور العلماء من الصحابۃ والتابعین۔ ومن بعدھم وبہ قال الشافعی وابوحنیفہ ومالک ولکنہ قال غیرھا افضل۔ منھا۔ وقال جماعۃ من العلماء وھو مکروہ کراھۃ تنزیہ وحملوا النہی علی ھذا (نووی)

تھا بلکہ وجہ ممانعت مصبوغ بعصفر ہونا ہے۔ بلکہ مرقات میں ابن الملک نے فرمایا حضور نے ثوبِ معصفر سے اس لیے منع فرمایا کہ یہ کپڑا رنگ کی وجہ سے عورتوں کے ملبوسات کے مشابہ ہے۔ علامہ علی قاری نے فرمایا کہ کافر حلال و حرام میں تمیز نہیں کرتے اور عورت مرد کے کپڑوں میں باعتبارِ رنگ و ڈیزائن کے فرق نہیں کرتے ہیں۔ اس لیے حضور نے اس لباس کو من جنسِ ثیاب الکفار قرار دیا تو اس سے واضح ہوا کہ کسی لباس کا محض من ثیاب الکفار ہونا ممانعت کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ وضع میں اختصاصیت و شعاریت باکفار ہونا لباس کے ممنوع قرار دینے کے لیے شرعاً ضروری و لازمی ہے۔ جیسے ان ھذہ من ثیاب الکفار میں شعاریت و اختصاصیت باکفار و مشرکین نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اس ثوبِ معصفر کا مستورات کو پہننا بلاخلاف جائز ہے۔ چنانچہ اسی مضمون کی دوسری حدیث میں ہے۔ جب عبداللہ بن عمر بن العاص نے محسوس کیا کہ حضور نے ثوبِ معصفر کو ناپسند فرمایا ہے تو انھوں نے اس کو جلادیا۔ جب حضور کو معلوم ہوا تو فرمایا۔ افلا کسوۃ بعض اھلک فانہ لاباس بہ النساء (ابوداؤد) تم نے اپنی بی بی کو کیوں نہیں پہنا دیا کہ مستورات کے لیے معصفر کپڑا پہننا جائز ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ لباس شعارِ کفار سے ہوتا تو عورتوں کو بھی اس کا پہننا ناجائز ہوتا کیونکہ جس لباس کی وضع قطع شعارِ کفار ہو تو جیسے مردوں کو اس کا پہننا ممنوع ہے ایسے ہی عورتوں کو بھی اس کا پہننا ناجائز ہے۔ حدیث ابوداؤد سے واضح ہوا کہ مذکورہ بالا کپڑا وضع کفار ہی تھا مگر اس کی وضع میں اختصاصیت و شعاریت باکفار و مشرکین نہ تھی۔ وہ عام لباس کی حیثیت و کیفیت میں تھا۔ اس لیے اس کا پہننا جائز قرار پایا

فقہاءِ اسلام نے شعاری لباس میں بھی قصد و نیت کا لحاظ کیا ہے

(۹) علامہ کردری اور علی قاری نے وجیز اور مرقات میں لکھا ہے۔ اگر کسی مسلمان نے مجوسی سے گائے خریدی اور وہ بغیر مجوسی ٹوپی پہنے دودھ نہیں دیتی کہ وہ اس کے ہاتھ پر ہل چکی تھی تو ایسی صورت میں دودھ حاصل کرنے کے لیے قلنسوۃ المجوس کا پہننا کفر نہیں۔

وفی المسئلۃ القلنسوۃ ان وضعہ علی راسہ لان البقرۃ لا تعطیہ اللبن الا بہ لا یکفر

لہ وقال ابن الملک وانما نھی الرجال عن ذالک لما فیہ من التشبہ بالنساء۔ فقال ان ھذہ۔ اشارۃ الی جنس الثیاب المعصفرۃ من ثیاب الکفار ای الذین لا یمیزون بین الحرام والحلال ولا یفرقون بین النساء والرجال (مرقات ج ۴ ص۴۲۱)

معلوم ہوا کہ شریعت نے خاص شعار کفر میں بھی ضرورت و قصد کا لحاظ کیا ہے۔

و فی الفتاوٰی الصغری من نقلنس بقلنسوۃ المجوس ای لبسھا و تشبہ بھم فیھا او خاط خرقۃ صفراء علی العاتق ای وھو من شعارھم او شد فی الوسط خیطا۔ کفر اذا کان مشابھا بخیطھم او سماہ زنارًا او الا فلا یکفر وفی الخلاصۃ من وضع قلنسوۃ المجوس علی راسہ قال بعضھم یکفر وقال بعض المتاخرین ان کان لضرورۃ البرد اولان البقرۃ لا تعطیہ اللبن حتی یلبسھا لا یکفر ولا کفر (وجیز)

(۱۰) وتعلیق الیا یزۃ اعنی اللوح السلطانی امارۃ ملکیۃ لا تعلق لھا بالدین کان من خشب او فضۃ وکذا لبس قلنسوۃ المغول لانہ علامۃ ملکیۃ لا تعلق لہ بالدین (وجیز صـ ۳۱۳)

لوحِ سلطانی (جو کہ لکڑی یا چاندی کی بنی ہوتی ہے) اس کو لٹکانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس کا تعلق دین سے نہیں ہے۔ (بزازیہ)
اسی طرح مغول کی ٹوپی پہننے میں حرج نہیں ہے کیونکہ اس کا تعلق بھی دین سے نہیں ہے۔

غور کیجیے! لوحِ سلطانی زنار سے مشابہت رکھتی ہے۔ قلنسوۃ المغول مغلوں کی ٹوپی کا من ذی الاعاجم ہونا بالکل واضح ہے۔ لیکن اس کے باوجود دونوں کا استعمال مسلمانوں کو جائز۔ اس وجہ حضرت علامہ کردری علیہ الرحمۃ نے یہ بتائی کہ ان دونوں چیزوں کا دین سے تعلق نہیں ہے اور یہ کہ قلنسوۃ المغول میں صرف ملکی نسبت ہے۔ شعاری نہیں، جس سے یہ واضح ہوا کہ جو لباس یا فعل من زی الاعاجم، یا، من ضیغ الاعاجم ہو تو محض یہ نسبت اس کے ممنوع ہونے کے لیے شرعاً کافی نہیں بلکہ ممنوع اسی صورت میں ہے جب کہ وہ فعل یا لباس شعارِ کفار ہو۔

(۱۱) اعلیحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز احکام شریعت میں لکھتے ہیں "اور دوسرے ملک میں کسی اسلامی قوم کی وضع ہونا کافی نہیں جب کہ اس ملک میں کفار و فساق کی وضع ہو"۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی لباس ایک ملک میں شعارِ کفار ہو اور وہی لباس دوسرے ملک میں شعارِ کفار نہ ہو

معلوم ہوا کہ لباس میں شعاریت و اختصاصیت کا لحاظ اسی ملک میں دیکھا جائیگا۔ جس ملک میں اس لباس کے متعلق حکمِ شرعی معلوم کرنا ہے۔ مثلاً اگر ایک لباس پاکستان میں شعارِ کفار نہ ہو، لیکن یہی لباس

ترکی میں کفار کا شعار ہو تو فقہاءِ کرام بیک وقت اس لباس کو ترکی میں ممنوع اور پاکستان میں جائز قرار دیں گے۔

جو لباس شعارِ کفار ہو، اسمیں تبدیلی کر دی جائے تو پھر وہ شعار نہیں رہتا

اعلیحضرت سے ہندوؤں کی دھوتی کے ساتھ نماز پڑھنے کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے حسب ذیل الفاظ میں جواب دیا۔

"اور دھوتی باندھ کر بھی مکروہ ہے کہ اگر لباسِ ہنود وغیرہ نہ ہو تو کپڑے کا پیچھے گھرسنا ہی نماز کو مکروہ کرنے کے لیے بس ہے۔ لنہیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن کف ثوب او شعر۔ ہاں پیچھے نہ گھرسیں تو وہ دھوتی نہیں تہبند ہے کہ اس میں کچھ کراہت نہیں بلکہ سنّت ہے"

(احکام شریعت حصہ اول ص۳)

غور کیجئے! دھوتی ہندوؤں (کفار و مشرکین) کا شعار ہے لیکن کب جب اسے پیچھے سے گھرسا جائے لیکن اس وضع میں تبدیلی کر دی جائے اور بجائے پیچھے سے گھرسنے کے آگے سے گھرسی جائے تو اب وہ دھوتی وضع کفار و مشرکین نہ رہے گی اور اگر اسی دھوتی کو پیچھے سے نہ گھرسا جائے اور تہبند کی طرح باندھا جائے تو اب اس تبدیلی سے وہ تہبند ہو گئی اور نماز پڑھنا اس میں مستحب و کارِ ثواب ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ جو لباس شعار کفار ہے اگر اس کی وضع قطع ڈیزائن اور پہننے کا انداز تبدیل کر دیا جائے تو پھر وہ لباس شعارِ کفار و مشرکین نہ رہیگا۔

ضروری وضاحت

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ شعارِ کفار اور اس سے متعلقہ چند مسائل کے متعلق ہم نے مجمل و مختصر گفتگو محض نفسِ مسئلہ کے اظہار کے لیے کر دی ہے۔ یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ مسلمان اپنے ملکی و قومی لباس پر مغربی ممالک کی وضع قطع کے ملبوسات کو ترجیح دیں ــــــ یہ بھی ظاہر ہے کہ پاکستان میں غیر مسلم ممالک سے پرانے اور نئے ملبوسات بہرحال آرہے ہیں اور پرانے ملبوسات کی کیفیت تو یہ ہے کہ متوسط طبقے کے مسلمانوں کے لیے ان کا استعمال ناگزیر ہو گیا ہے ــــــ توقع ہے کہ ہماری یہ تحریر اس معاملہ میں آپ کی رہنمائی کرے گی۔

۱۴۴۲ - عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ يَهُوْدِيَّةً اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ مَّسْمُوْمَةٍ فَاَكَلَ مِنْهَا فَجِيْئَ بِهَا فَقِيْلَ اَلَا نَقْتُلُهَا قَالَ

کہ ایک یہودی عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بکری کا زہر آلود گوشت پیش کیا تو آپ نے اس میں سے تناول فرمایا۔ پھر اسے لایا گیا اور کہا گیا کہ اس کو قتل کر دیں۔ راوی کا بیان

لَا نَمَا زِلْتُ اَعْرِفُهَا فِیْ لَهَوَاتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

ہے کہ میں رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تالو میں ہمیشہ اس کا اثر دیکھتا رہا۔ (بخاری)

فوائد و مسائل (۱) اس حدیث کو مسلم نے طب میں اور ابو داؤد نے دیات میں ذکر کیا ہے ۲۔ عنوان سے مناسبت یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے یہودیہ کے ہبہ کو قبول فرمایا ۳۔ اس یہودی عورت کا نام زینب تھا اس کے اسلام لانے میں اختلاف ہے ۴۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے ۵۔ اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر جادو یا زہر کا اثر صرف آپ کے ظاہری جسم اقدس تک محدود رہتا ہے، جیسے بخار آجانا یا سر میں درد ہو جانا، تلوار کا زخم لگ جانا وغیرہ۔ مگر جادو یا زہر آپ کے حواس عقل و فہم اور قلب اقدس اور اعتقاد پر کچھ اثر نہیں کرتا ــــ نبی علیہ السلام کو معلوم تھا کہ گوشت زہر آلود ہے مگر آپ نے کھایا اس لیے کہ اس یہودیہ نے حضور کی نبوت کی صداقت کا یہ معیار قائم کیا تھا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو زہر آپ پر اثر نہیں کرے گا۔ بہرحال حضور کا زہر آلود گوشت تناول فرمالینا اور اس کا اثر نہ کرنا آپ کا معجزہ بھی ہے اور صداقت و حقانیت کی دلیل بھی۔

۲۴۴۲ - ابو عثمان کا بیان ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکر رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے فرمایا کہ ہم ایک سو تیس افراد نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم میں کسی کے پاس کھانا ہے؟ ایک آدمی کے پاس صاع کے لگ بھگ آٹا تھا تو وہ گوندھا گیا۔ پھر ایک مشرک، بکھرے بالوں والا، دراز قد ریوڑ کو ہانکتا ہوا آگیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بکری بیچنے یا عطیہ دینے کے لیے پوچھا یا فرمایا کہ ہبہ۔ اس نے کہا نہیں بلکہ بیچتا ہوں تو اس سے ایک بکری خرید لی۔ پھر اسے بنایا گیا اور نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے کلیجی بھوننے کا حکم دیا۔

فَاَمَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِسَوَادِ الْبَطْنِ اَنْ یُّشْوٰی وَایْمُ اللّٰهِ مَا فِی الثَّلٰثِیْنَ وَالْمِائَةِ اِلَّا قَدْ حَزَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَهٗ حُزَّةً مِّنْ سَوَادِ بَطْنِهَا اِنْ کَانَ شَاهِدًا اَعْطَاهَا اِیَّاهُ وَاِنْ کَانَ غَائِبًا خَبَاَلَهٗ فَجَعَلَ مِنْهَا قَصْعَتَیْنِ فَاَکَلُوْا اَجْمَعُوْنَ فَشَبِعْنَا فَفَضَلَتِ الْقَصْعَتَانِ فَحَمَلْنَاهُ عَلَی الْبَعِیْرِ اَوْ کَمَا قَالَ۔ (بخاری)

خدا کی قسم ایک سو تیس افراد میں سے ایک بھی نہ بچا جس کو نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے کلیجی میں سے حصہ نہ دیا ہو۔ اگر کوئی حاضر تھا تو اسے حصہ دے دیا گیا اور جو موجود نہ تھا اس کے لیے حصہ رکھ دیا پھر اسے دو برتنوں میں ڈال لیا۔ پس تمام لوگوں نے شکم سیر ہو کر کھالیا اور دو برتنوں میں گوشت بچ رہا جو ہم نے اونٹ پر لاد لیا یا جو کچھ فرمایا۔

یہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ ایک کلیجی سے ایک سو تیس آدمیوں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ ایک صاع آٹا اور بکری کے گوشت میں اتنی برکت ہوئی کہ سب نے کھایا۔ حاضرین کو کھلایا۔ جو غائب تھے ان کا حصہ رکھ لیا گیا اس پر بھی گوشت بچ گیا اور اسے اونٹ پر لاد دیا گیا۔ اس نوع کے معجزات حضور سے متعدد بار ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھئے ہماری تصنیف جامع الصفات جو مکتبہ رضوان لاہور سے مل سکتی ہے۔

بَابُ الْهَدِيَّةِ لِلْمُشْرِكِيْنَ

مشرکوں کو ہدیہ دینا

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ

ارشادِ ربانی ہے۔ اللہ تعالےٰ تمہیں ان سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین میں نہ لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہ نکالا کہ ان کے ساتھ احسان کرو اور ان سے انصاف کا برتاؤ برتو

یہ سورہ ممتحنہ کی آیت نمبر ۸ ہے جسے ذکر کر کے امام بخاری علیہ الرحمہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کونسے مشرکین کو ہدیہ دینا جائز ہے اور کونسے مشرکین کو ہدیہ دینا جائز نہیں ہے ــــ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے فرمایا۔ یہ آیت خزاعہ کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے نبی علیہ السلام سے اس شرط پر صلح کی تھی کہ نہ آپ سے جنگ کریں گے اور نہ آپ کے مخالفوں کو مدد دیں گے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے کفار و مشرکین سے سلوک کرنے کی اجازت عطا فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا۔ یہ آیت ان کی والدہ اسماء بنتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ جب کہ ان کی کافرہ والدہ جن کو حضرت ابوبکر نے ظہورِ اسلام سے قبل طلاق دیدی تھی۔ اپنی بیٹی حضرت اسماء کے لیے مدینہ شریف میں تحفے تحائف لے کر آئیں تو حضرتِ اسماء نے ان کے ہدایا قبول نہ کیے اور انہیں اپنے گھر میں آنے کی اجازت نہ دی اور حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا حکم ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ مشرک والدین اور عزیز و اقارب سے تحفے تحائف قبول کرنا اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرنا جائز ہے۔ یعنی مجرد معاملت اور دنیا داری اور خون کے رشتہ کے میل طبعی کی بناء پر سلوک کرنا جائز ہے

۲۴۴۳۔ امام بخاری نے یہاں حدیث ابن عمر دوبارہ کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو ریشمی حُلّہ بطور ہدیہ عطا فرمایا۔ حضرت عمر نے وہ ریشمی حُلّہ اپنے رضاعی کافر بھائی کو بھجوا دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اپنے کافر و مشرک بھائی بہن ماں باپ کو ہدیہ دینا جائز ہے۔ یہ حدیث کتاب الجمعہ

اور باب ھدیۃ مایکرہ لبسھا میں گزر چکی ہے۔ وہاں ہم نے اس حدیث کے مسائل بیان کر دیئے ہیں۔ ضرور دیکھئے حدیث نمبر ۲۴۳

مجرد معاملت ہر کافر سے جائز ہے

واضح ہو کہ مجرد معاملت ہر کافر سے جائز ہے یعنی اگر کسی قسم کا دینی و دنیوی نقصان کا اندیشہ نہ ہو تو دنیا داری کے طور پر کافر و مشرک کو تحفہ وغیرہ دینا جائز ہے

۔ چنانچہ سیدنا امام محمد علیہ الرحمہ کتاب الآثار میں لکھتے ہیں ۔
مشرک مقاتل کو ہدیہ بھیجنے میں حرج نہیں جب تک ہتھیار یا زرہ نہ ہو (یعنی ایسی کوئی چیز نہ ہو جس سے مسلمانوں کو دینی یا دنیوی نقصان ہو۔) سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ اور ہمارے عام فقہاء کا یہی قول ہے کیونکہ یہ مجرد معاملت ہے (موالات نہیں ہے) اور مجرد معاملت ہر کافر و مشرک سے جائز ہے جب کہ اس میں اعانتِ کفر و معصیت نہ ہو اور نہ نقصانِ اسلام و شریعت ۔

کافر والدین سے بہر حال نیک سلوک کرنا واجب ہے

قرآنِ مجید میں ارشادِ باری ہے۔

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِىْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا (لقمٰن)	اور اگر وہ دونوں تجھ سے کوشش کریں کہ میرا شریک ٹھہرائے ایسی چیز کو جس کا تجھے علم نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا میں اچھی طرح ان کا ساتھ دے۔

اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر والدین کفر و شرک کا حکم کریں تو ان کی اطاعت نہ کی جائے کیونکہ خالق کی نافرمانی کرنے میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے البتہ کافر و مشرک والدین کے ساتھ حسنِ اخلاق حسنِ سلوک احسان و تحمل کے ساتھ پیش آنا لازم ہے۔ امام نخعی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جائز بات میں کافر و مشرک والدین کی اطاعت بھی واجب ہے۔

واضح ہو ماں باپ اولاد بھائی بہن سے طبعی اور قدرتی لگاؤ ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ کافر و مشرک ہی کیوں نہ ہوں۔ چونکہ یہ انسان کے اختیار کی بات نہیں ہے۔ اس لیے اس پر مواخذہ نہیں ہوگا اور اس میلِ طبعی کی بنا پر انہیں ہدیہ وغیرہ دینا اور نیک سلوک کرنا جائز ہے۔

غزوہ بدر میں دوسرے قیدیوں کے ساتھ حضرت عباس بھی (جو اس وقت مسلمان نہ ہوتے تھے) قیدیوں میں شامل تھے۔ حضرت عباس کی کراہ سن کر رات کو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم آرام نہ فرما سکے۔ صحابہ نے جب حضور کی یہ کیفیت دیکھی تو حضرت عباس رضی اللہ تعالٰے عنہ ———

کی گرہ کھول دی تب جا کر نبی علیہ السلام کو سکون ہوا۔ حضرت عباس کے ساتھ حضور کا یہ محبت آمیز رویہ خون کے رشتہ کا تقاضا تھا۔

موالات ہر کافر سے حرام ہے

واضح ہو موالات محبت و دوستی ہر کافر و مشرک سے حرام ہے اگرچہ ذمی مطیع اسلام ہو۔ حتیٰ کہ اپنا باپ بیٹا بیوی بہن یا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔ ارشاد باری ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ (مجادلہ ۲۲)

تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں۔

مطلب آیت یہ ہے کہ مومنین کی یہ شان ہی نہیں ہے۔ ان سے ہو ہی نہیں سکتا کہ خدا و رسول کے دشمنوں، اللہ و رسول کی شان میں گستاخی و بے ادبی کرنے والوں سے مودت و محبت اور دوستی رکھیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم کا کردار اور ان کی سیرت اس آیہ مبارکہ کی سچی تصویر تھی۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ بن جراح نے جنگ اُحد میں اپنے باپ جراح کو قتل کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے روز بدر اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو مبارزت کے لیے طلب کیا لیکن رسول کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے انہیں اس جنگ کی اجازت نہ دی اور مصعب بن عمیر نے اپنے بھائی عبداللہ بن عمیر کو قتل کیا اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو روز بدر قتل کیا اور حضرت علی بن ابی طالب و حمزہ و ابو عبیدہ نے ربیعہ کے بیٹوں عتبہ اور شیبہ کو اور ولید بن عتبہ کو بدر میں قتل کیا جو ان کے رشتہ دار تھے۔

۲۴۴۴۔ عَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ اَبِىْ بَكْرٍ قَالَتْ قَدِمَتْ عَلَىَّ اُمِّىْ وَهِىَ مُشْرِكَةٌ فِىْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَفْتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ وَهِىَ رَاغِبَةٌ اَفَاَصِلُ اُمِّىْ قَالَ نَعَمْ صِلِىْ اُمَّكِ (بخاری)

عروہ کا بیان ہے کہ حضرت اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں میری والدہ میرے پاس آئی جب کہ وہ مشرکہ تھی۔ پس میں نے رسول اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے فتویٰ پوچھا اور عرض کر دیا کہ وہ اسلام کی طرف راغب ہیں تو کیا میں اپنی والدہ سے صلہ رحمی کروں؟ فرمایا کہ ہاں اپنی والدہ سے صلہ رحمی کرو۔

فوائد و مسائل ۱۔ اس حدیث کو امام بخاری نے جزء ہبہ، ادب میں اور امام مسلم و ابو داؤد نے زکوٰۃ میں ذکر کیا ہے ۲۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ کافر ماں باپ سے صلہ رحمی کرنا جائز ہے بلکہ بعض علماء نے اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ والدین اگر کافر ہوں **کافر ماں باپ سے صلہ رحمی کرنا جائز ہے** اور محتاج ہوں تو ان کا نان نفقہ مسلمان بیٹے پر واجب ہے۔ (عینی جلد ۱۳ ص ۱۴۲)

بَابُ لَا یَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ یَّرْجِعَ فِیْ هِبَتِهٖ وَصَدَقَتِهٖ

باب ہبہ کی گئی چیز کو واپس لینا حلال نہیں ہے

واضح ہو کہ سیدنا امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس عنوان کے ماتحت جو تین عدد حدیثیں درج کی ہیں۔ ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہبہ کی گئی چیز کو واپس لینا حلال نہیں ہے۔ اوّل اس لیے کہ امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ باپ نے اگر بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کی ہے تو اسے واپس لینا جائز ہے۔ لہٰذا امام بخاری کا مطلقاً ہبہ کی گئی چیز کو واپس لینے کے متعلق لا یحل فرمانا کیونکر درست قرار پائے گا؟ کیونکہ عنوان میں عموم ہے اس لیے بھی کہ نکرہ جب سیاق نفی میں ہو تو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ دوم اگر یہ کہا جائے کہ لا یحل زیر عنوان حدیث کی بنیاد پر ہے تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ زیر عنوان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ ہبہ کر کے واپس لینا مروّت کے خلاف ہے شرعاً ممنوع نہیں ہے جیسا کہ ابن ماجہ، دارقطنی، ابن ابی شیبہ، طبرانی کی حدیثوں سے واضح ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ اَلرَّجُلُ اَحَقُّ بِهِبَتِهٖ مَا لَمْ یُثَبْ مِنْهَا اور ابن عباس سے مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں مَنْ وَهَبَ هِبَةً فَهُوَ اَحَقُّ بِهِبَتِهٖ مَا لَمْ یُثَبْ مِنْهَا۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ حدیثیں قوت میں امام بخاری کی روایت کردہ حدیثوں کے مساوی نہیں ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ حاکم نے مستدرک میں حضرت عمر سے جو روایت کی ہے وہ صحیح مرفوع حدیث ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور حاکم نے فرمایا ہے کہ ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے احکام میں یہی فرمایا ہے حتیٰ کہ ابن حزم نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے — بہر حال یہ واضح ہے کہ امام بخاری علیہ الرحمہ کا مطلقاً ہبہ میں رجوع کرنے کو لا یحل کہنا درست دکھائی نہیں دیتا۔ مزید تفصیل کے لیے فیوض پارہ دہم صفحہ ۱۱۰ سے ۱۱۴ تک ضرور مطالعہ فرمالیجیے۔

۲۴۴۵ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ | حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت

النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْعَائِدُ فِیْ هِبَتِهٖ کَالْعَائِدِ فِیْ قَیْئِهٖ (بخاری)

ہے کہ نبی کریم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی ہبہ کی ہوئی چیز کو واپس لینے والا اپنی قے کو کھانے والے کی طرح ہے۔

۲۴۴۶- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْسَ لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ الَّذِیْ یَعُوْدُ فِیْ هِبَتِهٖ کَالْکَلْبِ یَرْجِعُ فِیْ قَیْئِهٖ (بخاری)

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بُری مثال ہمارے لیے نہیں ہے کہ جو اپنی ہبہ کی ہوئی چیز کو واپس لوٹائے وہ کتّے کی طرح ہے جو اپنی قے کو کھا لیتا ہے۔

۲۴۴۷- عَنْ زَیْدِ ابْنِ اَسْلَمَ عَنْ اَبِیْهِ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ یَقُوْلُ حَمَلْتُ عَلٰی فَرَسٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَاَضَاعَهُ الَّذِیْ کَانَ عِنْدَهٗ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَشْتَرِیَهٗ مِنْهُ وَظَنَنْتُ اَنَّهٗ بَائِعُهٗ بِرُخْصٍ فَسَاَلْتُ عَنْ ذٰلِکَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تَشْتَرِهٖ وَاِنْ اَعْطَاکَهٗ بِدِرْهَمٍ وَّاحِدٍ فَاِنَّ الْعَائِدَ فِیْ صَدَقَتِهٖ کَالْکَلْبِ یَعُوْدُ فِیْ قَیْئِهٖ (بخاری)

زید بن اسلم کے والد ماجد نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰے عنہ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ میں نے ایک آدمی کو راہِ خدا میں جہاد کرنے کے لیے گھوڑا دیا تو جس کے وہ پاس تھا اس نے اسے خراب کر دیا تو پس میں نے ارادہ کیا کہ اس سے خرید لوں اور مجھے خیال تھا کہ وہ سستا بیچنے والا ہے۔ پس میں نے اس بارے میں نبی کریم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم سے دریافت کیا تو فرمایا کہ اسے نہ خرید خواہ وہ تمہیں ایک ہی درہم میں دے کیونکہ اپنے صدقے کو واپس لوٹانے والا اس کُتّے کی طرح ہے جو اپنی کی ہوئی قے کو چاٹ جائے۔

ان احادیث سے اگرچہ امام بخاری علیہ الرحمہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ ہبہ کی ہوئی چیز کو واپس لینا حرام ہے ـــــ لیکن یہ استدلال دُرست نہیں ہے جیسا کہ اوپر ہم نے بیان کیا۔ نیز یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ حدیث میں ہبہ سے رجوع کرنے کو کتے کا اپنی کی ہوئی قے کو واپس لوٹانے سے تشبیہ دی گئی ہے تو قے کو لوٹانے والا کتا ہے آدمی نہیں اور کتا حرام و حلال کا مکلّف نہیں ہے لہٰذا واہب کا رجوع کرنا حرام ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے مذکورہ بالا مضمون کی احادیث کراہتِ تنزیہی پر محمول ہونگی۔ جمہور کا یہی موقف ہے۔

۲۴۴۸- اَنَّ ابْنَ جُرَیْجٍ اَخْبَرَهُمْ قَالَ

ابن جریج نے عبداللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ سے

اَخْبَرَنِیْ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عُبَیْدِ اللّٰہِ بْنِ اَبِیْ مُلَیْکَۃَ اَنَّ بَنِیْ صُھَیْبٍ مَوْلٰی بْنِ جُدْعَانَ ادَّعَوْا بَیْتَیْنِ وَحُجْرَۃً اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَعْطٰی ذٰلِکَ صُھَیْبًا فَقَالَ مَرْوَانُ مَنْ یَّشْھَدُ لَکُمَا عَلٰی ذٰلِکَ قَالُوا ابْنُ عُمَرَ فَدَعَاہُ فَشَھِدَ لَاَعْطٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صُھَیْبًا بَیْتَیْنِ وَحُجْرَۃً فَقَضٰی مَرْوَانُ بِشَھَادَتِہٖ لَھُمْ

روایت کی ہے کہ بنی صہیب مولیٰ ابن جدعان نے دو گھروں اور ایک حجرے کا دعوےٰ کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے یہ صہیب کو عطا فرمائے تھے پس مروان نے کہا کہ تمہارے اس دعوے کی گواہی کون دیتا ہے ۔ انہوں نے کہا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما ۔ پس انہیں بلایا گیا تو انہوں نے شہادت دی کہ یقیناً رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے صہیب کو دو مکان اور ایک حجرہ عطا فرمایا تھا ۔ پس مروان نے ان کی شہادت پر ان لوگوں کے حق میں فیصلہ دیدیا ۔

۱ ۔ امام بخاری نے کتاب الہبہ میں اس حدیث کو درج کرکے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر ہبہ کے متعلق کوئی نزاع پیدا ہو جائے تو اس کا تصفیہ دیگر دعاوی کی طرح ہوگا ۔ یعنی جیسے دیگر دعاوی کے تصفیہ کے لیے حاکم شہادت ۔ قسم وغیرہ کا ہونا ضروری ہے ۔ ایسے ہی ہبہ کے معاملات کو طے کیا جائیگا یعنی مدعی گواہ پیش کرے یا مدعی علیہ قسم کھائے ۲ ۔ مروان نے صرف عبداللہ بن عمر کی تنہا گواہی پر فیصلہ کر دیا ۔ قسم کا حدیث میں ذکر نہیں ہے ۔ بہرحال کچھ لوگ یہ رائے رکھتے ہیں ۔ دو گواہ یا صرف ایک گواہ اور اس کی قسم پر فیصلہ کر سکتے ہیں لیکن احناف اس استدلال کے متعدد جواب دیتے ہیں جن میں ایک گواہ اور اس کی قسم (پر فیصلہ کر دینے) والی حدیث منسوخ ہے ۔ نیز نص قطعی کے خلاف ہونے کے علاوہ مشہور حدیث کے بھی خلاف ہے مسئلہ کی مکمل بحث آیندہ اوراق میں ہوگی انشاءاللہ ۔

بَاب مَا قِیْلَ فِی الْعُمْرٰی وَالرُّقْبٰی

باب عمریٰ اور رقبیٰ کے بارے میں اقوال

اَعْمَرْتُہُ الدَّارَ فَھِیَ عُمْرٰی جَعَلْتُھَا لَہٗ وَاسْتَعْمَرَکُمْ فِیْھَا جَعَلَکُمْ عُمَّارًا

میں نے تم کو مکان عمر بھر کے لیے دیا ۔ یہ عمریٰ ہے کہ میں نے اسے اس کے لیے کر دیا اور اِسْتَعْمَرَکُمْ فِیْھَا یعنی تمہیں زمین میں آباد کیا ۔

۲۴۴۹ - عَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَضَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ابو سلمہ کا بیان ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے عمریٰ کے

بِالْعُمْرٰى اَنَّهَا لِمَنْ وُّهِبَتْ لَهٗ (بخاری)

بارے میں فیصلہ فرمایا کہ یہ اسی کا ہے جس کو ہبہ کیا گیا ہے۔

۲۴۵۰ - عَنْ بَشِيْرِ بْنِ نَهِيْكٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعُمْرٰى جَائِزَةٌ وَّقَالَ عَطَاءٌ حَدَّثَنِيْ جَابِرٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهٗ (بخاری)

بشیر بن نہیک نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمریٰ جائز ہے۔ عطا نے کہا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت کی ہے۔

فوائد و مسائل ۱۔ عمریٰ جائز ہے اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ مثلاً مکان عمر بھر کے لیے کسی کو دے دیا۔ ہدایہ میں ہے کہ جس کو عمر بھر کے لیے مکان دیدیا اور اس نے اس پر قبضہ کر لیا تو اب یہ مکان عمر بھر کے لیے (معمرلہٗ) کا ہوگیا۔ جب تک وہ زندہ ہے وہ مکان اس کا ہے۔ اس کے یعنی معمرلہٗ کے مرجانے کے بعد اس کے ورثار لینگے۔ دینے والا واپس لے سکتا ہے اور نہ اس کے ورثار۔ امیرالمومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر اور قاضی شریح مجاہد، طاؤس، ثوری رضی اللہ تعالےٰ عنہم کا یہی مذہب ہے اور رقبیٰ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ و محمد و مالک کے نزدیک باطل ہے اور امام ابویوسف اور امام شافعی و امام احمد رقبیٰ کو جائز قرار دیتے ہیں۔ رقبیٰ کی صورت یہ ہے کہ کسی کو مکان اس شرط پر دے کہ اگر میں تجھ سے پہلے مرجاؤں تو تو اس کا مالک ہے اور اگر تو مجھ سے پہلے مرجائے یہ میرا ہوگا ——— اس کو رقبیٰ اسی لیے کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی موت کا خواہاں رہتا ہے۔

بَاب مَنِ اسْتَعَارَ مِنَ النَّاسِ الْفَرَسَ

باب جس نے لوگوں سے گھوڑا مستعار لیا

۲۴۵۱ - عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسًا يَقُوْلُ كَانَ فَزَعٌ بِالْمَدِيْنَةِ فَاسْتَعَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسًا مِّنْ اَبِيْ طَلْحَةَ يُقَالُ لَهٗ مَنْدُوْبٌ فَرَكِبَ فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ مَا رَاَيْنَا مِنْ شَيْءٍ وَّاِنْ وَّجَدْنَاهُ لَبَحْرًا (بخاری)

قتادہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت انس کو فرماتے ہوئے سنا کہ مدینہ منورہ میں حملے کا خطرہ محسوس ہوا تو نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ سے گھوڑا مستعار لیا جس کو مندوب کہتے تھے اور سوار ہوگئے جب آپ واپس لوٹے تو فرمایا کہ ہم نے تو ذرا بھی خوف کی بات نہیں پائی

اور نہ پایا ہم نے اس گھوڑے کو مگر دریا۔

۱۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ اب عاریت کے مسائل و احکام بیان فرماتے ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے چند احادیث ذکر کی ہیں جن سے عاریت کا مشروع ہونا ثابت ہوتا ہے ۲۔ مندوب حضرت ابو طلحہ کے گھوڑے کا نام ہے ۳۔ مدینہ منورہ میں ایک بار یہ افواہ پھیل گئی کہ دشمن حملہ کرنا چاہتا ہے۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ سے ان کا گھوڑا عاریتاً لے لیا، سوار ہوئے مدینہ کے ارد گرد گھوم کر واپس آئے اور فرمایا کوئی خطرہ کی بات دکھائی نہیں دی اور گھوڑے کو تو ہم نے دریا پایا ۴۔ علامہ خطابی نے فرمایا ان وجدناہ لبحراً میں ان نافیہ ہے لبحراً میں لام بمعنی اِلّا ہے۔ ای ما وجدناہ اِلّا لبحراً

حضور کے گھوڑوں کے نام

علامہ بدر محمود عینی شارح بخاری علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ نبی علیہ السلام کے چودہ گھوڑے اور دس تلواریں تھیں البتہ سات عدد پر سب کا اتفاق ہے اسکب یہ گھوڑا نبی علیہ السلام نے بنی فزارہ کے ایک اعرابی سے خریدا تھا۔ یہ کمیت تھا۔ یہ سب سے پہلا گھوڑا ہے جو حضور کی ملک میں آیا اور حضور نے سب سے پہلے اسی گھوڑے پر سوار ہو کر جہاد کیا ۲۔ مرتجز یہ آپ نے بنی مرہ کے اعرابی سے خریدا تھا یہ سفید رنگ کا تھا ۳۔ لزاز بادشاہ مقوقس نے آپ کو بطور ہدیہ دیا تھا ۴۔ لحیف ربیعہ بن ابی البراء نے ہدیہ دیا تھا ۵۔ ظرب قیصر روم کی طرف سے بلقار کے گورنر فروہ بن عمرو نے آپ کو ہدیہ کیا ۶۔ ورد تمیم داری نے آپ کو بطور ہدیہ دیا۔ حضور علیہ السلام نے یہ گھوڑا حضرت فاروق اعظم کو عطا فرما دیا تھا۔ انہوں نے اس پر سوار ہو کر جہاد کیا اور حضرت عمر نے اس گھوڑے کو فروخت کرنا چاہا تو آپ نے بیچنے سے منع فرمایا —— ۷۔ سجہ کسی شاعر نے اس شعر میں ان گھوڑوں کو جمع کیا ہے ؎

والخیل سکب، لحیف، سجۃ، ظَرِبُ
لزاز، مرتجز، وردٌ، لہا اسرار

مزید تفصیل کے لیے حضرت امام نیشا پوری کی تصنیف شرف المصطفےٰ کا مطالعہ کیجیے۔

عاریت کی تعریف اور اس کے احکام

۱۔ دوسرے شخص کی چیز کی منفعت کا بغیر عوض مالک کر دینا عاریت ہے جس کی چیز ہے اُسے معیر کہتے ہیں اور جس کو دی گئی ہے مستعیر ہے اور چیز کو مستعار کہتے ہیں ۲۔ عاریت کے لیے ایجاب و قبول ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی فعل ایسا کیا جس سے قبول معلوم ہوتا ہو تو یہ فعل ہی قبول ہے مثلاً کسی سے

کوئی چیز مانگی اس نے لاکر دیدی اور کچھ نہ کہا۔ عاریت ہوگئی اور اگر وہ شخص خاموش رہا کچھ نہیں بولا تو عاریت نہیں (بحرالرائق) ۳۔ عاریت کے بعض الفاظ یہ ہیں۔ میں نے یہ چیز عاریت دی۔ میں نے یہ زمین تمہیں کھانے کو دی۔ یہ کپڑا پہننے کو دیا۔ یہ جانور سواری کو دیا۔ یہ مکان تمہیں رہنے کو دیا۔ یا عمر بھر کے لیے یہ جانور تمہیں دیتا ہوں اس سے کام لینا اور کھانے کو دینا۔ ۴۔ عاریت کا حکم یہ ہے کہ چیز مستعیر کے پاس امانت ہوتی ہے۔ اگر مستعیر نے تعدی نہیں کی ہے اور چیز ہلاک ہوگئی تو ضمان واجب نہیں ہے اور اس کے لیے شرط یہ ہے کہ شئے مستعار انتفاع کے قابل ہو اور عوض لینے کی اس میں شرط نہ ہو اگر معاوضہ شرط ہو تو اجارہ ہو جائیگا۔ ۵۔ عاریت ہلاک ہوگئی۔ اگر مستعیر نے تعدی نہیں کی ہے یعنی اس سے اسی طرح کا کام لیا ہے جو کام کا طریقہ ہے اور چیز کی حفاظت کی اور اس پر جو کچھ خرچ کرنا مناسب تھا خرچ کیا تو ہلاک ہونے پر تاوان نہیں ۶۔ اگر عاریت دیتے وقت یہ شرط کر لی ہو کہ ہلاک ہونے کی صورت میں تاوان دینا ہوگا تو ایسی شرط لگانا باطل ہے۔ لہذا اگر بغیر تعدی کے شئ مستعار ہلاک ہوگئی تو تاوان کی شرط لگانے کے باوجود تاوان واجب نہ ہوگا۔ خلاصۃ الفتاوی میں منتقی سے منقول ہے۔ فان ضاع فانانہ ضامن لایضمن ۷۔ واضح ہو کہ اگر شئ مستعار۔ بغیر تعدی کے مستعیر کے پاس ہلاک ہوگئی تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے۔ بغیر تعدی کا مطلب یہ ہے وہ شئ جس نوعیت و کیفیت کی ہے مثلاً کپڑا، سائیکل ۔۸۔ موٹر گھوڑا گائے بھینس بکری وغیرہ کی مستعیر نے اسی طرح حفاظت اور دیکھ بھال کی جسے اپنی ذاتی چیز کی کرتا ہے تو اگر اس کے باوجود پھر بھی شئے مستعار ہلاک ہوگئی تو اب تاوان نہیں دینا ہوگا ۹۔ احناف کا موقف یہ ہے کہ عاریت امانت کی طرح ہے تو اگر امانت بغیر تعدی کے ضائع ہو جائے تو ضمان نہیں اسی طرح عاریت میں بھی ضمان نہیں ہے۔

چنانچہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لیس علی المستودع غیر المغل ولا علی المستعیر غیر مغل ضمان (دارقطنی۔ بیہقی) نیز حضور نے فرمایا۔ من اودع ودیعۃ فلا ضمان علیہ (ابن ماجہ) اگر یہ کہا جائے کہ امام دارقطنی نے عمرو بن الجبار و عبیدہ کو ضعیف کہا ہے اور کہ انہوں نے قاضی شریح کا قول نقل کیا ہے لہذا یہ حدیث مرفوع نہیں ہے موقوف ہے جواب یہ ہے کہ جرح مجرد و مبہم کا اس وقت تک اعتبار نہیں کیا جاتا جب تک سبب جرح نہ بیان کر دی جائے جنہوں نے جرح کی ہے انہوں نے جرح کے اسباب بیان نہیں کئے اور روایت موقوف روایت مرفوع کے معارض نہیں ہوتی اور عبیدہ راوی سے امام بخاری نے تاریخ میں حدیث روایت کی ہے مگر امام بخاری جیسی عظیم شخصیت نے ان پر کوئی جرح نہیں۔

حضرت عمر نے فرمایا۔ العاریۃ بمنزلۃ الودیعۃ۔ لاضمان فیھا الا ان یتعدی رواہ امام عبد الرزاق فی مصنفہ اور حضرت علی نے فرمایا۔ العاریہ لیست بیعا ولا مضمونہ انما ھو معروف الا ان یخالف فیضمن اخرج ابن ابی شیبۃ۔ بہرحال احناف کا موقف یہ ہے کہ عاریت میں بغیر تعدی کے ضمان نہیں۔ سیدنا علی، ابن مسعود، حسن نخعی، شعبی، ثوری، عمر بن عبد العزیز قاضی شریح اوزاعی۔ ابن شبرمہ اور ابراہیم کا بھی یہی موقف ہے اور قاضی شریح نے کوفہ میں تقریباً اسی سال اپنی عدالت میں یہ فیصلہ کیا کہ اگر شے مستعار بغیر تعدی کے ضائع ہوجائے تو مستعیر پر کوئی تاوان نہیں ہوگا۔ البتہ مستعیر پر واجب ہے کہ حسب قرارداد شے مستعار سے کام نکال کر مالک کو واپس کردے۔ ۹۔ سیدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ مستعیر خواہ تعدی کرے یا نہ کرے جب شے مستعار مستعیر کے پاس ہلاک ہوجائے تو مستعیر کو تاوان دینا ہوگا۔

سیدنا امام شافعی حدیث ابی امامہ سے استدلال فرماتے ہیں جسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ ترمذی نے حسن اور ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے۔ الفاظ حدیث یہ ہیں۔ العاریۃ مؤداۃ والزعیم غارم۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں تضمین پر کوئی دلالت نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں امانت کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔ ان تؤدوا الامانات فاذا تلفت الامانۃ لم یلزمہ ردھا اور حدیث صفوان بن امیہ بہمہ وجوہ سند اور متن کے اعتبار سے مضطرب ہے۔ اسی لیے امام ابوشکور سلمی علیہ الرحمہ نے تمہید میں فرمایا۔ الاضطراب فیہ کثیر۔ لہذا اس مضطرب حدیث سے عاریت کی تضمین ثابت نہیں ہوتی۔

بَابُ الْاِسْتِعَارَةِ لِلْعُرُوْسِ عِنْدَ الْبِنَاءِ

باب دلہن کے لیے زفاف کے موقع پر کوئی چیز مستعار لینا

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ اَيْمَنَ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ وَعَلَيْهَا دِرْعُ قِطْرٍ ثَمَنُ خَمْسَةِ دَرَاهِمَ فَقَالَتِ ارْفَعْ بَصَرَكَ اِلٰى جَارِيَتِيْ اُنْظُرْ اِلَيْهَا فَاِنَّهَا تُزْهٰى اَنْ تَلْبَسَهُ فِي الْبَيْتِ وَقَدْ كَانَ لِيْ مِنْهُنَّ دِرْعٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ

عبد الواحد ابن ایمن نے اپنے والد ماجد سے روایت کی ہے کہ وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے جب کہ انہوں نے قطر کا کرتہ پہنا ہوا تھا جس کی قیمت پانچ درہم تھی انہوں نے فرمایا کہ میری اس لونڈی کو دیکھو کہ یہ مجھے گھر میں ایسا کرتہ پہننے سے منع کرتی ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا كَانَتِ امْرَأَةٌ تُقَيَّنُ بِالْمَدِينَةِ إِلَّا أَرْسَلَتْ إِلَيَّ تَسْتَعِيرُهُ (بخاری)

علیہ وسلم کے عہد مبارک میں میرے پاس ان میں سے کرتا ہوتا تھا۔ جب مدینہ منورہ میں کسی عورت کو دلہن بنانا ہوتا تو مجھ سے وہ قمیص عاریتہً حاصل کر لیتے۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ قمیص یا اور کوئی چیز ضرورت کے وقت بطور عاریت لینا دینا جائز ہے اور یہ کہ شئے مستعار سے فائدہ اٹھا کر اس کے مالک کو واپس کر دینا واجب ہے۔

باب فَضْلِ الْمَنِيحَةِ

باب دودھ دینے والے جانور کی فضیلت

۲۴۵۳۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نِعْمَ الْمَنِيحَةُ اللِّقْحَةُ الصَّفِيُّ مِنْحَةً وَّالشَّاةُ الصَّفِيُّ تَغْدُو بِإِنَاءٍ وَّ تَرُوحُ بِإِنَاءٍ

اعرج نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیسا اچھا عطیہ ہے دودھ دینے والی صاف اونٹنی اور دودھ دینے والی صاف بکری جو صبح کو برتن بھر دیں اور شام کو بھی برتن بھر دیں۔

۲۴۵۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ وَإِسْمٰعِيلُ عَنْ مَالِكٍ قَالَ نِعْمَ الصَّدَقَةُ

عبد اللہ بن یوسف اور اسماعیل نے مالک سے روایت کیا۔

۱۔ مَنِيحَہ، عطیہ کے وزن پر اس اونٹنی یا بکری کو کہتے ہیں جس کا دودھ عاریتاً دیا جائے۔ پھر جانور مالک کو واپس کر دیا جائے۔ علامہ ابن اثیر نے فرمایا۔ منیحہ یہ ہے کہ اونٹنی یا بکری کسی کو عاریتاً دیدی جاتے۔

۲۔ عنوان منیحہ کی فضیلت کے بیان میں ہے مگر حضور علیہ السلام نے منیحہ کی فضیلت نہیں بیان فرمائی۔ صرف عمل کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ لِقْحَہ بمعنی ملقوحۃ۔ یعنی دودھ والی اونٹنی۔ الصفی یہ دوسری صفت ہے یعنی زیادہ دودھ دینے والی اونٹنی الشاۃ الصفی صفت موصوف اس کا ماقبل پر عطف ہے۔ واضح ہو کہ منحہ، صدقہ، ھبہ، ھدیہ میں باعتبارِ لغت کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ عطیہ کے معنی سب میں موجود ہیں لیکن ان میں استعمال کے وقت فرق ہوگا۔ اگر غنی کو صدقہ دیا جائے تو ھبہ ہے اور اگر فقیر کو دیا جائے تو صدقہ ہے۔ علامہ

ابن بطال علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ منیحہ کسی چیز کو کسی چیز کے منافع کا مالک بنا دیتا ہے نہ کہ اصل چیز کا۔ لہٰذا عاریتاً لی گئی چیز سے فائدہ اٹھانے کے بعد اس کے مالک کو واپس کر دینا واجب ہے جیسے نبی علیہ السلام نے حضرت انس کی والدہ کو اور مہاجرین نے انصار کو واپس کر دیئے تھے۔

۲۴۵۵۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُوْنَ الْمَدِيْنَةَ مِنْ مَّكَّةَ وَلَيْسَ بِاَيْدِيْهِمْ يَعْنِيْ شَيْئًا وَّكَانَتِ الْاَنْصَارُ اَهْلَ الْاَرْضِ وَالْعَقَارِ فَقَاسَمَهُمُ الْاَنْصَارُ عَلٰى اَنْ يُّعْطُوْهُمْ ثِمَارَ اَمْوَالِهِمْ كُلَّ عَامٍ وَّيَكْفُوْهُمُ الْعَمَلَ وَالْمُؤْنَةَ وَكَانَتْ اُمُّهُ اُمُّ اَنَسٍ اُمُّ سُلَيْمٍ كَانَتْ اُمَّ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِيْ طَلْحَةَ فَكَانَتْ اَعْطَتْ اُمُّ اَنَسٍ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِذَاقًا فَاَعْطَاهُنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمَّ اَيْمَنَ مَوْلَاتَهُ اُمَّ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ اَخْبَرَنِيْ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا فَرَغَ مِنْ قَتْلِ اَهْلِ خَيْبَرَ فَانْصَرَفَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ رَدَّ الْمُهَاجِرُوْنَ اِلَى الْاَنْصَارِ مَنَائِحَهُمُ الَّتِيْ كَانُوْا مَنَحُوْهُمْ مِّنْ ثِمَارِهِمْ فَرَدَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اُمِّهٖ عِذَاقَهَا وَاَعْطٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمَّ اَيْمَنَ مَكَانَهُنَّ مِنْ حَائِطِهٖ وَقَالَ اَحْمَدُ بْنُ شَبِيْبٍ اَخْبَرَنَا اَبِيْ عَنْ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ جب مہاجرین مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ میں آئے تو ان کے پاس کوئی چیز نہ تھی اور انصار صاحب زمین و جائداد تھے تو انصار نے مہاجرین کو زمین اس شرط پر دیدی کہ وہ ہر سال ان کے پھل اور پیداوار دیا کریں گے اور مہاجرین محنت کیا کریں گے۔ حضرت انس کی والدہ ام سلیم جو عبداللہ بن ابوطلحہ کی والدہ بھی ہیں اور حضرت انس کی والدہ نے رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمت میں کھجور کے کے چند درخت پیش کر رکھے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے وہ درخت اپنی آزاد کردہ لونڈی حضرت اسامہ بن زید کی والدہ ام ایمن کو عطا فرما دیئے تھے۔ ابن شہاب نے کہا کہ مجھے حضرت انس بن مالک نے بتایا کہ نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم جب جنگ خیبر سے فارغ ہوئے اور مدینہ منورہ پہنچے تو مہاجرین نے انصار کو ان کی جائیدادیں واپس کر دیں جو انہیں کاشتکاری کے لیے انہوں نے دی تھیں چنانچہ حضرت انس کی والدہ کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درخت واپس کر دیئے اور ام ایمن کو اپنے پاس سے نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اپنے باغ سے چند درخت عطا فرما دیئے

يُوْنُسَ بِهٰذَا وَقَالَ مَكَانَهُنَّ مِنْ خَالِصِهٖ

(بخاری)

تاکہ وہ اس کا دودھ استعمال کرے یا اس کی اون وغیرہ کو ایک عرصہ تک کام میں لائے۔ پھر مالک کو واپس کردے۔

فوائد و مسائل

علامہ عینی فرماتے ہیں زیر عنوان حدیث حضرت ابوہریرہ کی روایت کردہ حدیث کے مغائر معلوم ہوتی ہے جو کتاب المزارعت میں گزرچکی ہے۔ جواب یہ ہے کہ مغائرت نہیں ہے کیونکہ حدیث ابوہریرہ کا خلاصہ یہ ہے کہ انصار کی گزارش یہ تھی کہ کھجور کے درخت مہاجرین میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ حضور نے درختوں کی تقسیم سے انکار فرمادیا اور اس حدیث میں پھلوں کی تقسیم مراد ہے یعنی مہاجر کھجوروں کے درختوں کی دیکھ بھال کریں اور جو پھل پیدا ہو وہ انصار و مہاجرین تقسیم کرلیں۔ دیکھیے حدیث نمبر ۲۱۷۵

حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا عبد نامی حبشی غلام کی حبشی نژاد بیوی تھیں۔ ان سے ایمن پیدا ہوئے۔ اس لیے ان کو ام ایمن کہا جاتا ہے انہوں نے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں حصہ لیا ہے۔ نبی علیہ السلام نے انہیں آزاد کرکے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ سے ان کا نکاح کر دیا تھا اور ان سے حضرت اسامہ پیدا ہوئے۔ (اس لحاظ سے اسامہ اور ایمن اخیافی بھائی ہوئے۔ حضرت ایمن نے غزوہ حنین میں شہادت پائی) حضرت اسامہ کالے رنگ کے تھے مگر حضور ان پر بہت کرم فرماتے تھے۔ حضرت اسامہ نے ۵۸ھ میں حضرت امیر معاویہ کے عہد میں وفات پائی۔ حضرت ام ایمن نے نبی علیہ السلام کے وصال سے پانچ ماہ بعد انتقال فرمایا۔ رضی اللہ عنہم

۲۴۵۶ - عَنْ اَبِيْ كَبْشَةَ السَّلُوْلِيِّ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو يَّقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعُوْنَ خَصْلَةً اَعْلَاهُنَّ مَنِيْحَةُ الْعَنْزِ مَا مِنْ عَامِلٍ يَّعْمَلُ بِخَصْلَةٍ مِّنْهَا رَجَآءَ ثَوَابِهَا وَتَصْدِيْقَ مَوْعُوْدِهَا اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهَا الْجَنَّةَ قَالَ حَسَّانُ فَعَدَدْنَا مَا دُوْنَ مَنِيْحَةِ

ابو کبشہ سلولی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چالیس اچھی عادتوں میں سب سے اعلیٰ عادت کسی کو دودھ کی بکری دینا ہے اور جو ان عادتوں کے مطابق عمل کرے، ثواب کی نیت سے اور وعدے کرنے والے کو سچا سمجھتے ہوئے تو اللہ تعالےٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ حضرت حسان کا بیان ہے کہ ہم دودھ والی بکری کو دینے کے علاوہ جن

الْعَنْزِ مِنْ رَدِّ السَّلَامِ وَتَشْمِيْتِ الْعَاطِسِ وَاِمَاطَةِ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَنَحْوِهٖ فَمَا اسْتَطَعْنَا اَنْ تَبْلُغَ خَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً

عادتوں کو شمار کر سکے وہ یہ ہیں۔ سلام اور چھینکنے والے کو جواب دینا۔ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا وغیرہ اور ہم پندرہ سے زائد خصائل کو شمار نہیں کر سکے۔

فوائد و مسائل واضح ہو کہ خصائلِ حمیدہ یعنی جو عادتیں اور خصلتیں اچھی ہیں وہ بہرحال اچھی ہیں اور کارِ ثواب ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں خصائلِ حمیدہ کا ذکر فرمایا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جس حدیث میں جس تعداد میں ان کا ذکر ہے بس وہی اچھی خصلتیں ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ بھی اچھی خصلتیں ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی ہیں جیسے زیرِ عنوان حدیث میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم پندرہ سے زیادہ خصلتیں شمار نہیں کر سکے تو ان کے اس قول سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے علاوہ اور لوگ بھی شمار نہیں کر سکے۔ بہرحال یہ حقیقت ہے کہ خصائلِ حمیدہ کا دائرہ بہت وسیع ہے اور نبی علیہ السلام نے احادیث میں ان کا ذکر فرمایا ہے چنانچہ بعض علماء نے فرمایا کہ ہم نے احادیث کا مطالعہ کیا تو چالیس سے زیادہ خصائلِ حمیدہ کو پایا۔

۲۴۵۷۔ حضرت جابر سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا۔ ہمارے بعض احباب کے پاس فالتو زمین تھی تو لوگوں نے کہا ہم ان کو تہائی چوتھائی اور نصف پیداوار پر دیں گے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جس کے پاس زمین ہو تو وہ اس کو خود کاشت کرے یا اپنے مسلمان بھائی کو مستعار دیدے اور اگر یہ نہ کرے تو زمین کو روک رکھے ——— محمد بن یوسف نے کہا ہمیں اوزاعی نے زہری، عطاء بن یزید اور ابوسعید کے واسطے سے بیان کیا

قَالَ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَهٗ عَنِ الْهِجْرَةِ فَقَالَ وَيْحَكَ اِنَّ الْهِجْرَةَ شَاْنُهَا شَدِيْدٌ فَهَلْ لَكَ مِنْ اِبِلٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَتُعْطِيْ صَدَقَتَهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَهَلْ تَمْنَحُ مِنْهَا شَيْئًا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَتَحْلِبُهَا يَوْمَ وِرْدِهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاعْمَلْ مِنْ وَّرَاءِ الْبِحَارِ فَاِنَّ اللّٰهَ لَنْ يَّتِرَكَ مِنْ عَمَلِكَ شَيْئًا

کہ ایک اعرابی بحضور نبوی حاضر ہوا اور اس نے ہجرت کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا تیری خرابی ہو۔ ہجرت کا معاملہ بہت سخت ہے۔ فرمایا تیرے پاس اونٹ ہیں۔ عرض کی جی ہاں۔ فرمایا ان میں سے کچھ عطیہ بھی دیتے ہو۔ عرض کی جی ہاں۔ حضور نے فرمایا۔ دریا کے اس پار کام کرو۔ اللہ تعالیٰ تیرے عمل میں کچھ نقصان نہیں کرے گا۔

(بخاری)

حدیث کا پہلا حصہ جس کا ہم نے صرف ترجمہ پیش کیا ہے کتاب المزارعۃ میں گزر چکا ہے۔
دیکھئے حدیث نمبر ۲۱۸۹ عنوان کے مناسب اس حدیث میں فَهَلْ تَمْنَحُ مِنْهَا شَيْئًا
کے الفاظ ہیں۔ اور اولیمنحھا اخاہ کے الفاظ ہیں۔

۲۴۵۸۔ طاؤس کہتے ہیں مجھے صحابہ میں سب سے بڑے عالم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ نبی علیہ السلام ایک زمین کے پاس سے گزرے جس میں فصلیں لہلہا رہی تھیں آپ نے پوچھا یہ زمین کس کی ہے لوگوں نے عرض کی فلاں نے کرایہ پر لی ہے۔

فَقَالَ اَمَا اَنَّهُ لَوْ مَنَحَهَا اِيَّاهُ كَانَ خَيْرًا لَّهُ مِنْ اَنْ يَّاْخُذَ عَلَيْهَا اَجْرًا مَعْلُوْمًا

اس پر آپ نے فرمایا اگر مالکِ زمین اسے بطور عطیہ دے دیتا تو کرایہ لینے سے زیادہ بہتر تھا۔
(بخاری)

یہ حدیث بھی کتاب المزارعۃ میں گزر چکی ہے۔ دیکھئے حدیث ۲۱۹۰، ۲۱۹۱۔ اس حدیث میں عطیہ دینے کی ترغیب ہے اور فضیلت۔ لیکن زمین کو کرایہ پر دینے کی اس حدیث سے ممانعت ثابت نہیں ہوتی جیسا کہ ہم کتاب المزارعۃ میں بیان کر چکے ہیں۔

بَاب اِذَا قَالَ اَخْدَمْتُكَ هٰذِهِ الْجَارِيَةَ

باب اگر کوئی کہے کہ میں نے دستور کے مطابق

عَلٰى مَا يَتَعَارَفُ النَّاسُ فَهُوَ جَائِزٌ وَّقَالَ بَعْضُ النَّاسِ هٰذِهٖ عَارِيَةٌ فَاِنْ قَالَ كَسَوْتُكَ هٰذَا الثَّوْبَ فَهُوَ هِبَةٌ

خدمت کے لیے تجھے یہ لونڈی دی تو جائز ہے۔ بعض نے یہ کہا یہ عادت ہے اور اگر یہ کہا کہ میں نے تجھے یہ کپڑا پہنایا تو یہ ہبہ کرنا ہے

فوائد و مسائل

۱۔ سیدنا امام بخاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے کہا کہ میں نے یہ لونڈی لوگوں کے عرف کے مطابق تجھے خدمت کے لیے دی تو اس کا فیصلہ لوگوں کے عرف و دستور کے مطابق کیا جائے گا۔ اگر خط کشیدہ جملوں کا مطلب عرف میں ہبہ ہے تو ہبہ اور اگر عاریت ہے تو پھر لونڈی عاریتاً قرار پائے گی ۲۔ علامہ ابن بطال علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ علماء کا اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب کہ یہ کہا یہ لونڈی یا غلام میں نے تجھے خدمت کے لیے دیا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ لونڈی یا غلام بطور عاریت خدمت کے لیے دی۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ لونڈی یا غلام کو اس کی ملک کر دیا کیونکہ عربوں کے لیے کسی چیز کو خدمت کے لیے دینا تملیک کی مقتضی نہیں جیسا کہ اگر کسی کو مکان رہنے کے لیے دیا تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اس مکان سے نفع اٹھائے اس میں قیام کرے۔ یہ نہیں ہے

کہ وہ مکان کا مالک ہو گیا کیونکہ عربوں کے ہاں اخدام دار تملیکِ دار کو مقتضی نہیں ہوتا۔ لہٰذا بعض الناس (احناف) کا موقف درست ہے۔ غرض امام بخاری علیہ الرحمہ کے نزدیک اخدام و کسوہ دونوں الفاظ ہبہ کے لیے ہیں اور احناف یہ کہتے ہیں۔ اخدام عاریہ کے لیے اور کسوۃ کا لفظ ہبہ کے لیے ہے۔

۲۴۵۹ - حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حضرت ابراہیم نے حضرت سارہ کے ساتھ ہجرت کی تو فرعون مصر نے) انہیں ہاجرہ دی۔ پھر سارہ جب حضرت ابراہیم کے پاس آئیں تو انھوں نے کہا۔ آپ کو معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کافر کو ذلیل کیا اور خدمت کے لیے لونڈی دی۔ حضرت ابن سیرین، حضرت ابوہریرہ سے راوی ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا (فرعونِ مصر نے) حضرتِ سارہ کو ھاجر خدمت کے لیے دی۔

فوائد و مسائل ۱۔ یہ حدیث کتاب البیوع میں مکمل اور باب قبول الھدیہ من المشرکین میں اس کا ایک حصہ ذکر ہوا ہے دیکھئے فیوض پارہ دہم ص ۲۔ علامہ ابن بطال علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ امام بخاری علیہ الرحمہ کا حدیث کے الفاظ فلخذ مھاجرہ سے ہبہ کا استدلال فرمانا درست نہیں ہے کیونکہ اخدام سے تملیکِ رقبہ مراد نہیں ہوتا (جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے) البتہ اسی قصہ میں فاعطوھا ھاجر کے الفاظ سے ہبہ مراد لینا درست ہے پس احناف کا یہ موقف درست ہے۔ اگر یہ کہا کہ یہ لونڈی میں نے تجھے خدمت کے لیے دیدی تو یہ عاریت ہے ہبہ نہیں۔ ۳۔ اگر یہ کہا میں نے یہ کپڑا تجھے پہنایا (اور اس میں مدت کی کوئی قید نہیں ہے تو یہ ہبہ ہے کیونکہ کسوہ ہبہ کی مقتضی ہے چنانچہ قرآنِ مجید کی اس آیت سے یہ مسئلہ واضح ہے۔ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ اَوْ كِسْوَتُهُمْ۔ علامہ ابن بطال نے فرمایا۔ اطعام اور کسوہ سے سب کے نزدیک متفقہ طور پر تملیک مراد ہے۔ یعنی کفارہ میں مساکین کو جو کھانا اور کپڑے دیئے تو یہ ہبہ کی صورت ہے۔ مساکین اس کھانے اور کپڑے کے مالک ہو گئے۔

اِذَا حَمَلَ رَجُلٌ عَلٰى فَرَسٍ فَهُوَ كَالْعُمْرٰى وَالصَّدَقَةِ وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ لَهٗ اَنْ يَّرْجِعَ فِيْهَا

اگر کسی کو سواری کے لیے گھوڑا دیا تو وہ عمریٰ و صدقہ کی طرح ہے۔ بعض لوگ (احناف) کہتے ہیں اس میں رجوع کرنے کا اختیار رہے۔

۲۴۶۰ - حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے راہِ خدا میں کسی کو سواری کے لیے گھوڑا دیا۔ پس میں نے دیکھا کہ وہ فروخت ہو رہا ہے تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا تو فرمایا کہ اسے نہ خریدو اور اپنے دیئے ہوئے کو واپس نہ لو۔ (بخاری)

اس عنوان کے قائم کرنے سے امام بخاری کا مقصد احناف کے موقف کو رد کرنا ہے وہ کہتے ہیں۔

اگر کوئی شخص کسی کو سواری کے لیے گھوڑا دیدے تو وہ عمریٰ اور صدقہ کی طرح ہے اور عمریٰ اور صدقہ میں رجوع جائز نہیں ہے۔ احناف کہتے ہیں۔ سواری کے لیے گھوڑا دینے کا مطلب تملیک نہیں ہے بلکہ یہ عاریۃ ہے اور عاریۃ میں رجوع کرنا امام بخاری کے نزدیک بھی جائز ہے۔ مزید گفتگو حدیث نمبر ۲۴۵۹ میں ہو چکی ہے۔
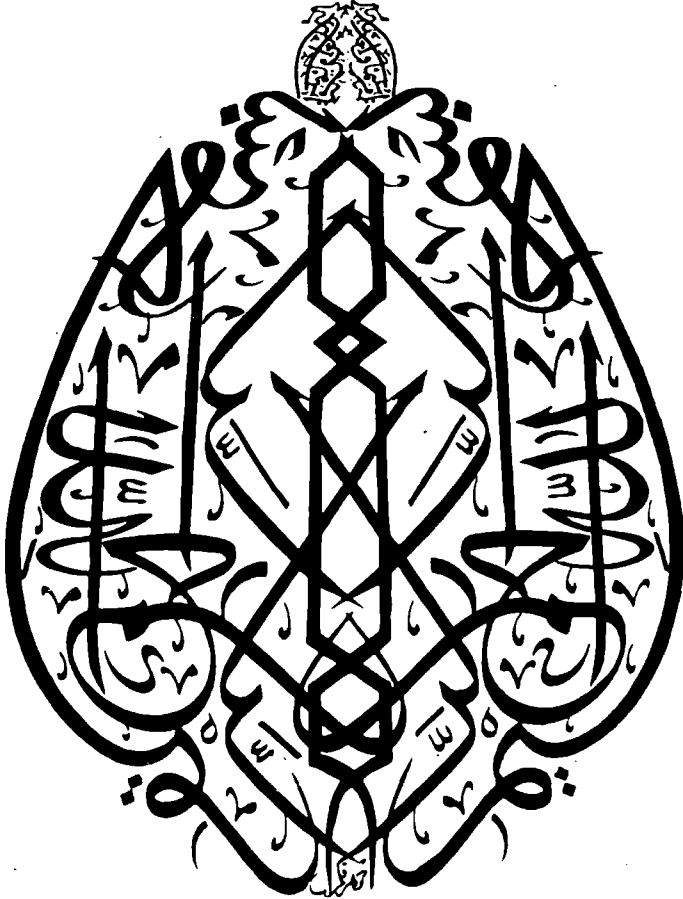
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کِتَابُ الشَّہَادَاتِ

۱- شہادات جمع ہے شہادۃ کی مصدر میمی شہد یشہد سے امام لغت جوہری کہتے ہیں۔ شہادۃ یقینی خبر کو کہتے ہیں مشاھدہ یعنی معاینہ۔ یہ شہود سے ماخوذ ہے جس کے معنی حضور کے ہیں کیونکہ شاہد اس چیز کو دیکھتا ہے جو غیر کی آنکھ سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ ہمارے علماء نے فرمایا۔ شہادۃ کے معنی حضور کے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلْغَنِیْمَۃُ لِمَنْ شَہِدَ الْوَاقِعَۃَ غنیمت کا حقدار وہ ہے جو جہاد میں شریک (حاضر) ہو ——— شاہد بھی مجلسِ قاضی میں اور موقع واردات پر حاضر ہوتا ہے اور جو دیکھتا ہے اس کی شہادت دیتا ہے۔

شہادت کی تعریف اور اسکے بعض اہم مسائل

۱- اصطلاحِ فقہاء میں کسی حق کے ثابت کرنے کے لیے مجلس قاضی میں فریقین کی موجودگی میں لفظ شہادۃ کے ساتھ سچی خبر دینے کو شہادت کہتے ہیں (رد المحتار ج ۴ ص ۴۱۱)

۲- لفظ شہادت کے ساتھ گواہی دینا ضروری ہے کیونکہ نصوصِ قرآنیہ میں شہادۃ، اشہاد، استشہاد کے الفاظ آئے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِذَا عَلِمْتَ مِثْلَ الشَّمْسِ فَاشْہَدْ وَ اِلَّا فَدَعْ (بیہقی و حاکم) | جب تو کسی معاملہ کو آفتاب کی طرح صاف وصریح طور پر جانتا ہے تو شہادت دے ورنہ نہیں

۳- واضح ہو کہ اگر گواہ نے لفظِ شہادت کی جگہ یقین یا علم کا لفظ استعمال کیا۔ مثلاً یوں کہا۔ میرے علم و یقین کے مطابق یہ معاملہ یوں ہے۔ یا یوں کہا کہ میں اپنے علم و یقین کے مطابق یہ خبر دیتا ہوں یا لفظ شہادت کے ساتھ خبر دینے کے بعد آخر میں یوں کہا۔ جیسا کہ مجھے علم ہے تو ان تمام صورتوں میں اس کا بیان شرعاً شہادت متصور نہ ہوگا۔ اور ان لفظوں سے جو شہادت دی جائے گی وہ باطل قرار پائے گی

۴- خبر دینے والے (گواہ) کو "شاہد"۔ جس کے حق میں خبر دی جائے اس کو "مشہود لہٗ"۔ جس کے خلاف خبر دی جائے اس کو "مشہود علیہ" اور جس کے حق کے اثبات کے لیے خبر دی جائے اس کو "مشہود بہ" کہتے ہیں۔

۱- اَلشَّہَادَۃُ ھِیَ الْاِخْبَارُ بِلَفْظِ الشَّہَادَۃِ یَعْنِیْ بِقَوْلِ اَشْہَدُ بِاِثْبَاتِ حَقٍّ اَحَدٍ ھِیَ فِیْ ذِمَّۃِ الْاٰخَرِ فِیْ حُضُوْرِ الْحَاکِمِ وَ مُوَاجَھَۃِ الْخَصْمَیْنِ

وَيُقَالُ لِلْمُخْبِرِ شَاهِدٌ وَلِلْمُخْبَرِ لَهُ مَشْهُودٌ لَهُ وَلِلْمُخْبَرِ عَلَيْهِ مَشْهُودٌ عَلَيْهِ وَلِلْحَقِّ مَشْهُودٌ بِهِ (المجلۃ، المادۃ ۱۶۸۴)

۲- وَالشَّهَادَةُ لُغَةً إِخْبَارٌ قَاطِعٌ وَفِي عُرْفِ أَهْلِ الشَّرْعِ إِخْبَارُ صِدْقٍ لِإِثْبَاتِ حَقٍّ بِلَفْظِ الشَّهَادَةِ فِي مَجْلِسِ الْقَضَاءِ (فتح القدیر ج۶ صـ۳)

۳- فَإِنْ لَمْ يَذْكُرِ الشَّاهِدُ لَفْظَةَ الشَّهَادَةِ وَقَالَ أَعْلَمُ أَوْ أَتَيَقَّنُ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهُ (ہدایہ ج۳ صـ۱۲۲)

۴- (قَوْلُهُ بِقَوْلِ أَشْهَدُ) أَيْ لَا بِغَيْرِهِ كَأَعْلَمُ وَأَتَيَقَّنُ قَالَ فِي الدُّرَرِ لِتَضَمُّنِهِ مَعْنَى مُشَاهَدَةٍ وَقَسَمٍ وَإِخْبَارٍ لِلْحَالِ فَكَأَنَّهُ يَقُولُ أُقْسِمُ بِاللهِ لَقَدْ اطَّلَعْتُ عَلَى ذَالِكَ وَأَنَا أُخْبِرُ بِهِ وَهٰذِهِ الْمَعَانِي مَفْقُودَةٌ فِي غَيْرِ هٰذَا اللَّفْظِ فَتَعَيَّنَ حَتّٰى لَوْ زَادَ فِيمَا أَعْلَمُ بَطَلَ لِلشَّكِّ (شرح مجلہ محمد خالد ج۵ صـ۲)

بعض صورتوں میں گواہی دینا واجب ہے

۵- اگر گواہ کو اندیشہ ہو گواہی نہ دے گا تو کسی کا حق تلف ہو جائیگا تو ایسی صورت میں بغیر طلب کے گواہی دینا لازم ہے (رد المختار ج۴ صـ۴۱۱) ۶- مدعی کے طلب کرنے پر گواہی دینا واجب ہے ۷- اگر گواہ تعجیل نہ کرے تو قاضی گواہی دینے پر گواہ کو پابند کر سکتا ہے (رد المختار ج۴ صـ۴۱۱) ۸- حقوق اللہ میں گواہی دینا بغیر طلب مدعی بھی واجب ہے۔ مثلاً اگر کسی نے اپنی بیوی کو بائن طلاق دیدی ہے تو اس کی گواہی دینا واجب ہے بلکہ بلا عذر شرعی تاخیر کرتیا تو فاسق قرار پائے گا۔ (بحر و رد المختار) قرآن مجید میں فرمایا۔

وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ إِذَا مَا دُعُوا	اور گواہ جب بُلائے جائیں تو آنے سے انکار نہ کریں۔
وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ط وَمَنْ يَكْتُمْهَا	اور گواہی نہ چھپاؤ اور جو گواہی چھپائے گا تو اندر سے
فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ (بقرہ - ۲۸۳)	اس کا دل گنہگار ہوگا۔

مطلب آیت یہ ہے کہ گواہ کو جب شہادت کی اقامت و ادا کے لیے طلب کیا جائے تو وہ حق کو نہ چھپائے کیونکہ گواہی نہ دینے کی صورت میں حقدار کا حق مارا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شریک کرنا ہے اور جھوٹی گواہی دینا اور گواہی کو چھپانا ہے ۹- اسی طرح ہلالِ رمضان و عید الفطر و عید اضحیٰ کے چاند کی گواہی دینا بھی واجب ہے۔ (در مختار)

حدود کی گواہی کے دو پہلو ہیں

حدود کی گواہی میں دونوں پہلو ہیں ایک ازالۂ منکر و رفع فساد اور دوسرا مسلم کی پردہ پوشی کرنا گواہ کو اختیار ہے کہ پہلی صورت اختیار کرے اور گواہی دے یا دوسری صورت اختیار کرے اور گواہی دینے سے اجتناب کرے اور یہ دوسری صورت زیادہ بہتر ہے مگر جب کہ وہ شخص بیباک ہو حدود شرعیہ کی محافظت نہ کرتا ہو ——— اسی طرح چوری کی شہادت

میں بہتر یہ کہنا ہے کہ اس نے اس شخص کا مال لے لیا۔ یہ نہ کہے کہ چوری کی کہ اس طرح کہنے میں احیاءِ حق بھی ہو جاتا ہے اور پردہ پوشی بھی (ہدایہ)۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے جہاں تک ہو سکے حدود کو مسلمانوں سے دُور رکھو۔ پھر نہیں کسی مسلمان کے لیے حد سے بچنے کی گنجائش مل سکے تو اسے چھوڑ دو، بلاشبہ حاکم کا درگزر کرنے میں خطا کرنا سزا دینے میں خطا کرنے سے بہتر ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔

اِدْرَءُوا الْحُدُوْدَ عَنِ الْمُسْلِمِيْنَ مَا اسْتَطَعْتُمْ اِدْرَءُوا الْحُدُوْدَ بِالشُّبُهَاتِ (ابوداؤد، ترمذی، ابن شیبہ، حاکم و بیہقی)

جہاں تک ممکن ہو حدود کو مسلمانوں سے ساقط کردو۔ شبہات کے ذریعہ حدود کو دُور رکھو (دارقطنی، جامع صغیر للسیوطی ج ۱ ص ۱۳/۱۴)

مقدمہ زنا میں چار مردوں کی گواہی ضروری ہے

اثباتِ جرمِ زنا مستوجبِ حد کے لیے چار مردوں کی گواہی ضروری ہے۔ اگر مردوں کی تعداد چار سے کم ہو یا صرف عورتیں ہوں خواہ دو مرد اور دو عورتیں ہوں یا تین مرد اور ایک عورت ہو یا تین عورتیں اور ایک مرد گواہ ہوں تو جرمِ زنا مستوجبِ حد، ثابت نہ ہوگا۔ قرآنِ مجید میں فرمایا۔

فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ

ان میں خاص اپنے میں کے چار مردوں کی گواہی لو۔ (نساء ۱۵)

ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ

پھر چار گواہ معائنہ کے نہ لائیں (سورۂ نور، ۴)

اور احادیث سے بھی ثبوتِ زنا کے لیے چار مرد گواہوں کا ہونا واضح ہے۔ بحضورِ نبوی زنا کے الزام میں ایک عورت اور مرد کو لایا گیا۔ فَجَاءُوْا بِاَرْبَعَةٍ فَشَهِدُوْا۔ اور چار گواہ بھی لائے گئے جنہوں نے وضاحت کے ساتھ سلائی اور سُرمہ دانی کی مثال دے کر ان کے فعلِ زنا کی چشم دید گواہی دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سنگسار کرنے کا حکم دیا (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۵۶) اسی طرح حضرت سعد بن عبادہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا زنا کے الزام کو ثابت کرنے کے لیے چار گواہوں کا ہونا ضروری ہے؟ قَالَ نَعَمْ آپ نے فرمایا۔ ہاں چار گواہوں کا ہونا ضروری ہے (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۶۷)

نیز امام قرطبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

وَلَا بُدَّ اَنْ يَّكُوْنُوْا ذُكُوْرًا لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى مِنْكُمْ وَلَا خِلَافَ فِيْهِ بَيْنَ الْاُمَّةِ وَ اَنْ يَّكُوْنُوْا عُدُوْلًا

یعنی ضروری ہے کہ زنا کے گواہ مرد ہوں اور عادل ہوں اس میں امت کے اندر اختلاف نہیں ہے۔ (تفسیر قرطبی جلد ۵ صفحہ ۸۴)

واضح ہو کہ اثباتِ زنا موجبِ حد کے لیے چار مردوں کا ہونا ضروری ہے اور اگر اثباتِ زنا سے اجراءِ حد کی بجائے کوئی اور مقصد ہو تو ایسی صورت میں صرف دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کافی ہے ــــ مثلاً زید نے اپنی بیوی کی طلاق کو زنا سے معلق یا مشروط کیا مثلاً یوں کہا۔ اگر میں زنا کروں تو تجھ کو طلاق اور بیوی نے

نے یہ دعویٰ کیا کہ میرے شوہر نے زنا کا ارتکاب کیا ہے اور شوہر انکاری ہے مگر بیوی نے ثبوتِ ارتکابِ زنا کے لیے ایک مرد اور دو عورتیں بطور گواہ پیش کر دیں تو اس صورت میں ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت زنا کے ثبوت کے لیے کافی ہے اور چونکہ بیوی نے خاوند کا زانی ہونا ثابت کر دیا ہے تو شرط کے پائے جانے کی وجہ سے بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی لیکن شوہر پر زنا کی حد نہیں لگے گی ۔ کیونکہ ثبوتِ زنا مستوجب حد کے لیے چار مرد گواہوں کا ہونا ضروری ہے ۔ البتہ زید کو قاضی رجم کی بجائے جس قدر سخت سے سخت سزا مناسب سمجھے بطور تعزیر دے سکتا ہے ۔

۱- وَالشَّهَادَةُ عَلٰى مَرَاتِبَ مِّنْهَا الشَّهَادَةُ فِي الزِّنَا يُعْتَبَرُ فِيْهَا اَرْبَعَةٌ مِّنَ الرِّجَالِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَالّٰتِيْ يَأْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ وَلِقَوْلِهٖ تَعَالٰى ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ (الهدایہ مع فتح القدیر مطبوعہ مصر جلد ۶ صفحہ ۶ (البحر الرائق طبع مصر ص ۶۰ ج ۷، الدر المختار مع شامی ص ۱۷۳ ج ۴) وَلَا يُقْبَلُ عَلَى الزِّنَا اِلَّا شَهَادَةُ اَرْبَعَةٍ مِّنَ الرِّجَالِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ وَقَوْلِهٖ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ - وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لِلَّذِيْ قَذَفَ زَوْجَتَهٗ، اِئْتِنِيْ بِاَرْبَعَةٍ يَشْهَدُوْنَ وَاِلَّا فَضَرْبٌ فِيْ ظَهْرِكَ (الاختیار لتعلیل المختار ص ۱۴۰، ج ۲ مطبوعہ مصر) وَهٰذَا اِذَا اُرِيْدَ اِثْبَاتُ الزِّنَا لِاَجَلِ اِقَامَةِ الْحَدِّ اَمَّا اِذَا اُرِيْدَ اِثْبَاتُهٗ لِاَجَلِ آخَرَ يَتَرَتَّبُ عَلٰى ثُبُوْتِهٖ فَلَا يُشْتَرَطُ فِيْهِ هٰذَا الْعَدَدُ بَلْ يُثْبَتُ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ اَوْ رَجُلٍ وَّامْرَأَتَيْنِ اَوْ بِالنُّكُوْلِ كَمَا اِذَا عَلَّقَ الزَّوْجُ طَلَاقَ زَوْجَتِهٖ عَلَى الزِّنَا وَادَّعَتِ الزَّوْجَةُ حُصُوْلَهٗ وَاَنْكَرَ الزَّوْجُ فَاَثْبَتَتْهُ بِالْبَيِّنَةِ اَوْ طَلَبَتْ تَحْلِيْفَهٗ فَنَكَلَ يُثْبَتُ وَتُطَلَّقُ الْمَرْأَةُ وَلٰكِنْ لَا يُحَدُّ الزَّوْجُ (صفحہ ۱۵۳ ایضاً)

حدود و قصاص میں دو مردوں کی گواہی ضروری ہے

۱- حدود (شراب، قذف، چوری) اور قصاص میں دو مردوں کی گواہی معتبر ہوگی ۲- قصاص میں قصاصِ نفس و اطراف یعنی اعضاء بھی شامل ہیں - قرآنِ مجید میں فرمایا -

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ | تم اپنے مردوں میں سے دو گواہ بنالو (سورہ بقرہ آیت ۲۸۲)

یہ آیت اگرچہ دین کے متعلق نازل ہوئی - مگر حکم اس کا عام ہے - واضح ہو کہ حدود و قصاص میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں ہے -

چنانچہ مصنّف امام ابن ابی شیبہ میں امام زہری سے مروی ہے کہ

مَضَتِ السُّنَّةُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْخَلِيْفَتَيْنِ مِنْ بَعْدِهٖ اَنْ لَّا تَجُوْزَ شَهَادَةُ النِّسَآءِ فِي الْحُدُوْدِ (ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۳)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں خلفاء (حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر) سے لے کر یہی سنت چلی آرہی ہے کہ حدود میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں ہے۔

نیز امام ابن شیبہ زہری کے علاوہ امام شعبی و امام نخعی و امام ضحاک رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے بھی روایت کرتے ہیں کہ

لَا تَجُوْزُ شَهَادَةُ النِّسَآءِ فِي الْحُدُوْدِ (نصب الرایہ جلد ۴ صفحہ ۷۹)	حدود میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں ہے

علاوہ ازیں امام عبدالرزاق جو امام بخاری و مسلم وغیرہما ایسے جلیل القدر محدثین کے استاد ہیں اپنی تصنیف میں امام زہری سے روایت کرتے ہیں کہ حدود میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں۔ نیز امام موصوف اسی کتاب میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بہ سند خود روایت کرتے ہیں

لَا تَجُوْزُ شَهَادَةُ النِّسَآءِ فِي الْحُدُوْدِ وَالدِّمَآءِ	حدود و قصاص میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں (مصنّف امام عبدالرزاق جلد ۸ صفحہ ۳۲۹ تا ۳۳۱)

وَ بَاقِي الْحُدُوْدِ وَ الْقِصَاصِ شَهَادَةُ رَجُلَيْنِ قَالَ تَعَالٰى فَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ وَ قَالَ تَعَالٰى وَ اَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ شَاهِدَاكَ اَوْ يَمِيْنُهٗ (اختیار ص ۱۴۰ ج ۲، الہدایہ و فتح القدیر ص ۷ ج ۶، البحر الرائق ج ۷ ص ۶۰، درمختار مع شامی ص ۳۷۱ ج ۴)

وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ النِّسَآءِ فِي الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ (فتح القدیر ج ۶ ص ۷ بحر الرائق ج ۷ ص ۶۱ تکملہ شامی ج ۱ ص ۴۸)

(۲) شَمَلَ الْقَوَدَ فِي النَّفْسِ وَالْعُضْوِ (تکملہ شامی ص ۴۸ ج ۱)

قَالَ الرَّمْلِيُّ اَطْلَقَهٗ فَشَمَلَ الْقِصَاصَ فِي النَّفْسِ وَالْعُضْوِ (منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق لابن عابدین الشامی علی بحر الرائق ص ۶۰ ج ۷)

۲۔ واضح ہو کہ زنا کے سوا تمام حدود و قصاص میں دو مردوں کی گواہی ضروری ہے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے لیکن اسی صورت میں اگر اثبات حدود و قصاص کی بجائے کسی دوسرے حق کا اثبات مقصود ہو

تو ایسی صورت میں ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کافی ہے۔ مثلاً زید نے اپنے غلام کی آزادی کو شربِ خمر کے ساتھ معلق کیا۔ مثلاً یوں کہا کہ اگر میں شراب پیئوں تو میرا غلام آزاد۔ تو اس صورت میں اثباتِ جرمِ شراب کے لیے ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کافی ہوگی اور اس صورت میں غلام آزاد ہوجائے گا۔ مگر زید پر حدِ شراب جاری نہ ہوگی کیونکہ حدود و قصاص میں دو مردوں کی گواہی ضروری ہے۔ یعنی اثباتِ شربِ خمر مستوجب حد کے لیے دو مردوں کی گواہی ضروری ہے۔ البتہ اس صورت میں قاضی زید کو اپنی رائے کے مطابق تعزیر کرسکتا ہے۔

وَصُوْرَتُهٗ كَمَا فِي الْبَحْرِ عَنِ الْوَلْوَالِجِيَّةِ رَجُلٌ قَالَ اِنْ شَرِبْتُ الْخَمْرَ فَمَمْلُوْكِيْ حُرٌّ فَشَهِدَ رَجُلٌ وَّامْرَأَتَانِ اَنَّهٗ شَرِبَ الْخَمْرَ عَتَقَ الْعَبْدُ وَلَا يُحَدُّ لِاَنَّ هٰذِهٖ شَهَادَةٌ لَا مَجَالَ لَهَا فِي الْحُدُوْدِ (تکملہ شامی ص۴۹ ج ۱)

وَفِي الْوَلْوَالِجِيَّةِ رَجُلٌ قَالَ اِنْ شَرِبْتُ الْخَمْرَ فَمَمْلُوْكِيْ حُرٌّ فَشَهِدَ رَجُلٌ وَّ امْرَأَتَانِ اَنَّهٗ شَرِبَ الْخَمْرَ عَتَقَ الْعَبْدُ وَلَا يُحَدُّ لِاَنَّ هٰذِهٖ شَهَادَةٌ لَا مَجَالَ لَهَا فِي الْحُدُوْدِ وَلَوْ قَالَ اِنْ سَرَقْتُ مِنْ فُلَانٍ شَيْئًا فَعَلٰى قِيَاسِ مَا ذَكَرْنَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُّضْمَنَ الْمَالَ وَيُعْتَقُ الْعَبْدُ وَلَا يُقْطَعُ (بحرالرائق ج ۷، ص۱۱)

حدود و قصاص کے علاوہ تمام حقوق مالی و غیر مالی میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے

۱۔ حقوق خواہ مالی ہوں جیسے قرض بیع و شراء وغیرہ یا غیر مالی ہوں جیسے نکاح، طلاق، عدت، حوالہ، وقف، صلح، وصیت، ہبہ، اقرار وغیرہ ۲۔ البتہ قتلِ خطا اور وہ قتل جس میں قصاص لازم نہ ہو کے اثبات کے لیے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت بھی کافی ہے کیونکہ اس شہادت کا مقصد لزومِ مال ہے قصاص نہیں۔

۱۔ وَمَا سِوَاهُمَا مِنَ الْحُقُوْقِ تُقْبَلُ فِيْهَا شَهَادَةُ رَجُلَيْنِ اَوْ رَجُلٍ وَّامْرَأَتَيْنِ قَالَ تَعَالٰى فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَأَتَانِ (الاختیار شرح المختار ص۱۴۱ ج ۲)

وَمَا سِوٰى ذٰلِكَ مِنَ الْحُقُوْقِ تُقْبَلُ فِيْهَا شَهَادَةُ رَجُلَيْنِ اَوْ رَجُلٍ وَّامْرَأَتَيْنِ سَوَآءٌ كَانَ الْحَقُّ مَالًا اَوْ غَيْرَ مَالٍ مِثْلَ النِّكَاحِ وَالطَّلَاقِ وَالْعِدَّةِ وَالْحَوَالَةِ وَالْوَقْفِ وَالصُّلْحِ وَالْوَكَالَةِ وَالْوَصِيَّةِ وَالْهِبَةِ وَالْاِقْرَارِ وَالْاِبْرَاءِ وَالْوَلَدِ وَالْوِلَاءِ وَالنَّسَبِ وَنَحْوِ ذٰلِكَ (فتح القدیر ص۷ ج ۶ درمختار مع تکملہ شامی ص۵ ج ۱ بحرالرائق ص۶۲ ج ۷)

قَالَ الرَّمْلِيُّ تَشْمَلُ الشَّهَادَةَ عَلٰى قَتْلِ الْخَطَاءِ وَبِقَتْلٍ لَا يُوْجِبُ الْقِصَاصَ مِنْ قَبِيْلِ الشَّهَادَةِ عَلَى الْمَالِ قَالَ فِي الْخَانِيَةِ وَلَوْ شَهِدَ رَجُلٌ وَّامْرَأَتَانِ بِقَتْلٍ

اَلْخَطَاءِ اَوْ بِقَتْلٍ لَّا یُوْجِبُ الْقِصَاصَ تُقْبَلُ (تکملہ شامی ص۵ ج۱ (منحۃ الخالق علی البحر الرائق ص۶۲ ج۷)

ولادت، بکارت اور نسوانی عیوب جنہیں عام طور پر مرد نہیں دیکھتے، ایک مسلمان مرد یا ایک عورت کی گواہی کافی ہے

۱۔ ولادت، بکارت اور نسوانی عیوب کے متعلق مرد کی گواہی اس بنیاد پر ہے کہ صورت ایسی پیدا ہوگئی ہو کہ ان امور کی انجام دہی مرد ڈاکٹر کے سوا عورت نہ کر سکے یا مرد کی اچانک نظر پڑ گئی ہو یا تحمل شہادت کے لیے مرد نے نظر ڈالی ہو۔ چنانچہ درمختار و رد المحتار میں ہے کہ عورتوں کے وہ عیوب جن پر مردوں کو اطلاع نہیں ہوئی اور ولادت کے متعلق اگر ایک مرد نے شہادت دی۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ اگر کہتا ہے میں نے بالقصد ادھر نظر کی تھی تو گواہی مقبول نہیں کہ مرد کو نظر کرنا جائز نہیں اور اگر کہتا ہے کہ اچانک میری اس طرف نظر چلی گئی تو گواہی مقبول ہے (درمختار رد المحتار)

۱۔ وَتُقْبَلُ فِی الْوِلَادَۃِ وَالْبَکَارَۃِ وَالْعُیُوْبِ بِالنِّسَآءِ فِیْ مَوْضِعٍ لَّا یَطَّلِعُ عَلَیْہِ الرِّجَالُ شَھَادَۃُ امْرَأَۃٍ وَّاحِدَۃٍ مُّسْلِمَۃٍ حُرَّۃٍ عَدْلَۃٍ

۲۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: شَھَادَۃُ النِّسَآءِ جَائِزَۃٌ فِیْمَا لَا یَسْتَطِیْعُ الرِّجَالُ النَّظَرَ اِلَیْہِ

۳۔ وَتُقْبَلُ فِیْھَا شَھَادَۃُ امْرَأَۃٍ وَّاحِدَۃٍ لِمَا رُوِیَ اَنَّہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ قَبِلَ شَھَادَۃَ امْرَأَۃٍ وَّاحِدَۃٍ فِی الْوِلَادَۃِ (فتح القدیر ج۱ ص۹ درمختار مع تکملہ شامی ج۱ ص۵، الاختیار شرح المختار ج۲ ص۱۴۱ بدائع ج۶ ص۲۷۸)

۴۔ وَلَوْ شَھِدَ رَجُلٌ وَّاحِدٌ بِالْوِلَادَۃِ یُقْبَلُ لِاَنَّہٗ لَمَّا قُبِلَ شَھَادَۃُ امْرَأَۃٍ وَّاحِدَۃٍ فَشَھَادَۃُ رَجُلٍ وَّاحِدٍ اَوْلٰی (بدائع الصنائع ص۲۷۸ ج۶، بحر الرائق عن المبسوط ص۶۲ ج۷، درمختار مع تکملہ شامی ص۵ ج۱)

وَاَمَّا شَھَادَۃُ رَجُلٍ وَّاحِدٍ عَلَی الْوِلَادَۃِ اَوِ الْعَیْبِ فِیْ ھٰذَا الْمَوْضَعِ فَقَدِ اخْتَلَفَ الْمَشَائِخُ فِیْہِ وَالْاَصَحُّ اَنَّھَا تُقْبَلُ وَ یُحْمَلُ عَلٰی اَنَّہٗ وَقَعَ بَصَرُہٗ عَلٰی فَرْجِھَا مِنْ غَیْرِ قَصْدٍ اَوْ قَصَدَ تَحَمُّلِ الشَّھَادَۃِ فَلَا یَضُرُّ کَمَا فِی الشَّھَادَۃِ عَلَی الزِّنَا الخ (فتاوی القروی ص۳۸۷ ج۱)

شرائطِ تحمل و شرائط اداء

۱۔ شہادت کے لیے دو قسم کی شرطیں ہیں شرائطِ تحمل و شرائطِ ادا۔

تحمل یعنی معاملہ کے گواہ بننے کے لیے تین شرطیں ہیں بوقت تحمل عاقل ہونا انکھیارا ہونا۔ جس چیز کا گواہ بنے اس کا مشاہدہ کرنا۔ لہٰذا مجنون یا لایعقل بچہ یا اندھے کی گواہی درست نہیں۔ یونہی جس چیز کا مشاہدہ کیا ہو محض سنی سنائی بات کی گواہی دینا جائز نہیں۔ ہاں بعض امور کی شہادت بغیر دیکھے محض سننے کے ساتھ ہو سکتی ہے جن کا ذکر آئے گا۔ تحمل کے لیے بلوغ، حریت، اسلام، عدالت شرط نہیں۔ یعنی اگر وقت تحمل بچہ یا غلام یا کافر یا فاسق تھا مگر ادا کے وقت بالغ ہو گیا ہے غلام آزاد ہو چکا ہے۔ کافر مسلمان ہو چکا ہے فاسق تائب ہو چکا ہے تو گواہی مقبول ہے (عالمگیری ج ۳ ص ۴۵۰)

۲۔ شرائط ادا یہ ہیں گواہ کا عاقل، بالغ، آزاد، انکھیارا ہونا، ناطق ہونا، محدود فی القذف نہ ہونا یعنی اسے تہمت کی حد نہ ماری گئی ہو۔ گواہی دینے میں گواہ کا نفع یا دفع ضرر مقصود نہ ہونا۔ جس چیز کی شہادت دیتا ہو اس کو جانتا ہو اس وقت بھی اُسے یاد ہو۔ گواہ کا فریق مقدمہ نہ ہونا۔ جس کے خلاف شہادت دیتا ہے وہ مسلمان ہو تو گواہ کا مسلمان ہونا، حدود و قصاص میں گواہ کا مرد ہونا۔ حقوق العباد میں جس چیز کی گواہی دیتا ہے اس کا پہلے سے دعویٰ ہونا۔ شہادت کا دعویٰ کے موافق ہونا (رد المحتار ج ۴ ص ۱۱۴ و عالمگیری ج ۳ ص ۴۵۰ و بحر الرائق ج ۷ ص ۵۶)

واضح ہو کہ جو چیز دیکھنے کی ہے اسے آنکھ سے دیکھا اور جو چیز سننے کی ہے اسے اپنے کان سے سنا اور جس سے سنا اس کو آنکھ سے دیکھا ہو تو گواہی دینا جائز ہے ــــ البتہ جو بات مشہور و معروف ہو جیسے موت، نکاح، نسب اس میں صرف سن کر بھی گواہی دینا جائز ہے۔ جب کہ ایسے شخص سے سنا ہو جو معتبر ہو۔

وَلَا يَجُوْزُ لِلشَّاهِدِ اَنْ يَّشْهَدَ بِشَيْءٍ لَمْ يُعَايِنْهُ اِلَّا النَّسَبَ وَالْمَوْتَ وَالنِّكَاحَ وَالدُّخُوْلَ وَوِلَايَةَ الْقَاضِيْ فَاِنَّهُ يَسَعُهُ اَنْ يَّشْهَدَ بِهٰذِهِ الْاَشْيَاءِ اِذَا اَخْبَرَهُ بِهَا مَنْ يَّثِقُ بِهٖ (ہدایہ ج ۳ ص ۱۲۶)

مدتِ سماعتِ دعویٰ

۳۔ اگر کوئی رکاوٹ نہ ہو جس کی وجہ سے مدعی اپنے حق کا دعویٰ نہ کر سکے تو اس کی مدت متاخرین فقہاء نے چھ سال مقرر کی ہے کہ باوجود قدرت و اختیار کے اتنا عرصہ خاموش رہنا اس امر کی دلیل ہے کہ مدعی حق پر نہیں ہے۔ اور اگر مدعی ملک سے باہر ہے یا بچہ ہے یا مجنون ہے اور اس کا کوئی ولی نہیں یا مدعیٰ علیہ حاکم وقت ہے تو چھ سال گزرنے کے بعد بھی اس کا دعویٰ مسموع ہوگا اور اگر یہ عذر نہ ہوں تو پھر دعویٰ مسموع نہ ہوگا (۲)

وعدہ معاف گواہ کی کوئی حقیقت نہیں ہے

۴۔ وعدہ معاف کی کوئی شرعاً حیثیت نہیں ہے۔ قرآن و سنت کی رو سے اس کی گواہی

ہوم دہے۔ وعدہ معاف گواہ تو خود اقراری مجرم ہے۔ اس کے باوجود اسے بری کر دینا عدل و انصاف کے خلاف ہے۔

شہادت کا حکم اور اس کا رکن ۵۔ شہادت کا حکم یہ ہے کہ گواہوں کا جب تزکیہ ہو جائے اس کے موافق حکم کرنا واجب ہے اور جب تمام شرائط پائے گئے اور قاضی نے گواہی کے مطابق فیصلہ نہ کیا گنہگار ہوا اور مستحق عزل ہے (عالمگیری ج ۳ صہ ۴۵۰ و ردالمحتار ج ۴ صہ ۴۱۱) ـــــ شہادت کا رکن یہ ہے کہ بوقت ادا گواہ بہ لفظ کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں اس لفظ کا مطلب یہ ہے کہ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اس بات پر مطلع ہوا اور اب اس کی خبر دیتا ہوں (عالمگیری و ردالمحتار ج ۳ صہ ۴۵۰ و جلد ۴ صہ ۴۱۱)

۶۔ وَفِیْ جَامِعِ الْفَتَاوٰی عَنْ فَتَاوٰی الْعَتَابِیْ قَالَ الْمُتَاخِّرُوْنَ مِنْ اَھْلِ الْفَتْوٰی لَا تُسْمَعُ الدَّعْوٰی بَعْدَ سِتِّ سَنَةً اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ الْمُدَّعِیْ غَائِبًا اَوْ صَبِیًّا اَوْ مَجْنُوْنًا وَّلَیْسَ لَھُمَا وَلِیٌّ (ردالمختار ج ۴ صہ ۳۴۲)

بَابُ مَاجَآءَ فِی الْبَیِّنَةِ

باب گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے

گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے اس عنوان کے تحت امام بخاری علیہ الرحمہ نے سورہ بقرہ اور سورہ نساء کی دو آیتوں پر اکتفا کیا ہے البتہ باب الدین میں حدیث ابن عباس گزر چکی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعا علیہ پر قسم لازم کی ہے۔ قَضٰی اَنَّ الْیَمِیْنَ عَلَی الْمُدَّعٰی عَلَیْهِ اور حدیث عبداللہ میں ہے شَاهِدَاكَ اَوْ يَمِيْنُهٗ یعنی مدعی گواہ پیش کرے ورنہ مدعی علیہ قسم کھائے سورہ بقرہ سے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ اگر مدعی کا قول بینہ کے بغیر معتبر ہوتا تو پھر کتابت، املاء اور اشہاد کی حاجت نہ رہتی۔ معلوم ہوا کہ بینہ مدعی کے ذمہ ہیں اور سورہ نساء سے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ اپنی ذات پر کسی کا حق آتا ہے تو اس کا اقرار کرنا چاہیئے تو مدعی کے اقرار کی صورت میں مدعی علیہ کا قول مانا جائے گا اور اگر مدعی مدعا علیہ کی تکذیب کرے تو پھر مدعی پر بینہ واجب ہے۔

لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاكْتُبُوْهُ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ	اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ اے ایمان والو! جب تم ایک مقررہ مدت تک کسی دین کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو اور چاہیئے کہ تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا ٹھیک ٹھیک لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اسے اللہ نے سکھایا ہے تو اسے لکھ دینا

وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌ بِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (بقرہ ۲۸۲)

چاہیئے اور اس پر حق آتا ہے وہ لکھاتا جائے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور حق میں سے کچھ رکھ نہ چھوڑے پھر جس پر حق آتا ہے ۔ اگر بے عقل یا ناتواں ہو یا لکھا نہ سکے تو اس کا ولی انصاف سے لکھائے اور دو گواہ کر لو اپنے مردوں میں سے پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ایسے گواہ جن کو پسند کرو کہ کہیں ان میں ایک عورت بھولے تو اس ایک کو دوسری یاد دلا دے اور گواہ جب بلائے جائیں تو آنے سے انکار نہ کریں اور اسے بھاری نہ جانو کہ دین چھوٹا ہو یا بڑا اس کی میعاد تک لکھت کر لو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے اس میں گواہی خوب ٹھیک رہے گی اور یہ اس سے قریب ہے کہ تمہیں شبہ نہ پڑے مگر یہ کوئی سر دست کا سودا دست بدست ہو تو اس کے نہ لکھنے کا تم پر گناہ نہیں اور جب خرید و فروخت کرو تو گواہ کر لو اور نہ کسی لکھنے والے کو ضرر دیا جائے نہ گواہ کو (یا نہ لکھنے والا ضرر دے نہ گواہ) اور جو تم ایسا کرو تو یہ تمہارا فسق ہو گا اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے ۔ بخاری

مُعاملات اور ضابطہ شہادت کے اہم اصول

سورہ بقرہ کی ان آیات میں اُدھار معاملہ کے متعلق چند بنیادی اُمور بیان کیئے گئے ہیں ۔ ارشاد باری ہے ۔

اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ

جب تم اُدھار کا لین دین کرو ۔ ایک مقرر مدت کے لیے تو اسے لکھ لو

۱ ۔ یہ کہ ادھار کا معاملہ جب کیا جائے تو اس کی میعاد غیر مبہم طریقہ سے ضرور مقرر کی جائے ۔ غیر معین مدت کے لیے ادھار دینا لینا جائز نہیں ہے (۲) یہ کہ اُدھار کے معاملہ کی دستاویز لکھی جائے خواہ وہ دین

مبیع ہو یا ثمن یہ دستاویز لکھنا مستحب ہے فائدہ اس کا یہ ہے کہ بھول چوک اور مدیون کے انکار کا اندیشہ نہیں رہتا ـــــ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے بیع سلم مراد ہے۔ بیع سلم یہ ہے کہ کسی چیز کو پیشگی قیمت لے کر فروخت کیا جائے اور مبیع مشتری کو سپرد کرنے کے لیے ایک مدت مقرر کرلی جائے اس بیع کے جواز کے لیے جنس، نوع، صفت، مقدار، مدت اور مکان ادا اور مقدار راس المال ان چیزوں کا معلوم ہونا شرط ہے۔ ۳۔ آج سے چودہ سو برس پہلے لکھنے لکھانے کا رواج نہ تھا۔ سارا کاروبار زبانی ہوتا تھا۔ مہینہ اور تاریخ کا تعین بھی مبہم ہوتا تھا اور آج بھی دنیا کی بیشتر آبادی لکھنا پڑھنا نہیں جانتی اس لیے یہ ممکن تھا اور اس وقت بھی اور آج بھی ایسا ہوتا ہے کہ دستاویز لکھنے والا خیانت سے کام لے اس لیے فرمایا۔

وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ | یہ لازم ہے کہ تمہارے درمیان لکھنے والا ٹھیک ٹھیک لکھے۔

یعنی عدل و انصاف اور پوری دیانت داری اور امانت داری کے ساتھ جو طے ہوا وہی لکھے اس میں اپنی طرف سے نہ کوئی کمی بیشی کرے اور نہ فریقین میں سے کسی کی رُو رعایت کرے بلکہ دیانت اور خدا خوفی کے ساتھ انصاف کے ساتھ لکھے۔

۴۔ کاتب کو یہ ہدایت دی گئی کہ اللہ تعالےٰ نے اس کو وثیقہ نویسی کا ہنر عطا فرمایا ہے تو اس کا شکرانہ یہ ہے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے۔ فرمایا

وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ | اور لکھنے والا (وثیقہ نویس) لکھنے سے انکار نہ کرے۔

حاصل معنےٰ یہ ہیں کہ کوئی کاتب کو لکھنے سے منع نہ کرے جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے اس کو وثیقہ نویسی کا علم دیا ہے بے تغیر و تبدل دیانت و امانت کے ساتھ لکھے ــــ وثیقہ نویس کے لیے دستاویز لکھنے کی ذمہ داری کے متعلق علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ دستاویز لکھنا فرض کفایہ ہے اور جس صورت میں کہ اس کے سوا اور کوئی نہ ہو اور اس کے پاس وقت بھی ہو تو فرض عین ہے۔ اور ایک قول پر مستحب کیونکہ اس میں مسلمان کی حاجت برآری اور نعمت علم کا شکر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ پہلے یہ کتابت فرض تھی۔ پھر لا یضار کاتب سے منسوخ ہوئی۔ فی زمانہ وثیقہ نویسی ایک پیشہ ہے اور روزگار کا ذریعہ۔ لہٰذا وثیقہ نویس کتابت کی اُجرت لے سکتا ہے البتہ یہ بات پھر بھی فرض ہے کہ کتابت میں کوئی کمی بیشی نہ کرے۔ جو معاملہ فی الواقعہ طے ہوا ہے ایمانداری کے ساتھ وہی لکھ دے وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ کا یہ مطلب ہے کہ وثیقہ نویس کا حق کتابت ادا کیا جائے اور اسے نقصان نہ پہنچایا جائے۔

۵۔ اب رہا یہ سوال کہ دستاویز لکھوانے کی ذمہ داری کس پر ہے؟ تو اس کے متعلق فرمایا۔

وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ | جس پر حق آتا ہے وہ لکھاتا جائے

یعنی وثیقہ نویسی کی اُجرت اور اس کا لکھوانا، اس شخص پر ہے جس کے ذمہ حق ہے مثلاً کوئی چیز خریدی اور قیمت اُدھار کی تو دستاویز لکھوانا اور وثیقہ نویس کی اُجرت ادا کرنا اس شخص کے ذمہ ہے جس پر اُدھار ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جس پر حق آتا ہے یعنی مدیون مجنون و ناقص العقل یا بچہ یا شیخ فانی ہو یا گونگا ہونے یا زبان نہ جاننے کی وجہ سے اپنے مُدعا کا بیان نہ کرسکتا ہو اور دستاویز نہ لکھوا سکے تو اس کے متعلق یہ ہدایت دی گئی کہ

فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ط | ایسے شخص کا ولی انصاف کے ساتھ دستاویز لکھوائے

قرآن میں اس جگہ ولی کا لفظ دونوں معنوں کو شامل ہے۔ یعنی ولی لکھوا دے۔ ولی نہ ہو تو اس کا وکیل یہ کام سرانجام دے۔

ضابطہ شہادت کے چند اہم اُمور

۷۔ دستاویز لکھنے لکھانے کے متعلق ہدایت دینے کے بعد یہ اصول بیان فرمایا گیا کہ ثبوت کے لیے صرف تحریر کافی نہیں ہے اس لیے اس پر گواہ بھی بنا لیے جائیں تاکہ بوقتِ نزاع عدالت میں گواہوں کی گواہی سے فیصلہ ہوسکے۔ فقہاءِ اسلام فرماتے ہیں کہ محض تحریر حجتِ شرعی نہیں ہے۔ جب تک اس پر شہادت نہ ہو۔ خالی تحریر پر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ آج کی عدالتوں کا بھی دستور ہے کہ تحریر پر زبانی تصدیق و شہادت کے بغیر فیصلہ نہیں کرتی ہیں۔ قرآنِ مجید میں فرمایا۔

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَإِنْ لَّمْ يَكُونَا الخ | اور گواہ کر لو اپنے مردوں میں پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد دو عورتیں

اس آیت میں ضابطۂ شہادت کے چند اصول کا بیان ہے ۸۔ گواہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک مرد یا صرف دو عورتوں کی گواہی عام حالات میں کافی نہیں ۹۔ گواہوں کا مسلمان ہونا ضروری ہے یعنی کفار کی گواہی کفار پر مقبول ہے۔ مسلمانوں پر نہیں۔ مِنْ رِّجَالِكُمْ میں اسی امر کا بیان ہے مِمَّنْ تَرْضَوْنَ الخ کے جملہ سے واضح ہوا کہ گواہوں کا ثقہ اور عادل ہونا ضروری ہے۔ جن کے قول پر اعتماد کیا جا سکے تفسیر مدارک و احمدی میں زیرِ آیت مذکورہ لکھا ہے کہ تنہا عورتوں کی شہادت جائز نہیں خواہ وہ چار کیوں نہ ہوں مگر جن اُمور پر مرد مطلع نہیں ہو سکتے جیسے کہ بچہ جننا، باکرہ ہونا اور نسائی عیوب، ان میں ایک عورت کی شہادت بھی مقبول ہے۔ حدود و قصاص میں عورتوں کی شہادت بالکل مُعتبر نہیں۔ ۰ [illegible] مردوں کی شہادت ضروری ہے۔ اس کے سوا اور معاملات میں ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت بھی مقبول ہے۔

گواہی دینے سے بلا عُذرِ شرعی انکار جائز نہیں

ارشادِ باری ہے۔

وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ط | اور گواہ جب بُلائے جائیں تو آنے سے انکار نہ کریں

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ادائے شہادت فرض ہے۔ جب مدعی گواہوں کو طلب کرے تو انہیں گواہی کو چھپانا جائز نہیں۔ یہ حکم حدود کے سوا اور امور میں ہے لیکن حدود میں گواہ کو اظہار و اخفا کا اختیار ہے بلکہ اخفا افضل ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو مسلمان کی پردہ پوشی کرے۔ اللہ تبارک وتعالےٰ دُنیا و آخرت میں اس کی ستاری کرے گا لیکن چوری میں مال لینے کی شہادت دینا واجب ہے تاکہ جس کا مال چوری ہوگیا ہے اس کا حق تلف نہ ہو۔ گواہ اتنی احتیاط کر سکتا ہے کہ چوری کا لفظ نہ کہے۔ گواہی میں یہ کہنے پر اکتفا کرے کہ یہ مال فلاں شخص نے لیا۔ غرضکہ جب ادائے شہادت کے لیے بُلایا جائے تو انکار نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ شہادت حق دار کا حق دلانے اور جھگڑا ختم کرنے کا ذریعہ ہے ۱۲۔ لیکن اس سلسلہ میں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ

شہادت دینا فرض ہے مگر گواہ کو نقصان پہنچانا اور اس کی عزّتِ نفس سے کھیلنا بھی حرام و گناہِ کبیرہ ہے

اسلامی نظامِ عدل میں جیسے گواہی دینا فرض ہے ایسے ہی گواہوں کو نقصان پہنچانا، سچی گواہی دینے سے روکنا، دھمکیاں دینا، انہیں مختلف قسم کی اُلجھنوں میں مُبتلا کرنا بھی حرام و ناجائز اور گناہِ کبیرہ ہے۔ اسی طرح اس امر کا اہتمام بھی ضروری ہے کہ گواہ کی عزّتِ نفس مجروح نہ ہو اور اگر گواہ اپنی آمد و رفت کا ضروری خرچہ طلب کرے تو اس کا حق ادا کیا جائے تاکہ لوگ گواہی نہ دینے پر مجبور نہ ہو جائیں۔ قرآنِ مجید میں فرمایا۔

وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيدٌ | اور نہ کسی لکھنے والے کو ضرر دیا جائے نہ گواہ کو (یا نہ لکھنے والا ضرر دے نہ گواہ)

لَا يُضَارَّ کے یہ معنیٰ ہیں کہ اہلِ معاملہ کاتبوں اور گواہوں کو ضرر نہ پہنچائیں۔ اس طرح کہ وہ اگر اپنی ضرورتوں میں مشغول ہوں تو انہیں مجبور کریں اور ان کے کام چھڑائیں یا حقِ کتابت نہ دیں یا گواہ کو سفر خرچ نہ دیں۔ یا یہ معنیٰ ہیں کہ کاتب و شاہد اہلِ معاملہ کو ضرر پہنچائیں۔ اس طرح کہ باوجود فرصت و فراغت کے نہ آئیں یا کتابت میں تحریف و تبدیل زیادتی و کمی کریں۔ اس دوطرفہ احتیاط کا نتیجہ یہ تھا کہ ہر معاملہ میں بے غرض سچے گواہ مل جاتے تھے اور فیصلے بھی جلد اور حق کے مطابق ہو جاتے تھے۔

ہمارے دور میں ان قرآنی اصولوں اور ضابطوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے نظامِ عدالت خراب ہوگیا ہے۔ گواہوں کو سچی شہادت دینے کے لیے تحفّظ حاصل نہیں ہے۔ ان کی عزّت و آبرو خطرے میں پڑ جاتی ہے حتیٰ کہ قتل تک کر دیا جاتا ہے۔ معاملہ پولیس کے پاس ہے تو وقت بے وقت تھانوں کے

چکر کاٹنے پڑتے ہیں۔ جب مقدمہ عدالت میں آجاتا ہے تو پیشیوں کی تاریخیں پڑتی ہیں۔ گواہ اپنا کاروبار، مزدور اپنی مزدوری اور ضروریات چھوڑ کر آتا ہے تو حاکم چھٹی پر ہوتا ہے یا مقدمہ کسی دوسری عدالت میں منتقل ہوجاتا ہے۔ اس لیے کوئی شریف آدمی کسی معاملہ کا گواہ بننا اپنے لیے عذاب سمجھنے اور مقدور بھر اس سے بچنے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ البتہ پیشہ ور گواہ ضرور مل جاتے ہیں جن کے ہاں جھوٹ اور سچ کا کوئی امتیاز نہیں ہے قرآن نے مذکورہ بالا ضابطوں کو بڑی اہمیت کے ساتھ بیان کر کے ان مفاسد کا انسداد فرمایا ہے۔ مگر ہم نے ان زریں ضابطوں سے صرف نظر کر کے حصولِ انصاف کی راہ میں کانٹے بچھا دیئے ہیں (الا ماشاء اللہ)

وَقَوْلُهُ تَعَالٰى يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا (النساء، ۱۳۵)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ "اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم ہوجاؤ اللہ کے لیے گواہی دیتے۔ چاہے اس میں تمہارا اپنا نقصان ہو یا ماں باپ کا یا رشتہ داروں کا۔ جس پر گواہی دو وہ غنی ہو یا فقیر ہو بہرحال، اللہ کو اس کا سب سے زیادہ اختیار ہے تو خواہش کے [illegible] نہ جاؤ کہ حق سے الگ پڑو اور اگر تم ہیر پھیر کرو یا منہ پھیرو تو اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

قسط کے معنیٰ عدل و انصاف کے ہیں۔ مطلب آیت یہ ہے کہ بہرحال و بہر صورت ہر صاحب حق کا حق پورا پورا ادا کیا جائے۔ عدل و انصاف کی راہ سے ہٹا کر ظلم و جور میں مبتلا کرنے والی عموماً دو ہی چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ ایک محبت خواہ اس کی نوعیت و کیفیت کچھ ہی ہو اور دوسری عداوت' اس آیت میں قیام بالقسط اور شہادت للہ دونوں چیزیں مامور بہ ہیں۔ مقصود آیت یہ ہے کہ کسی کی محبت، قرابت یا دوستی یا عداوت و دشمنی انصاف کی راہ میں ہرگز ہرگز رکاوٹ نہیں بننی چاہیئے۔ جج ہو یا گواہ دونوں کو فیصلہ کرنے اور شہادت دینے میں محبت و عداوت کو خاطر میں نہیں لانا چاہیئے۔ جو حق ہے اسی کی سچی گواہی دینی اور فیصلہ کرنا چاہیئے خواہ وہ اپنے ماں باپ، قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہی ہو۔

بَابُ اِذَا عَدَّلَ رَجُلٌ اَحَدًا فَقَالَ

باب ایک شخص دوسرے کے متعلق یہ کہے ہیں تو اسے

لَا نَعْلَمُ اِلَّا خَيْرًا وَّقَالَ مَا عَلِمْتُ اِلَّا خَيْرًا۔ بخاری

نیک سمجھتا ہوں یا نیک ہی جانتا ہوں

گواہ کا عادل ہونا ضروری ہے اور گواہ کے تزکیہ کے مسائل

۱۔ واضح ہو کہ مقدمہ میں گواہ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ شریعت اسلامیہ میں گواہ کا عادل ہونا ضروری ہے۔ یعنی اس کا ظاہری چال چلن اچھا ہو۔ گواہوں کے حالات معلوم کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو یہ کہ عدالت میں قابلِ اعتماد گواہ کو جاننے والا اس کی عدالت اور نیک چلنی کو بیان کرے۔ دوسرا طریقہ خفیہ طور پر حاکم گواہ کے متعلق معلومات حاصل کرے۔ امام بخاری علیہ الرحمہ نے پہلے طریقے کو اختیار کرتے ہوئے عنوان قائم فرمایا ہے کہ کسی گواہ کی عدالت بیان کرتے ہوئے یہ کہے ہیں تو اس کو نیک ہی سمجھتا ہوں تو صرف اتنا کہنے سے گواہ کو عادل قرار دیدیا جائیگا۔ سیدنا امام یوسف اور جمہور علماء کا یہی مسلک ہے۔

۲۔ علامہ بدر محمود عینی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ یہ کہنا۔ میں اس کو اچھا جانتا ہوں یا اس میں اچھائی کے سوا کچھ نہیں دیکھتا۔ جس کے متعلق یہ جملے کہے جائیں اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔ امام طحاوی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ امام ابو یوسف کا بھی یہی ارشاد ہے البتہ امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ تزکیہ کے لیے مُعدّل کا یہ کہنا ضروری ہے کہ یہ شخص عادل بھی ہے اور اس کی شہادت جائز ہے مگر ظاہر ہے کہ اتنی سخت قیود اس دور کے لیے تھیں جس میں دیانت و امانت مسلمانوں کی طبیعتِ ثانیہ تھی۔ ہمارے دور میں جب مُعدّل یہ کہے کہ میں اس کو نیک آدمی سمجھتا ہوں۔ تو یہ جملے تزکیہ کے لیے کافی ہونے چاہئیں اور دلیل اس کی حدیثِ افک ہے جس میں لَا نَعْلَمُ اِلَّا خَیْرًا کے جملے ہیں جو تزکیہ کے لیے کافی ہیں۔

۳۔ امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ گواہ کی ظاہری عدالت کافی ہے۔ وَالشَّرْطُ هُوَ الْعَدَالَةُ الظَّاهِرِيَّةُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ (ہدایہ) —— امام ابو یوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایسا فاسق جو صاحبِ مروّت ہو اور معاشرہ میں مقام رکھتا ہو اس کی شہادت قبول کی جائے گی (ہدایہ) نیز حاکم کو بھی مسلمان گواہ کی ظاہری عدالت پہ اکتفا کرنا چاہیئے۔ البتہ گواہ کا تزکیہ اس صورت میں کیا جائیگا جب مدعا علیہ اس کا مطالبہ کرے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلْمُسْلِمُوْنَ عُدُوْلٌ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ اِلَّا مَحْدُوْدًا فِیْ قَذْفٍ (ابن ابی شیبہ) حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالٰے عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو یہی ہدایت فرمائی تھی۔ (دارقطنی)

۴۔ قاضی کو گواہوں کا عادل ہونا معلوم ہو تو تزکیہ کی ضرورت نہیں ہے البتہ حدود و قصاص کے مقدمہ میں بہرحال گواہوں کا تزکیہ ضروری ہے خواہ مدعا علیہ درخواست کرے یا نہ کرے۔ ہدایہ میں ہے۔ اِلَّا فِی الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ فَاِنَّهٗ یَسْئَالُ عَنِ الشُّهُوْدِ (ہدایہ ج ۳ ص ۱۲۴)

۲۴۶۱

وَعُبَيْدُ اللهِ عَنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ وَبَعْضُ حَدِيثِهِمْ يُصَدِّقُ بَعْضًا حِينَ قَالَ لَهَا أَهْلُ الإِفْكِ فَدَعَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا وَأُسَامَةَ حِينَ اسْتَلْبَثَ الْوَحْيُ يَسْتَأْمِرُهُمَا فِي فِرَاقِ أَهْلِهِ فَأَمَّا أُسَامَةُ فَقَالَ أَهْلُكَ وَلَا نَعْلَمُ إِلَّا خَيْرًا وَقَالَتْ بَرِيرَةُ إِنْ رَأَيْتُ عَلَيْهَا أَمْرًا أَغْمِصُهُ أَكْثَرَ مِنْ أَنَّهَا جَارِيَةٌ حَدِيثَةُ السِّنِّ تَنَامُ عَنْ عَجِينِ أَهْلِهَا فَتَأْتِي الدَّاجِنُ فَتَأْكُلُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَعْذِرُنَا مِنْ رَجُلٍ بَلَغَنِي أَذَاهُ فِي أَهْلِ بَيْتِي فَوَاللهِ مَا عَلِمْتُ مِنْ أَهْلِي إِلَّا خَيْرًا وَلَقَدْ ذَكَرُوا رَجُلًا مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِ إِلَّا خَيْرًا

(بخاری)

عبیداللہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں خبر دی اور ان کی باہم ایک کی حدیث دوسرے کی حدیث کی تصدیق کرتی ہے کہ جب ان پر تہمت لگانیوالوں نے تہمت لگائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی اور اُسامہ رضی اللہ عنہما کو اپنی بیوی (عائشہ رضی اللہ عنہا) کو اپنے سے جُدا رکھنے کے لیے مشورہ کرنے کے لیے بُلایا کیونکہ وحی اب تک آپ پر نہیں آئی تھی۔ اسامہ رضی اللہ عنہ نے تو یہ فرمایا کہ آپ کی زوجہ مطہرہ (عائشہ رضی اللہ عنہا) ہیں ہم سوائے خیر کے کچھ نہیں جانتے اور بریرہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں کوئی ایسی چیز نہیں جانتی جس سے ان پر عیب لگایا جاسکے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ وہ نوعمر لڑکی ہیں۔ آٹا گوندھتی ہیں اور پھر جا کے سو رہتی ہیں اور بکری آکے اسے کھا لیتی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسے شخص کی طرف سے کون عُذر خواہی کرے گا جو میری بیوی کے بارے میں بھی مجھے اذیت پہنچاتا ہے، بخدا اپنے اہل (یعنی زوجہ) میں مَیں نے خیر کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا۔ اور (وہ بھی اس تہمت میں) لوگ ایک ایسے شخص کا نام لیتے ہیں جن کے متعلق بھی مجھے خیر کے سوا اور کچھ معلوم نہیں۔

فوائد و مسائل عنوان کے مناسب اس حدیث میں لَا نَعْلَمُ اِلَّا خَیْرًا کے جُملے ہیں۔ حضرت اُسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق بحضور نبوی عرض کی کہ ہم تو ان میں سوائے خیر کے اور کچھ نہیں پاتے وہ پاکدامن اور عفیفہ ہیں۔

واقعہ افک اور منکرین شانِ نبوّت ۱۔ اُمّ المومنین سیّدہ عفیفہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ذاتِ اقدس پر مُنافقین نے جو تہمت لگائی اس کا مقصدِ وحید حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور دینِ اسلام کی حقانیت میں تشکیک پیدا کر کے

اسلام کی بنیاد کو منہدم کرنا تھا۔ منافقین یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ جس نبی کے گھر کا یہ حال ہے اس کی نبوت و رسالت کی صداقت و حقانیت کو کیسے تسلیم کر لیا جائے مگر حیرت و افسوس ہوتا ہے ان نام کے مسلمانوں پر جو منافقین کے اس ذلیل و رکیک الزام کے واقعہ سے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و فضل کے انکار کی راہیں نکالنے کی مذموم کوشش کرتے ہیں۔

۲۔ ان سفہاء کا کہنا یہ ہے کہ اگر حضور علیہ السلام کو اپنی اہلیہ محترمہ کی پاکدامنی کا نزول وحی سے پہلے علم ہوتا تو آپ اضطراب و پریشانی میں کیوں مبتلا رہتے؟ سینتیس روز تک آپ اپنی اہل سے کیوں جدا رہتے۔ جب قرآن مجید نے جناب عائشہ کو پاکدامن اور منافقوں کو جھوٹا قرار دیدیا۔ تب جاکر اصل حقیقت آپ پر منکشف ہوئی (نصیحۃ المسلمین مولوی خرم علی دیوبندی)

۳۔ لیکن ان تمام امور کو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی لاعلمی کی دلیل بنانا شرعاً و عقلاً ہر طرح باطل ہے امام فخر رازی علیہ الرحمہ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فَاِنْ قِيْلَ كَيْفَ جَازَ اَنْ تَكُوْنَ امْرَأَةُ النَّبِيِّ كَافِرَةً كَامْرَأَةِ نُوْحٍ وَّ لُوْطٍ وَّلَمْ يَجُزْ اَنْ تَكُوْنَ فَاجِرَةً وَّاَيْضًا فَلَوْ لَمْ يَجُزْ ذٰلِكَ لَمَا ضَاقَ قَلْبُهٗ وَلَمَا سَاَلَ عَائِشَةَ كَيْفِيَّةَ الْوَاقِعَةِ قُلْنَا (اَلْجَوَابُ) عَنِ الْاَوَّلِ اَنَّ الْكُفْرَ لَيْسَ مِنَ الْمُنَفِّرَاتِ اَمَّا كَوْنُهَا فَاجِرَةً فَمِنَ الْمُنَفِّرَاتِ (وَالْجَوَابُ) عَنِ الثَّانِيْ اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَثِيْرًا مَّا كَانَ يَضِيْقُ قَلْبُهٗ مِنْ اَقْوَالِ الْكُفَّارِ مَعَ عِلْمِهٖ بِفَسَادِ تِلْكَ الْاَقْوَالِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ فَكَانَ هٰذَا مِنْ هٰذَا الْبَابِ

(وَثَانِيْهَا) اَنَّ الْمَعْرُوْفَ مِنْ حَالِ عَائِشَةَ قَبْلَ تِلْكَ الْوَاقِعَةِ اِنَّمَا هُوَ الصَّوْنُ وَالْبُعْدُ عَنْ مُقَدَّمَاتِ الْفُجُوْرِ وَمَنْ كَانَ كَذٰلِكَ كَانَ اللَّائِقُ اِحْسَانَ الظَّنِّ بِهٖ (وَثَالِثُهُمَا) اَنَّ الْقَاذِفِيْنَ كَانُوْا مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ وَاَتْبَاعِهِمْ وَقَدْ عُرِفَ اَنَّ الْكَلَامَ الْعَدُوِّ وَالْمُفْتَرِيْ ضَرْبٌ مِنَ الْهَذَيَانِ فَلِمَجْمُوْعِ هٰذِهِ الْقَرَائِنِ كَانَ ذٰلِكَ الْقَوْلُ مَعْلُوْمَ الْفَسَادِ قَبْلَ نُزُوْلِ الْوَحْيِ (تفسیر کبیر ج ۶ صفحہ ۳۵۰)

امام فخر رازی فرماتے ہیں کہ انبیاء کی ازواج مطہرات کافرہ تو ہوسکتی ہیں (جیسے حضرت لوط اور حضرت نوح علیہ السلام کی بیویاں) مگر انبیاء کرام کی ازواج فاجرہ (بدکار) نہیں ہوسکتیں کیونکہ کفر نفرت دینے

والی چیز نہیں ہے مگر بیوی کا فاجرہ (بدکار) ہونا باعثِ نفرت اور سخت بدنامی کا باعث ہوتا ہے۔ یہ ایسی اخلاقی خرابی ہے جسے کوئی بھی غیرت مند برداشت نہیں کرسکتا۔ اس لیے انبیائے کرام کی ازواج فاجرہ نہیں ہوسکتیں (تفسیر کبیر جلد ۶) اس ضابطہ کو بیان کرنے کے بعد امام فخر رازی کا ارشاد ہے کہ قرآنِ مجید نے تصریح کی ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کفار کی نامعقول باتوں کو سُن کر تنگدل اور مغموم ہو جایا کرتے تھے حالانکہ نبی علیہ السلام کو معلوم تھا کہ کفار کے اقوال باطل محض ہیں۔ ارشادِ باری ہے

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ (سورۃ الحجر، ۹۷)	اور بے شک ہمیں معلوم ہے کہ ان کی باتوں سے تم دل تنگ ہوتے ہو۔

یعنی آپ دعوتِ اسلام کے مقابل کفار کے لغو اور بیکار اعتراضات پر رنجیدہ ہوتے تھے حالانکہ حضور کو معلوم ہے کہ کفار جو کچھ کہتے ہیں وہ غلط اور باطل ہے ——— واقعہ افک کی بھی یہی کیفیت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بالیقین معلوم تھا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پاکدامن ہیں اور منافقین کی تہمت غلط اور واقع کے خلاف ہے مگر اس کے باوجود حضور کا تنگدل اور رنجیدہ ہونا محض کفار کی بیہودہ گوئی اور جھوٹی تہمت کی وجہ سے تھا۔ حضور کے رنجیدہ ہونے کی یہ وجہ نہ تھی کہ آپ کو جناب عائشہ صدیقہ کی پاکدامنی پر شک یا بدگمانی تھی۔

۴۔ نیز جناب ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اس واقعہ سے پیشتر کے حالات اور سیرت و کردار سے بھی ظاہر تھا کہ آپ فسق و فجور سے پاک و صاف ہیں تو جس کی یہ کیفیت ہو اس کے ساتھ بدگمانی کی کیا گنجائش ہے۔

۵۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ تہمت لگانے والے منافق تھے۔ ظاہر ہے کہ مفتری دُشمن کی بات ہذیان سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی یعنی منافقین کا آپ کی پاکدامنی پر حرف زنی کرنا ہی ان کے مفتری و کذاب ہونے کی دلیل تھا۔ اس لیے ان قرائنِ واضح کی موجودگی میں نزولِ وحی سے قبل بھی منافقین کے الزام کا غلط اور بہتان ہونا واضح تھا۔

۶۔ امام فخر رازی علیہ الرحمہ کی اس تقریر سے واضح ہوا کہ منافقین نے جو تہمت لگائی تھی حضور نبی کریم علیہ السلام کو نزولِ وحی سے قبل بھی اس کے باطل و بہتان ہونے کا علم و یقین تھا۔ کسی بھی شخص پر جھوٹی تہمت لگائی جائے خصوصاً اس کی بیوی پر تو اس کے غلط اور بہتان ہونے کے علم کے باوجود ایک غیرتمند انسان کو رنج و غم ہونا بالکل فطری بات ہے۔ نہ صرف اس کو بلکہ اس کے عزیز و اقارب اور دوست و احباب کو بھی پریشانی ہوتی ہے۔

۷۔ نبی کریم علیہ السلام کے مغموم اور پریشان ہونے کی وجہ یہ نہ تھی کہ آپ کو حقیقت کا علم نہ تھا بلکہ پریشانی کی وجہ محض منافقین کا ایک ایسی ہستی کو متہم کرنا تھا جس کی سیرت و کردار کی طہارت و پاکیزگی پہلے ہی سے معلوم تھی۔

۸۔ علاوہ ازیں انبیاءِ کرام کی ازواج کا فاجرہ نہ ہونا بھی حضور کے علم میں تھا اور یہ بھی واضح ہے کہ کوئی اپنے ذاتی قضیہ کا فیصلہ خود نہیں کرتا۔ اگر حضور علیہ السلام خود ہی منافقین کے اتہام کے غلط ہونے کا عدالتی فیصلہ فرما دیتے تو پھر منافقین کو یہ کہنے کی گنجائش ہو جاتی کہ گھر کا معاملہ تھا اسلئے رفع دفع کر دیا۔

۹۔ احادیث سے واضح ہے اور حضرت عائشہ نے خود بھی بطور تحدیثِ نعمت اپنی اس فضیلت کو بیان فرمایا ہے کہ دوسری عورتوں کا نکاح زمین پر ہوا اور میرا نکاح حضور کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے آسمانوں پر فرمایا اور بخاری شریف کی حدیث میں حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خواب میں مجھے حضرت عائشہ کو ریشمی لباس میں پیش کیا گیا اور کہا گیا کہ یہ آپ کی زوجہ ہیں[۱]۔ اور انبیاء کرام کے خواب کا وحی ہونا کتاب و سُنّت سے ثابت ہے۔ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنے خواب کی بنیاد پر ہی اپنے مقدس بیٹے کی قربانی دی تھی اور بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ انبیاء کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں[۲]۔ تو جس مقدس خاتون کو اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب کے نکاح میں دیا ہو اس کے متعلق حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم محض منافقین کی جھوٹی تہمت کی بناء پر بدظن ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں لہٰذا واقعہ افک کو حضور کے عدمِ علم کی دلیل بنانا باطلِ محض ہے۔

۱۰۔ افسوس منکرینِ شانِ رسالت نے واقعہ افک کو حضور کے عدمِ علم کی دلیل بنا کر نہ صرف حضور کی ذاتِ اقدس پر دو غلط الزام لگا دیے۔ ایک عدمِ علم اور دوسرا یہ کہ حضور کا حضرتِ عائشہ سے بدگمان ہونا (حالانکہ شرعاً کسی مسلمان پر بدگمانی حرام ہے) بلکہ ان سُفہاء نے اس ذلیل استدلال سے اللہ رب العزت جل مجدہ کی شانِ ارفع و اعلےٰ کو بھی مجروح کر دینے کی ناپاک کوشش کی کہ معاذ اللہ معاذ اللہ اس

---

[۱] اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَھَا اُرِیْتُکِ فِی الْمَنَامِ مَرَّتَیْنِ اَرٰی اِنَّکِ فِیْ سَرَقَۃٍ مِنْ حَرِیْرٍ وَّ یَقُوْلُ ھٰذِہٖ اِمْرَاَتُکَ فَاکْشِفُ عَنْھَا فَاِذَا ھِیَ اَنْتِ ــــ وَفِیْ رِوَایَۃٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔ ایک روایت میں ہے کہ تین مرتبہ خواب میں حضور کو یہ واقعہ پیش آیا۔ قسطلانی (بخاری ج ۱ ص ۵۵۱) [۲] رُؤْیَا الْاَنْبِیَآءِ وَحْیٌ (بخاری) ــــ قرآنِ مجید میں ہے۔ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُکَ الخ (سورۃ الصّٰفّٰت ۱۰۲، ص ۵۳۴)

اس عالم الغیب والشہادۃ نے ایک ایسی ویسی خاتون کو اپنے مقدس رسول کے عقد میں دے دیا۔

۱۱۔ رہا یہ سوال کہ وحی کا انتظار کیوں فرمایا؟ تو اس میں جو حکمتیں تھیں ان کے اظہار و بیان کے لیے دفتر درکار ہے۔ وحی کے انتظار فرمانے اور خود عدالتی فیصلہ نہ فرمانے میں ایک تو یہی حکمت تھی کہ اپنے ذاتی معاملہ کا خود فیصلہ نہیں کیا جاتا ورنہ منافقین کو مزید شبہات پیدا کرنے کی گنجائش نکل آتی جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا۔

۱۲۔ ایک حکمت یہ بھی کہ بذریعہ وحی فیصلہ ہونا قطعی الثبوت و قطعی الدلالت قرار پاگیا اور قرآنِ مجید کے منافقوں کو جھوٹا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو عفیفہ پارسا پاکدامن قرار دینے سے اس مسئلہ کی حیثیت ایسی ہوگئی۔ اب جو معاذ اللہ ذرا بھی جنابِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق دل میں شبہ رکھے اور ان کی پاکدامنی پر شک کرے اور منافقین کے جھوٹا ہونے پر ایمان نہ لائے وہ قرآن کا منکر اور اسلام کے دائرہ سے خارج ہو کر کافر قرار پاتا ہے۔ (بخاری)

۱۳۔ نیز اس واقعہ میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے صبر و شکر کا امتحان بھی تھا کہ تہمت کے جھوٹے ہونے کے باوجود آپ نے معاملہ اللہ سبحانہٗ تعالےٰ کے سپرد کر دیا۔ یہ اور اس نوع کی متعدد حکمتیں تھیں۔ جن کی بنا پر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے خود جج بن کر عدالتی فیصلہ نہ فرمایا بلکہ اللہ تعالےٰ کے فیصلہ فرمانے کا انتظار فرمایا۔

۱۴۔ ورنہ جہاں تک حقیقتِ حال کا تعلق ہے تو وہ تو آفتاب کی طرح حضور پر واضح تھی۔ اور آپ کو تہمت کے جھوٹا ہونے اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے طیبہ طاہرہ عفیفہ پارسا ہونے کا ایسا یقین تھا کہ آپ نے نزولِ وحی سے قبل اللہ تعالےٰ کے نامِ اقدس کی قسم کھا کر فرمایا۔

مَنْ يَّعْذِرُنِيْ مِنْ رَّجُلٍ بَلَغَنِيْ اِذَاهُ فِيْ اَهْلِيْ فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ عَلٰى اَهْلِيْ اِلَّا خَيْرًا

(بخاری)

کون ہے جو ایسے شخص کے متعلق میری طرف سے عذر خواہی کرے جس نے میری زوجہ کے متعلق مجھے رنج اور اذیّت پہنچائی ہے۔ خدا کی قسم میں اپنی زوجہ میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں دیکھتا

اہلِ ایمان اپنے ضمیر سے پوچھیں کہ نزولِ وحی سے قبل حضور علیہ السلام قسم کھا کر تہمت کے جھوٹے ہونے کا اعلان فرما رہے ہیں اور واضح لفظوں میں فرما رہے ہیں کہ خدا کی قسم مجھے اپنی زوجہ میں خیر کے سوا کچھ نظر نہیں آرہا۔ حضور علیہ السلام کے اس ارشاد سے قطعی حتمی طور پر واضح ہوگیا کہ نہ تو آپ کو حضرت عائشہ پر بدگمانی تھی اور نہ ہی آپ اصل حقیقت سے بے خبر تھے۔ ایک مومن مسلمان کے لیے تو صرف حضور کا ارشاد ہی کافی ہے۔ اب اگر کوئی حضور کے قسم کھا کر ارشاد پر اعتبار نہ کرے اور یہی رٹ لگاتا رہے

کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم نہ تھا تو ایسے متعصب منکر کے لیے تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ انشاء اللہ میدان حشر میں اس کو بیباکی و گستاخی کی ضرور سزا ملے گی۔

ذکر رو کے فضل کاٹے نقص کا جویاں رہے
پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی

بَابُ شَهَادَةِ الْمُخْتَبِیْ

چھپے ہوئے آدمی کی شہادت

مطلب عنوان یہ ہے کہ کوئی شخص چھپ کر کسی کی بات سنے اور پھر جو سنا ہے اس کی گواہی دے تو اس کی گواہی معتبر ہوگی یا نہیں؟

وَاَجَازَهٗ عَمْرُوْبْنُ حُرَيْثٍ قَالَ وَكَذٰلِكَ يُفْعَلُ بِالْكَاذِبِ الْفَاجِرِ (بخاری)

اور عمرو بن حریث نے اس کو جائز قرار دیا ہے نیز انہوں نے کہا جھوٹے اور فریب کار سے ایسا کرنا جائز ہے۔

حضرت عمرو بن حریث مخزومی صحابہ کرام میں سب سے چھوٹی عمر کے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت ان کی عمر بارہ برس تھی۔ یہ پہلے قریشی ہیں جنھوں نے کوفہ میں مکان بنایا اور وہیں ۸۵ھ میں وفات پائی۔ ان کے والد بھی صحابی تھے۔ بخاری شریف میں صرف اسی مقام پر امام بخاری نے ان کا ذکر کیا ہے۔

۲۔ اس تعلیق کو امام بیہقی نے وصل کیا ہے کہ عمرو بن حریث مختبی کی شہادت کو جائز قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خائن و فاجر کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کیا جائے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ زید بکر کا قرضدار ہے مگر کسی کے سامنے اقرار نہیں کرتا۔ اب بکر کچھ لوگوں کو ایک مقام پر چھپا دیتا ہے اور زید کو اس مقام پر لاکر اپنے قرض کے متعلق بات کرتا ہے اور زید اکیلے میں اقرار کر لیتا ہے اور چھپے ہوئے لوگ زید کے اقرار کو سن لیتے ہیں مگر زید کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے۔ عمرو بن حریث کہتے ہیں۔ چھپے ہوئے لوگوں کی گواہی جائز ہے۔ سیدنا امام شافعی کا جدید قول ہے اور ابن ابی لیلے و سیدنا امام مالک و احمد و اسحٰق رضی اللہ تعالےٰ عنہم کا یہی مسلک ہے۔ لیکن امام نخعی شعبی اور قاضی شریح مختبی کی شہادت کو جائز قرار نہیں دیتے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب شاہد مشہود علیہ سے چھپ گیا تو وہ عادل نہ رہا کیونکہ چھپ کر سننا (یعنی چھپ کر گواہ بننا ایک قسم کا دھوکہ ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ کا قدیم قول بھی یہی ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ بھی مختبی کی شہادت کو جائز قرار نہیں دیتے۔ (عینی ج ۱۳ ص ۱۹۵)

چھپ کر گواہ بننے والے (مختبی) کی شہادت جائز نہیں ہے

۳۔ شہادت مختبی یہ ہے

کہ کوئی شخص اپنی ذات کو مشہود علیہ سے پوشیدہ رکھے تاکہ اس کے اقرار کو سن لے۔ لیکن اقرار کرنے والے کو نہ دیکھے تو ایسے شخص کی شہادت جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ مشہود علیہ کو دیکھنے کی وجہ سے شاہد کو علم لقینی حاصل نہ ہوگا چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے شہادت کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا۔ کیا تو سورج کو دیکھتا ہے۔

هَلْ تَرَى الشَّمْسَ فَقَالَ نَعَمْ قَالَ عَلٰى مِثْلِهَا فَاشْهَدْ اَوْدَعْ	اس نے عرض کی ہاں۔ فرمایا سورج کی طرح دیکھے تو شہادت دے ورنہ نہیں (مستدرک)

تو صرف کسی کے اقرار کو سننے اور اقرار کرنے والے یا بیع وشرار کرنے والے وغیرہ کو نہ دیکھنے سے علم لقینی حاصل نہیں ہوتا کیونکہ آواز آواز کے مشابہ ہوتی ہے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے کہ جس کی بات اس نے سنی وہ پردے میں ہے آواز سنتا ہے مگر اسے دیکھتا نہیں ہے۔ اس کے متعلق اس کی گواہی درست نہیں اگرچہ آواز سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ فلاں کی آواز ہے۔ ہاں اگر اسے واضح طور پر یہ معلوم ہے کہ اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے یوں کہ یہ خود پہلے مکان میں گیا تھا اور دیکھ آیا تھا کہ مکان میں اس کے سوا کوئی نہیں ہے اور یہ دروازے پر بیٹھا رہا۔ کوئی دوسرا مکان کے اندر گیا نہیں اور مکان میں جانے کا کوئی دوسرا رستہ بھی ہے۔ ایسی حالت میں جو کچھ اندر سے آواز آئی اور اس نے سنی اس کی شہادت دے سکتا ہے (فتح القدیر ج ۶ ص ۴۶۳ و بحرالرائق ج ۷ ص ۷)

فتح القدیر کے اس حوالہ سے واضح ہوا کہ احناف کے ہاں شہادت مختبی کو ناجائز قرار دینے کی بنیاد یہ ہے کہ شرطِ شہادت یہ ہے کہ خصم سے سنے اور خصم کا خصم ہونا اسی صورت میں ہوگا جب کہ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھے نہ کہ محض اس کے کلام کو سنے۔ کیونکہ محض اس کے کلام کو سننے سے علم لقینی حاصل نہ ہوگا۔ لہٰذا مختبی اندھے کی طرح ہو جائے گا ـــــ یہی وجہ ہے کہ احناف مختبی کی شہادت کو مطلقاً ناجائز نہیں کہتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اگر چھپے ہوئے شخص نے اقرار کرنے والے کو نہیں دیکھا صرف اس کی آواز کو سنا تو اس صورت میں اس کی گواہی معتبر نہ ہوگی۔ اگر چھپے ہوئے شخص (یعنی مختبی) نے آواز بھی سنی اور جس کی آواز ہے اس کو بھی دیکھا اگرچہ پردہ میں رہ کر دیکھا تو ایسی صورت میں مختبی کی شہادت درست ہے۔ چنانچہ عالمگیری ج ۳ میں ہے۔

ایک شخص کے ذمہ کسی کا مطالبہ ہے وہ تنہائی میں اقرار کرلیتا ہے۔ مگر جب لوگوں کے سامنے دریافت کرتا ہے تو انکار کر دیتا ہے۔ صاحب حق نے یہ حیلہ کیا کہ جو کچھ لوگوں کو مکان کے اندر چھپا دیا اور اس کو بلایا اور دریافت کیا۔ اس نے یہ سمجھ کر کہ یہاں کوئی نہیں ہے اقرار کر لیا۔ جس کو ان لوگوں نے سنا اگر

اُن لوگوں نے دروازہ کی جھری یا سوراخ سے اس شخص کو دیکھ لیا تو گواہی دینا دُرست ہے۔

اِنَّمَا یَجُوْزُ اِذَا کَانَ الشُّھُوْدُ یَرَوْنَ وَجْھَهٗ وَاِنْ کَانُوْا لَا یَرَوْنَ وَجْھَهٗ وَلٰکِنْ یَسْمَعُوْنَ کَلَامَهٗ لَا یَحِلُّ لَھُمْ اَنْ یَّشْھَدُوْا

(عالمگیری ج ۳ ص ۴۵۳ کتاب الشہادۃ)

فائدہ - عالمگیری کے اس حوالہ پر یہ اعتراض دُرست نہیں ہے کہ قرآن وسُنّت میں تجسّس عیوب کی ممانعت آئی ہے اور چھپ کر کسی کے اقرار کو سُننا اسی زمرہ میں آتا ہے۔ جواب یہ ہے یہ تجسّس وہ نہیں ہے جس کی ممانعت ہے۔ یہ تو ظالم اور خائن سے مظلوم کا حق دلوانا ہے یعنی مظلوم کا حق دلانے کے لیے ظالم وخائن کا تجسّس ممنوع نہیں ہے۔

وَقَالَ الشُّعْبِیُّ وَابْنُ سِیْرِیْنَ وَعَطَاءٌ وَّقَتَادَةُ السَّمْعُ شَھَادَةٌ (بخاری)

شعبی، ابن سیرین، عطاء، اور قتادہ نے فرمایا کہ سُننا بھی شہادت کے لیے کافی ہے۔

۱۔ اس تعلیق کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ الفاظِ اثر یہ ہیں۔ یَجُوْزُ شَھَادَةُ السَّمْعِ اِذَا قَالَ سَمِعْتُهٗ یَقُوْلُ وَاِنْ لَّمْ یُشْھِدْهُ۔ (فتح الباری)

وَقَالَ الْحَسَنُ یَقُوْلُ لَمْ یُشْھِدُوْنِیْ عَلٰی شَیْءٍ وَّاِنِّیْ سَمِعْتُ کَذَا وَکَذَا (بخاری)

اور حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسے اس طرح کہنا چاہیئے کہ اگرچہ ان لوگوں نے مجھے گواہ نہیں بنایا ہے لیکن میں نے اس طرح سُنا ہے۔

۲۔ حضرت حسن بصری علیہ کی تعلیق کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کسی کی بات سُنے تو قاضی کی عدالت میں یہ کہے کہ مجھے انہوں نے گواہ تو نہیں بنایا مگر میں نے اس سے یہ سُنا ہے۔ تعلیق کے الفاظ یہ ہیں۔ لَوْ اَنَّ رَجُلًا سَمِعَ مِنْ قَوْمٍ شَیْئًا فَاِنَّهٗ یَاْتِی الْقَاضِیَ فَیَقُوْلُ لَمْ یُشْھِدُوْنِیْ وَلٰکِنْ سَمِعْتُ کَذَا وَکَذَا (فتح الباری ج ۵ ص ۱۸۴)

ان دونوں تعلیقوں کے ذکر سے مقصود یہ بتانا ہے کہ مختبی کی شہادت جائز ہے لیکن یہ استدلال درست نہیں ہے کیونکہ دونوں تعلیقوں کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی کے اقرار کو بغیر قصد کے سُن لیا تو اگرچہ اسے گواہ نہ بنایا گیا ہو پھر بھی اس کی گواہی دینا جائز ہے۔

مثلاً دو شخصوں کے مابین بیع ہوئی اس نے دونوں کو دیکھا اور دونوں کے الفاظ سُنے یہ بیع کا گواہ ہے یا مجلسِ نکاح میں یہ حاضر ہے۔ الفاظِ ایجاب وقبول اپنے کان سے سُنے اور دونوں کو بوقت سُننے کے دیکھ رہا ہے یہ نکاح کا گواہ ہے۔ یونہی اس کے سامنے مُقر نے اقرار کیا یہ اقرار کا گواہ ہے تو

اگرچہ رسمی طور پر اس کو گواہی کے لیے نامزد نہ کیا ہو۔ پھر بھی اس کو گواہی دینا جائز ہے اور اس کی گواہی معتبر ہے کیونکہ شاہد کو علمِ یقین حاصل ہوگیا ہے۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۴۱۵)

جس شخص کو رسمی طور پر گواہ نہ بنایا ہو اس کو گواہی دینا جائز ہے اور اس کی گواہی معتبر ہے۔

کیونکہ جس چیز کی گواہی دی جاتی ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ اول یہ کہ محض ان کا معائنہ گواہی دینے کے لیے گواہی ہے۔ یعنی وہ ایسے امور ہیں کہ جن کا حکم بنفسہٖ ثابت ہوجاتا ہے مثلاً بیع کا حکم یہ ہے کہ مشتری اس چیز کا مالک ہوجائے اور بائع ثمن کا۔ تو یہ حکم نفسِ عقد سے ثابت ہے۔ خواہ کسی کو گواہ نہ بھی بنایا جائے تو بھی بیع وشراء، قتل، غصب، اقرار، حکمِ قاضی یہ اُمور ایسے ہیں کہ ان کا حکم بنفسہٖ ثابت ہوجاتا ہے۔ جب گواہ نے بائع و مشتری سے بیع کے الفاظ سُنے یا مُقر سے اقرار سُنا یا غصب و قتل ہوتے ہوئے دیکھا تو گواہی دینا درست ہے۔ اس کو گواہ بنایا ہو یا نہ بنایا ہو۔ اگر گواہ نہیں بنایا ہے تو یہ کہے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں۔ یہ نہیں کہے گا کہ مجھے گواہ بنایا ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ بغیر گواہ بنائے ہوئے گواہی دینا درست نہیں۔ (یعنی شہادۃ علی الشہادۃ) جیسے کسی کو گواہی دیتے ہوئے دیکھا تو یہ گواہی نہیں دے سکتا یعنی یوں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس نے یہ گواہی دی ہاں اگر اس نے اس کو گواہ بنایا تو گواہی دے سکتا ہے۔ یا قاضی نے اس کے سامنے فیصلہ سُنایا تو یہ گواہی دے سکتا ہے کہ فلاں قاضی نے اس معاملہ میں یہ فیصلہ کیا ہے

(ہدایہ فتح القدیر ج ۶ ص ۴۶۳)

حضرت امام طحاوی علیہ الرحمہ نے مختصر میں فرمایا۔

يَجُوْزُ لِلرَّجُلِ اَنْ يَّشْهَدَ بِمَا سَمِعَ اِذَا كَانَ مُعَايِنًا لِّمَنْ سَمِعَهٗ وَاِنْ لَّمْ يُشْهِدْهُ عَلٰى ذَالِكَ

(عینی ج ۱۲ ص ۱۹۵)

یعنی جو شخص موقع پر موجود ہو تو اس کو جائز ہے کہ جو اس نے دیکھا ہے یا سُنا ہے اس کی گواہی دے اگرچہ اس کو گواہ نہ بنایا گیا ہو۔

نیز اس کی دلیل امت کا تعامل ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وخلفاء راشدین و ائمہ دین سے یہ امر ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے گواہ سے گواہی دیتے وقت یہ پوچھا ہو کہ تجھے گواہ بنایا گیا ہے۔ ثانیاً اگر یہ شرط لگادی جائے کہ شاہد کی گواہی اسی صورت میں جائز ہوگی۔ جب کہ اس کو مشہود لہٗ نے گواہی کے لیے نامزد کردیا ہو تو پھر تو شہادۃ کا دروازہ ہی بند ہوجائے گا۔ کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ قاتل قتل کرتے وقت، چور چوری کرتے وقت، غاصب غصب کرتے وقت یہ ہرگز نہیں کہہ سکتا کہ میں قتل، غصب اور

کر رہا ہوں۔ تم میرے اس فعل کے گواہ بن جاؤ۔

بعض اُمور ایسے ہیں جن کی محض شہرت اور سُننے کی بناء پر شہادت دینا درُست ہے

۱۔ چند اُمور ایسے ہیں کہ محض شہرت اور سُننے کی بنا پر شہادت دینا دُرست ہے اگرچہ شاہد نے خود مشاہدہ نہ کیا ہو۔ جب کہ ایسے لوگوں سے سنا ہو جن پر اعتماد ہو۔ نکاح، نسب، موت، قضا، دخول مثلاً ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ایک عورت کے پاس جاتا ہے اور لوگوں سے سُنا کہ یہ اس کی بی بی ہے یہ نکاح کی گواہی دے سکتا ہے یا لوگوں سے سُنا کہ یہ فلاں کا بیٹا ہے شہادت دے سکتا ہے یا ایک شخص کو دیکھا کہ لوگوں کے معاملات فیصل کرتا ہے اور لوگوں سے سُنا کہ یہ یہاں کا قاضی ہے۔ گواہی دے سکتا ہے کہ یہ قاضی ہے اگرچہ بادشاہ نے جب قاضی بنایا اس نے مشاہدہ نہیں کیا یا ایک شخص کی نسبت لوگوں سے سُنا کہ مرگیا۔ اس کی موت کی شہادت دے سکتا ہے مگر ان صورتوں میں گواہ کو چاہیئے کہ یہ ظاہر نہ کرے کہ میں نے ایسا سُنا ہے۔ اگر سُنا بیان کردے گا تو گواہی رد ہو جائے گی۔ (ہدایہ عالمگیری) ۲۔ مرد اور عورت کو ایک گھر میں رہتے دیکھا اور یہ کہ وہ اس طرح رہتے ہیں جیسے میاں بی بی اس صورت میں نکاح کی گواہی دے سکتا ہے (ہدایہ) ۳۔ اگر کسی کے دفن میں یہ خود حاضر تھا یا اس کے جنازہ کی نماز پڑھی تو یہ مُعاینہ ہی کے حکم میں ہے اگرچہ نہ مرتے وقت حاضر تھا نہ میّت کا چہرہ دیکھا اگر اس امر کو قاضی کے سامنے بھی ظاہر کردے گا جب بھی گواہی مقبول ہے ۴۔ کسی کے مرنے کی خبر آئی اور گھر والوں نے وہ چیزیں کیں جو اموات کے لیے کرتے ہیں۔ مثلاً سوم و ایصال ثواب وغیرہ محض اتنی بات معلوم ہونے پر موت کی شہادت دینا درست نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ اس کی میراث تقسیم کرنے کی غرض سے یہ ڈھونگ رچایا ہو) ہاں اگر معتبر آدمی نے خبر دی کہ وہ مرگیا ہے اور اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے تو ایسے معتبر آدمی سے سُن کر اس شخص کی موت کی گواہی دینا جائز ہے ۵۔ اسی طرح کسی عمارت وغیرہ کے وقف کی شہادت سُنے (شہرت) کی بنا پر دینا جائز ہے لیکن شرائطِ وقف کے متعلق سُن کر گواہی دینا دُرست نہیں ہے کیونکہ عام طور پر وقف ہی کی شہرت ہوا کرتی ہے شرائط کا علم تو خاص لوگوں کو ہوتا ہے (ہدایہ عالمگیری معین الحکام امام علاؤالدین صر ۱۳۵)

قَالَ سَالِمٌ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ انْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ أُبَيُّ ابْنُ كَعْبٍ الْاَنْصَارِيُّ يَؤُمَّانِ النَّخْلَ الَّتِيْ فِيْهَا ابْنُ صَيَّادٍ حَتّٰى

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر کھجور کے اس باغ کی طرف تشریف لے گئے جس میں ابن صیّاد تھا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ

اِذَا دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَفِقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَّقِیْ بِجُذُوْعِ النَّخْلِ وَھُوَ یَخْتِلُ اَنْ یَّسْمَعَ مِنِ ابْنِ صَیَّادٍ شَیْئًا قَبْلَ اَنْ یَّرَاہُ وَابْنُ صَیَّادٍ مُضْطَجِعٌ عَلٰی فِرَاشِہٖ فِیْ قَطِیْفَۃٍ لَّہٗ فِیْھَا رَمْرَمَۃٌ اَوْزَمْزَمَۃٌ فَرَاَتْ اُمُّ ابْنِ صَیَّادٍ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ یَتَّقِیْ بِجُذُوْعِ النَّخْلِ فَقَالَتْ لِابْنِ صَیَّادٍ اَیْ صَافِ ھٰذَا مُحَمَّدٌ فَتَنَاھَی ابْنُ صَیَّادٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ تَرَکَتْہُ بَیَّنَ (بخاری)

علیہ وسلم ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر کھجور کے اس باغ کی طرف تشریف لے گئے جس میں ابن صیاد تھا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باغ میں داخل ہوئے تو آپ درختوں کی آڑ میں چھپ کر چلنے لگے۔ آپ چاہتے تھے کہ ابن صیاد آپ کو دیکھنے نہ پائے اور آپ اس کی باتیں سن سکیں۔ ابن صیاد ایک روئیں دار چادر میں زمین پر لیٹا ہوا تھا اور کچھ گنگنا رہا تھا۔ ابن صیاد کی ماں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا کہ آپ درخت کی آڑ لیے چلے آ رہے ہیں تو اس کی ماں نے کہا۔ صاف! یہ محمد آ رہے ہیں۔ ابن صیاد متنبہ ہوگیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس کی ماں اس کو متنبہ نہ کرتی تو (صحابہ پر) بات واضح ہو جاتی۔

فوائد و مسائل ۱۔ یہ حدیث مع تفہیم و ترجمانی کے کتاب الجنائز میں گزر چکی ہے۔ دیکھئے فیوض پارہ پنجم ص۱۳۱ ۲۔ ابن صیاد ایک یہودی نژاد لڑکا تھا۔ وہ ایسی باتیں کرتا تھا جیسے کاہن کرتے ہیں۔ نبی علیہ السلام نے خفیہ طریقہ سے اس کی باتیں صرف اس لیے سننا چاہیں تاکہ صحابہ کرام پر اس کا جھوٹا اور فریبی ہونا واضح ہو جائے۔ شارح بخاری علامہ بدر محمود عینی علیہ الرحمہ اور حضرت مولینا احمد علی صاحب سہارنپوری نے اس حدیث کے تحت لکھا۔ حَتّٰی یَظْھَرَ لِلصَّحَابَۃِ حَالُہٗ فِیْ اَنَّہٗ کَاھِنٌ (بخاری ج۲ ص۳۵۹) یَظْھَرُ اَمْرُہُ الْبَاطِلُ لِلصَّحَابَۃِ وَاَنَّہٗ کَاھِنٌ سَاحِرٌ یَّاْتِیْہِ الشَّیْطٰنُ فَیُلْقِیْ عَلٰی لِسَانِہٖ مَا یُلْقِیْہِ الشَّیَاطِیْنُ لِکَھَنَتِہٖ (عینی جلد۴ ص۱۹۳) —
۳۔ امام بخاری علیہ الرحمہ حدیث کے الفاظ وَھُوَ یَخْتِلُ اَنْ یَّسْمَعَ مِنِ ابْنِ صَیَّادٍ شَیْئًا سے یہ استدلال کرنا چاہتے ہیں کہ چھپ کر گواہ بننے والے کی شہادت جائز ہے۔ اگرچہ شاہد مشہود علیہ کو نہ دیکھے مگر یہ استدلال درست نہیں ہے۔ کیونکہ حدیث کے خط کشیدہ جملوں کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام ابن صیاد کی گفتگو اس طرح سننا چاہتے تھے کہ وہ آپ کو نہ دیکھ سکے نہ یہ کہ حضور علیہ السلام اس کو نہ دیکھ سکیں۔ لہٰذا حدیث کے ان جملوں کا شہادت مختبی سے کوئی علاقہ نہیں ہے کیونکہ شہادۃ مختبی یہ ہے کہ شاہد

مشہود علیہ کو نہ دیکھے۔ ثانیاً ان جملوں سے شہادۃ مختبی کے جواز کا یہ استدلال اس لیے بھی درست نہیں کہ حضور علیہ السلام کا تحقیقِ حال فرمانا دیانۃً تھا اور یہ بات موضوع سے خارج ہے۔

۲۴۶۳ - عَنْ عَائِشَةَ جَاءَتِ امْرَأَةُ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيِّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ كُنْتُ عِنْدَ رِفَاعَةَ فَطَلَّقَنِيْ فَابَتَّ طَلَاقِيْ فَتَزَوَّجْتُ عَبْدَالرَّحْمٰنِ ابْنَ الزُّبَيْرِ اِنَّمَا مَعَهٗ مِثْلُ هُدْبَةِ الثَّوْبِ فَقَالَ اَتُرِيْدِيْنَ اَنْ تَرْجِعِيْ اِلٰى رِفَاعَةَ لَا حَتّٰى تَذُوْقِيْ عُسَيْلَتَهٗ وَيَذُوْقَ عُسَيْلَتَكِ وَاَبُوْبَكْرٍ جَالِسٌ عِنْدَهٗ وَخَالِدُ بْنُ سَعِيْدِ بْنِ الْعَاصِ بِالْبَابِ يَنْتَظِرُ اَنْ يُّؤْذَنَ لَهٗ فَقَالَ يَا اَبَابَكْرٍ اَلَا تَسْمَعُ اِلٰى هٰذِهٖ مَا تَجْهَرُ بِهٖ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(بخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رفاعہ قرظی کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ میں رفاعہ کی زوجیت میں تھی، پھر مجھے انہوں نے طلاق دیدی اور طلاق قطعیت کے ساتھ دی (یعنی تین طلاق) پھر میں نے عبدالرحمن بن زبیر رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا لیکن ان کے پاس تو اس کپڑے کے پھندنے کی طرح ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا، کیا تم رفاعہ کے پاس دوبارہ جانا چاہتی ہو؟ لیکن تم اس وقت تک ان سے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتی جب تک تم عبدالرحمن بن زبیر کا مزہ نہ چکھ لو اور وہ تمہارا مزہ نہ چکھ لیں۔ اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ خدمت نبوی میں موجود تھے اور خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ دروازے پر اپنے لیے (اندر آنے کی) اجازت کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا، ابوبکر! کیا تم اس عورت کی بات نہیں سُنتے؟ یہ نبی علیہ السلام کے حضور کس قدر بلند آواز سے گفتگو کر رہی ہے۔

فوائد و مسائل ۱۔ اس حدیث کو امام مسلم، ترمذی ابن ماجہ نے نکاح میں اور نسائی نے نکاح و طلاق میں ذکر کیا ہے ۲۔ اس حدیث کے آخری جملوں سے امام بخاری نے شہادۃ مختبی کے جواز کا استدلال کیا ہے۔ جس کی تقریر یہ ہے کہ رفاعہ کی بیوی بحضور نبوی بلند آواز سے گفتگو کر رہی تھی۔ ان کی گفتگو کو سن کر حضرت خالد نے حضرت ابوبکر کو توجہ دلائی کہ دیکھو یہ کیسے بلند آواز سے گفتگو کر رہی ہے حالانکہ حضرت خالد اس کو دیکھ نہیں رہے تھے۔ صرف اس کی آواز پر اعتماد کر کے حضرت خالد سمجھ گئے کہ بولنے والی خاتون رفاعہ کی بیوی ہے اور اس کے بلند آواز سے بولنے پر آپ نے حضرت ابوبکر کو توجہ دلائی اور حضور علیہ السلام نے حضرت خالد کے عمل پر اعتراض نہیں کیا۔ لہٰذا خالد مختبی کی طرح ہو گئے لیکن یہ استدلال بھی درست نہیں

ہے کیونکہ حضرت خالد کا رفاعہ کی بیوی کے بلند آواز سے بولنے پر توجہ دلانا باب شہادت سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے ہے۔ وَلَا نَزَاعَ فِي جَوَازِهِ بِالسِّمَاعِ وَاِنْ كَانَ السَّامِعُ مُحْتَجِبًا۔ فَافْهَمْ۔ ثانیاً یہ بھی ممکن ہے کہ جب رفاعہ کی بیوی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں داخل ہوئیں تو انہوں نے ان کو دیکھا ہو اور پہچان لیا ہو۔ پھر دروازہ پر بیٹھے بیٹھے انہوں نے رفاعہ کی بیوی کی آواز کو سنا ہو۔ اس امکان کی بناء پر اس واقعہ کا شہادۂ مختبی سے تعلق ہی نہ رہا۔

۳۔ رفاعہ قرظی کی بیوی کا نام تمیمہ بنت وہب تھا (موطا امام مالک)

فَبَتَّ طَلَاقِي اَيْ قَطَعَ قَطْعًا كُلِّيًّا بِتَحْصِيْلِ الْبَيْنُوْنَةِ الْكُبْرٰى (بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے (اَنَّ رِفَاعَةَ طَلَّقَنِيْ اٰخِرَ ثَلَاثَ تَطْلِيْقَاتٍ) حَتّٰى تَذُوْقِيْ عُسَيْلَتَهٗ سے لذّتِ جماع مراد ہے۔ نیز حضرت عائشہ صدیقہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ اَلْعُسَيْلَةُ اَلْجِمَاعُ (دارقطنی وعینی ج ۱۳ ص ۱۹۸ احمد ونسائی نیل الاوطار ج ۶ ص ۱۸۱ جامع صغیر ج ۲ ص ۶۴)

مُطلّقہ ثلاثہ حلالہ کے بعد شوہرِ اوّل سے نکاح کرسکتی ہے

۴۔ بخاری شریف کی اس حدیث سے واضح ہوا کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی ہیں تو وہ واقع ہو جائیں گی اور اس کی بیوی اس کے نکاح سے بالکل خارج ہو کر اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی اور تین طلاق دینے کی صورت میں نہ دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے اور نہ رجوع۔ البتہ حلالہ کے بعد شوہر اوّل سے نکاح کر سکتی ہے اور حلالہ یہ ہے مطلّقہ ثلاثہ عدّت پوری کرنے کے بعد کسی اور شخص سے نکاح صحیح کرے اور یہ شخص اس سے صحبت کرے۔ پھر اگر شوہر ثانی طلاق دیدے تو شوہر ثانی کی عدت پوری کرنے کے بعد وہ عورت شوہر اول سے نکاح کر سکتی ہے۔

حلالہ میں شوہر ثانی کا جماع کرنا ضروری ہے

۵۔ بخاری شریف کی اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ حلالہ میں صرف نکاح کافی نہیں ہے بلکہ نکاح کے بعد جماع کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر صرف نکاح کر لیا اور جماع نہ کیا اور شوہر ثانی نے طلاق دیدی تو ایسی صورت میں عورت شوہر اول سے نکاح نہیں کر سکتی جیسا کہ حدیث زیر بحث کے الفاظ لَا حَتّٰى تَذُوْقِيْ عُسَيْلَتَهٗ وَيَذُوْقُ عُسَيْلَتَكِ سے واضح وثابت ہے۔ ابن المنذر فرماتے ہیں۔ حدیث کے ان جملوں سے مراد جماع ہے بلکہ حدیث میں بھی نکاح کے بعد جماع کا ذکر ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ اِمْرَاَتَهٗ ثَلَاثًا	جب آدمی اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے تو وہ اس

لَا تَحِلُّ لَهُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ وَيَذُوْقَ كُلٌّ مِّنْهُمَا عُسَيْلَةَ صَاحِبِهٖ (روح الائمہ قرطبی ج ۱ ص ۹۵۶)

کے لیے حلال نہیں جب تک کہ وہ کسی شخص سے نکاح نہ کرے اور دونوں جماع کی لذّت کو نہ پالیں

نیز حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ عمرو بن حزم نے اپنی بیوی عمیصاء کو (تین) طلاق دے دیں تو اس عورت نے کسی اور شخص سے نکاح کر لیا اور اس نے جماع کرنے سے پہلے طلاق دیدی۔

فَنَكَحَهَا رَجُلٌ فَطَلَّقَهَا قَبْلَ اَنْ يَّمَسَّهَا فَقَالَ لَا حَتّٰى يَذُوْقَ الْاٰخَرُ عُسَيْلَتَهَا وَتَذُوْقَ عُسَيْلَتَهٗ۔ رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ بِاِسْنَادٍ رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ (نیل الاوطار ج ۶ ص ۱۸۱)

تو ہیں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا وہ شوہر اوّل کے لیے اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک دونوں ایک دوسرے کی لذّت نہ پالیں

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدیں تو اس نے کسی اور شخص سے نکاح کر لیا۔ اس نے دروازہ بند کیا۔ پردہ گرا دیا۔ پھر اس کو دخول

ثُمَّ يُطَلِّقُهَا قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ بِهَا لَا تَحِلُّ حَتّٰى يُجَامِعَهَا الْاٰخَرُ (نسائی)

(جماع کرنے سے) قبل طلاق دیدی (حضور نے فرمایا۔ جب تک شوہر ثانی اس سے جماع نہ کرے وہ شوہر اول کے لیے حلال نہ ہوگی۔

۶۔ نیز قرآنِ مجید میں فرمایا۔

فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (بقرہ، ۲۳۰)

اگر خاوند نے تین طلاقیں دی ہیں تو پھر اس وقت تک پہلے خاوند سے نکاح جائز نہ ہوگا۔ جبتک وہ کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے۔

مفسّرین کرام فرماتے ہیں۔ آیت میں نکاح سے جماع مراد ہے۔ ۷۔ مفسّر کبیر علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ نکاح ثانی کا مسئلہ مجمع علیہ ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے [ے]

رہا یہ سوال کہ مجرد نکاح سے شوہر اوّل کے لیے حلال ہو جائے گی؟ تو جمہور علماء اور تمام فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ ہمبستری ضروری ہے۔ یعنی ایسا جماع جو حد کو اور غسل کو لازم کرتا ہے۔ روزہ اور حج کو فاسد کر دیتا

[ے] هٰذَا مُجْمَعٌ عَلَيْهِ لَا خِلَافَ فِيْهِ

اور زوجین کو محصن قرار دیتا ہے اور کامل مہر واجب کر دیتا ہے [۲] اور آیت میں نکاح سے مراد جماع ہے اور میرے علم میں تو یہ ہے کہ محض نکاح سے حلال ہونے کا قولِ خوارج کے سوا کسی نے نہیں کیا [۳] اور نحاس نے کتاب معانی القرآن میں لکھا ہے کہ اہلِ علم کہتے ہیں کہ آیت میں نکاح سے جماع مراد ہے پس اگر حلالہ میں شوہر ثانی نے نکاح کے بعد جماع نہ کیا اور طلاق دیدی اور عورت نے شوہر اوّل سے نکاح کر لیا تو قاضی اس نکاح کو فسخ کر دے گا [۴]

۸۔ نیز شارح بخاری علامہ بدر محمود عینی علیہ الرحمہ نے فرمایا۔

اَجْمَعَتِ الْاُمَّۃُ عَلٰی اَنَّ الدُّخُوْلَ شَرْطُ الْحِلِّ لِلْاَوَّلِ وَلَمْ یُخَالِفْ فِیْ ذَالِکَ اِلَّا سَعِیْدُ بْنُ الْمُسَیَّبِ وَالْخَوَارِجُ وَالشِّیْعَۃُ وَدَاوٗدُ الظَّاھِرِیُّ وَالْبِشْرُ الْمَرِیْسِیُّ وَذَالِکَ اِخْتِلَافٌ لَاخِلَافٌ لِعَدَمِ اسْتِنَادِھِمْ اِلٰی دَلِیْلٍ وَلَوْ قَضٰی بِہِ الْقَاضِیُّ لَایَنْفُذُ یعنی حلالہ میں جماع شرط ہے اور اس مسئلہ میں امّت کا اجماع ہے اور جنہوں نے مجرّد نکاح کا قول کیا ہے وہ بے دلیل ہے اور اگر قاضی حلالہ میں جماع نہ ہونے کی صورت میں شوہر اوّل سے نکاح کے جواز کا حکم دیدے تو اس کا حکم باطل قرار پائے گا۔

طلاقِ رجعی طلاق بائن اور طلاق ثلاثہ کے مختصر احکام

۱۔ قرآنِ مجید میں ارشادِ خداوندی ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ ط (البقرہ ۲۲۹)	یہ طلاق دوبار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا نکوئی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے [۱]

---

[۲] وَذَھَبَ الْجُمْھُوْرُ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَالْکَافَّۃُ الْفُقَھَاءِ اِلٰی اَنَّ الْوَطْیَ کَافٍ فِیْ ذَالِکَ وَھُوَ الْتِقَاءُ الْخِتَانَیْنِ الَّذِیْ یُوْجِبُ الْحَدَّ وَالْغُسْلَ وَیُفْسِدُ الصَّوْمَ وَالْحَجَّ وَیُحْصِنُ الزَّوْجَیْنِ وَیُوْجِبُ کَمَالَ الصَّدَاقِ

[۳] وَھٰذَا قَوْلٌ لَا نَعْلَمُ اَحَدًا وَافَقَہُ عَلَیْہِ اِلَّا طَائِفَۃٌ مِّنَ الْخَوَارِجِ

[۴] فَلِلْقَاضِیْ اَنْ یَّفْسَخَہُ وَلَا یُعْتَبَرُ فِیْہِ خِلَافُہُ لِاَنَّہُ خَارِجٌ عَنْ اِجْمَاعِ الْعُلَمَاءِ وَیُفْھَمُ مِنْ قَوْلِہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ حَتّٰی یَذُوْقَ کُلٌّ مِّنْھُمَا عُسَیْلَۃَ صَاحِبِہِ اسْتِوَاءُ ھُمَا فِیْ اِدْرَاکِ لَذَّۃِ الْجِمَاعِ (قرطبی ج ۲ ص ۹۵۶)

[۱] اس آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ ایک عورت نے بحضورِ نبوّت حاضر ہو کر عرض کی کہ میرے شوہر

مطلب آیت یہ ہے کہ وہ طلاق جس کے بعد رجعت ہوسکے صرف دوبار تک ہے یعنی اگر ایک یا دو طلاق دی ہیں تو عدت کے اندر رجوع کرنے میں بیوی کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔ شوہر جب عدت کے اندر رجوع کرلے گا تو وہ شرعاً اسی کی بیوی قرار پائے گی اور اگر عدت گزر گئی ہے تو بیوی بائنہ ہوجائے گی اور اب شوہر کو رجعت کا حق نہیں رہے گا۔ البتہ اگر دونوں راضی ہوں تو دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں ۲۔ واضح رہے کہ طلاقِ رجعی میں عدت گزر جانے کے بعد اگر عورت رضامند نہ ہو تو اس کو پہلے شوہر سے نکاح کرنے پر مجبور نہیں کیا جائیگا بلکہ اسے اپنی مرضی سے کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنے کا بھی اختیار ہے ۳۔ یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ حدیثِ دارقطنی و ابوداؤد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ) سے مراد تیسری طلاق ہے۔ دونوں حدیثوں کا متن یہ ہے۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلَیْسَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی (اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ) فَلِمَ صَارَ ثَلَاثًا ؟ قَالَ اِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ (دارقطنی ج ۲ ص ۴۲۶)

عَنْ اَبِیْ رُزَیْنِ الْاَسَدِیِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَہٗ اَرَاَیْتَ قَوْلَ اللّٰہِ (اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ فَاَیْنَ الثَّالِثَۃُ ؟ قَالَ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ اَلثَّالِثَۃُ (رواہ ابوداؤد فی المراسل ص ۲)

تین طلاق کا حکم

۴۔ اور اگر خاوند نے تیسری طلاق دیدی تو اب نہ رجوع ہوسکتا ہے اور نہ ہی دونوں نکاح کرسکتے ہیں۔ البتہ حلالہ کے بعد عورت عدت پوری کرکے اگر چاہے تو شوہر اوّل سے نکاح کرسکتی ہے۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَا (بقرہ ۲۲۰)

پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت ایسے حلال نہ ہوگی جبتک دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے۔ پھر اگر وہ دوسرا (خاوند) اسے طلاق دیدے تو ان دونوں پر گناہ نہیں کہ پھر آپس میں مل جائیں۔

نے کہا ہے کہ وہ اس کو طلاق دیتا اور رجعت کرتا رہے گا۔ ہر دفعہ جب طلاق کی عدت گزرنے کے قریب ہوگی رجعت کرلے گا پھر طلاق دے دیگا۔ اسی طرح عمر بھر اس کو قید رکھے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں یہ بتایا گیا کہ طلاق رجعی دوبار تک ہے (یعنی دوبار طلاق دینے تک رجعت کا حق ہے اس کے بعد پھر طلاق دیدی (یعنی تیسری طلاق) تو اب رجعت کا حق نہیں رہتا۔

یعنی تین طلاق دینے کے بعد عورت شوہر پر بحرمتِ مغلظہ حرام ہو جاتی ہے۔ اب نہ اس سے رجوع ہو سکتا ہے اور نہ دوبارہ نکاح جب تک کہ حلالہ نہ ہو یعنی بعد عدّت عورت کسی دوسرے شخص سے نکاحِ صحیح کرے اور وہ صحبت کے بعد طلاق دیدے تو پھر دوسرے شوہر کی عدّت پوری کرنے کے بعد شوہر اوّل سے نکاح کر سکتی ہے۔ واضح ہو کہ تین طلاق خواہ یکدم دی جائیں یا علیحدہ علیحدہ (مثلاً خاوند بیوی سے کہے تجھے تین طلاق، تجھے تین طلاقیں، تجھے طلاق، تجھے طلاق، تجھے طلاق۔ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیں) ان سب صورتوں میں طلاقیں تین ہی واقع ہوں گی اور بیوی خاوند پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی۔

چنانچہ حضرت امیرالمومنین عمر و سیّدنا علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مغفل، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰے عنہم ایسے جلیل القدر صحابہ کا فتوٰی یہی ہے (بیہقی و مُصنّف ابن أبی شیبہ)

۵۔ جمہور صحابہ و تابعین و آئمہ اربعہ سراجِ اُمّت امامِ اعظم ابوحنیفہ سیّدنا امام شافعی، امام مالک، امام احمد اور جمہور سلف و خلف رضی اللہ تعالٰے عنہم کا اجماع و اتفاق ہے کہ جب تین طلاق دی جائیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی اور یہی احادیث و آثار سے واضح ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

لَوْ اِنِّیْ طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا اَكَانَ يَحِلُّ لِیْ اَنْ اُرَاجِعَهَا ؟ قَالَ لَا! كَانَتْ تَبِيْنُ مِنْكَ وَ تَكُوْنُ مَعْصِيَةً (دارقطنی ۲/۴ ص ۳۱)

اگر میں اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاق دوں تو کیا وہ میرے لیے حلال ہوگی۔ اگر میں اس سے رجوع کروں؟ فرمایا نہیں! وہ تجھ سے الگ ہو جائے گی اور ایسا کرنا گناہ ہے۔

حضرت ابوسلمہ فرماتے ہیں کہ ابوعمرو بن حفص بن مغیرہ نے

طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ فَاطِمَةَ بِنْتَ قَيْسٍ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ تَطْلِيْقَاتٍ فِیْ كَلِمَةٍ وَّاحِدَةٍ فَاَبَانَهَا مِنْهُ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَابَ ذٰلِكَ عَلَيْهِ (دارقطنی ص ۱۲ و ابن ماجہ)

اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک ہی کلمہ میں تین طلاق دیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ کو اس کے شوہر سے جُدا کر دیا اور ہمیں یہ بات نہیں پہنچی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کوئی عیب لگایا ہو۔

حضرت نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حائضہ کی طلاق کے متعلق پوچھا تو انہوں نے اس کو وہی بتایا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

اَمَّا اَنْتَ فَطَلَّقْتَ امْرَأَتَكَ وَاحِدَةً اَوِاثْنَتَيْنِ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَمَرَنِىْ بِهٰذَا وَ اَمَّا اَنْتَ فَطَلَّقْتَ ثَلٰثًا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْكَ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَكَ

اگر تو نے اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاق یک دم دی ہیں تو بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رجعت کا حکم فرمایا اور اگر تو نے ایک دم تین طلاقیں دی ہیں تو بے شک تیری بیوی تجھ پر حرام ہو گئی جب تک وہ کسی دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے۔

(دارقطنی ص ۲۹ ج ۴، مسلم شریف ۴۷۶ ج ۱ بخاری شریف ۷۹۲ ج ۲)

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔

اِنِّىْ طَلَّقْتُ امْرَأَتِىْ اَلْفًا ، قَالَ اَمَّا ثَلٰثٌ فَتُحَرِّمُ عَلَيْكَ امْرَأَتَكَ وَ بَقِيَّتُهُنَّ وِزْرٌ اِتَّخَذْتَ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا (دارقطنی ص ۱۴ ج ۴ بیہقی ص ۳۳۷ ج ۷)

کہ بے شک میں نے اپنی بیوی کو ایک دم ہزار طلاق دی ہے آپ نے فرمایا تین طلاق نے تیری بیوی کو تجھ پر حرام کر دیا اور باقی تجھ پر بوجھ ہیں۔ تو نے اللہ کی آیتوں کو مذاق بنایا ہے۔

حضرت نافع فرماتے ہیں۔

كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُ مَنْ طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ ثَلٰثًا فَقَدْ بَانَتْ مِنْهُ امْرَاَتُهٗ وَ عَصٰى رَبَّهٗ تَعَالٰى وَخَالَفَ السُّنَّةَ

(دارقطنی ص ۳۲ ج ۴)

کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ جو اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاق دے گا تو بے شک اس کی بیوی اس سے الگ ہو جائے گی اور ایک دم تین طلاق دینے والے نے اپنے رب کی نافرمانی اور سنت کی مخالفت کی

سیدنا حضرت امام حسن بن علی ابی طالب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَيُّمَا رَجُلٍ طَلَّقَ اِمْرَاَتَهٗ ثَلٰثَةً عِنْدَ كُلِّ شَهْرٍ تَطْلِيْقَةً اَوْ طَلَّقَهَا ثَلٰثًا جَمِيْعًا لَمْ تَحِلَّ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (دارقطنی ص ۳۱ ج ۴)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ نے فرمایا جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے ہر طہر میں ایک ایک کر کے یا ہر ماہ کے شروع میں ایک ایک کر کے یا اکٹھی تین طلاق دیدے اس کی بیوی حلال نہیں ہو گی جب تک کسی دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے۔

نیز یکدم تین طلاق دینے سے تین طلاق واقع ہوتی ہیں۔ یہ مسئلہ مندرجہ ذیل کتب حدیث سے بھی واضح و ثابت ہے۔ کنز العمال ج ۵ ص ۱۶۲۔ ابو داؤد ج ۱ ص ۳۴۴ ابن ماجہ کتاب الطلاق) ــــ مؤطا امام مالک ج ۲ ص ۱۶

دارقطنی ج ۴ ص۱۲ بیہقی ج ۷ ص۳۳۲ بیہقی ج ۷ ص۳۳۶ ، موطا امام مالک ج ۲ ص۲۶ ، دارقطنی ج ۴ ص۴۵ بیہقی ج ۷ ص۳۳۵ تفسیر مظہری ج ۱ ص۳۰۲ ، دارقطنی ج ۴ ص۱۳ دارقطنی ج ۴ ص۳ بیہقی ج ۷ ص۳۳۷ ابو داؤد ج ۱ ص۳۴۳ ، تفسیر درمنثور ج ۲ ص۲۳ دارقطنی ج ۴ ص۱۲ کنز العمال ج ۵ ص۱۶۱ ، تفسیر درمنثور ج ۲ ص۲۳۳ دارقطنی ج ۴ ص۲۰ موطا امام مالک ج ۲ ص۱۷

الغرض تین طلاق یکدم دی جائیں یا علیحدہ علیحدہ بہرصورت واقع ہو جائیں گی اور اس کی بیوی نکاح سے نکل کر ہمیشہ کے لیے اس پر حرام ہو جاتی گی الّا یہ کہ وہ عورت عدّت گزارنے کے بعد کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے۔ پھر وہ صحبت کرنے کے بعد طلاق دیدے یا مرجائے تو عورت طلاق یا وفات کی عدّت پوری کرنے کے بعد شوہر اوّل سے نکاح کر سکتی ہے۔ چنانچہ اس مضمون کی احادیث کی شرح میں امام نووی شارح مسلم فرماتے ہیں۔

وَقَدِ اخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِيْ مَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا فَقَالَ الشَّافِعِيُّ وَمَالِكٌ وَاَبُوْحَنِيْفَةَ وَ اَحْمَدُ وَجَمَاهِيْرُ الْعُلَمَاءِ مِنَ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ يَقَعُ الثَّلٰثُ وَقَالَ طَاؤُسٌ وَبَعْضُ اَهْلِ الظَّاهِرِ لَا يَقَعُ بِذٰلِكَ اِلَّا وَاحِدَةً

اور اختلاف کیا ہے علماء نے اس شخص کے بارے میں جو اپنی بیوی سے کہے تجھے تین طلاق ہیں تو امام شافعی و امام مالک و امام احمد و امام ابو حنیفہ اور امام احمد اور جمہور علماء سلف و خلف فرماتے ہیں کہ تین ہی واقع ہوں گی اور طاؤس اور بعض اہلِ ظاہر نے کہا ہے کہ ایک ہی واقع ہو گی۔

(نووی ج ۱ ص۴۷۸)

علامہ بدر محمود عینی شارح بخاری فرماتے ہیں کہ

اور جمہور علماء تابعین اور ان کے بعد جو ہوئے ان میں امام اوزاعی، امام نخعی، امام ثوری، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب، امام مالک اور ان کے اصحاب، امام شافعی اور ان کے اصحاب، امام احمد اور ان کے اصحاب امام اسحٰق و ابو ثور و ابو عبید اور دوسرے کثیر علماء کا یہی مذہب ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے، تینوں ہی واقع ہوتی ہیں لیکن وہ گنہگار ہو گا۔ اور جو اس کی مخالفت کرتے ہیں وہ بہت تھوڑے لوگ جو

وَقَالُوْا مَنْ خَالَفَ فِيْهِ فَهُوَ شَاذٌّ

مُخَالِفٌ لِاَهْلِ السُّنَّةِ ۔ عینی ج ۲۰ ص۲۳۳ | اہلِ سُنت کے مخالف ہیں۔

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لٰكِنَّهُمْ اَجْمَعُوْا عَلٰى اَنَّهٗ مَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهٖ اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا يَقَعُ ثَلَاثًا بِالْاِجْمَاعِ

لیکن اس پر سب کا اجماع و اتفاق ہے کہ جس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے تین طلاقیں تو بالاجماع تین ہی واقع ہوں گی۔ (مظہری ج ۱ ص۳۰۲)

حضرت امام ربانی عبد الوہاب شعرانی رضی اللہ عنہ مسئلہ طلاق میں بحث فرماتے ہوئے آخر میں بطور نتیجہ فرماتے ہیں۔

وَهٰذَا كُلُّهٗ يَدُلُّ عَلٰى اِجْمَاعِهِمْ عَلٰى صِحَّةِ وُقُوْعِ الثَّلَاثِ بِالْكَلِمَةِ الْوَاحِدَةِ (کشف الغمہ ص۱۲۵)

اور یہ ساری بحث دلالت کرتی ہے اس پر کہ ایک ہی کلمہ سے تین طلاق کے وقوع کی صحت پر علماء (صحابہ کرام) کا اجماع ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب شامی میں ہے کہ جمہور صحابہ و تابعین اور ان کے بعد آئمہ مسلمین کا مسلک یہ ہے کہ یکدم تین طلاق دینے کی صورت میں تین طلاق ہی واقع ہوں گی۔ اسی بناء پر ہم نے کہا کہ اگر بالفرض حاکم تین کو ایک طلاق قرار دیدے تو اس کا حکم نافذ نہ ہوگا۔

وَذَهَبَ جُمْهُوْرُ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنْ اَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ اِلٰى اَنَّهٗ يَقَعُ الثَّلٰثُ وَقَدْ ثَبَتَ النَّقْلُ عَنْ اَكْثَرِهِمْ صَرِيْحًا بِاِيْقَاعِ الثَّلٰثِ وَلَمْ يَظْهَرْ لَهُمْ مُخَالِفٌ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ وَمِنْ هٰذَا قُلْنَا لَوْ حَكَمَ حَاكِمٌ بِاَنَّهَا وَاحِدَةٌ لَمْ يَنْفُذْ حُكْمُهٗ الخ (ص۵۷۶ ج ۲)

علامہ احمد بن محمد الصاوی رحمۃ اللہ علیہ صاحب تفسیر صاوی شریف زیر آیت فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ الآیۃ فرماتے ہیں۔

وَالْمَعْنٰى فَاِنْ ثَبَتَ طَلَاقُهَا ثَلَاثًا فِيْ مَرَّةٍ اَوْ مَرَّاتٍ فَلَا تَحِلُّ لَهٗ الخ كَمَا اِذَا قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا اَوِ الْبَتَّةَ وَهٰذَا هُوَ الْمُجْمَعُ عَلَيْهِ وَاَمَّا الْقَوْلُ بِاَنَّ الطَّلَاقَ الثَّلَاثَ فِيْ مَرَّةٍ وَّاحِدَةٍ لَا يَقَعُ اِلَّا طَلْقَةً فَلَمْ

اور معنی آیت کا یہ ہے کہ اگر تین طلاقیں ثابت ہو جائیں خواہ ایک دم ہوں یا الگ الگ تو عورت حلال نہ رہے گی جیسا کہ جب کسی نے اپنی عورت سے کہا کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تین ہی واقع ہوں گی۔ یہ وہ مسئلہ ہے جس پر سب کا اجماع ہے اور یہ قول کہ ایک دم دی ہوئی تین طلاق سے ایک ہی واقع ہوتی ہے

يُعْرَفُ اِلَّا لِابْنِ تَيْمِيَّةَ مِنَ الْحَنَابِلَةِ وَقَدْ رَدَّ عَلَيْهِ اَئِمَّةُ مَذْهَبِهِ حَتّٰى قَالَ الْعُلَمَاءُ اَنَّهُ الضَّالُّ الْمُضِلُّ وَنِسْبَتُهَا لِلْاِمَامِ اَشْهَبَ مِنْ اَئِمَّةِ الْمَالِكِيَّةِ بَاطِلَةٌ (صادی علی الجلالین ص۱)

یہ سوائے ابنِ تیمیہ حنبلی کے اور کسی سے معروف نہیں ہے اور بیشک ابنِ تیمیہ کی اس بات کا خود اس کے مذہب کے اماموں نے رد کیا ہے۔ یہاں تک کہ علمائے کرام نے فرمایا کہ ابنِ تیمیہ خود بھی گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے اور اس مسئلہ کی نسبت امام اشہب مالکی کی طرف کرنا باطل ہے۔

یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ تین طلاق یکدم دینا گناہ و ظلم ہے جیساکہ احادیث میں بیان ہوا اور قرآنِ مجید نے بھی تین طلاق یکدم دینے والے کو ظالم قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ط (طلاق ۱)

جو اللہ کی حدیں توڑے یعنی ایک دم تین طلاق دیدے تو بےشک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

کیونکہ اس نے طلاق دینے کے سُنّت طریقہ کی خلاف ورزی کی۔ مگر طلاقیں بہرحال واقع ہوجائیں گی کیونکہ آیت میں یکدم تین طلاقیں دینے والے کو ظالم تو قرار دیا گیا مگر وقوعِ طلاق کی نفی نہیں کی گئی یعنی اگر تین طلاق یکدم دینے سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی تو وہ ظالم کیسے قرار پاتا چنانچہ حضرت محمود بن لبید فرماتے ہیں۔

اُخْبِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ ثَلٰثَ تَطْلِيْقَاتٍ جَمِيْعًا فَقَامَ غَضْبَانًا ثُمَّ قَالَ اَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاَنَا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ (نسائی باب الطلاق الثلاث المجموعہ)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک آدمی کے متعلق خبر دی گئی جس نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دیں تو آپ غضبناک حالت میں کھڑے ہوگئے اور فرمایا کیا اللہ کی کتاب سے مذاق کیا جارہا ہے۔ حالانکہ میں تمہارے اندر موجود ہوں۔

علامہ سندھی علیہ الرحمہ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا۔

وَالْجُمْهُوْرُ عَلٰى اَنَّهٗ اِذَا جَمَعَ بَيْنَ الثَّلَاثِ يَقَعُ الثَّلَاثُ

اور جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ یکدم تین طلاق دی جائیں تو تین واقع ہوجائیں گی۔ (حاشیہ نسائی شریف مصری ص۱۴۳ ج۲)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ یکدم تین طلاق دی جائیں تو واقع ہوجائیں گی۔ اگر واقع نہ ہوتیں تو پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ناراض نہ ہوتے اور یہ نہ فرماتے کہ میرے ہوتے قرآن کے حکم (کہ ہر طُہر میں ایک طلاق دی جائے) کی مخالفت کیوں کی گئی؟ بلکہ یہ فرماتے کہ تم نے یکدم تین طلاق دیدی ہیں تو کوئی حرج نہیں یکدم تین طلاق تو ایک ہی قرار پاتی ہے۔ جاؤ رجوع کرلو لیکن نبی کریم علیہ السلام نے تین کو ایک نہیں

قرار دیا۔ الغرض تین طلاق یکدم دی جائیں یا متفرق دی جائیں۔ جمہور امت کا مسلک یہ ہے کہ تینیں ہی واقع ہوں گی۔

کلمۂ واحدہ سے تین طلاق دینا حرام ہے مگر واقع ہو جاتی ہیں

۷۔ یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ بلا وجہ طلاق دینا اللہ تعالےٰ کے نزدیک ابغض یعنی انتہائی ناپسندیدہ اور مکروہ ہے اور علامہ ابن قیم کو بھی اعتراف ہے کہ باوجود مکروہ ہونے کے واقع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح (خلع) نفاق اور جنت سے محرومی کا سبب ہونے کے باوجود ہو جاتا ہے اور "ظہار" منکر اور زور یعنی ناپسندیدہ اور گناہ کی بات ہونے کے باوجود عمل میں آجاتا ہے اور کفارہ ادا کیے بغیر بیوی کو ہاتھ لگانا حرام ہو جاتا ہے۔ جس سے علامہ ابن القیم اور ان کے متبعین کو بھی انکار نہیں، تو کیا وجہ ہے کہ طلاق کی وہ اقسام جن کو فقہی اصطلاح میں بدعت یا حرام کہہ دیا گیا ہے علامہ ابن القیم اور ان کے متبعین کے نزدیک وہ کیوں واقع نہیں ہوتیں؟ جب بلا وجہ کی طلاق، خلع اور ظہار جن کی برائی نصِ قرآن وحدیث میں وارد ہے واقع ہو جاتے ہیں تو طلاق کی وہ اقسام جن کو کسی نص میں بدعت یا حرام نہیں کہا گیا بلکہ عند اللہ وعند الرسول اُن کی برائی کو ظاہر کرنے کے لیے علماء نے بطورِ خود بدعت اور حرام وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے ہیں کیوں واقع نہیں ہوں گی۔

۸۔ کچھ لوگ یہ مغالطہ دیتے ہیں یکدم تین طلاق دینا یا غیر مسنون طریقہ سے طلاق دینے کو ائمہ کرام نے مکروہ حرام بدعت اور اس طرح طلاق دینے والے کو ظالم اور گنہگار قرار دیا ہے لہٰذا جب یہ فعل حرام و ناجائز ہے تو طلاق کیسے واقع ہوگی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں مذکورہ بالا غیر مسنون طریقہ سے طلاق دینے کو بدعت وحرام نہیں قرار دیا۔ قرآن نے ایسے شخص کو صرف ظالم قرار دیا ہے۔ لیکن ائمہ کرام اس امر پر متفق ہیں کہ مذکورہ بالا طریقہ سے طلاق دینا حرام و بدعت تو ہے مگر اس کے ساتھ وقوعِ طلاق پر بھی سب کا اتفاق ہے۔ چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے کہ

وَطَلَاقُ الْبِدْعَةِ اَنْ يُّطَلِّقَهَا ثَلَاثًا بِكَلِمَةٍ وَّاحِدَةٍ اَوْ ثَلَاثًا فِىْ طُهْرٍ وَّاحِدٍ فَاِذَا فَعَلَ ذٰلِكَ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَكَانَ عَاصِيًا۔

"ھدایہ" کی شرح "عنایہ" میں ہے۔

وَطَلَاقُ الْبِدْعَةِ اَنْ يُّطَلِّقَهَا ثَلَاثًا بِكَلِمَةٍ وَّاحِدَةٍ اَوْ ثَلَاثًا فِىْ طُهْرٍ وَّاحِدٍ وَهُوَ حَرَامٌ عِنْدَنَا لٰكِنَّهٗ اِذَا فَعَلَ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَبَانَتْ مِنْهُ وَحَرُمَتْ حُرْمَةً غَلِيْظَةً وَكَانَ عَاصِيًا

علامہ ابوبکر ابن العربی المالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :۔

قَالَ عُلَمَاءُنَا الطَّلَاقُ فِي الْحَيْضِ وَإِنْ كَانَ حَرَامًا فَإِنَّهُ يَلْزَمُ إِذَا وَقَعَ..... وَإِنْ كَانَ الطَّلَاقُ ثَلَاثًا وَقَعَ وَلَمْ يُؤْمَرْ بِالرَّجْعَةِ وَيَكُونُ اثْمًا عِنْدَ اللهِ (عارضۃ الاحوذی ج/۵ ص/۱۲۷)

علامہ ابوالولید الباجی المالکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ۔

"لَا يَحِلُّ أَنْ يُوقِعَ أَكْثَرَ مِنْ طَلْقَةٍ وَاحِدَةٍ فَمَنْ أَوْقَعَ طَلْقَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا فَقَدْ طَلَّقَ بِغَيْرِ السُّنَّةِ" ——— "فَمَنْ أَوْقَعَ الطَّلَاقَ الثَّلَاثَ بِلَفْظَةٍ وَاحِدَةٍ لَزِمَهُ مَا أَوْقَعَهُ مِنَ الثَّلَاثِ" (المنتقی للباجی ج۴، ص ۳)

علامہ نووی شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ۔

"أَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلَى تَحْرِيمِ طَلَاقِ الْحَائِضِ الْحَائِلِ بِغَيْرِ رِضَاهَا فَلَوْ طَلَّقَهَا أَثِمَ وَوَقَعَ طَلَاقُهُ" (شرح مسلم ج۱، ص ۴۷۵)

علامہ ابن الجوزی الحنبلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ۔

"وَالطَّلَاقُ الْبِدْعِيُّ أَنْ يَقَعَ فِي حَالِ الْحَيْضِ أَوْ فِي طُهْرٍ قَدْ جَامَعَهَا فِيهِ فَهُوَ وَاقِعٌ وَصَاحِبُهُ آثِمٌ وَإِنْ جَمَعَ الطَّلَاقَ الثَّلَاثَ فِي طُهْرٍ وَاحِدٍ فَالْمَنْصُورُ مِنْ مَذْهَبِنَا أَنَّهُ بِدْعَةٌ (زاد المسیر ج ۸، ص ۲۲۸)

علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ امام احمد رحمہ اللہ سے طلاق حرام کا حکم نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

"قَالَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ فِي رِوَايَةِ أَبِي الْحَارِثِ وَسُئِلَ عَمَّنْ قَالَ لَا يَقَعُ الطَّلَاقُ الْمُحَرَّمُ لِأَنَّهُ يُخَالِفُ مَا أُمِرَ بِهِ فَقَالَ هٰذَا قَوْلُ سُوْءٍ رَدِيٌّ (جامع العلوم والحکم ص۵۷)

حنفی مالکی شافعی حنبلی آئمہ کے ان حوالہ جات کا خلاصہ یہ ہے کہ طلاق بدعی مع اپنی تمام اقسام کے خلاف سنت، حرام اور بدعی ہونے کے باوجود واقع ہوجاتی ہے ۔ البتہ اس قسم کی طلاق دینے والا گنہگار ہوتا ہے بلکہ علامہ نووی نے تو طلاق بدعی کے وقوع پر اجماع کا لفظ استعمال کیا ہے اور یہی بات حق ہے اسی لیے علامہ خطابی رحمہ اللہ اور علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے اس کی مخالفت کو خارجیوں اور رافضیوں اور اہل بدعت و ضلال کا قول قرار دیا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں ۔

"وَحَكَاهُ الْخَطَّابِيُّ عَنِ الْخَوَارِجِ وَالرَّوَافِضِ وَقَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ لَا يُخَالِفُ فِي ذٰلِكَ إِلَّا أَهْلُ الْبِدَعِ وَالضَّلَالِ (فتح الباری ج ۹، ص ۳۰۷)

واضح ہوا کہ ائمہ کرام نے طلاق دینے کے جس طریقہ کو حرام و بدعت قرار دیا ہے وہ بھی اس امر پر متفق ہیں کہ اس طریقہ سے دی گئی طلاق واقع ہو جائے گی۔ فافہم

یکدم ایک مجلس میں تین طلاق کو ایک طلاق قرار دینے والوں کے استدلال کا مختصر جواب

ابن تیمیہ اور ابن حزم اور ان کے متبع اور ہمارے زمانہ کے غیر مقلّد وہابی حضرات یکدم دی گئیں تین طلاقوں کو ایک قرار دیتے ہیں اور اثرِ رکانہ و اثرِ طاؤس عن ابنِ عباس سے دلیل لاتے ہیں کہ

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے روایت ہے کہ عہدِ نبوی اور عہدِ ابوبکر اور دو سال زمانہ خلافتِ عمر تک تین طلاق ایک قرار دی جاتی تھی۔ (مسلم کتاب الطلاق ج ۱ ص ۴۷۸)
لیکن اس کے متعدد معقول جواب ہیں۔ اوّل یہ کہ یہ حضرتِ ابنِ عباس کی روایت ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد (یعنی قولی حدیث) نہیں ہے۔ دوم یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خلفاءِ راشدین اور جلیل القدر صحابہ (جن میں حضرت ابنِ عباس بھی شامل ہیں) سے صحیح روایات میں یکدم دی گئی تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیا گیا ہے۔ سوم یہ کہ جب راوی حدیث کا عمل خود اپنی روایت کے خلاف ہو تو اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اس راوی کے علم میں وہ حدیث منسوخ ہے۔ ورنہ اس کے خلاف کیسے عمل کرتا۔ چنانچہ حضرت علامہ بدر محمود عینی شارح بخاری و امام طحاوی نے تصریح فرمائی۔ فَمَا رُوِیَ احادیث عن ابن عباس تشهد بانتساخ (عینی ج ۲۰ ص ۲۳۳) یعنی حضرت ابن عباس سے جو روایتیں مروی ہیں (جن میں یکدم تین طلاق کو تین ہی قرار دیا گیا ہے) وہ اس روایت کے منسوخ ہونے کی شہادت دیتی ہیں۔

نیز جب حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں یہ واضح کر دیا اور فیصلہ دیدیا کہ یکدم دی گئی تین طلاقیں تین ہی قرار پائیں گی اور ان کی اس وضاحت پر کسی ایک صحابی کا انکار نہ کرنا اور تمام صحابہ کا اس کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا اس امر کی بہت بڑی دلیل ہے کہ وہ حدیث (جس میں تین طلاق کو ایک طلاق قرار دیا گیا ہے منسوخ ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ محض اپنی ذاتی رائے سے حدیثِ رسول کو منسوخ نہیں کر سکتے اور اگر بالفرض والمحال وہ ایسا کرتے تو صحابہ کرام ان کے عمل پر یقیناً اعتراض کرتے اور ضرور بالضرور آواز اٹھاتے۔ لیکن جب حضرت عمر نے اس مسئلہ کو پیش کیا تو کسی صحابی کے انکار نہ کرنے سے (یہ مسئلہ کہ یکدم تین طلاقیں دیدینے سے تین ہی واقع ہونگیں) صحابہ کرام کا اجماعی مسئلہ ہو گیا (شارح مسلم) امام نووی و علامہ عینی نے بھی بڑی تفصیل کے ساتھ

یہی بیان کیا ہے۔ دیکھئے عینی ج ۲ ص ۲۳۳، نووی علی مسلم ج ۱ ص ۴۷۸۔

غیر مدخولہ کو اگر تین طلاقیں علیحدہ علیحدہ کر کے دی جائیں تو ایک ہی واقع ہوگی

چہارم یہ کہ علماء کی ایک جماعت نے روایتِ ابن عباس کا یہ جواب دیا ہے کہ اگر اس کو منسوخ نہ مانا جائے تو اس روایت کا تعلق غیر مدخولہ سے ہے۔ چنانچہ اس کی تائید و توثیق حدیثِ ابوداؤد سے ہوتی ہے حضرت ابوالصہبا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اس کے پاس جانے سے پہلے تین طلاق دیتا تھا تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی خلافت کے شروع زمانہ میں ان تین طلاق کو ایک ہی طلاق قرار دیتے تھے؟

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ بَلٰى كَانَ الرَّجُلُ اِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهٗ ثَلَاثًا قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ بِهَا جَعَلُوْهَا وَاحِدَةً عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِىْ بَكْرٍ وَّصَدْرًا مِّنْ اِمَارَةِ عُمَرَ (ابوداؤد شریف ص ۳۴۴)

حضرت ابنِ عباس نے فرمایا۔ ہاں! جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اس کے پاس جانے سے پہلے تین طلاق دے دیتا تھا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں اور ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) کی خلافت کے شروع زمانہ میں ان تین طلاق کو ایک ہی طلاق قرار دیتے تھے۔

حدیثِ ابوداؤد سے واضح ہوا کہ جب غیر مدخولہ بیوی کو اگر اس طرح تین طلاق دی جائیں۔ تجھے طلاق، تجھے طلاق، تجھے طلاق ہے ——— تو ایک طلاق واقع ہوگی کیونکہ طلاقِ اوّل کا جملہ ادا کرتے ہی عورت نکاح سے نکل گئی اور دوسری و تیسری طلاق لغو ہوگئیں کیونکہ محل ہی باقی نہ رہا۔ چنانچہ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔

فَاَجَابَ قَوْمٌ عَنْ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ الْمُتَقَدِّمِ اَنَّهٗ فِىْ غَيْرِ الْمَدْخُوْلِ بِهَا (عمدۃ القاری شرح بخاری ص ۲۳۴ ج ۲۰)

علماء کی ایک جماعت نے حدیثِ ابن عباس جو بیان ہو چکی ہے کا یہ جواب دیا ہے کہ وہ غیر مدخولہ عورت کے بارے میں ہے۔

اور اس صورت میں بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے (کیونکہ پہلی طلاق بائن طلاق ہے۔

اگر غیر مدخولہ کو کلمہ واحدہ کے ساتھ تین طلاق دی جائیں تو تین طلاقیں واقع ہونگی

البتہ اگر غیر مدخولہ کو یوں طلاق دی جائے کہ تجھے تین طلاق تو تین ہی واقع ہوں گی کیونکہ تینوں کے لیے

محل (نکاح) موجود ہے لہٰذا تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اس صورت میں غیر مدخولہ سے بغیر حلالہ کے نکاح نہیں ہو سکتا۔

۲۔ دوسری دلیل یہ دی جاتی ہے کہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدیں تو نبی علیہ السلام نے اسے ایک طلاق قرار دی (ابوداؤد و بیہقی) اس روایت سے واضح ہوا کہ بکدم دی گئی تین طلاقیں ایک قرار پائے گی۔ لیکن اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ اثر رکانہ مضطرب ہے کسی میں ثلاثاً اور کسی میں طَلَّقَهَا اَلْبَتَّةَ کے الفاظ مروی ہیں۔ شارح مسلم امام نووی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس روایت میں تین طلاق مروی ہے وہ ضعیف ہے، مجهول لوگوں سے مروی ہے۔ اور صحیح روایت وہ ہے جس میں بتہ کا لفظ مروی ہے۔ یعنی رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی اور بتہ کا لفظ محتمل ہے ایک کے لیے بھی ہے اور تین کے لیے بھی۔ طلاق دینے والا بتہ کے لفظ سے جو نیت کرے گا وہی واقع ہو گی امام نووی علیہ الرحمہ کے الفاظ یہ ہیں۔

فَرِوَايَتُهٗ ضَعِيفَةٌ عَنْ قَوْمٍ مَّجْهُولِيْنَ وَاِنَّمَا الصَّحِيْحُ مَا قَدَّمْنَا اَنَّهٗ طَلَّقَهَا اَلْبَتَّةَ وَلَفْظُ اَلْبَتَّةَ مُحْتَمَلٌ لِّلْوَاحِدِ وَلِلثَّلٰثِ (نووی علی مسلم ج ۱ ص ۴۷۸) نیز امام ابوداؤد فرماتے ہیں۔

قَالَ اَبُوْدَاؤُدَ وَحَدِيْثُ نَافِعِ ابْنِ عُجَيْرٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ يَزِيْدَ بْنِ رُكَانَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رُكَانَةَ طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ فَرَدَّهَا اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصَحُّ لِاَنَّ وَلَدَ الرَّجُلِ وَاَهْلَهٗ اَعْلَمُ بِهٖ اَنَّ رُكَانَةَ اِنَّمَا طَلَّقَ امْرَاَتَهُ الْبَتَّةَ فَجَعَلَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاحِدَةً۔ (ابوداؤد شریف ص ۳۴۳ ج ۱)

اور حدیث نافع بن عجیر اور عبداللہ بن علی بن یزید بن رکانہ جو انہوں نے اپنے باپ اور اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی کو ان کی طرف لوٹا دیا۔ سب سے زیادہ صحیح ہے کیونکہ طلاق دینے والے شخص کا بیٹا اور اس کے گھر والے اس کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے (تو ان کی یہ روایت ہے کہ) سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں کہ بلاشبہ رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک طلاق قرار دیا (اور واپس لوٹا دیا)

دیکھئے امام ابوداؤد نے اس روایت کو ترجیح دی جس میں یہ ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی۔ لہٰذا مجروح روایت سے استدلال درست نہیں ہے ——— نیز امام ترمذی و ابن ماجہ و دارمی نے

نے بتہ کے متعلق عنوان قائم کیا ہے کہ بَابُ مَاجَآءَ فِي الرَّجُلِ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ۔ باب اس شخص کے بارے میں جو اپنی بیوی کو طلاق بتہ دے اور یہی حدیث روایت کی ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيْدَ بْنِ رُكَانَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنِّيْ طَلَّقْتُ امْرَاَتِيَ الْبَتَّةَ فَقَالَ مَا اَرَدْتَّ بِهَا قُلْتُ وَاحِدَةً قَالَ وَاللهِ قُلْتُ وَاللهِ قَالَ فَهُوَ مَا اَرَدْتَّ (ترمذی)

عبداللہ بن یزید بن رُکانہ اپنے باپ، اپنے دادا سے روایت فرماتے ہیں اُنہوں نے کہا میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یارسول اللہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی ہے۔ آپ نے فرمایا، تُو نے اس سے کیا ارادہ کیا تھا؟ میں نے عرض کی ایک طلاق! فرمایا خدا کی قسم! میں نے عرض کی خدا کی قسم! آپ نے فرمایا۔ پس وہی ہے جو تُو نے ارادہ کیا۔

ان صحیح روایتوں سے واضح ہوگیا کہ رُکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی اور نبی علیہ السلام نے ان سے حلف لیا تو انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ لفظ بتہ سے ان کی مراد ایک طلاق تھی۔ اسی بنا پر نبی علیہ السلام نے فرمایا تو نے جو ارادہ کیا وہی واقع ہوگی یعنی ایک طلاق۔ چنانچہ شارح مسلم امام نووی علیہ الرحمہ طلاق بتہ کے متعلق لکھتے ہیں۔

فَهٰذَا دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّهٗ لَوْ اَرَادَ الثَّلَاثَ لَوَقَعْنَ وَ اِلَّا فَلَمْ يَكُنْ لِتَحْلِيْفِهٖ مَعْنًى (نووی علی مسلم ج ۱ ص ۴۷۸)

پس یہ دلیل ہے اس پر کہ اگر رکانہ نے تین طلاق کا ارادہ و نیت کی ہوتی تو تین ہی واقع ہوتیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو حضور کا اس سے اس کی مراد پر حلف لینے کا کوئی معنیٰ نہیں رہتا۔

الغرض اس توضیح سے مسئلہ واضح ہوگیا کہ وہ روایت جس میں یہ ہے کہ رُکانہ نے تین طلاق دی تھیں ضعیف اور مجہول لوگوں سے مروی ہے اور صحیح روایت وہ ہے جس میں یہ ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی اور طلاق بتہ میں ایک اور تین دونوں کا احتمال ہے۔ نبی علیہ السلام نے حلف دے کر رکانہ سے اس امر کی وضاحت کروالی کہ اس نے بتہ سے ایک طلاق کی نیت کی تھی یا تین کی تو رُکانہ نے حلفیہ بیان دیا کہ اس نے ایک طلاق کی نیت کی تھی اس بنا پر نبی علیہ السلام نے رُکانہ کی حلفیہ وضاحت کو تسلیم کر کے ایک طلاق قرار دیدی۔

واضح ہو کہ امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک لفظ بتہ سے اگر ایک یا دو طلاق کی نیت کی جائے تو

طلاقِ بائن واقع ہوتی ہے اور اس صورت میں دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے اور اگر تین طلاق کی نیت کرے گا تو تین ہی واقع ہوں گی اور اس صورت میں بغیر حلالہ کے شوہر اوّل سے نکاح نہیں ہوسکتا۔

بَابُ اِذَا شَهِدَ شَاهِدٌ اَوْ

باب جب ایک یا کئی گواہ کسی معاملے

شُهُوْدٌ بِشَيْءٍ فَقَالَ اٰخَرُوْنَ مَا عَلِمْنَا ذٰلِكَ يُحْكَمُ بِقَوْلِ مَنْ شَهِدَ (بخاری)

میں گواہی دیں۔ گواہ کہیں ہمیں معلوم نہیں تو فیصلہ ان کے قول پر کیا جائیگا جنہوں نے گواہی دی ہے

یعنی گواہوں نے کسی معاملہ کی گواہی دی اور اس کے مقابل دوسرے گواہ یہ کہیں کہ ہمیں معلوم نہیں یعنی جن گواہوں نے جس بات کا اثبات کیا ہے۔ دوسرے گواہ اس کی نفی کریں تو شہادت دینے والوں کے قول پر فیصلہ کیا جائیگا کیونکہ اثبات کو نفی پر ترجیح ہوتی ہے اور مُثبت نافی سے اولیٰ واقدم ہوتا ہے امام کرخی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اثباتِ اولیٰ ہے نفی سے کیونکہ مُثبت اپنی خبر میں حقیقت پر اعتماد کرتا ہے تو یہ زیادہ قریب ہے صدق سے بہ نسبت نافی کے جس کی بُنیاد ظاہر پر ہوتی ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ شہادت کسی امر کے اثبات کے لیے ہوتی ہے نفی کے لیے نہیں —— اور اس لیے بھی کہ مُثبت (یعنی کسی امر کے ہونے کی خبر دینا) ایک ایسے امر کو ثابت کرنا ہے جو پہلے نہیں تھا تو مثبت تاسیس کا فائدہ دیگا اور نافی امرِ اوّل کو باقی رکھتا ہے تو یہ تاکید کا فائدہ دے گا اور تاسیس کو تاکید پر ترجیح ہوتی ہے اور حضرت عیسٰی بن ابان علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ مثبت و نافی دونوں باہم متعارض ہوتے ہیں۔ لہٰذا ایک کو دوسرے پر کسی دلیل سے ترجیح دی جائے گی —— علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس اختلاف کی بنار پر ائمہ احناف نے ایک ضابطہ بیان کیا ہے کہ جس کی بنار پر ایک کو دوسرے پر ترجیح دی جاسکے اور وہ یہ ہے کہ نفی دلیل سے معلوم ہوگی یعنی نفی دلیل پر مبنی ہوگی ۲۔ یا نفی دلیل سے معلوم نہ ہوگی بلکہ دلیل کی بجائے استصحاب پر مبنی ہوگی۔ ۳۔ یا نفی میں دونوں کا احتمال ہوگا۔

صورتِ اوّل (یعنی نفی دلیل پر مبنی ہو) تو یہ قوت میں اثبات کے مساوی ہوجائے گی اور نفی و اثبات میں قوت کی برابری کی بنار پر تعارض واقع ہوگا لہٰذا کسی ایک کے لیے ترجیح کی وجہ تلاش کی جائے گی اور راجح پر عمل کیا جائیگا۔

صورت ثانی یعنی نفی دلیل پر مبنی نہ ہو اور اثبات دلیل پر مبنی ہو تو اس صورت میں نفی اور اثبات میں تعارض نہیں واقع ہوگا لہٰذا اثبات پر عمل کیا جائیگا۔

صورتِ ثالث یعنی نفی میں دونوں کا احتمال ہو دلیل کا بھی اور استصحاب کا بھی۔ تو اگر نفی دلیل پر مبنی ہو تو پھر اثبات اور نفی میں تعارض کی بنار پر کسی ایک کے لیے ترجیح کی وجہ معلوم کر کے راجح پر عمل کیا جائیگا اور اگر نفی دلیل پر مبنی نہ ہو بلکہ استصحاب پر مبنی ہو تو اب اثبات اور نفی میں تعارض نہ ہوگا لہٰذا اثبات کو ترجیح دی جائے گی۔

قَالَ الْحُمَيْدِيُّ هٰذَا كَمَا اَخْبَرَ بِلَالٌ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى فِي الْكَعْبَةِ
وَقَالَ الْفَضْلُ لَمْ يُصَلِّ فَاَخَذَ النَّاسُ بِشَهَادَةِ بِلَالٍ
(بخاری)

حمیدی نے فرمایا کہ یہ ایسا ہے جیسے بلال رضی اللہ عنہ نے خبر دی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں نماز پڑھی ہے۔
اور فضل رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ آپ نے نماز (کعبہ کے اندر) نہیں پڑھی ہے تو تمام لوگوں نے بلال رضی اللہ عنہ کی گواہی کو تسلیم کرلیا۔

فوائد و مسائل

۱۔ اس مسئلہ کا تعلق صورتِ ثانی سے ہے یعنی نفلی دلیل پر مبنی نہیں ہے بلکہ ظاہر حال (استصحاب) پر مبنی ہے۔ اثبات اور نفی میں تعارض نہیں ہے اس لیے اثبات پر عمل ہوگا۔ اس لیے روایتِ بلال کو فضل بن عباس کی روایت پر ترجیح دی گئی۔

۲۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اگر یہ سوال ہو کہ عنوان اور روایتِ حمیدیؒ مطابقت کی صورت کیا ہوگی کیونکہ عنوان تو یہ ہے کہ دوسرے گواہ یہ کہیں کہ ہمیں معلوم نہیں اور روایتِ حمیدی میں تو نفی ہے یعنی فضل بن عباس کا بیان یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے کعبہ میں نماز نہیں پڑھی تو یہ تو نافی کی صورت ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فضل کے بیان کا معنیٰ یہ ہے کہ انہیں حضور علیہ السلام کے نماز پڑھنے کا علم نہیں ہوا ۔ وہ دُعا وغیرہ میں مشغول رہے ہوں اور حضور کو نماز پڑھتے ہوئے نہ دیکھ سکے تو انہوں نے اپنے گمان کی بنار پر نفی کردی۔

كَذٰلِكَ اِنْ شَهِدَ شَاهِدَانِ اَنَّ لِفُلَانٍ عَلٰى فُلَانٍ اَلْفَ دِرْهَمٍ وَشَهِدَ اٰخَرَانِ بِاَلْفٍ وَّخَمْسِمِائَةٍ يُقْضٰى بِالزِّيَادَةِ
(بخاری)

اسی طرح اگر دو گواہوں نے اس کی گواہی دی کہ فلاں شخص کے فلاں پر ایک ہزار درہم ہیں اور دوسرے دو گواہوں نے گواہی دی کہ ڈیڑھ ہزار درہم ہیں تو فیصلہ زیادہ کی گواہی دینے والوں کے قول کے مطابق ہوگا

یعنی فیصلہ پندرہ سو پر کیا جائے گا۔ کیونکہ دو گواہ زیادتی کو ثابت کر رہے ہیں۔ دوسرے دو گواہوں کو اس کا علم نہ ہونا اس کے معارض نہیں ہوسکتا۔ تمام گواہ ایک ہزار پر متفق ہیں۔ تو جو زیادتی کو بیان کر رہے ہیں ان کی خبر پر فیصلہ کیا جائیگا کیونکہ نصابِ شہادت موجود ہے (عینی ج ۱۳ صـ ۱۹۹)

۲۴۶۴ - عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے ابو اہاب بن عزیز کی لڑکی سے شادی کی تھی - پھر اچانک ایک خاتون آئیں - کہنے لگیں کہ عقبہ کو بھی میں نے دُودھ پلایا ہے اور اسے بھی جس سے اس نے شادی کی ہے - عقبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے دُودھ پلایا ہے اور آپ نے مجھے پہلے اس سلسلے میں کچھ بتایا بھی نہیں تھا - پھر انہوں نے آلِ ابو اہاب کے یہاں آدمی بھیجا کہ ان سے اس کے متعلق پوچھے (کیا واقعی مذکورہ خاتون نے ان کی بیوی کو دُودھ پلایا ہے ؟) انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ ہمیں معلوم نہیں کہ انہوں نے دُودھ پلایا ہے - عقبہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے مسئلہ پوچھا -

فَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَیْفَ وَقَدْ قِیْلَ فَفَارَقَھَا وَنَکَحَتْ زَوْجًا غَیْرَہٗ (بخاری)

حضور علیہ السلام نے فرمایا - یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ کہا گیا ہے (کہ اس خاتون نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے اس لئے تم دونوں رضاعی بھائی بہن ہو) چنانچہ آپ نے دونوں میں جُدائی کرادی اور ان کا نکاح دوسرے شخص سے کردیا -

فوائد و مسائل اس حدیث میں نہ حکم کا ذکر ہے نہ شہادت کا - اس لیے عُنوان سے اس حدیث کی مطابقت ظاہر نہیں ہے ——— علامہ کرمانی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ نبی علیہ السلام کا کیف وقد قیل فرما کر دونوں میں ورع وتقویٰ کے طور پر جدائی کردینا مثل حکم کے ہے اور اس عورت (مرضعہ) کا دُودھ پلانے کی خبر دینا شہادت کی مثل ہے - علامہ عینی فرماتے ہیں - عنوان سے مطابقت کی وجہ یہ بیان کی جائے کہ عقبہ نے دُودھ پلانے سے اپنی لاعلمی ظاہر کی تو زیادہ اقرب ہے - لَکَانَ اَقْرَبَ وَاَوْجَہَ لِاَنَّ فِیْہِ نَفْیَ الْعِلْمِ وَھُوَ یُطَابِقُ التَّرْجَمَۃَ

ثبوتِ رضاعت کیلیے صرف عورتوں کی گواہی مُعتبر نہیں ہے

واضح ہو کہ ثبوتِ رضاعت کے لیے عورتوں کی گواہی معتبر نہیں - اس کے ثبوت کے لیے (نصابِ شہادت) دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ضروری ہے -

۱ - کیونکہ اصل بابِ شہادت میں یہی ہے کہ دو مرد گواہ ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں جیسا کہ قرانِ مجید میں ارشاد ہوا اور قرآن کے بیان کردہ نصاب کا ترک جائز نہیں ہے اور ثبوتِ رضاعت کے لیے ایک عورت کی شہادت کو قبول کرنے کے لیے کوئی نصِ قطعی نہیں ہے - امیرالمومنین عمر فاروق ، سیدنا علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے ۲ - حافظ علیہ الرحمہ نے فتح الباری میں فرمایا کہ جمہور کا بھی

مذہب ہے کہ ثبوتِ رضاعت کے لیے مرضعہ کا بیان کافی نہیں ہے۔ لِاَنَّهَا شَهَادَةٌ عَلٰی فِعْلِ نَفْسِهَا۔ اور حضرت علی اور ابن عباس صرف مرضعہ کے بیان پر جدائی کا حکم نہیں دیتے تھے اور حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر مرضعہ کے بیان پر جدائی کا حکم دیدیا جائے تو پھر تو امن اٹھ جائیگا اور جو عورت بھی چاہے گی دودھ پلانے کی شہادت دے کر میاں بیوی میں جدائی کرا دیگی (خلاصہ فتح الباری ج ۵ ص ۱۹۸)

۳۔ نیز حدیثِ عقبہ سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ثبوتِ رضاعت کے لیے ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔ کیونکہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے بیان پر دونوں میں جو تفریق فرمائی وہ ورع تقویٰ اور احتیاط پر مبنی ہے۔ چنانچہ نبی علیہ السلام کے ارشاد کا انداز (کہ آپ نے فرمایا کَیْفَ وَقَدْ قِیْلَ) اس امر کی واضح دلیل ہے۔ علامہ کرمانی علیہ الرحمہ نے حدیث ہٰذا کی شرح میں فرمایا۔ اَمَرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ (کَیْفَ) تَوَرُّعًا وَتَنَزُّهًا (کرمانی ج ۱۱ ص ۱۶۳) علامہ طیبی علیہ الرحمہ نے بھی یہی فرمایا کہ اکثر علماء کے نزدیک نبی علیہ السلام کا ایک عورت کے بیان کی بنیاد پر دونوں میں جدائی فرما دینا بطور احتیاط وتقویٰ کے تھا یعنی جب یہ عورت کہہ رہی ہے کہ اس نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے تو احتیاط وتقویٰ یہی ہے کہ تم دونوں بطور میاں بیوی نہ رہو اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت ابن عباس وزہری اور حسن سے منقول ہے حضرت عقبہ نے ام یحییٰ بنتِ اہاب سے نکاح کرلیا تو ایک کالی عورت آئی اور اس نے بیان کیا کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ عقبہ کہتے ہیں۔ میں نے نبی علیہ السلام سے مسئلہ پوچھا۔ فَاَعْرَضَ عَنِّیْ تو نبی علیہ السلام نے اعراض فرمایا۔

تو اگر صرف قولِ مرضعہ سے رضاعت ثابت ہوجاتی، حضور اعراض نہ فرماتے —— پھر جب حضرت عقبہ نے دوبارہ اس معاملہ کا ذکر کیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کَیْفَ وَقَدْ زَعَمَتْ اور دارقطنی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضور نے فرمایا۔ لَاخَیْرَ لَكَ یہ اندازِ جواب اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حضور نے جدائی کا حکم بطور احتیاط دیا تھا۔ کذا فی فتح الباری ج ۵ ص ۱۹۸۔ علامہ زیلعی علیہ الرحمہ نے تبیین الحقائق کتاب الرضاع میں فرمایا کہ ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت عقبہ نے دوبار حضور سے اس مسئلہ کو پوچھا تو آپ نے دوبار اعراض فرمایا تو اگر صرف قولِ مرضعہ سے رضاعت ثابت ہوجاتی تو آپ دوبار اعراض نہ فرماتے۔ تکرارِ سوال سے حضور نے محسوس کیا عقبہ اس عورت کے بیان سے متاثر نظر آتے ہیں تو آپ نے احتیاطاً جدائی کا حکم دیدیا لہٰذا حدیثِ عقبہ احناف کے موقف کے خلاف نہیں بلکہ موید ہے۔ کیونکہ احناف بھی یہی کہتے ہیں کہ اگرچہ ایک عورت کی شہادت سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی لیکن اگر کسی شخص کے دل میں یہ بات پیدا ہوجائے کہ جو عورت دودھ پلانے کا دعویٰ کررہی ہے شاید سچ ہی کہتی ہو تو ایسی صورت

میں بطور احتیاط جُدا ہو جانا اولیٰ ہے۔ نیز ایک روایت کا مضمون یہ ہے کہ اس کالی عورت نے ہم سے کھانا مانگا۔ ہم نے انکار کر دیا تو وہ آئی اور اس نے یہ بیان دیا کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس عورت کی گواہی ازراہِ بغض و کینہ کے تھی ـــــ تو جو گواہی عداوت اور کینہ پر مبنی ہو بالاتفاق مقبول نہیں ہے اور یہ بھی اس امر کا قرینہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے جُدائی کا حکم ازراہِ تقویٰ و احتیاط دیا تھا۔

بَابُ الشُّهَدَآءِ الْعُدُوْلِ

باب عادل گواہوں کے بیان میں

۱- وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ

۲- وَمِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ

اور اللہ تعالےٰ کا ارشاد اور اپنے میں دو ثقہ کو گواہ بنا لو ـــــ اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ ایسے گواہ جن کو پسند کرو (بخاری)

فوائد و مسائل

یہ دو آیتیں ہیں۔ پہلی سورہ طلاق کی آیت نمبر ۲ ہے اور دوسری سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۸۲ ہے۔

ضابطہ شہادت

پہلی آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اپنے مسلمانوں میں سے دو معتبر آدمیوں کو گواہ بنالو یعنی گواہوں کا عادل و ثقہ و معتبر ہونا ضروری ہے۔ ورنہ غیر عادل گواہوں کی گواہی پر قاضی فیصلہ نہیں کرے گا۔ دوسری آیت جو سورہ بقرہ کی ہے اس میں ضابطہ شہادت کے چند اصُولوں کا بیان ہے۔ اوّل یہ کہ معاملات میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہونا ضروری ہے صرف ایک مرد یا صرف عورتوں کی گواہی کافی نہیں ہے۔ اگر کسی معاملہ میں تنہا چار عورتیں گواہی دیں جن کے ساتھ مرد کوئی نہ ہو تو یہ گواہی نامعتبر ہے (در مختار) اور جس حق کے لیے گواہی دی ہو خواہ وہ مال ہو یا غیر مال (جیسے نکاح طلاق و کالت وغیرہ کہ یہ مال نہیں ہے)

دوم یہ کہ گواہ مسلمان ہوں۔ آیت میں لفظ من رجالکم میں اسی کا بیان ہے۔ سوم یہ کہ گواہ ثقہ اور عادل ہوں جن کا عادل ہونا تم کو معلوم ہو اور جن کے صالح ہونے پر تم اعتماد رکھتے ہو۔

قبولِ شہادت کیلئے عدالت شرط ہے۔ صحتِ قضا کے لیے نہیں

واضح ہو کہ شہادت کے واجب القبول ہونے کے لیے عدالت شرط ہے مگر صحتِ قضا کے لیے عدالت شرط نہیں اگر غیر عادل کی شہادت قاضی نے قبول کر لی اور فیصلہ دے دیا تو یہ فیصلہ نافذ ہے اگرچہ قاضی گنہگار ہوا۔ نیز قاضی کو اگر گواہوں کا عادل ہونا معلوم ہو تو ان کے حالات کی تحقیق کی ضرورت نہیں ہے اور معلوم نہ ہو تو حدود و قصاص میں تحقیقات

کرنا ضروری ہے۔ مدعیٰ علیہ اس کی درخواست کرے یا نہ کرے اور ان کے غیر میں اگر مدعا علیہ ان پر طعن کرتا ہو تو تحقیقات ضروری ہے ورنہ قاضی کو اختیار ہے کہ تحقیقات کرائے یا نہ کرائے۔ ہمارے فقہاء احناف فرماتے ہیں کہ اس دور میں مخفی طور پر گواہوں کے حالات دریافت کیے جائیں کیونکہ اعلانیہ دریافت کرنے میں بڑے فتنے پیدا ہوں گے (ہدایہ)

۲۴۶۵- اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُتْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ اِنَّ اُنَاسًا كَانُوْا يُؤْخَذُوْنَ بِالْوَحْيِ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ــــــ وَاِنَّ الْوَحْيَ قَدِ انْقَطَعَ وَاِنَّمَا نَاْخُذُكُمُ الْاٰنَ بِمَا ظَهَرَ لَنَا مِنْ اَعْمَالِكُمْ فَمَنْ اَظْهَرَ لَنَا خَيْرًا اَمِنَّاهُ وَقَرَّبْنَاهُ وَلَيْسَ اِلَيْنَا مِنْ سَرِيْرَتِهٖ وَمَنْ اَظْهَرَ لَنَا سُوْءً لَمْ نُصَدِّقْهُ وَاِنْ قَالَ اِنَّ سَرِيْرَتَهٗ حَسَنَةٌ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عتبہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کا وحی کے ذریعے مواخذہ ہوجاتا تھا لیکن اب وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا اور ہم صرف انہیں امور میں مواخذہ کرسکتے ہیں جو تمہارے عمل سے ہمارے سامنے ظاہر ہوں۔ اس لیے جو کوئی ہمارے سامنے خیر کا مظاہرہ کرے گا۔ ہم اسے امن دیں گے اور اپنے قریب رکھیں گے۔ اس کے باطن سے ہمیں کوئی سروکار نہ ہوگا کہ اس کا محاسبہ اللہ تعالےٰ کریگا اور جو کوئی ہمارے سامنے برائی کا مظاہرہ کرے گا تو ہم بھی اسے امن نہیں دینگے اور نہ ہم اس کی تصدیق کریں گے۔ خواہ وہ یہی کہتا رہے کہ اس کا باطن اچھا ہے

فوائد و مسائل یعنی عہد نبوی میں بعض اوقات لوگوں کے (بواطن) پوشیدہ حالات کی خبر بذریعہ وحی ہوجایا کرتی تھی۔ لیکن اب یہ صورت نہیں رہی۔ اس لیے شاہد کے ظاہر کو دیکھا جائیگا لہٰذا جس مسلمان کا ظاہری چال چلن اچھا ہو اس کی گواہی مقبول ہوگی۔

بَابُ تَعْدِيْلُ كَمْ يَجُوْزُ

باب تعدیل کے لیے کتنے افراد کی گواہی جائز ہوگی

عنوان سوالیہ ہے کیونکہ اس معاملہ میں اختلاف ہے۔ سیدنا امام مالک و شافعی فرماتے ہیں کہ گواہ کی تعدیل اور جرح کے لیے دو آدمیوں سے کم کی شہادت قبول نہ ہوگی اور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ و ابویوسف کا مذہب یہ ہے۔ جرح اور تعدیل کے لیے ایک آدمی کی شہادت کافی ہے۔

۲۴۶۶- حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو لوگوں نے

اس میت کی تعریف کی۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ واجب ہوگئی۔ پھر دوسرا جنازہ گزرا تو لوگوں نے اس کی برائی کی یا اس کے سوا اور الفاظ (اسی مفہوم کو ادا کرنے کے لیے کہے (راوی کو شبہ ہے) حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس پر بھی فرمایا کہ واجب ہوگئی۔ عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ! آپ نے اس جنازہ کے متعلق فرمایا کہ واجب ہوگئی اور پہلے جنازے پر بھی یہی فرمایا۔

قَالَ شَهَادَةُ الْقَوْمِ الْمُؤْمِنُوْنَ شُهَدَآءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ (بخاری)

نبی علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ مسلمانوں کی گواہی مقبول ہے۔ مسلمان زمین میں اللہ کے گواہ ہیں

فوائد و مسائل

۱۔ یہ حدیث کتاب الجنائز میں گزر چکی ہے۔ یہ حدیث سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ کے موقف کی تائید کرتی ہے کہ تعدیل کے لیے ایک مسلمان کا بیان کافی ہے۔ المومنون جمع مُحلّٰی بالالف واللام ہے جب الف لام جمع پر وارد ہو تو جمعیت کو باطل کر دیتا ہے اور جنسیت باقی رہ جاتی ہے اور جنس کا ادنیٰ فرد ایک ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کی تعدیل کافی ہے۔

۲۴۶۷۔ عَنْ اَبِي الْاَسْوَدِ قَالَ اَتَيْتُ الْمَدِيْنَةَ وَقَدْ وَقَعَ بِهَا مَرَضٌ وَّهُمْ يَمُوْتُوْنَ مَوْتًا ذَرِيْعًا فَجَلَسْتُ اِلٰى عُمَرَ فَمَرَّتْ جَنَازَةٌ فَاُثْنِيَ خَيْرًا فَقَالَ عُمَرُ وَجَبَتْ ثُمَّ مُرَّ بِاُخْرٰى فَاُثْنِيَ خَيْرًا فَقَالَ وَجَبَتْ ثُمَّ مُرَّ بِالثَّالِثَةِ فَاُثْنِيَ شَرًّا فَقَالَ وَجَبَتْ فَقُلْتُ مَا وَجَبَتْ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ قُلْتُ كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا مُسْلِمٍ شَهِدَ لَهٗ اَرْبَعَةٌ بِخَيْرٍ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ قُلْنَا وَثَلٰثَةٌ قَالَ وَثَلٰثَةٌ قُلْتُ وَاثْنَانِ قَالَ وَاثْنَانِ ثُمَّ لَمْ نَسْاَلْهُ عَنِ الْوَاحِدِ (بخاری)

حضرت ابوالاسود نے بیان کیا کہ میں مدینہ آیا تو یہاں وبا پھوٹی ہوئی تھی۔ لوگ بڑی تیزی کے ساتھ مر رہے تھے۔ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تھا کہ جنازہ گزرا، لوگوں نے اس میت کی تعریف کی تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ واجب ہوگئی۔ پھر دوسرا گزرا، لوگوں نے اس کی بھی تعریف کی عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ واجب ہوگئی۔ پھر تیسرا گزرا تو لوگوں نے اس کی بُرائی کی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے بھی فرمایا کہ واجب ہوگئی۔ میں نے پوچھا۔ امیرالمومنین! کیا چیز واجب ہوگئی۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اسی طرح کہا ہے۔ جس طرح نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جس مسلمان کے لیے چار آدمی اچھائی کی شہادت دیدیں اسے اللہ تعالےٰ جنت میں داخل کرتا ہے۔ ہم نے آں حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر تین دیں؟ آپ نے فرمایا کہ تین پر بھی۔ ہم نے پوچھا اور اگر دو آدمی

دیں؟ فرمایا دو پر بھی ۔ ہم نے ایک کے متعلق آپ سے نہیں پوچھا تھا ۔

فوائد و مسائل امام نووی شارح مسلم لکھتے ہیں ۔ جس مسلمان میت کے لیے مسلمان یہ گواہی دیں کہ وہ نیک آدمی تھا وہ جنتی ہو گیا ۔ اس مسئلہ میں علماء کے دو قول ہیں ۔ اول یہ کہ گواہی دینے والے اہلِ فضل یعنی نیک اور متقی مسلمان ہوں اور ان کی ثنار حقیقت پر مبنی ہو ۔ یعنی میت کے اعمال کے مطابق ہو تو وہ اہلِ جنت سے ہو گا ورنہ نہیں ۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حدیث عموم پر محمول ہے

جس مسلمان میت کے متعلق لوگ یہ گواہی دیں کہ وہ نیک تھا تو کیا وہ جنتی ہو گیا؟

یعنی جس مسلمان میت کی مسلمان ثنار کریں وہ جنتی ہو جائیگا ۔ ورنہ ثنار کا فائدہ کیا ہوا؟ ۔ یعنی جو مسلمان انتقال کر گیا ۔ اور مسلمان اس کی ثنار کریں تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اہلِ جنت سے ہے خواہ اس کے اعمال ثنار کے مطابق ہوں یا نہ ہوں کیونکہ سزا دینا اللہ کی مشیت پر مبنی ہے ۔ تو جب مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ الہام کر دیا کہ وہ اس کی ثنار کریں تو ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اَنَّهٗ قَدْ شَآءَ الْمَغْفِرَةَ لَهٗ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت چاہی ہے جبھی تو لوگوں کے دلوں میں یہ الہام فرمادیا کہ وہ اس کی تعریف کریں ۔ امام نووی فرماتے ہیں دوسرا قول مختار ہے ۔ علامہ بدر محمود عینی شارح بخاری علیہ الرحمہ نے بھی تصریح کی ہے کہ میرے شیخ حضرت زین العابدین علیہ الرحمہ نے بھی دوسرے قول کو اصح قرار دیا ہے کیونکہ دوسرے قول کے اصح ہونے کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے ابن عدی نے کامل میں ذکر کیا ہے کہ جب کسی بندہ کی لوگ تعریف کرتے ہیں تو حَفَظَۃ یعنی کراماً کاتبین (فرشتے) بحضور الٰہی عرض کرتے ہیں کہ اس میت کی جو اچھائیاں یہ لوگ بیان کر رہے ہیں تو جانتا ہے اور لاعلمی کی وجہ سے اس کی جو برائیاں یہ نہیں بیان کر رہے وہ بھی تو جانتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب میں حفظہ سے فرماتا ہے کہ تم گواہ ہو جاؤ ۔ میں نے اس میت مسلم کے وہ گناہ معاف کر دیے جو تعریف کرنے والے نہیں جانتے اور میں نے میت کے حق میں ان کی گواہی کو قبول فرمالیا (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۲۲ کرمانی ج ۷ ص ۱۴۴) بہرحال اس عاجز کی عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر و قدیر ہے ۔ اس کے لطف و کرم کی کوئی انتہا نہیں ہے ۔ رحمت حق بہانہ می جوید ۔ چنانچہ لوگوں کا مسلمان میت کی تعریف کرنا اور اس کا اہلِ جنت سے ہو جانا ، یہ بھی اس پاک بے نیاز رحمٰن و رحیم رب کے فضل و کرم فرمانے کا ایک انداز ہے وہ جیسے چاہے ۔ جس طریقے سے چاہے اپنے بندوں کی مغفرت فرمادے ۔

۲۔ چنانچہ صحیح احادیث میں وارد ہوا ہے کہ جس کے جنازے کی تین صفیں ہوں وہ مغفور ہے ۔ ابوداؤد

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ جس مسلمان میت کے جنازہ میں ایک سو مسلمان شامل ہوں اور اس کے لیے مغفرت کی دعا کریں تو اللہ تعالےٰ میت کے حق میں ان کی سفارش قبول فرماتا ہے اور اس حدیث کو مسلم ونسائی نے بھی روایت کیا ہے اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جس کے جنازہ میں سو مسلمان شریک ہوں وہ مغفور ہے اور نسائی کی روایت میں ہے جس مسلمان کے جنازہ میں چالیس مسلمان شریک ہوں تو اللہ تعالےٰ ان کی دعا قبول فرمائے گا اور مسلم ابوداؤد ابن ماجہ کی روایت کا حاصل مفہوم یہ ہے کہ ابن عباس فرماتے ہیں۔ میں نے نبی علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس مسلمان کے جنازہ میں ایسے چالیس افراد شریک ہوں جنہوں نے شرک نہ کیا ہو تو اللہ تعالےٰ میت کے حق میں ان کی دعا قبول فرماتا ہے (عمدۃ القاری ج ۴ ص $\frac{۱۲۸}{۱۲۹}$) بہرحال یہ سب احادیث اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم کی آئینہ دار ہیں۔ مزید توضیح کے لیے فتح الباری ج ۳ ص ۱۵۷ ملاحظہ فرمائیں۔

۳۔ البتہ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں حدیث ہذا میں جنازہ سے مسلمان میت کا جنازہ مراد ہے یعنی جس کی ازروئے شرع مغفرت وشفاعت ہوسکے۔ کافر منافق یا ایسا بدمذہب مراد نہیں ہے جس کے عقائد حدِ کفر تک پہنچ گئے ہوں۔ بالفرض ایسے افراد کی تعریف وتوصیف دوچار نہیں بلکہ سینکڑوں، ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں مسلمان بھی کریں تو اس تعریف وتوصیف سے وہ شخص ہرگز جنتی نہیں ہوسکتا۔ اور آج کل تو یہ فیشن بن گیا ہے کہ نام کا وہ مسلمان جس کے عقائد وافکار کفریہ ہوں مرنے کے بعد اس کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان ہوجاتے ہیں اور اس کی مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں جو کہ جائز نہیں ہے۔ بہرحال حدیث زیرِ بحث میں جنازہ سے صحیح العقیدہ مسلمان کا جنازہ مراد ہے۔

۴۔ وجبت ۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے جیسا کہ اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے۔ اس لیے یہاں وجوب سے مراد ثبوت ہے یا وجوب حسب وعدہ شارع مراد ہے۔ میرے والد محترم امام المحدثین حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد صاحب قدس سرہٗ العزیز وجوب کے مفہوم کو ان الفاظ سے بیان فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالےٰ کے ذمہ کرم پر ہے۔

۵۔ اس موقع پر ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے واضح طور پر مسلمان میت کی برائی بیان کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس حدیث میں مسلمان میت کی برائی بیان کرنے کا ذکر ہے۔ جواب یہ ہے کہ ممانعت کا تعلق کافر، منافق۔ فاسق معلن اور بدعتی سے نہیں ہے یعنی ان کی برائیاں بیان

کرنا جائز ہے تاکہ لوگ ان کے شر سے محفوظ رہیں جیسے مرزائیوں اور دیگر بدعقیدہ جماعتوں اور افراد کا رد کرنا جائز ہے بلکہ بعض اوقات بدمذہبوں کا رد کرنا واجب ہوجاتا ہے۔ تاکہ عوام گمراہ نہ ہوں۔

نوٹ۔ ان دونوں حدیثوں کی عنوان سے مناسبت یہ ہے کہ تعدیل کے لیے ایک مسلمان کافی ہے امام بخاری علیہ الرحمہ نے بھی تعدیل کے لیے عدد کی شرط بیان نہیں کی کیونکہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ سیدنا امام شافعی و مالک کا مذہب ہے کہ جرح و تعدیل کے لیے کم از کم دو مسلمان مرد ضروری ہیں اور سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ و ابو یوسف کا مذہب یہ ہے کہ جرح و تعدیل کے معاملہ میں ایک مسلمان مرد کافی ہے۔ البتہ امام محمد علیہ الرحمۃ امام شافعی کے ساتھ ہیں۔

بَابُ الشَّهَادَةِ عَلَى الْأَنْسَابِ وَالرَّضَاعِ الْمُسْتَفِيضِ وَالْمَوْتِ الْقَدِيمِ

باب نسب، مشہور رضاعت اور پرانی موت کی شہادت کے مقبول ہونے سے متعلق

فوائد و مسائل رضاعِ مستفیض کا مطلب یہ ہے کہ بچہ کو دودھ پلانا کی خبر شائع و ذائع ہو کہ فلاں عورت نے اس بچہ کو دودھ پلایا ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی مشہور و معروف ہو کہ فلاں فلاں کا بیٹا ہے۔ موتِ قدیم کا لفظی ترجمہ پرانی موت کے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے مرنے پر ایک عرصہ گزر چکا ہے۔ مالکی فقہ کے بعض علماء نے اس کی حد پچاس یا چالیس سال مقرر کی ہے۔ مطلب عنوان یہ ہے کہ اگر نسب رضاعت اور موت کی خبر ایسی مشہور و معروف ہو کہ جس میں بالکل شک شبہ نہ ہو تو ان امور کو ثابت کرنے کے لیے نہ تو شہادت کی ضرورت ہے نہ نصابِ شہادت کی بلکہ خبرِ مستفیض سے یہ امور ثابت ہو جائیں گے۔ چنانچہ زیرِ عنوان احادیث میں رضاعت جو زمانہ جاہلیت میں مشہور تھی کہ فلاں نے فلاں کا دودھ پیا ہے استفاضہ کی بناء پر تسلیم کیا گیا۔ اسی طرح موت قدیم اور نسب مشہور کو بھی استفاضہ کی بناء پر مان لیا جائے گا۔

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْضَعَتْنِي وَأَبَا سَلَمَةَ ثُوَيْبَةُ وَالتَّثَبُّتِ فِيهِ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اور ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کو ثویبہ (ابولہب کی باندی) نے دودھ پلایا تھا اور اس پر اعتماد کرنا۔

فوائد و مسائل ۱۔ علامہ عینی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے پہلی مرتبہ حضرت حمزہ کو، دوسری بار حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو اور تیسری بار ابو سلمہ کو دودھ پلایا تھا۔ امام ذہبی کہتے ہیں ثویبہ بھی اسلام لے آئی تھیں (عینی ج ۱۳ ص ۲۰۲)

۲۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے چند دن اپنی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پیا۔ پھر قریش کے دستور کے مطابق سب سے پہلے حضرت ثویبہ کو پھر حضرت حلیمہ سعدیہ کو دودھ پلانے کا شرف

حاصل ہوا۔ حضرت حلیمہ نے جب آپ کو اپنی تحویل میں لے لیا تو خیر و برکت نے ان کے قدم چومنے شروع کر دیے۔ ان کے مویشیوں میں برکت ہوئی۔ خود حلیمہ کی چھاتیوں میں دودھ کم تھا، زیادہ ہوگیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حلیمہ کی دائیں چھاتی سے دودھ نوش فرماتے اور بائیں چھاتی ان کے لڑکے کے دودھ پینے کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔ یہ حضور کا جبلّی عدل تھا۔

دُودھ کے رشتہ کا احترام

۳۔ چونکہ دودھ سے بچے کے جسم کی نشوونما ہوتی ہے اس لیے رضاعی ماں کا احترام بھی ضروری تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں غزوہ حنین کے موقع پر جب حضرت حلیمہ آئیں تو آپ نے ان کے لیے قیام فرمایا اور ان کے بیٹھنے کے لیے چادر بچھائی تھی نیز شریعتِ اسلامیہ میں دودھ پلانے والی خاتون کو حقیقی ماں کا درجہ دیا گیا ہے۔

۲۴۶۸ - عَنْ عَائِشَةَ قَالَتِ اسْتَأْذَنَ عَلَيَّ اَفْلَحُ فَلَمْ اٰذَنْ لَهٗ فَقَالَ اَتَحْتَجِبِيْنَ مِنِّيْ وَاَنَا عَمُّكِ فَقُلْتُ وَكَيْفَ ذٰلِكَ قَالَ اَرْضَعَتْكِ امْرَاَةُ اَخِيْ بِلَبَنِ اَخِيْ فَقَالَتْ سَاَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَدَقَ اَفْلَحُ ائْذَنِيْ لَهٗ

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ (پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد) افلح رضی اللہ عنہ نے مجھ سے (گھر میں آنے کی اجازت چاہی) تو میں نے انہیں اجازت نہیں دی۔ انہوں نے کہا کہ آپ مجھ سے پردہ کرتی ہیں۔ حالانکہ میں آپ کا رضاعی چچا ہوں۔ میں نے کہا کہ یہ کیسے؟ تو انہوں نے بتایا کہ میرے بھائی (وائل) کی بیوی نے آپ کو میرے بھائی کا دودھ پلایا ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر میں نے اس کے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ افلح نے سچ کہا ہے، انہیں (اندر آنے کی) اجازت دے دو (بخاری)

۲۴۶۹ - عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بِنْتِ حَمْزَةَ لَا تَحِلُّ لِيْ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ هِيَ بِنْتُ اَخِيْ مِنَ الرَّضَاعَةِ (بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کے متعلق فرمایا کہ یہ میرے لیے حلال نہیں (کیونکہ) جو نسب کی وجہ سے حرام ہیں رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہو جاتی ہیں۔ یہ میرے رضاعی بھائی کی صاحبزادی ہیں (بخاری)

فوائد و مسائل سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے حقیقی چچا ہیں۔ حضرت حمزہ اور حضور علیہ السلام کے دودھ پینے کا ایک ہی زمانہ ہے اور دونوں حضرات کی عمر میں بھی کوئی خاص فرق نہ تھا اور حضور علیہ السلام اور حضرت حمزہ کو ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے دودھ پلایا تھا۔ اس لیے حضور اور حضرت حمزہ رضاعی بھائی ہوئے اس لیے حضرت حمزہ کی صاحبزادی جن کا نام امامہ یا عمارہ تھا حضور علیہ السلام کی بھتیجی قرار پائیں۔ اس سے واضح ہوا جو نسب کی وجہ سے حرام ہوں وہ رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہو جاتی ہیں۔

۲۴۷۰۔ اَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْبَرَتْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عِنْدَهَا وَاَنَّهَا سَمِعَتْ صَوْتَ رَجُلٍ يَّسْتَاذِنُ فِيْ بَيْتِ حَفْصَةَ قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُرَاهُ فُلَانًا لِعَمِّ حَفْصَةَ مِنَ الرَّضَاعَةِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا رَجُلٌ يَّسْتَاذِنُ فِيْ بَيْتِكَ قَالَتْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُرَاهُ فُلَانًا لِعَمِّ حَفْصَةَ مِنَ الرَّضَاعَةِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ لَوْ كَانَ فُلَانٌ حَيًّا لِعَمِّهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ دَخَلَ عَلَيَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ اِنَّ الرَّضَاعَةَ يُحَرِّمُ مِنَ الْوِلَادَةِ

(بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف فرما تھے عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک صحابی کی آواز سنی جو ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آنے کی اجازت چاہتے تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے کہا، یا رسول اللہ! میرا خیال ہے، یہ حفصہ کے رضاعی چچا ہیں، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ صحابی آپ کے گھر میں (جس میں حفصہ رہتی ہیں) آنے کی اجازت مانگ رہے ہیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ حضور اکرم نے فرمایا کہ میرا خیال ہے یہ فلاں صاحب حفصہ کے رضاعی چچا ہیں۔ پھر عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے ایک رضاعی چچا کے متعلق پوچھا کہ اگر فلاں زندہ ہوتے تو کیا میرے پاس آسکتے تھے؛ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں، رضاعت سے بھی وہ تمام چیزیں حرام ہو جاتی ہیں جو ولادت کی وجہ سے حرام ہو جاتی ہیں۔

رضاعت کے معنیٰ اور مدتِ رضاعت رِضاع اور رَضاع کے لغوی معنیٰ عورت کے پستان کو چوسنے کے ہیں اور اصطلاحِ فقہ میں اس کے معنیٰ عورت کے دودھ کا مدتِ رضاعت میں بچہ کے پیٹ میں پہنچنے کے ہیں۔ خواہ بچہ

اپنے منہ سے عورت کے پستان سے دودھ پیئے یا عورت کا دودھ بچہ کے حلق یا ناک کے راستہ پیٹ میں پہنچایا جائے۔ ان سب طریقوں سے رضاعت ثابت ہوجائے گی۔ اگر کسی اور سوراخ سے دودھ ڈالا گیا تو رضاعت ثابت نہ ہوگی (ہدایہ و جوہرہ) خلاصہ یہ کہ ایک قطرہ دودھ پینے سے بھی رضاعت ثابت ہوجائے گی۔

رضاعت کے احکام

۱۔ جس بچہ نے عورت کا دودھ پیا وہ اس بچہ کی ماں ہوجائے گی اور اس کا شوہر (جس کا یہ دودھ ہے یعنی اُس کی وطی سے بچہ پیدا ہوا جس سے عورت کو دودھ اُترا) اس دودھ پینے والے بچہ کا باپ ہوجائے گا اور اس عورت کی تمام اولادیں اس کے بھائی بہن خواہ اسی شوہر سے ہوں یا دوسرے شوہر سے اس کے دودھ پینے سے پہلے کی ہیں یا بعد کی یا ساتھ کی اور عورت کے ماموں بھائی اور بہن خالہ یونہی اُس شوہر کی اولادیں اس کے بھائی بہن اور اُس کے بھائی اس کے چچا اور اس کی بہنیں، اس کی پھوپھیاں خواہ شوہر کی یہ اولادیں اسی کی ہوں یا دوسری سے یونہی ہر ایک کے باپ ماں اس کے دادا دادی نانا نانی (عالمگیری)

احکامِ رضاعت کے چند اہم مسائل

۲۔ واضح ہو کہ کنواری یا بڑھیا کا دودھ پیا بلکہ مُردہ عورت کا دودھ پیا جب بھی رضاعت ثابت ہے (درمختار) مگر نو برس سے چھوٹی لڑکی کا دودھ پیا تو رضاع نہیں (جوہرہ) نیز اس امر پر امت کا اجماع ہے کہ دودھ پینے والا دودھ پلانے والی کا محرم ہوجاتا ہے اور اُس کے ساتھ اس کا نکاح دائمی طور پر حرام دونوں میں پردہ نہیں ہوگا خلوت بھی جائز ہے اور سفر بھی اور اس پر اجماع ہے کہ دودھ پینے والے اور دودھ پلانے والے کی اولاد بھی ایک دوسرے پر حرام ہوجائے گی ۳۔ لیکن نسب کے تمام احکام رضاعت میں جاری نہیں ہوتے۔ یعنی ان کے درمیان وراثت جاری نہیں ہوگی اور نہ ان میں سے کسی کا دوسرے پر نفقہ واجب ہوگا۔ ۴۔ دو بچوں نے دودھ پیا اور ان میں ایک لڑکا ایک لڑکی ہے تو یہ بھائی بہن ہیں اور نکاح حرام اگرچہ دونوں نے ایک وقت میں نہ پیا ہو بلکہ دونوں میں برسوں کا فاصلہ ہو اگرچہ ایک کے وقت میں ایک شوہر کا دودھ تھا اور دوسرے کے وقت میں دوسرے کا (درمختار) مگر شرط یہ ہے کہ دونوں بچوں نے مدتِ رضاعت میں دودھ پیا ہو۔ ۵۔ دودھ پینے والی لڑکی کا نکاح پلانے والی کے بیٹوں پوتوں سے نہیں ہوسکتا کہ یہ اُن کی بہن یا پھوپھی ہے ۶۔ جو نسب میں حرام ہے رضاع میں بھی حرام مگر بھائی یا بہن کی ماں کہ یہ نسب میں حرام ہے کہ وہ اس کی ماں ہوگی یا باپ کی موطوہ اور دونوں حرام اور رضاع میں حرمت کی کوئی وجہ نہیں۔ لہٰذا حرام نہیں اور اس کی تین صورتیں ہیں رضاعی

بھائی کی رضاعی ماں یا رضاعی بھائی کی حقیقی ماں یا حقیقی بھائی کی رضاعی ماں ۔ یونہی بیٹے یا بیٹی کی بہن یا دادی کہ نسب میں پہلی صورت میں بیٹی ہوگی یا ربیبہ اور دوسری صورت میں ماں ہوگی یا باپ کی موطوءہ یونہی چچا یا پھوپھی کی ماں یا ماموں یا خالہ کی ماں کہ نسب میں دادی نانی ہوگی اور رضاع میں حرام نہیں اور ان میں بھی وہی تین صورتیں ہیں (عالمگیری درمختار) ۷۔ حقیقی بھائی کی رضاعی بہن یا رضاعی بھائی کی حقیقی بہن یا رضاعی بھائی کی رضاعی بہن سے نکاح جائز ہے اور بھائی کی بہن سے نسب میں بھی ایک صورت جواز کی ہے یعنی سوتیلے بھائی کی بہن جو دوسرے باپ سے ہو (درمختار) ۸۔ رضاع کے ثبوت کے لیے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں عادل گواہ ہوں اگرچہ وہ عورت خود دودھ پلانے والی ہو فقط عورتوں کی شہادت سے ثبوت نہ ہوگا۔ البتہ احتیاط یہ ہے کہ صرف عورتوں کے کہنے سے بھی حرمتِ نکاح کا حکم دیا جائے (جوہرہ) ۹۔ عورتوں کو چاہیئے کہ بلا ضرورت ہر بچہ کو دودھ نہ پلا دیا کریں اور پلائیں تو خود بھی یاد رکھیں اور لوگوں سے یہ بات کہہ بھی دیں ۱۰۔ عورت کو بغیر اجازت شوہر کسی بچہ کو دودھ پلانا مکروہ ہے البتہ اگر صورت ایسی ہو کہ دودھ نہ پلانے کی وجہ سے بچہ کے ہلاک ہونیکا خطرہ ہو تو کراہت نہیں (ردالمختار) ۱۰۔ اگر مرد نے اپنی بیوی کی چھاتی چوسی تو نکاح میں کوئی نقصان نہ آیا اگرچہ دودھ مونھ میں آگیا بلکہ حلق سے اُتر گیا (درمختار) پھر اگر اتفاقاً دودھ حلق سے اُتر گیا تو گناہ بھی نہ ہوگا ——— اور اپنی بیوی کی محض چھاتی کو منہ میں لینا یا چوسنا جائز ہے لیکن دودھ پینا حرام ہے ۔

مطلقاً دودھ پینے سے رضاعت ثابت ہوجائیگی

۱۔ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک رضاع یعنی دودھ کا رشتہ عورت کا دودھ پینے سے ثابت ہوتا ہے خواہ تھوڑا پیا ہو یا زیادہ یعنی دودھ خواہ کسی مقدار میں ہو بچہ کے پیٹ میں اُتر جانا سببِ حرمت ہے ۔ امیرالمومنین حضرت علی، ابنِ مسعود، ابن عمر، ابن عباس حسن بصری سعید بن مسیب، طاؤس، عطا، مکحول، زہری، قتادہ اور سیدنا امام مالک اور ان کے اصحاب اور ثوری لیث اوزاعی، طبری رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے ۔ حضرت لیث کہتے ہیں کہ علماء کا اس پر اجماع بھی ہے کہ دودھ خواہ تھوڑا پیا ہو یا زیادہ سببِ حرمت ہے یعنی جمہور صحابہ و تابعین فقہاء امت و ائمہ دین کا مسلک یہ ہے کہ بچہ خواہ ایک قطرہ دودھ بھی چوسے رضاعت ثابت ہو جائے گی ۲۔ اور سیدنا امام شافعی علیہ الرحمہ کا مذہب یہ ہے کہ جب تک پانچ چسکی دودھ نہ پیئے حرمت ثابت نہ ہوگی یعنی امام شافعی کے ہاں ثبوتِ رضاعت کے لیے بچہ کا پانچ چسکی دودھ پینا شرط ہے اگر پانچ چسکی سے کم دودھ پیا (ایک دو، تین چار چسکی) تو رضاعت ثابت نہ ہوگی (نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۴۶۸) امام شافعی کی دلیل حدیثِ عائشہ صدیقہ ہے ۔ نبی علیہ السلام نے

لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ الخ یعنی ایک چسکی یا دو چسکی دودھ پینے سے حرمت ثابت نہ ہوگی (مسلم حدیث نمبر ۳۴۸۵) ۳- اسی طرح امام شافعی مسلم کی اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں جس میں یہ ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ پہلے قرآن میں عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَّعْلُوْمَاتٍ نازل ہوا تھا یعنی دس چسکی پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ پھر یہ منسوخ ہوگیا اور پانچ چسکیوں سے حرمت کا حکم ہوا (مسلم حدیث نمبر ۳۴۹۲) لیکن امام شافعی کے استدلال کے متعدد جواب ہیں۔ اول یہ حدیثیں خبرِ واحد ہیں۔ جو قرآن کے مزاحم و معارض نہیں ہوسکتیں ۴- اور قرآنِ مجید میں فرمایا

وَاُمَّهَاتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ (نساء ۲۳) | اور تمہاری مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے

قرآن نے مطلقاً دودھ پلانے کو سببِ حرمت قرار دیا ہے۔ ایک یا دو دفعہ چسکی لینے کی قید نہیں لگائی۔ یعنی آیت میں عدد یا مقدار کا ذکر نہیں ہے اور بغیر کسی مقدار و عدد کے دودھ پلانے والی عورتوں کو مائیں قرار دیا ہے یعنی دودھ خواہ ایک چسکی پلایا ہو یا اس سے زائد۔ بہرحال اس عمل کو دودھ پلانا ہی کہا جائیگا اور قرآن نے مطلقاً دودھ پلانے ہی کو سبب حرمت قرار دیا ہے۔ لہٰذا خبرِ واحد سے نہ تو قرآن کے عموم و اطلاق کو مقید کیا جاسکتا ہے اور نہ قرآن پر زیادتی کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ زیادتی نسخ ہے۔ اور خبرِ واحد سے نصِ قطعی کا نسخ جائز نہیں ۵- اسی طرح سورہ نساء میں فرمایا گیا ہے۔

وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ (نساء ۲۳) | اور تمہاری رضاعی بہنیں (محرم) ہیں

• آیت کے اس حصہ میں بھی رضاعت کے لیے کوئی قید نہیں ہے۔ مطلقاً ایک عورت کا دودھ پینے والیوں کو رضاعی بہنیں قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا خبرِ واحد سے قرآن کے عموم و اطلاق کو مقید نہیں کرسکتے دوم یہ کہ مَصَّةٌ وَ مَصَّتَانِ والی حدیث منسوخ ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تصریح کی ہے۔ ان سے کہا گیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ایک بار (یعنی ایک چسکی) دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ آپ نے جواباً فرمایا۔ كَانَ ذَالِكَ ثُمَّ نُسِخَ پہلے ایسے تھا پھر منسوخ ہوگیا (فتح القدیر کتاب الرضاع) سوم۔ یہ کہ جن احادیث سے حضرت امام شافعی استدلال کرتے ہیں۔ وہ مضطرب ہیں کیونکہ اس مسئلہ کی احادیث میں پانچ اور سات چسکیوں تک کا ذکر ہے۔ چہارم مطلقاً دودھ پلانا سببِ حرمت ہے اس کی تائید بخاری کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ جس میں یہ ہے کہ عقبہ بن حارث نے کہا میں نے ایک عورت سے شادی کی تو ایک حبشی عورت نے کہا کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ نبی علیہ السلام نے مجھے اپنی بیوی کو چھوڑنے کے متعلق فرمایا۔ اس حدیث سے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پلانے والی عورت کے متعلق یہ نہیں پوچھا کہ اس نے کتنی چسکیاں پلائی ہیں۔ اگر پانچ سے

کم پلائی ہیں تو کوئی حرج نہیں حرمت نہ ہوگی۔ بلکہ حضور نے مطلقاً رضاعت کا سن کر حضرت عقبہ سے فرمایا کہ اب تم اپنی بیوی کو چھوڑ دو۔ معلوم ہوا کہ رضاعت کے لیے پانچ چسکیوں کی قید نہیں ہے بلکہ مطلقاً دودھ پینے سے رضاعت کے احکام ثابت ہوجائیں گے یعنی حرمتِ نکاح۔ پنجم۔ متعدد احادیث و آثار سے بھی واضح ہے کہ مطلقاً دودھ پلانے سے رضاعت ثابت ہوجاتی ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا۔

اَنَّ قَلِیۡلَهٗ وَ کَثِیۡرَهٗ یُحَرِّمُ	تھوڑا پیئے یا زیادہ بہرحال رضاعت ثابت ہوجائے گی (فتح القدیر و عقود الجواہر کتاب الرضاع، نسائی ج ۲ صہ ۸۲ و مؤطا امام محمد صہ ۲۸۲)

اور حضرت علی سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔

یَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا یَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ قَلِیۡلُهٗ وَ کَثِیۡرُهٗ (مسندِ امام اعظم)	رضاع سے وہ چیز حرام ہوجاتی ہے جو نسب سے حرام ہوتی ہے۔ دودھ خواہ کم پیا ہو یا زیادہ

غرضکہ حضرت علی ابن مسعود، سعید ابن مسیب، ابن عمر، ابن عباس، حضرت طاؤس رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی روایتوں میں بہ تصریح ہے کہ مطلقاً دودھ پلانے سے رضاعت ثابت ہوجائے گی خواہ کم پلایا ہو یا زیادہ۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ نیز ان روایتوں میں یہ بھی تصریح ہے کہ پانچ چسکیوں کی قید پہلے تھی۔ بعد میں منسوخ ہوگئی اور اب ایک چسکی دودھ پلانے سے بھی حرمتِ نکاح ثابت ہوجائے گی۔ دیکھئے نسائی ج ۲ صہ ۷۶ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ صہ ۲۸۰/۲۸۷ مصنف عبدالرزاق ج ۷ صہ ۴۶۷۔ اسی طرح حدیث مسلم جس میں یہ ہے کہ حضور کے وصال تک خمس معلومات قرآن میں پڑھا جاتا تھا۔ تو یہ بھی خبرِ واحد ہے اور خبر واحد سے ان جملوں کا قرآن ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ قرآن تواتر سے ثابت ہے۔ لہذا مذکورہ بالا الفاظ نہ تو قرآن کا جزء ہیں، نہ تھے اور نہ ان کو قرآن سے نکالا گیا اور نہ ان کی تلاوت کی گئی۔ ان تمام امور پر امت کا اجماع ہے۔

مدتِ رضاعت

مدت رضاعت یعنی بچہ کو کتنی مدت تک دودھ پلایا جائے۔ اس میں اختلاف ہے ۱۔ صحابہ کرام میں حضرت عمر، علی، ابن عمر، ابن مسعود، ابن عباس، ابوہریرہ، حضرت عائشہ صدیقہ اور باقی ازواجِ مطہرات کا مذہب یہ ہے کہ مدتِ رضاعت دو سال ہے۔ مجتہدین میں حضرت امام شافعی، اوزاعی، اسحاق، شعبی اوزاعی، ابن شبرمہ، ابوثور اور امام ابویوسف و امام محمد کے نزدیک بھی مدتِ رضاعت دو سال ہے۔ امام ابویوسف و محمد سورۃ لقمٰن اور سورہ بقرہ کی آیتوں سے استدلال

فرماتے ہیں۔ سورہ لقمٰن میں فرمایا۔ وَفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ (۱۴) اس کا دودھ چھوٹنا دو برس ہے۔ اور دودھ چھوٹنے کے بعد دودھ نہیں پلایا جاتا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ بچہ کو دو سال کے اندر دودھ کفایت کرتا ہے اور دو سال کے بعد دودھ پر اس کا انحصار نہیں رہتا۔ اس لیے مدتِ رضاعت دو سال قرار پائی ہے اور سورۃ بقرہ میں فرمایا۔

وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ	اور مائیں دودھ پلائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس اس کے لیے جو دودھ کی مدت پوری کرنی چاہے۔ (البقرہ ۲۳۳)

وجہ استدلال یہ ہے کہ جو ماں اپنے بچہ کو دودھ پلانے کی مدت مکمل کرنا چاہے وہ دو سال کامل دودھ پلائے اور تکمیل کے بعد اضافہ نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ مدتِ رضاعت دو سال ہے۔ دو سال کے بعد بچہ کو دودھ پلانا جائز نہیں۔

مدتِ رضاعت سے متعلق امامِ اعظم سے منقول روایت

امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ سے ایک روایت یہ ہے کہ مدتِ رضاعت تیس (۳۰) ماہ یعنی ڈھائی سال ہے اور اس سلسلہ میں سورۃ احقاف کی اس آیت سے استدلال کیا جاتا ہے۔

وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا	اور اسے اٹھائے پھرنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینہ ہے۔

استدلال کی تقریر یہ ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ حمل اور دودھ چھڑانے دونوں میں سے ہر ایک کی مدت تیس ماہ ہے لیکن دلیل سے ثابت ہے کہ حمل کی مدت دو سال سے زیادہ نہیں ہوتی حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔

اَلْوَلَدُ لَا یَبْقٰی فِیْ بَطْنِ اُمِّهٖ اَکْثَرَ مِنْ سَنَتَیْنِ	بچہ ماں کے پیٹ میں دو سال سے زیادہ نہیں رہتا (دارقطنی و بیہقی)

لہٰذا دودھ چھڑانے کی مدت تیس (۳۰) ماہ (ڈھائی سال) قرار دینی چاہیئے۔ نیز سورۃ بقرہ کی آیت حولینِ کاملین کے بعد فرمایا۔

فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا الخ	یعنی اگر میاں بیوی باہمی رضامندی سے مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔

تفسیر مدارک وکشاف میں فلا جناح علیہما کی تفسیر میں ہے زَادَ عَلَى الْحَوْلَيْنِ اَوْ نَقْصًا وَهٰذِهٖ تَوْسِعَةٌ بَعْدَ التَّحْدِيْدِ - یعنی والدین دو برس پر زیادہ کریں یا کم کر دیں۔ یہ وسعت ہے تعیین کے بعد ——— معلوم ہوا کہ والدین باہمی رضا ومشورہ سے دو برس سے زیادہ کر دیں یا دو برس سے کم کر دیں تو گنہگار نہ ہوں گے۔ واضح ہوا کہ آیت مدتِ رضاع میں قطعی نہیں ہے یعنی دو سال کے بعد بھی دودھ پلایا جا سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ دودھ یکدم نہیں چھڑایا جاتا بلکہ تدریجاً چھڑاتے ہیں تاکہ بچہ دودھ کو بھول جائے اور دوسری غذا کھانے لگے تو دو سال پر کچھ مدت کا اضافہ ضروری ہوا۔ اس لیے ادنیٰ مدتِ حمل (جو کہ چھ ماہ ہے) کا اضافہ کیا گیا اور اس طرح مدتِ رضاعت ڈھائی سال قرار پائی۔

مدّتِ رضاعت میں اختلاف کے متعلق ایک اہم وضاحت

۱- واضح ہو کہ مدتِ رضاعت دو سال یا ڈھائی سال ہونے کے متعلق سورۂ لقمٰن، سورۂ بقرہ اور سورۂ احقاف کی مذکورہ بالا آیات قطعی الدلالت نہیں ہیں۔
۲- یہی وجہ ہے کہ مدتِ رضاعت میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ سے منقول ڈھائی سال کی روایت بھی آیتِ قرآنی سے ماخوذ ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ لہٰذا غیر مقلد وہابیوں کا امام اعظم کے متعلق یہ الزام لگانا کہ ان کا موقف قرآن وحدیث کے خلاف ہے، قطعی غلط اور خلافِ واقع ہے۔ چنانچہ امام زفر علیہ الرحمہ کے نزدیک مدتِ رضاعت تین سال اور سیدنا امام مالک کے نزدیک دو سال ایک ماہ یا دو ماہ ہے۔ بلکہ امام مالک علیہ الرحمہ سے ایک روایت میں کسی مدت کا تعین نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ جب تک بچہ کو دودھ کی ضرورت ہو پلایا جائے۔ ۳- آیت کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ والدہ مطلقہ کو دو برس دودھ پلانا چاہیے اور والد پر دودھ پلانے کی اُجرت دینا لازم ہے۔ یعنی یہ احتمال ہے کہ آیت اور حدیث لَا رِضَاعَ بَعْدَ حَوْلَيْنِ (دو برس کے بعد رضاعت نہیں) استحقاقِ اُجرت میں خاص ہو۔ یعنی اگر والدہ دو برس دودھ پلاتی ہے تو اجرت کی مستحق ہے اور اگر دو برس سے زیادہ عرصہ پلاتی ہے تو زائد عرصہ کی مستحق نہ ہوگی تو آیت حولین کاملین کا تعلق مدتِ رضاعت سے نہیں بلکہ استحقاقِ اجرت سے ہے ۴- نیز حاجبین نے آیت یرضعن اولادھن حولین الخ ——— فصالہ فی عامین سے مدت رضاعت دو سال ہونے کا استدلال کیا ہے لیکن فیہ نظر کیونکہ حقیقی والدہ کے دودھ پلانے سے حُرمتِ نکاح کے کیا معنیٰ؟ حُرمتِ نکاح تو غیر عورت کے دودھ پلانے سے ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ آیت میں فصال سے وہ فصال مراد نہیں ہے جس سے حرمتِ نکاح ثابت ہوتی ہے۔

۵۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ آیت حولین کاملین عام نہیں بلکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص ہے۔ یعنی یہ آیت حضرت صدیق اکبر اور ان کے والدین کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ حضرت صدیق اکبر اقل مدت حمل چھ ماہ میں پیدا ہوئے اور عادتِ عامہ یہ ہے کہ جو بچہ چھ ماہ میں پیدا ہو جائے تو اسے پورے دو سال دودھ پلانے کی ضرورت ہوتی ہے (تفسیر مظہری) لہٰذا دو سال دودھ پلانا حضرت صدیق اکبر کے ساتھ خاص ہوا۔ چنانچہ اس امر پر سیاقِ آیت اور خاتمہ آیت حتیٰ بلغ اشدہ دال ہے (معالم التنزیل وتفسیر احمدی) ۶۔ آیت حملہ و فصالہ ثلثون شھرا الخ سے امام ابو یوسف و امام محمد یہ استدلال کرتے ہیں کہ اس آیت سے اقل مدت حمل چھ ماہ ثابت ہوتی ہے کیونکہ جب دودھ چھڑانے کی مدت دو سال ہوئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ حولین کاملین تو حمل کے چھ ماہ باقی رہے —— لیکن اس کے برعکس یہ بھی کہا گیا ہے کہ آیت میں کم سے کم مدتِ حمل اور کم سے کم مدتِ فصال کا ذکر ہے یعنی آیت میں انتہاءِ فصال کا بیان نہیں ہے۔ ۷۔ تفسیر احمدی میں صاحبین کے استدلال کے جواب کی تقریر یہ ہے کہ ان آیتوں میں اس امر کا بیان ہے کہ والدہ کو اپنے بچہ کو دو سال کامل دودھ پلانا واجب ہے یعنی عذر کی صورت میں صرف دو سال دودھ پلانا ضروری ہے یا حولین کاملین کی قید اس امر کے لیے ہے کہ والد پر دو سال دودھ پلوانے کی اُجرت دینا واجب ہے اور قرینہ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد و علی المولود لہ رزقھن الخ تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دو سال سے زائد دودھ پلانا منع ہے یعنی یہ آیتیں صرف اس بارے میں ہیں کہ ماں کو دو برس دودھ پلانا اور والد کو دو برس دودھ پلانے کی اُجرت دینا واجب ہے۔ لیکن وہ رضاع جس سے دو برس کے اندر دودھ پینے سے حُرمتِ نکاح ثابت ہوتی ہے یہ بات ان آیتوں سے واضح نہیں ہوتی —— کیونکہ وہ رضاع جس سے حرمتِ نکاح ثابت ہوتی ہے وہ سورۂ نساء کی آیت ۲۳ ہے۔ جس میں مطلقاً دودھ پلانے کو سببِ حرمتِ نکاح قرار دیا گیا ہے۔ البتہ حدیث نے ایامِ طفلی کو خاص کر لیا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ اِنَّمَا الرَّضَاعَۃُ مِنَ الْمَجَاعَۃِ۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے (رد المحتار کتاب الرضاع)

۸۔ فقہاءِ احناف نے مدتِ رضاعت دو سال اور ڈھائی سال دونوں پر فتویٰ دیا ہے اور بعض اصحاب ترجیح نے صاحبین کے مذہب کو ترجیح دی ہے۔ حضرت امام طحاوی کا مختار بھی مذہبِ صاحبین ہے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے۔ اَلْاَصَحُّ قَوْلُھُمَا وَھُوَ مُخْتَارُ الطَّحَاوِیِ اور علامہ ابن قیم نے تصریح کی ہے کہ وَعَنْ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رِوَایَۃٌ اُخْرٰی لِقَوْلِ اَبِیْ یُوْسُفَ وَمُحَمَّدٍ (زاد المعاد ج ۲ صفحہ ۳۳) اور علامہ شامی علیہ الرحمہ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے اور صاحبِ ہدایہ نے آیت سے جو ڈھائی

سال مدتِ رضاع کا استدلال کیا ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے کہ انھوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا (ردالمحتار ج ۲ ص ۸۴۳ باب الرضاع) نیز صاحب تفسیرِ مظہری نے وحملہ وفصالہ الخ آیت سے ڈھائی سال مدتِ رضاعت ثابت کرنے کو درست نہیں قرار دیا۔

بچہ کو دودھ پلانے یا پلوانے کی ذمہ داری کس پر ہے

سورہ بقرہ کی آیت ۲۳۳ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ الخ کے ماتحت مفسرین کرام نے حسبِ ذیل مسائل بیان کئے ہیں۔

۱۔ ماں خواہ مطلقہ ہو یا نہ ہو اس پر اپنے حقیقی بچہ کو دودھ پلانا واجب ہے بشرطیکہ باپ کو اُجرت پر دودھ پلوانے کی قدرت و استطاعت نہ ہو یا کوئی دودھ پلانے والی میسر نہ آئے یا بچہ ماں کے سوا اور کسی کا دودھ قبول نہ کرے۔ اگر یہ باتیں نہ ہوں یعنی بچہ کی پرورش خاص ماں کے دودھ پر موقوف نہ ہو تو ماں پر دودھ پلانا واجب نہیں مستحب ہے (تفسیر احمدی وجمل وغیرہ) ۲۔ دو سال کامل دودھ پلانا لازم نہیں ہے۔ اگر بچہ کو ضرورت نہ رہے اور دودھ چھڑانے میں اس کے لیے خطرہ نہ ہو تو اس سے کم مدت میں بھی چھڑانا جائز ہے (تفسیر احمدی خازن وغیرہ) ۳۔ آیت کے جملہ علی المولود سے واضح ہوا کہ بچہ کا نسب باپ سے ثابت ہوگا ماں سے نہیں مثلاً باپ سیّد ہے اور ماں سیّد نہیں ہے تو بچہ سیّد قرار پائے گا اور اگر باپ سیّد نہیں ہے اور ماں سیّدانی ہے تو بچہ سیّد نہ ہوگا اور یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ آپ کا نسب سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے چلا اس لیے حضرت فاطمہ کے صاحبزادوں امام حسن و حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی اولاد سیّد قرار پائے گی ——— ۴۔ بچہ کی پرورش کے تمام اخراجات اور دودھ پلانا باپ کے ذمہ واجب ہے اس کے لیے وہ دودھ پلانے والی مقرر کرے لیکن اگر ماں اپنی رغبت سے بچہ کو دودھ پلائے تو مستحب ہے۔

۵۔ شوہر اپنی زوجہ پر بچہ کو دودھ پلانے کے لیے جبر نہیں کر سکتا۔ اگر ماں دودھ نہ بھی پلائے تو بھی شوہر پر اپنی بیوی کا نان نفقہ واجب ہے۔ ۶۔ اسی طرح جب تک ماں بچہ کے باپ کے نکاح یا عدت میں ہے دودھ پلانے کی اُجرت و معاوضہ بچہ کے باپ سے نہیں لے سکتی کیونکہ باپ کے ذمہ جو نان و نفقہ واجب ہے وہی کافی ہے زیادہ کا مطالبہ باپ کو ضرر پہنچانا ہے ——— ۹۔ اگر بچہ کی ماں مُطلّقہ ہے اور عدت گذر چکی ہے اور بچہ کو دودھ پلانے کا معاوضہ طلب کرتی ہے تو باپ کو دینا واجب ہے کیونکہ اب بچہ کے باپ پر نان و نفقہ کی ذمہ داری ختم ہو چکی ہے۔ ۱۰۔ لیکن شرط یہ ہے کہ مطلقہ عورت دودھ پلانے کا معاوضہ اتنا ہی طلب کرے جتنا کوئی دوسری عورت طلب کرتی ہے زائد کا مطالبہ کرے گی تو باپ کو یہ حق ہوگا کہ کسی انا سے دُودھ پلوائے ۱۱۔ اگر باپ نے کسی عورت کو اپنے بچہ کو دودھ پلانے پر اُجرت مقرر کی اور اس کی ماں اسی اجرت یا بے معاوضہ دودھ پلانے پر راضی ہوئی تو ماں ہی دُودھ پلانے کی زیادہ مستحق ہے باپ

کو مجبور کیا جائے گا کہ بچہ کی ماں ہی سے دودھ پلوائے (احمدی و مدارک وغیرہ) ۱۱۔ شوہر پر اپنی بیوی کا نان نفقہ تو بہرحال واجب ہے یعنی اپنی مالی حیثیت کے مطابق بیوی کے اخراجات پورا کرے لیکن جب ماں بچہ کو دودھ پلا رہی ہے تو ان دنوں خصوصی طور پر شوہر کے لیے اپنی بیوی کو کھانے پینے میں ایسی اشیا دینی بھی ضروری ہیں جس سے ماں کے دودھ میں کمی نہ ہو اور بچہ پیٹ بھر دودھ پی سکے۔

۲۴۷۱ - عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدِيْ رَجُلٌ قَالَ يَا عَائِشَةُ مَنْ هٰذَا قُلْتُ اَخِيْ مِنَ الرَّضَاعَةِ قَالَ يَا عَائِشَةُ اُنْظُرْنَ مَنْ اِخْوَانُكُنَّ فَاِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ

(بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم (گھر میں) تشریف لائے تو میرے یہاں ایک صاحب بیٹھے ہوتے تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا! عائشہ! یہ کون صاحب ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ یہ میرے رضاعی بھائی ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ عائشہ! اپنے بھائیوں کے متعلق سوچ لیا کرو، کیونکہ رضاعت وہی معتبر ہے جو بھوک کے ساتھ ہو۔

مدتِ رضاعت میں دُودھ پینے سے ہی حُرمت ثابت ہوگی ورنہ نہیں

۱۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ مدتِ رضاعت (دو سال یا ڈھائی سال) کے اندر دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوگی ورنہ نہیں۔ یعنی ڈھائی برس گزر جانے کے بعد دودھ پلایا گیا تو حرمتِ نکاح ثابت نہ ہوگی۔ جمہور صحابہ و تابعین اور مجتہدین (امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک و احمد بن حنبل) کا یہی مذہب ہے ـــ البتہ غیر مقلد وہابیوں کے امام ابن حزم و ابن تیمیہ کا مذہب یہ ہے کہ بالغ کو دودھ پلانے سے بھی حرمت ثابت ہو جائیگی یعنی عورت اگر بالغ مرد کو دودھ پلا دے تو وہ اس کا رضاعی بیٹا ہو جائے گا۔ دیکھئے نیل الاوطار ج ۶ ص ۳۱۶ اور فتاوی ابن تیمیہ ج ۲۴ ص ۶۰ ـــ ۲۔ غیر مقلد اس مسئلہ میں مسلم کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا حکم عام نہیں ہے بلکہ حضرت سہلہ اور حضرت سالم کے ساتھ خاص ہے ۳۔ حدیث نمبر ۲۴۷۱ کو امام بخاری نے کتاب النکاح میں ذکر کیا ہے۔ مسلم، نسائی، ابن ماجہ اور ابوداؤد نے بھی اس حدیث کو کتاب النکاح میں ذکر کیا ہے۔

جب مدتِ رضاع میں اختلاف ہے تو پھر کیا کیا جائے؟

الغرض مذکورہ بالا توضیح سے

یہ امر واضح ہے کہ قرآنی آیات سے مدتِ رضاعت دو سال یا ڈھائی سال کا استدلال قطعی الدلالت نہیں ہے۔ ایسی صورت میں احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ۱۔ لڑکا ہو یا لڑکی اسے صرف دو سال دودھ پلایا جائے اور اگر دو سال یا اس سے کم دودھ پلایا ہے تو حرمتِ نکاح یقیناً ثابت ہو جائیگی (کیونکہ قرآن نے مطلقاً رضاع کو سببِ حُرمت قرار دیا ہے) ۲۔ اور دو سال کے بعد احتیاطاً بہرحال دودھ پلانے کی کوشش نہ کی جائے اور اگر دو سال کے بعد دودھ پلایا ہے یعنی ڈھائی سال کی مدت کے اندر دودھ پلا دیا ہے تو بھی حرمتِ نکاح ثابت ہو جائے گی (کیونکہ حدیث سے یہ بھی واضح ہے کہ حضور علیہ السلام نے محض شبہ کی بنا پر احتیاطاً میاں بیوی میں جُدائی کرادی تھی (بخاری) اور یہ صورت تو شبہ کی نہیں ہے بلکہ واقعی دودھ پلایا ہے۔

اگر ڈھائی سال کے بعد دودھ پلایا تو بالاتفاق حرمت ثابت نہ ہوگی

واضح ہو کہ ڈھائی سال کے بعد دودھ پلانا تمام ائمہ کے نزدیک حرام ہے۔ اگر بچہ کو ڈھائی سال کی عمر میں دودھ پلایا گیا تو اس سے حرمتِ نکاح بھی بالاتفاق ثابت نہ ہوگی۔

بَابُ شَهَادَةِ الْقَاذِفِ وَالسَّارِقِ وَالزَّانِيْ

(کسی پر زنا کی تہمت لگانے والے یا چور یا زانی کی گواہی (کی قبولیت کے متعلق)

واضح ہو کہ امام بخاری علیہ الرحمہ کا مذہب یہ ہے کہ محدود فی القذف جب توبہ کرلے تو اس کی گواہی مقبول ہوگی۔ اپنے مذہب کی تائید میں امام بخاری نے سورۂ نور کی آیت سے استدلال کیا ہے اور گیارہ افراد کے اقوال پیش کیے ہیں۔ وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

اور جو پارسا عورتوں کو عیب لگائیں۔ پھر چار گواہ معائنہ کے نہ لائیں تو انہیں اسّی کوڑے لگاؤ اور ان کی کوئی گواہی کبھی نہ مانو اور وہی فاسق ہیں مگر جو اس کے بعد توبہ کرلیں اور سنور جائیں تو بیشک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

(سورۂ نور)

زنا کی تہمت لگانے اور حدِ قذف کے بعض ضروری احکام و مسائل

۱۔ چونکہ آیت

پر علماء اس امر پر متفق ہیں۔ میں محصنٰت سے مراد صرف زنا کی تہمت لگانا ہے اور یہ کہ اسی کوڑے حد صرف زنا کی تہمت لگانے والے کے لیے ہے۔ کسی اور فسوق کی تہمت لگانے والے پر حد نہیں ہے۔

محصنٰت کے معنٰی

۲۔ اصطلاح شرع میں احصان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس کا حد زنا میں اعتبار کیا گیا ہے۔ یعنی محصن وہ آزاد مسلمان ہے جو عاقل بالغ ہو اور نکاحِ صحیح کے ساتھ اپنی بیوی سے صحبت کر چکا ہو۔ ایسے شخص کا زنا کرنا شرعاً ثابت ہو جائے تو اس کی سزا رجم ہے۔ ۳۔ اور اگر ان میں سے ایک بات بھی کم ہو مثلاً آزاد نہ ہو یا مسلمان نہ ہو یا عاقل بالغ نہ ہو یا اس نے نکاح کے بعد کبھی اپنی بیوی سے صحبت نہ کی ہو یا جس عورت سے صحبت کی ہو اس کے ساتھ اس کا نکاح فاسد ہو تو یہ سب غیر محصن ہیں اور غیر محصن کا زنا کرنا ثابت ہو جائے تو اس کی سزا سو کوڑے مارنا ہے جیسا کہ سورۂ نور میں بیان ہوا۔

محصن کی دوسری قسم جس کا حدِ قذف میں اعتبار ہے

۴۔ دوسری قسم محصن کی وہ ہے جس کا حدِ قذف میں اعتبار کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جس شخص پر زنا کا الزام لگایا گیا ہے وہ عاقل بالغ آزاد مسلمان ہو اور عفیف ہو یعنی زنا سے پاک ہو۔ سورہ نور کی اس آیت میں محصنٰت کے یہی معنٰی مراد ہیں (احکام القرآن جصاص) ۵۔ آیت میں محصنات کا لفظ شانِ نزول یا معروف عادت کے سبب وارد ہوا ہے کہ عموماً مرد عورتوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں۔ ورنہ اشتراکِ علت کی بنا پر آیت کا حکم عام ہے یعنی مرد عورت پر یا عورت مرد پر یا مرد، مرد پر یا عورت عورت پر زنا کی تہمت لگائے اور ثبوتِ شرعی پیش نہ کر سکیں تو یہ سب سزائے شرعی (یعنی اسی کوڑوں) کے مستحق ہوں گے (احکام القرآن جصاص و ہدایہ)

ثبوتِ زنا

۶۔ زنا کا ثبوت چار مردوں کی گواہی سے ہوتا ہے یعنی چار مرد بالکل واضح اور غیر مبہم الفاظ میں عینی شہادت دیں نیز زنا کا ثبوت زنا کرنے والے کے چار مرتبہ حاکم کی عدالت میں اقرار کر لینے سے بھی ہوتا ہے۔ اس پر بھی حاکم بار بار سوال کرے گا اور دریافت کرے گا کہ زنا سے کیا مراد ہے کہاں کیا کس سے کیا کب کیا۔ اگر ان سب کو بیان کر دیا تو زنا ثابت ہوگا ورنہ نہیں ۷۔ چونکہ اسلام میں زنا کی سزا تمام جرائم کی سزاؤں سے زیادہ سخت ہے لہذا زنا کے ثبوت کی شرائط بھی بہت سخت ہیں جن میں ذرا بھی کمی ہو جائے یا شبہ پیدا ہو جائے تو زنا کی انتہائی سزا جس کو حد کہتے ہیں ساقط ہو جاتی ہے البتہ حاکم جرم کی نوعیت و کیفیت کے لحاظ سے تعزیری سزا دے سکتا ہے جو تین سے ۳۹ کوڑے تک ہو

سکتی ہے۔ پھر زنا کی شہادت میں ایک احتیاط اور شدت یہ ہے کہ اگر کوئی شرط مفقود ہونے کی وجہ سے شہادت رد کی گئی تو پھر الزام لگانے والوں پر حد قذف (اسی کوڑے) لگائے جاتے ہیں۔

زنا کی جھوٹی تہمت لگانے والے کی سزا اسی کوڑے ہے

۸۔ جو شخص کسی پارسا عورت یا مرد کو زنا کی تہمت لگائے اور اس پر چار معائنہ کے گواہ پیش نہ کر سکے تو اس پر حد واجب ہے اور ایسے لوگ جو زنا کی تہمت میں سزایاب ہوں اور ان پر حد جاری ہو چکی ہو مردود الشہادۃ ہو جاتے ہیں۔ کبھی ان کی گواہی مقبول نہیں ہوتی یعنی تہمت لگانے کے جُرم میں جس کو حد لگائی گئی وہ اگر توبہ کر کے پارسائی کو اختیار کرے تو بھی کسی معاملہ میں ان کی گواہی معتبر نہ ہوگی۔ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کا یہی مذہب ہے ــــ

۹۔ حدِ قذف مطالبہ پر مشروط ہے۔ جس پر تہمت لگائی گئی ہے اگر وہ مطالبہ نہ کرے تو قاضی پر حد قائم کرنا لازم نہیں اور مطالبہ کا حق اسی کو ہے جس پر تہمت لگائی گئی ہے۔ اگر وہ زندہ ہو اور اگر وہ مر گیا ہو تو اس کے بیٹے پوتے کو بھی ہے۔

قذف کے الفاظ

۱۰۔ قذف کے الفاظ یہ ہیں کہ وہ صراحۃً کسی کو یا زانی کہے یا یہ کہے کہ تو اپنے باپ سے نہیں ہے یا اس کے باپ کا نام لے کر کہے کہ تو فلاں کا بیٹا نہیں یا اس کو زانیہ کا بیٹا کہہ کر پکارے مگر اس کی ماں پارسا ہو تو ایسا شخص قاذف ہو جائیگا اور اس پر تہمت کی حد آئے گی ۱۱۔ حدِ قذف محصن پر زنا کی تہمت لگانے پر لگائی جائے گی۔ محصن وہ آزاد مسلمان ہے جو عاقل بالغ اور عفیف ہو یعنی زنا سے پاک ہو ۱۲۔ اگر غیر محصن کو زنا کی تہمت لگائی مثلاً کسی غلام کو یا کافر کو یا ایسے شخص کو جس کا کبھی زنا کرنا ثابت ہو تو اس پر حدِ قذف قائم نہ ہوگی بلکہ اس پر تعزیر واجب ہے یہ تعزیر تین سے انتالیس تک حسبِ تجویز حاکم شرع کوڑے لگانا ہے۔

زنا کے علاوہ کسی اور عیب کی تہمت لگائی تو حد نہیں تعزیر ہے

اگر کسی شخص نے زنا کے سوا کسی اور فجور کی تہمت لگائی اور پارسا مسلمان کو اے فاسق، اے کافر، اے خبیث، اے چور، اے بدکار، اے بد دیانت، اے لوطی، زندیق، اے دیوث، اے شرابی، اے سود خوار، اے بدکار عورت کے بچے، اے حرام زادے۔ اس قسم کے الفاظ کہے تو اس پر تعزیر واجب ہوگی حد نہیں۔

محدود فی القذف کی گواہی کے مقبول ہونے اور مقبول نہ ہونے میں اختلاف ہے

۱۔ واضح ہو کہ جس شخص پر

زنا کی جھوٹی تہمت لگانے کا جرم ثابت ہو جائے اور اس پر حد قذف جاری کر دی جائے اور وہ توبہ بھی نہ کرے تو اس کی شہادت کسی معاملہ میں باجماعِ امت کبھی مقبول نہ ہوگی۔ کیونکہ سورہ نور کی مذکورہ آیت میں زنا کی جھوٹی تہمت لگانے والے کی سزا اسی کوڑے اور اس کی گواہی کا کسی معاملہ میں کبھی نہ قبول بیان ہوئی ہے گویا جھوٹی تہمت لگانے والے کی حد ایک تو اسی کوڑے ہیں اور دوسرے اس کی گواہی کا کبھی قبول نہ کرنا ہے جو حد کا تتمہ اور اس کا جز ہے ——— ۲۔ اب اگر جس شخص پر تہمتِ زنا کی حد شرعی جاری کی گئی ہے توبہ کرے تو اس کی گواہی مقبول ہوگی یا مقبول نہ ہوگی احناف کا موقف یہ ہے۔ اس کی گواہی توبہ کرنے کے باوجود کبھی کسی معاملہ میں مقبول نہ ہوگی احناف بھی سورۃ نور کی آیت سے ہی استدلال کرتے ہوئے یہ رائے قائم کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا کا استثنار آیت نمبر ۴ کے آخری جملہ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ کی طرف راجع ہے تو اس استثنار کا مطلب یہ ہے کہ جس پر حد قذف جاری ہوئی ہے وہ فاسق ہے۔ اب اگر وہ صدقِ دل سے توبہ کرکے اپنی حالت کی اصلاح کر لیتا ہے تو اب فاسق نہ رہیگا اور آخرت کی سزا اس سے معاف ہو جائے گی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ سورۃ نور کی آیت نمبر ۴ کی رُو سے دنیا میں اس پر جن دو سزاؤں کا ذکر ہے (یعنی اسّی کوڑے مارنا اور ہمیشہ کے لیے مردود الشہادت قرار دیدینا) یہ سزائیں توبہ کے بعد بھی باقی رہیں گی۔ ان میں اسی کوڑے لگانا یہ تو جاری ہو ہی چکی اور دوسری سزا یعنی مردود الشہادہ اسی حدِ شرعی کا جز ہے جو توبہ سے معاف نہ ہوگی کیونکہ اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ توبہ سے آخرت کا عذاب معاف ہو جاتا ہے۔ حدِ شرعی معاف نہیں ہوتی اس لیے توبہ کرنے کے بعد بھی محدود فی القذف کی شہادت کبھی اور کسی معاملہ میں قبول نہ کی جائیگی ۳۔ سیدنا امام بخاری اور امام شافعی اور دیگر آئمہ بھی سورۃ نور کی آیت سے ہی استدلال کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ استثنار مذکورہ آیت نمبر ۴ کے سب جملوں کی طرف راجع ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ توبہ کرنے سے جب وہ فاسق نہ رہا تو مردود الشہادت بھی نہیں رہے گا۔ لہذا محدود فی القذف اگر توبہ کرلے تو اس کی شہادت مقبول ہے

وَجَلَدَ عُمَرُ اَبَا بَكْرَةَ وَ شِبْلَ بْنَ مَعْبَدٍ وَّنَافِعًا بِقَذْفِ الْمُغِيْرَةِ ثُمَّ اسْتَتَابَهُمْ وَقَالَ مَنْ تَابَ قَبِلْتُ شَهَادَتَهٗ (بخاری)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ شبل بن معبد اور نافع کو مغیرہ رضی اللہ عنہ پر تہمت لگانے کی وجہ سے کوڑے لگوائے تھے اور پھر ان کی توبہ قبول کرلی تھی اور فرمایا تھا کہ جو شخص توبہ کرے گا میں اس کی گواہی قبول کروں گا۔

حضرت مغیرہ کو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بصرہ کا حاکم مقرر کیا تھا۔ ابوبکرہ اور شبل وغیرہ نے ان پر زنا کی تہمت لگائی۔ حضرت عمر نے ان کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کو بصرہ کا حاکم مقرر کیا اور مغیرہ کو عدالت میں حاضر کیا تو مذکورہ بالا افراد میں سے تین (یعنی ابوبکرہ، شبل، نافع) نے بالکل واضح طور پر زنا کرنے کی گواہی دی مگر زیاد بن ابی سفیان نے صرف یہ کہا کہ میں نے ایک بُرا منظر دیکھا۔ مغیرہ اور اس عورت کو ایک لحاف میں دیکھا مگر زنا کرتے نہیں دیکھا۔ چونکہ نصاب شہادت مکمل نہ تھا اس لیے حضرت عمر نے ابوبکرہ، شبل اور نافع پر حد قذف قائم کر دی ــــ امام بخاری نے اس واقعہ سے یہ استدلال فرمایا کہ محدود فی القذف اگر توبہ کر لے تو اس کی گواہی مقبول ہے کیونکہ سلیمان بن کثیر نے زہری اور سعید بن مسیّب سے روایت کی کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالے عنہ نے ابوبکرہ، شبل اور نافع سے فرمایا کہ تم میں سے جو توبہ کرے میں اس کی گواہی قبول کر لوں گا ــــــ امام طحاوی علیہ الرحمہ نے امام بخاری کے استدلال کا جواب یہ دیا ہے کہ سعید بن مسیّب کا حضرت فاروق اعظم سے سماع ثابت نہیں۔ نیز ابوداؤد طیالسی کی روایت میں ہے کہ جب کوئی ابوبکرہ کو کسی معاملہ میں گواہ بنانے کے لیے آتا تو وہ جواباً یہ کہتے کہ کسی اور کو گواہ بنالو کیونکہ مجھے مسلمانوں نے فاسق قرار دیا ہے۔ اور حضرت سعید بن مسیّب کے نزدیک مذکورہ بالا حدیث قوی نہیں ہے اس لیے امام بخاری علیہ الرحمہ کا استدلال ضعیف ہے (عینی ج ۱۳ ص ۲۰۵)

وَاَجَازَہٗ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عُتْبَۃَ وَعُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِیْزِ وَسَعِیْدُ بْنُ جُبَیْرٍ وَطَاؤُسٌ وَمُجَاہِدٌ وَّالشَّعْبِیُّ وَعِکْرَمَۃُ وَالزُّھْرِیُّ وَمُحَارِبُ بْنُ دِثَارٍ وَشُرَیْحٌ وَمُعَاوِیَۃُ بْنُ قُرَّۃَ

عبداللہ بن عتبہ، عمر بن عبدالعزیز، سعید بن جبیر، طاؤس، مجاہد، شعبی، عکرمہ، زہری، محارب بن دثار، شریح اور معاویہ بن قرہ نے بھی محدود فی القذف کی شہادت کو مقبول قرار دیا ہے

(بخاری)

وَقَالَ اَبُوالزِّنَادِ الْاَمْرُ عِنْدَنَا بِالْمَدِیْنَۃِ اِذَا رَجَعَ الْقَاذِفُ عَنْ قَوْلِہٖ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّہٗ قُبِلَتْ شَہَادَتُہٗ

ابوالزناد نے فرمایا کہ ہمارے ہاں مدینہ میں یونہی ہوتا ہے کہ جب کسی پر تہمت لگانے والا شخص اپنے کہے ہوئے سے توبہ کر لے اور اس پر اللہ رب العزت سے مغفرت طلب کرے تو اس کی گواہی قبول کی جاتی ہے۔

فوائد و مسائل حضرت امام بخاری نے اپنے موقف کی تائید میں مذکورہ بالا گیارہ حضرات کے اقوال درج کئے ہیں کہ یہ سب حضرات محدود فی القذف جب توبہ کرلے تو اس کی گواہی کو جائز قرار دیتے ہیں ـــــ لیکن جو علماء محدود فی القذف کی گواہی کو جائز قرار نہیں دیتے وہ امام بخاری کے استدلال کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ابن حزم نے باسنادِ جید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے

قَالَ شَهَادَةُ الْقَاذِفِ لَا يَجُوْزُ وَاِنْ تَابَ	آپ نے فرمایا قاذف کی شہادت جائز نہیں ہے اگرچہ وہ توبہ کرلے۔

اور حضرت ابن عباس کا ارشاد مذکورہ بالا گیارہ حضرات کے اقوال کے مقابل افضل و برتر اور قوی ہے۔ نیز علامہ ابن حزم نے یہ تصریح بھی کی ہے حضرت شریح، سفیان بن سعید شعبی، حسن بصری، مجاہد و عکرمہ کا۔ دوسرا قول عدم جواز کا ہے۔ چنانچہ ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں ابوداؤد طیالسی۔ عن حماد بن سلمہ۔ عن قتادہ سے روایت کی کہ حضرت حسن و سعید بن المسیب نے فرمایا۔ لا شهادة لہ وتوبتہٗ بينہ وبين اللہ۔ اس روایت کی سند مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ بیہقی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لا تجوز شهادة خائنٍ وَلا محدود فی الاسلام۔ یہ مرفوع حدیث ہے جسے ابوداؤد و ابن ماجہ و ترمذی نے روایت کیا اور ابوداؤد نے اس حدیث کو ذکر کرکے سکوت کیا جو اس امر کی دلیل ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے۔

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ لَا تَجُوْزُ شَهَادَةُ الْقَاذِفِ وَاِنْ تَابَ (بخاری)	لیکن بعض حضرات نے کہا ہے کہ جھوٹی تہمت لگانے والے کی گواہی درست نہیں ہے خواہ اس نے توبہ کیوں نہ کرلی ہو۔

کہتے ہیں کہ امام بخاری نے بعض الناس سے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کو مراد لیا ہے تو اتنی بات تو درست ہے کہ امام اعظم علیہ الرحمہ کا موقف یہی ہے کہ محدود فی القذف اگر توبہ کرلے تو بھی اس کی گواہی مقبول نہیں ہے ـــــ لیکن یہ بات درست نہیں ہے کہ وہ اس مسئلہ میں منفرد ہیں یا سب سے پہلے انھوں نے عدمِ صحت کا قول کیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا کہ حضرت ابن عباس اور تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی مذہب ہے اور مرفوع حدیث سے بھی یہی واضح ہے کہ محدود فی القذف کی گواہی جائز نہیں ہے ـــــ اس کے بعد سیدنا امام بخاری علیہ الرحمہ احناف

کے مذہب میں تناقض ثابت کرنے کے لیے فرماتے ہیں۔

ثُمَّ قَالَ لَا يَجُوزُ نِكَاحٌ بِغَيْرِ شَاهِدَيْنِ فَإِنْ تَزَوَّجَ بِشَهَادَةِ مَحْدُودَيْنِ جَازَ (بخاری)

(کہ احناف محدود فی القذف کی گواہی کو جائز قرار نہیں دیتے) اور وہ کہتے ہیں کہ دو گواہوں کے بغیر نکاح جائز نہیں (لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں) کہ محدود فی القذف کی گواہی پر کسی نے نکاح کیا تو یہ نکاح جائز ہے۔

لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ احناف کے موقف میں تناقض و تضاد نہیں ہے۔ کیونکہ احناف کا موقف یہ ہے کہ اگر محدود فی القذف کی موجودگی میں نکاح کیا گیا تو وہ درست ہے۔ کیونکہ محدود فی القذف تحمل شہادت کا اہل ہے اور تحمل شہادت کے لیے عدالت شرط نہیں ہے یعنی فاسق کسی معاملہ میں گواہ تو بن سکتا ہے لیکن اس کی شہادت مقبول نہیں کیونکہ قبولیتِ شہادت کے لیے عادل ہونا شرط ہے۔

الغرض احناف کے موقف میں تضاد نہیں ہے کیونکہ ثبوتِ نکاح اور انعقادِ نکاح میں فرق ہے۔ احناف یہ کہتے ہیں کہ محدود فی القذف کی موجودگی میں جو نکاح ہوا وہ منعقد ہو جائیگا کیونکہ محدود فی القذف کو اپنے نفس پر ولایت حاصل ہے اس لیے وہ گواہ بننے کا اہل ہے۔ لہذا محدود فی القذف کی موجودگی میں نکاح ہو جائیگا لیکن ان کی گواہی کسی معاملہ میں قبول نہیں کی جائے گی اور ان کی گواہی سے کوئی دعوٰے ثابت نہیں ہوگا۔ یعنی محدود فی القذف کو گواہ بنا کر نکاح کیا تو نکاح تو منعقد ہو جائے گا لیکن قاضی اس کی گواہی کو قبول نہیں کرے گا۔

وَإِنْ تَزَوَّجَ بِشَهَادَةِ عَبْدَيْنِ لَمْ يَجُزْ (بخاری)

اور احناف یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر دو غلاموں کی موجودگی میں نکاح کیا تو جائز نہیں ہے۔

امام بخاری نے دوسرا اعتراض یہ کیا کہ حنفی محدود فی القذف کی موجودگی میں نکاح کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن دو غلاموں کی موجودگی میں جو نکاح ہو اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں — اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ محدود فی القذف کی موجودگی میں جو نکاح ہو وہ اس لیے جائز ہے کہ محدود فی القذف گواہ بننے کا اہل ہے اور نکاح کے صحیح ہونے کے لیے دو گواہوں کا ہونا نص سے ثابت ہے۔ نیز دو گواہوں کی موجودگی کا مقصد شہرتِ نکاح ہے یعنی محلہ والوں یا بستی والوں میں یہ مشہور ہو جائے کہ یہ دونوں میاں بیوی ہیں اور یہ بات گواہ عادل ہوں یا غیر عادل دونوں سے حاصل ہو جاتی ہے برخلاف غلام کے وہ ولایت

اہل ہی نہیں ہے یعنی اس کو تو اپنی ذات پر بھی ولایت حاصل نہیں ہے تو دوسروں پر کیسے حاصل ہوگی؟ اور ضابطہ یہ ہے کہ جس کو اپنے نفس پر ولایت حاصل ہے تو اس کے حضور میں عقدِ نکاح منعقد ہو جائے گا اور جس کو اپنے نفس پر ولایت حاصل نہیں اس کے حضور میں نکاح منعقد نہ ہوگا۔ چنانچہ دو غلاموں، دو نابالغ بچوں یا دو مجنونوں کی موجودگی میں نکاح کیا تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا۔ فاین التناقض ؟

وَاَجَازَ شَهَادَةَ الْمَحْدُوْدِ وَالْعَبْدِ وَالْاَمَةِ لِرُؤْيَةِ هِلَالِ رَمَضَانَ (بخاری)

امام بخاری فرماتے ہیں کہ احناف محدود فی القذف غلام اور لونڈی کی گواہی رمضان کے چاند کے متعلق جائز قرار دیتے ہیں۔

امام بخاری کا یہ تیسرا اعتراض ہے کہ ابر و غبار اور مطلع کے صاف نہ ہونے کی صورت میں رمضان کے چاند کے متعلق محدود فی القذف اور غلام اور لونڈی کی گواہی کو حنفی قبول کر لیتے ہیں —— جواب یہ ہے کہ مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں صرف ایک شخص کی خبر کافی ہے۔ اشہد کہنا بھی ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا مذکورہ بالا افراد خبر دے سکتے ہیں۔ احناف خبر کو قبول کرتے ہیں اور خبر شہادت نہیں ہوتی۔

وَكَيْفَ نَعْرِفُ تَوْبَتَهٗ (بخاری)

اور قاذف کی توبہ کا علم کیسے ہوگا ؟

امام بخاری فرماتے ہیں کہ قاذف کی توبہ کا علم کیسے ہوگا؟ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے اس لیے امام بخاری نے حکم کا ذکر نہیں کیا۔ بہرحال اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ اکثر علماء اور امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ قاذف کا زبان سے اپنی تکذیب کرنا شرط ہے۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے یہی منقول ہے —— اور بعض کا مختار یہ ہے کہ قاذف کی توبہ کے ظہور کے لیے اس کا اپنی ذات کو جھٹلانا ضروری نہیں ہے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ قاذف نفس الامر میں صادق ہو لہٰذا قاذف کا نیک ہو جانا اور امورِ خیر میں حصہ لینا اس کی توبہ کے ظہور کے لیے کافی ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمہ کا میلان اسی طرف ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں وہ فرماتے ہیں۔

وَقَدْ نَفَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّانِيَ سَنَةً (بخاری)

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک زانی کو ایک سال کے لیے جلا وطن کر دیا تھا۔

وَنَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كَلَامِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَصَاحِبَيْهِ حَتّٰى مَضٰى خَمْسُوْنَ لَيْلَةً (بخاری)

اسی طرح آپ نے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دو ساتھیوں سے گفتگو کرنے کی ممانعت کر دی تھی۔ یہاں تک کہ پچاس دن گزر گئے۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے زانی کو ایک سال کے لیے شہر بدر کر دیا تھا تاکہ اس عرصہ

ہیں وہ اپنی حالت کو سُدھار لے اور پارسا بن جائے - اسی طرح کعب بن مالک اور ان کے ساتھیوں سے (جو غزوہ تبوک کے موقع پر کوتاہی ہوئی تھی اس کی وجہ سے آپ نے) صحابہ کرام کو ان سے بات چیت کرنے سے روک دیا تھا - حتیٰ کہ پچاس دن گزر گئے ___ لیکن یہ منقول نہیں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ان کو اپنی ذات کی تکذیب کا حکم دیا ہو جس سے واضح ہوا کہ تکذیب نفس ضروری نہیں ہے -

۲۴۷۲ - حضرت عروہ بن زبیر سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر ایک خاتون نے چوری کی - پھر انہیں بحضور نبوی پیش کیا گیا -

ثُمَّ اَمَرَ بِهَا قُطِعَتْ يَدُهَا قَالَتْ عَائِشَةُ فَحَسُنَتْ تَوْبَتُهَا وَتَزَوَّجَتْ (بخاری)

ثبوتِ جرم کے بعد حضور کے حکم سے اس کا ہاتھ کاٹا گیا - حضرت عائشہ فرماتی ہیں - پھر اس خاتون نے اچھی توبہ کی اور شادی کرلی - اس کے بعد وہ عورت میرے پاس آتی تھی اور میں اس کی حاجت بحضور نبوی پیش کردیا کرتی تھی -

فوائد و مسائل ۱- فَحَسُنَتْ تَوْبَتُهَا کے الفاظ عنوان کے مناسب ہیں ۲- امام بخاری علیہ الرحمہ نے حدیث کے مذکورہ بالا جملوں سے یہ استدلال کیا جب چور اچھی توبہ کرلے تو اس کی گواہی مقبول ہے - امام بخاری نے قاذف کو سارق کے ساتھ لاحق کرکے یہ نتیجہ نکالا - کیونکہ ان کے خیال میں قاذف اور سارق دونوں میں فرق نہیں ہے ۳- لیکن سیدنا امام طحاوی علیہ الرحمۃ امام بخاری کے استدلال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ چور جب توبہ کرلے تو اس کی گواہی کے مقبول ہونے میں علماء کا اجماع ہے ___ امام اوزاعی اور حسن بن صالح کہتے ہیں کہ محدود فی الخمر اگر توبہ کرلے تو اس کی گواہی مقبول نہیں ہے - لیکن تمام فقہاء امصار کہتے ہیں کہ محدود فی الخمر جب توبہ کرلے تو اس کی گواہی مقبول ہے ۴- چوری کرنے والی خاتون کا نام فاطمہ بنت اسد تھا ۵- اس حدیث سے واضح ہوا کہ حکم سرقہ میں عورت مرد کی طرح ہے یعنی چور خواہ مرد ہو یا عورت، دونوں کی حد قطع ید ہے ۶- یہ بھی ثابت ہوا کہ سارق جب توبہ کرلے تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی - (عینی ج ۱۳ ص ۳۰۹)

۲۴۷۳ - عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ اَمَرَ فِيْمَنْ زَنٰى وَلَمْ يُحْصَنْ بِجَلْدِ مِائَةٍ وَتَغْرِيْبِ عَامٍ

زید ابن خالد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے متعلق جس نے زنا کیا اور وہ شادی شدہ نہ تھا حکم دیا کہ اس کو سو کوڑے لگائے جائیں اور ایک سال کے لیے ملک بدر کیا جائے -

فوائد و مسائل ۱- اس حدیث کو امام مسلم نے حدود میں ذکر کیا ہے ۲- عنوان سے مناسبت اس

حدیث کی یہ ہے کہ حضور نے جس شخص کو زنا کے جرم میں حد لگانے کا حکم دیا اس میں توبہ کا ذکر نہیں ہے ۔
۳۔ امام مالک، احمد اور امام شافعی علیہم الرحمۃ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا۔ زانی غیر محصن کی حد سو کوڑے اور ایک سال کے لیے جلاوطنی

غیر محصن کی حد صرف سو کوڑے ہیں جلاوطنی حد کا جُز نہیں ہے

ہے لیکن احناف متعدد وجوہ سے اس استدلال کو صحیح نہیں قرار دیتے۔ اول یہ کہ قرآن نے غیر محصن زانی کی سزا مائۃ جلدۃ صرف سو کوڑے مقرر کی ہے اور قرآن کا حکم قطعی ہے۔ حدیث میں جو جلاوطنی کا ذکر ہے۔ یہ خبر واحد ظنی ہے اور خبر واحد سے قرآن پر زیادتی درست نہیں ہے کیونکہ اگر جلاوطنی کو حد کا جزء قرار دیا جائے تو قرآن کا نسخ لازم آئے گا اور خبر واحد ظنی سے قرآن کے حکم قطعی کا نسخ جائز نہیں ہے۔ دوم۔ حدیث میں جلاوطنی کا جو ذکر ہے وہ منسوخ ہے۔ ابتداء اسلام میں اس حدیث پر عمل ہوتا تھا۔ جب آیت نازل ہوئی تو جلاوطنی کا حکم منسوخ ہوگیا۔ سوم حدیث میں جلاوطنی کا حکم سیاسۃً تھا کہ حاکم اگر مناسب خیال کرے تو زانی کو جلاوطن بھی کر دے تاکہ اس کے شر سے لوگ محفوظ ہو جائیں مگر تجربہ نے یہ بتایا کہ جلاوطنی میں فتنہ ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے بھی اس کو فتنہ قرار دیا اور حضرت عمر نے بھی۔ اور مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت عمر نے امیہ بن خلف کو خیبر میں جلاوطن کر دیا تو وہ ہرقل سے مل کر نصرانی ہو ہوگیا۔ اس پر حضرت عمر نے فرمایا۔ خدا کی قسم اب میں کسی کو جلاوطن نہیں کروں گا۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ اگر جلاوطنی حد کا جزء ہوتی تو حضرت عمر جیسی شخصیت کبھی اس کے ترک کرنے کی قسم نہ کھاتے معلوم ہوا کہ حدیث میں جلاوطنی کا حکم حد کا جزء نہیں ہے بلکہ جلاوطنی کا حکم بطور تعزیر و سیاست ہے۔

بَابُ لَا يَشْهَدُ عَلٰى شَهَادَةِ جَوْرٍ إِذَا أُشْهِدَ

باب جب کسی کو گواہ بنایا جائے تو وہ ناحق بات پر گواہی نہ دے

۲۴۴۷۔ اس عنوان کے ماتحت امام نے حدیث نعمان ذکر کی ہے جو کتاب الهبہ میں ذکر ہو چکی ہے۔ جس میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حق کے خلاف معاملہ پر گواہ نہ بناؤ۔ میں حق کے خلاف گواہی نہیں دوں گا۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ جب یہ معلوم ہو کہ فلاں بات حق کے خلاف ہے تو اس معاملہ کا گواہ بننا یا حق کے خلاف گواہی دینا جائز نہیں ہے ا۔ اس حدیث کے احکام و مسائل کتاب الهبہ حدیث نمبر ۲۴۱۵/۲۴۱۶ کے تحت بیان کر دیے ہیں ضرور مطالعہ کیجئے ۲۔ جور کے معنی ظلم اور حق سے روگردانی کے ہیں۔

جھوٹی شہادت کو قرآن نے بت پوجنے کے برابر ٹھہرایا ہے

واضح ہو کہ جھوٹی شہادت دینے

والے کے لیے قرآنِ مجید میں سخت و شدید وعیدیں آئی ہیں۔ قرآنِ مجید میں اسے بُت پوجنے کے برابر شمار فرمایا۔ سورہ آیت نمبر ۔ اور حضور نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا۔ عدلت شهادة الزور الاشراك بالله جھوٹی گواہی خدا کے ساتھ شریک کرنے کے برابر کی گئی ۔ جھوٹی گواہی خدا کے لیے شریک بنانے کے ہمسر ٹھہرائی گئی۔ جھوٹی گواہی خدا کا شریک ماننے کے ساتھ کی گئی (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ) نیز حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الا انبئکم باکبر الکبائر قول الزور او قال شهادة الزور۔ کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ سب کبیرہ گناہوں سے بڑا کونسا گناہ ہے۔ بناوٹ کی بات یا جھوٹی گواہی (مسلم و بخاری) نیز فرمایا۔ لن تزول قدماء شاهد الزور حتى يوجب الله له النار ۔ جھوٹی گواہی دینے والا اپنے پاؤں ہٹانے نہیں پاتا کہ اللہ تعالے اس لیے جہنم واجب کر دیتا ہے (ابن ماجہ وحاکم)

۲۴۷۵ - قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُكُمْ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ قَالَ عِمْرَانُ لَا أَدْرِي أَذَكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ قَرْنَيْنِ أَوْ ثَلٰثَةً قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ بَعْدَكُمْ قَوْمًا يَخُونُونَ وَلَا يُؤْتَمَنُونَ وَيَشْهَدُونَ وَيَنْذُرُونَ وَلَا يَفُونَ وَيَظْهَرُ فِيهِمُ السِّمَنُ

(بخاری)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سب سے بہتر میرے زمانے کے لوگ ہیں ۔ پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے پھر وہ لوگ جو اس کے بھی بعد آئیں گے ۔عمران نے بیان کیا کہ مجھے یقین نہیں کہ آپ نے دو قرنوں (زمانوں) کے ذکر کے بعد یہ فرمایا تھا یا تین قرنوں کے ذکر کے بعد، آپ نے فرمایا کہ تمہارے بعد ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو خیانت کریں گے اور ان پر اعتماد نہ کیا جائیگا ۔ان سے گواہی دینے کے لیے نہیں کہا جائے گا لیکن وہ گواہیاں دیتے پھرینگے ۔نذریں مانیں گے لیکن پوری نہ کریں گے اور ان میں عیش کوشی کا دور دورہ ہوگا۔

۲۴۷۶ - عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ يَجِيءُ أَقْوَامٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِينَهُ وَيَمِينُهُ شَهَادَتَهُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ وَكَانُوا يَضْرِبُونَنَا عَلَى الشَّهَادَةِ

عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سب سے بہتر میرے قرن کے لوگ ہیں ۔ پھر وہ لوگ جو اس کے بعد ہوں گے ۔ پھر وہ لوگ جو اس کے بعد ہوں گے اور اس کے بعد ایسے لوگوں کا زمانہ آئیگا جن کی زبان سے لفظ شہادت قسم سے پہلے نکل جائیگا اور قسم شہادت سے پہلے ۔ ابراہیم

وَالْعَھْدِ (بخاری) ا رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہمارے بزرگ شہادت اور عہد کا لفظ زبان سے نکلنے پر ہمیں مارتے تھے (تا کہ ہمیں بلا وجہ قسم کھانے کی عادت نہ پڑ جائے۔

فوائد و مسائل ا۔ حدیث نمبر ۲۴۷۵ کو امام بخاری نے کتاب الایمان، فضل صحابہ۔ مسلم نے فضائل اور نسائی نے نذور میں ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن الانباری نے فرمایا۔ مطلب حدیث یہ ہے کہ سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو میرے زمانے میں ہیں۔ علامہ خطابی نے فرمایا قرنی سے صحابہ مراد ہیں ۲۔ حدیث نمبر ۲۴۷۶ کو امام بخاری نے فضائل نذور، رقائق۔ مسلم نے فضائل۔ ترمذی نے مناقب۔ نسائی نے شروط و قضا اور ابن ماجہ نے احکام میں ذکر کیا ہے ۳۔ مطلب حدیث یہ ہے کہ ایمان و ایقان، خلوص وللہیت، امانت و دیانت، علم و عمل اور سیرت و کردار کی پاکیزگی کے لحاظ سے بہتر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے لوگ یعنی صحابہ کرام ہیں۔ اس کے بعد تابعی، اس کے بعد تبع تابعی۔ اس کے بعد جو لوگ آئیں گے امانت و دیانت میں ان کی کیفیت یہ نہ ہو گی جیسا کہ حدیث زیر بحث میں بیان فرمایا گیا ہے ۴۔ تَسْبِقُ شَھَادَۃَ اَحَدِھِمْ الخ کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ گواہی کے معاملہ میں بڑی بے احتیاطی کریں گے۔ جھوٹی سچی ہر طرح کی گواہی دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے حتیٰ کہ بولنا چاہیں گے لفظ شہادت اور زبان سے نکل جائے گی قسم۔ اسی طرح قسم کھانی چاہیں گے اور زبان سے نکلے گا لفظ شہادت

بَابُ مَا قِيْلَ فِيْ شَهَادَةِ الزُّوْرِ

باب جھوٹی گواہی کے متعلق

لِقَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَكِتْمَانِ الشَّهَادَةِ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ تَلْوُوْا اَلْسِنَتَكُمْ بِالشَّهَادَةِ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد — جو لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور شہادت کو چھپانا — اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تم گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو گواہی چھپائے گا تو اندر سے اس کا دل گنہگار ہو گا اور اللہ تمہارے کاموں کو جانتا ہے۔

فوائد و مسائل ا۔ عنوان دو ہیں ایک جھوٹی گواہی جیسا کہ آیت میں بتایا گیا کہ جھوٹی گواہی نہ دینا محمود و مطلوب ہے۔ دوم شہادت کو چھپانا۔ جیسا کہ آیت میں کتمان شہادت کو مذموم قرار دیا گیا۔ اسی طرح شہادت میں مقدمہ کو خراب کرنے کے لیے الجھاؤ اور پیچیدگی پیدا کرنا یہ بھی کتمان شہادت کے مترادف ہے غرضکہ شہادت میں الجھاؤ پیدا کرنا شہادت کا حق نہ ادا کرنا ہی ہے ۲۔ امام بخاری

علیہ الرحمہ نے عنوان میں آیاتِ قرآنیہ سے استدلال فرمایا ہے ۔ پہلی آیت سورہ فاطر کی ہے ۔ وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے ۔ لیکن اس آیت کا عنوان سے کوئی تعلق سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ یہ آیت اور جو اس کے قبل اور اس کے بعد آیات ہیں وہ اعمالِ صالحہ اختیار کرنے والوں کی مدح و ثنا پر مشتمل ہیں ـــ البتہ یہ امر اپنی جگہ درست ہے کہ جھوٹی گواہی دینا گناہِ کبیرہ ہے اور اس سے بچنا واجب ہے ۔ ۳۔ دوسری آیت سورۂ بقرہ کی ہے وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ الخ کتمانِ شہادت سخت شدید قسم کا گناہِ کبیرہ ہے کیونکہ شہادت کو چھپانے سے حقدار کا حق مارا جاتا ہے ۔ اسی لیے حدیث میں فرمایا ۔ سب سے بڑا گناہ گواہی کو چھپانا ہے ۔
۴۔ تَلْوُا اَلْسِنَتَكُمْ سے امام بخاری نے سورہ نساء کی آیت نمبر ۳۵ کی طرف اشارہ کیاہے جو یہ ہے ۔ وَاِنْ تَلْوٗا اَوْ تُعْرِضُوْا پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے ۔ خواہش کے پیچھے نہ جاؤ کہ حق سے الگ پڑو ۔ اگر تم (شہادت اور ادائے شہادت) میں ہیر پھیر کرو یا منہ پھیرو تو اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے ـــ مطلب آیت یہ ہے کہ کسی کی رعایت اور طرف داری میں حق و انصاف سے دور نہ ہٹو ۔ قرابت اور رشتہ کو حق کے اظہار میں مخل نہ ہونے دو ۔ جو حق ہے اسے من و عن ظاہر کر دو ۔ ادائے شہادت میں ہیر پھیر نہ کرو اور جہاں شہادت دینی ضروری ہے وہاں ادائے شہادت سے منہ نہ پھیرو تاکہ حق دار کا حق ضائع نہ ہو ۔

۲۴۷۷ - عَنْ اَنَسٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْكَبَائِرِ قَالَ الْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبیرہ گناہوں کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ، والدین کی نافرمانی کرنا ، کسی کی جان لینا اور جھوٹی شہادت دینا ۔

۲۴۷۸ - حَدَّثَنَا الْجُرَيْرِيُّ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ بَكْرَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِاَكْبَرِ الْكَبَائِرِ ثَلٰثًا قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَجَلَسَ وَكَانَ مُتَّكِئًا فَقَالَ اَلَا وَقَوْلُ الزُّوْرِ قَالَ فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتّٰى قُلْنَا لَيْتَهٗ سَكَتَ (بخاری)

عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ نے اور ان سے ان کے والد نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم لوگوں کو سب سے بڑے گناہ نہ بتاؤں ؟ تین مرتبہ آپ نے اسی طرح فرمایا ۔ صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ ۔ حضور نے فرمایا اللہ کا کسی کو شریک ٹھہرانا ، والدین کی نافرمانی کرنا ۔ آپ اس وقت ٹیک لگائے ہوئے تھے لیکن اب آپ سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا ، ہاں اور جھوٹی شہادت بھی ۔ انھوں نے

(بخاری) | بیان کیا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس جملے کو اتنی مرتبہ دُہرایا کہ ہم کہنے لگے (اپنے دل میں) کاش آپ خاموش ہو جاتے۔

فوائد و مسائل ا۔حدیث نمبر ۲۴۷۷ کو امام بخاری نے ادب اور دیات۔ امام مسلم نے ایمان۔ ترمذی نے بیوع اور تفسیر اور نسائی نے قضاء، قصاص اور تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ حدیث نمبر ۲۴۷۸ کو امام بخاری نے استتابۃ المرتدین۔ مسلم نے ایمان۔ ترمذی نے بر، شہادات اور تفسیر میں ذکر کیا ہے ۲۔ دونوں حدیثوں میں چند کبیرہ گناہوں کا بیان ہے۔ حدیث نمبر ۲۴۷۷ میں چار کا ذکر ہے۔ شرک، والدین کی نافرمانی، جھوٹی گواہی، قتلِ ناحق اور حدیث نمبر ۲۴۷۸ میں شرک باللہ، عقوقِ والدین اور قولِ زور کا ذکر ہے۔ مذکورہ احادیث میں جن گناہوں کو کبیرہ فرمایا گیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بس صرف یہی گناہ کبیرہ ہیں کیونکہ ایک عدد کا ذکر دوسرے کے ذکر کا منافی نہیں ہوتا۔ چنانچہ احادیثِ مسلم کا مضمون یہ ہے

گناہِ کبیرہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ سات ہلاک کرنے والے گناہوں سے بچو۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وہ کون سے سات گناہ ہیں۔ فرمایا کسی چیز کو اللہ تعالےٰ کا شریک بنانا، جادو کرنا، ناحق قتل کرنا اور یتیم کا مال کھانا، سُود کھانا، جہاد سے بھاگنا اور پاک دامن خواتین پر بدکاری کی تہمت لگانا۔ نیز فرمایا۔ والدین کی نافرمانی، جھوٹ بولنا یا جھوٹی گواہی دینا۔ اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا، اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کرنا کہ وہ تمہارے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائے گی۔ والدین کو گالی دینا اور وہ اس طرح کہ جب تم کسی کے والدین کو گالی دو گے تو وہ تمہارے ماں باپ کو گالی دے گا۔ (خلاصہ احادیثِ مسلم) گناہِ کبیرہ سے بچنا ہر مسلمان کے لیے لازم و واجب ہے اور اگر شامتِ نفس سے گناہ ہو گیا ہے تو نادم ہو اور خلوصِ قلب سے توبہ کرے اور آیندہ کے لیے اس سے بچنے کا عہد کرے۔

۲۴۷۹۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَّقْرَأُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَقَدْ اَذْكَرَنِي كَذَا اٰيَةً اَسْقَطْتُهُنَّ مِنْ سُوْرَةِ كَذَا وَكَذَا وَزَادَ عَبَّادُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عَائِشَةَ تَهَجَّدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِي فَسَمِعَ صَوْتَ عَبَّادٍ يُّصَلِّي فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ اَصَوْتُ عَبَّادٍ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو مسجد میں قرآن مجید پڑھتے سُنا تو فرمایا کہ ان پر اللہ تعالےٰ رحم فرمائے، مجھے انہوں نے فلاں اور فلاں آیتیں یاد دلا دیں جو میرے ذہن سے اُتر گئی تھیں۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ زیادتی کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر میں تہجد کی نماز پڑھی۔ اس وقت آپ نے عباد رضی اللہ

هٰذَا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اللّٰهُمَّ ارْحَمْ عَبَّادًا | عنہ کی آواز سنی کہ وہ مسجد میں نماز پڑھ رہے ہیں آپ نے پوچھا عائشہ! کیا یہ عباد کی آواز ہے۔ میں نے کہا۔ جی ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ اے اللہ! عباد پر رحم فرما (بخاری)

فوائد و مسائل اس حدیث کی عنوان سے مطابقت یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے حضرت عباد کی آواز پر اعتماد فرمایا اور ان کی آواز سن کر ان کو پہچان لیا۔

حضرت عبّادؓ اس حدیث میں عباد سے عباد بن بشر الانصاری الاشہلی مراد ہیں۔ یہ بدری ہیں۔ یہ وہی صحابی ہیں کہ جب رات گئے حضور علیہ السلام کی مجلس سے اپنے گھر روانہ ہوتے تو ان کی لاٹھی بجلی کی طرح روشن ہو جاتی تھی اور اندھیری رات میں اپنی لاٹھی کی روشنی میں اپنے گھر پہنچ جاتے تھے۔ حدیث مذکورہ میں اَسْقَطْتُهُنَّ مِنْ سُوْرَةِ كَذَا وَكَذَا کا معنی (نَسِيْتُهُنَّ) ہے۔ یعنی نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ عباد بن بشر کی تلاوت سے مجھے قرآنِ مجید کی آیت جو میرے ذہن سے اُتر گئی تھی اس کا حضور ہو گیا۔ علامہ عینی علیہ الرحمہ نے اس موقع پر لکھا ہے کہ فیه جواز النسیان علی النبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا قَدْ بَلَّغَهُ اِلَى الامة کہ حضور کا کسی ایسی آیتِ قرآنیہ کا بھول جانا جائز ہے جس کی تبلیغ آپ نے امت کو کر دی ہو۔ —————— بہرحال ایسا ہوتا تھا کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے رب کریم کی ذات کے مشاہدہ میں مستغرق ہونے کی وجہ سے ذہول ہو جائے مگر اس ذہول میں بھی قیام و دوام نہیں ہوتا تھا۔ ذہن سے عارضی طور پر کسی بات کا اُتر جانا، شانِ نبوت کے منافی نہیں ہے۔ یہی تو فرق ہے اللہ تعالےٰ کے علم میں اور حضور کے علم میں کہ اللہ تعالےٰ کا علم ذاتی غیر متناہی ابدی و ازلی ہے اور نبی علیہ السلام کا علم اللہ تعالےٰ کا عطا کردہ ہے۔ متناہی ہے ابدی ازلی نہیں ہے اسی لیے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے ذہول ممکن ہے۔ خداوند قدوس کے علم میں تو نسیان و ذہول کا شائبہ تک نہیں ہو سکتا۔

۲۴۸۰ – عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ فَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يُؤَذِّنَ اَوْ قَالَ حَتّٰى تَسْمَعُوْا اَذَانَ ابْنِ اُمِّ مَكْتُوْمٍ وَكَانَ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ رَجُلًا اَعْمٰى لَا يُؤَذِّنُ حَتّٰى يَقُوْلَ لَهُ النَّاسُ اَصْبَحْتَ (بخاری)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بلال رضی اللہ عنہ رات میں اذان دیتے ہیں۔ اس لیے تم لوگ کھا پی سکتے ہو (رمضان میں، سحری) تا آنکہ (فجر کے لیے دوسری) اذان دی جائے۔ یا یہ فرمایا کہ تا آنکہ عبداللہ بن مکتوم کی اذان سنو۔ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا تھے اور جب تک ان سے کہا نہ جاتا کہ صبح ہو گئی ہے وہ اذان نہیں دیتے تھے۔

اس حدیث کی عنوان سے مطابقت یہ ہے کہ صحابہ کرام نابینا کی آواز پر اعتماد کرتے تھے۔

۲۴۸۱ - مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے یہاں چند قبائیں آئیں تو مجھ سے میرے والد مخرمہ نے کہا۔ میرے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلو، ممکن ہے آپ ان میں کوئی مجھے بھی عنایت فرمائیں۔ میرے والد (حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر پہنچ کر) دروازے پر کھڑے ہو گئے اور باتیں کرنے لگے اور فرمایا کہ میں نے یہ تمہارے صرف تمہارے لیے (بخاری)

اس حدیث کی عنوان سے مطابقت یہ ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت مخرمہ کی ذات کو دیکھے بغیر ان کی آواز پر اعتماد فرمایا۔

بَابُ شَهَادَةِ الْاَعْمٰى

باب نابینا کی گواہی کے متعلق

وَاَمْرِهٖ وَنِكَاحِهٖ وَاِنْكَاحِهٖ وَمُبَايَعَتِهٖ وَقُبُوْلِهٖ فِي التَّاذِيْنِ وَغَيْرِهٖ وَمَا يُعْرَفُ بِالْاَصْوَاتِ وَاَجَازَ شَهَادَتَهٗ قَاسِمٌ وَّالْحَسَنُ وَابْنُ سِيْرِيْنَ وَالزُّهْرِيُّ وَعَطَاءٌ وَّقَالَ الشَّعْبِيُّ تَجُوْزُ شَهَادَتُهٗ اِذَا كَانَ عَاقِلًا وَّقَالَ الْحَكَمُ رُبَّ شَيْءٍ تَجُوْزُ فِيْهِ وَقَالَ الزُّهْرِيُّ اَرَاَيْتَ ابْنَ عَبَّاسٍ لَوْ شَهِدَ عَلٰى شَهَادَةٍ اَكُنْتَ تَرُدُّهٗ وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَبْعَثُ رَجُلًا اِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ اَفْطَرَ وَيَسْاَلُ عَنِ الْفَجْرِ فَاِذَا قِيْلَ لَهٗ طَلَعَ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَقَالَ سُلَيْمَانُ ابْنُ يَسَارٍ اسْتَاْذَنْتُ عَلٰى عَائِشَةَ فَعَرَفَتْ صَوْتِيْ قَالَتْ سُلَيْمَانُ ادْخُلْ فَاِنَّكَ مَمْلُوْكٌ مَا بَقِيَ عَلَيْكَ شَيْءٌ وَّاَجَازَ سَمُرَةُ بْنُ جُنْدُبٍ شَهَادَةَ امْرَاَةٍ مُّنْتَقِبَةٍ

(تصرفات ہیں) اس کا حکم، اس کا نکاح کرنا، دوسرے کسی کا نکاح کرانا، اس کی خرید و فروخت، اس کی اذان وغیرہ اور اس کی طرف سے وہ تمام امور جو آواز سے سمجھے جا سکتے ہوں کو قبول کرنا، قاسم، حسن، ابن سیرین، زہری اور عطاء نے بھی نابینا کی گواہی کی اجازت دی ہے۔ شعبی نے فرمایا ہے کہ اگر وہ ذہین اور سمجھ دار ہے تو اس کی گواہی جائز ہے۔ حکم نے فرمایا کہ بہت سی چیزوں میں اس کی شہادت جائز ہو سکتی ہے زہری نے فرمایا۔ اچھا بتاؤ اگر ابن عباس رضی اللہ عنہما کسی معاملہ میں شہادت دیں تو تم اسے رد کر سکتے ہو۔ حضرت ابن عباس (جب نابینا ہو گئے تھے تو) سورج غروب ہونے کے وقت ایک شخص کو بھیجتے تھے تاکہ آبادی سے باہر جا کر دیکھ آئیں کہ سورج پوری طرح غروب ہو گیا یا نہیں اور جب وہ آکر غروب ہونے کی اطلاع دیتے تو آپ افطار کرتے تھے۔ اسی طرح آپ طلوع فجر کے متعلق دریافت فرماتے اور جب

آپ سے کہا جاتا کہ ہاں فجر طلوع ہوگئی ہے تو دو رکعت (سنتِ فجر) نماز پڑھتے تھے۔ سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضری کے لیے میں نے ان سے اجازت چاہی تو انھوں نے میری آواز پہچان لی اور فرمایا۔ سلیمان اندر آجاؤ، کیونکہ تم غلام ہو، جبتک تم پر (مالِ کتابت میں سے) کچھ باقی رہ جائیگا۔ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے نقاب پوش عورت کی شہادت جائز قرار دی تھی۔

نابینا کی شہادت کے جواز و عدم جواز کی بحث

سیدنا امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس عنوان کے ماتحت آثار و احادیث ذکر کرکے ان سے یہ استدلال فرمایا ہے کہ نابینا کی گواہی جائز اور درست ہے۔ ان کے استدلال کی تقریر اور احناف کی طرف سے جواب کی کیفیت یہ ہے۔ ۱۔ حضرت عبداللہ ابن مکتوم اس وقت اذان دیتے تھے۔ جب کہ لوگ ان کو خبر دیتے کہ صبح ہوگئی ہے تو وہ صبح کی معرفت لوگوں کے قول سے حاصل کرتے تھے (کیونکہ وہ نابینا ہوگئے تھے) تو ابن مکتوم کی تاذین اس امر کی شہادت تھی کہ صبح ہوگئی ہے جسے حضور علیہ السلام نے اور صحابہ نے قبول فرمایا۔ لیکن ابنِ مکتوم کی اذان کو شہادت قرار دینا درست نہیں ہے کیونکہ اس کا تعلق اخبار سے ہے شہادۃ متنازعہ سے نہیں اور یہ کوئی ضابطہ نہیں ہے کہ جس کی خبر کو قبول کیا جائے اس کی شہادت کو بھی قبول کیا جائے علاوہ ازیں خبر اور شہادت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اوّل شہادۃ کی بنیاد مشاہدہ پر ہے دوم شہادت بابِ الزام سے ہے۔ سوم شہادۃ کے لیے یہ شرط ہے کہ عدالتِ قاضی میں دی جائے چہارم شہادۃ کی بنیاد پر قاضی فیصلہ دیتا ہے پنجم شہادۃ میں لفظ اشہد کہنا ضروری ہے لیکن خبر کی یہ کیفیت نہیں ہے —— فلما ظهر الفرق بينهما بطل القول يكون التاذين شهادة وقياس غيره عليه فافهم

۲۔ حدیث عبداللہ بن عمر و حدیث مسور بن مخرمہ سے امام بخاری کے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عباد کو اور ام المومنین حضرت عائشہ نے سلیمان بن یسار کو آنکھوں سے دیکھے بغیر صرف ان کی آواز سے پہچان لیا تو اسی طرح نابینا کے لیے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ آواز سے پہچان لے اور شہادت دے لیکن یہ استدلال بہت ہی کمزور ہے۔ یہ تو درست ہے کہ کسی کی آواز سُن کر اس کو پہچان لیا جائے لیکن ہر معرفتِ شہادت کے لیے کافی نہیں ہے کیونکہ شہادت کے لیے مشاہدہ آنکھوں سے دیکھنا شرط ہے ۳۔ نیز روایت ابن عباس میں اس امر کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ سنی ہوئی بات کی شہادت دینا جائز ہے۔ روایت ابن عباس سے زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت ہورہی ہے وہ صرف اور صرف یہ ہے کہ نابینا کو دیانات میں خبر واحد پر اعتماد کرنا جائز ہے ولا نزاع فیہ۔ ۴۔ نابینا کا نکاح کرنے سے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ نابینا جس عورت سے نکاح کررہا ہے اس کو دیکھتا نہیں صرف آواز سے اس کو پہچانتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ آواز کو شریعت نے قائم مقام

شہادت ماننا ہے اور اس عورت کا نابینا کے لیے حلال ہو جانا حقوق میں شہادت سے اعظم ہے لیکن یہ استدلال بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ نابینا کا نکاح کرنے کا تعلق صرف اس کی ذات کے ساتھ متعلق ہے غیر کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے ۵۔ اسی طرح زہری کا یہ کہنا کہ (اگر حضرت ابن عباس کسی معاملہ میں گواہی دیں تو اس کو رد کرو گے؟) سے نابینا کی شہادت کے جواز کا استدلال بھی بہت عجیب و غریب ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ شاہد اگر عالم فاضل متقی اور فقیہہ ہو تو اس کی شہادت ضرور قبول کی جائے ــــــ اگر حضرت ابن عباس یا کوئی نہایت ہی متقی عالم فاضل شخص اپنے والد یا بیٹے کے حق میں شہادت دے تو قبول کی جائے گی؟ ہرگز نہیں ۶۔ حضرت سمرہ بن جندب کا نقاب پوش عورت کی شہادت کو جائز قرار دینے سے جواز کا استدلال بھی مخدوش ہے کیونکہ تلویح میں ہے کہ ابو عبداللہ بن مندہ نے کتاب الصحابہ میں روایت کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک نقاب پوش عورت نے بات کی تو آپ نے فرمایا۔ اسفری فان الاسفار من الایمان (عینی ج ۱۳ ص ۲۲۰)

۶۔ علاوہ ازیں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے ا۔ کہ نابینا آواز کو پہچانتا اور سنتا ہے تو اس کو صرف قول کی معرفت حاصل ہوتی ہے قائل کی نہیں اور شہادت میں قول کی معرفت کے ساتھ قائل کا مشاہدہ بھی ضروری ہے۔ نیز شہادت میں مجرد سماع کافی نہیں بلکہ سماع من الخصم ضروری ہے اور خصم کا خصم قرار پانا رویت و مشاہدہ سے ہوتا ہے لہذا نابینا کی شہادت مقبول نہیں ہوگی۔ مزید یہ کہ آواز آواز کے مشابہ ہوتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ صورت بھی صورت کے مشابہ ہوتی ہے تو اول تو یہ نادر ہے اور بالفرض اگر شاہد کو مشاہدہ میں اشتباہ ہو جائے اور وہ یہ کہے کہ مجھے شک ہو گیا ہے کہ قائل یہی شخص تھا تو ایسی صورت میں شہادت مقبول نہ ہوگی نیز شہادت میں غلبہ ظن کافی نہیں بلکہ یقین ہونا چاہیے اور آواز کے سننے سے یقین حاصل نہیں ہوتا۔ حضرت ابن عباس سے مرفوعاً روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جب ... ج کی طرح کسی چیز کو دیکھو تو شہادت دو۔ معلوم ہوا کہ اپنے مشاہدہ میں شک ہو تو ایسی شہادت مقبول نہ ہوگی۔ ۷۔ البتہ بعض امور ایسے ہیں جن میں سماعی شہادت مقبول ہے جیسے نکاح، موت، نسب وغیرہ کی شہادت تسامع کی بنا پر دینی جائز ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے فیوض پارہ دہم ص ۱۹۳

نابینا کی شہادت مقبول نہیں

۸۔ الغرض احناف کا مذہب یہ ہے کہ نابینا کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی خواہ وہ تحملِ شہادت کے وقت نابینا ہو یا ادا۔ اور قضاء کے وقت نابینا ہو گیا ہو۔ قرآنِ مجید میں فرمایا۔ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ اور گواہ کر لو اپنے مردوں میں سے دو الخ اور ظاہر ہے کہ شہادت، استشہاد، شہید مشاہدہ سے ماخوذ ہے اور نابینا کسی

چیز کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ نہیں کرسکتا۔ چنانچہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے شہادت کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کیا تو سورج کو دیکھتا ہے۔ اس نے عرض کی ہاں فرمایا سورج کی طرح کسی چیز کو دیکھے تو شہادت دو ورنہ نہیں اخرجہ الحاکم فی مستدرک وصححہ (زیلعی ص۱۲) اور امام جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ نابینا کی شہادت میں اختلاف ہے۔ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ و محمد نے فرمایا۔ اندھے کی شہادت جائز نہیں نیز حضرت علی، حضرت حسن اور سعید بن جبیر اور امام نخعی نے فرمایا۔ لا تجوز شہادۃ الاعمی بحال اور حضرت ایاس بن معاویہ کے سامنے نابینا کی گواہی آئی تو آپ نے فرمایا۔ لا نرد شہادتك ان لا تكون عدلا ولكنك اعمى لا تبصرهم قال فلم يقبلها (احکام القرآن جلد ۱ ص۴۹۸ و ص۵۰۹)

بَابُ شَهَادَةِ النِّسَآءِ

باب عورتوں کی شہادت

وَقَوْلِهٖ تَعَالٰى فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ "اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (گواہ پیش کرو)

فوائد و مسائل ۱۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا آیت اس امر کے ثبوت میں ذکر کی ہے کہ عورتوں کی مردوں کے ساتھ شہادت جائز ہے ۲۔ علامہ بدر محمود عینی علیہ الرحمہ نے حضرت ابن بطال کے حوالے سے لکھا ہے کہ اکثر علماء (جن میں ابن المسیب، نخعی، حسن زہری، ربیعہ، امام مالک، لیث، امام شافعی، امام احمد، ابوثور اور علماء کوفہ بھی شامل ہیں) کا اجماع ہے کہ حدود و قصاص میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں ۳۔ نکاح، طلاق، عتق، نسب اور ولاء کے متعلق علماء کوفہ کے ہاں عورتوں کی شہادت مردوں کے ساتھ جائز ہے لیکن حضرت ربیعہ، امام مالک، امام شافعی اور ابوثور کا مذہب یہ ہے کہ مذکورہ بالا امور میں عورتوں کی شہادت مردوں کے ساتھ بھی جائز نہیں ہے ۴۔ علماء کوفہ یعنی احناف کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ حیض، ولادت، بوقت ولادت بچہ کے رونے کی آواز آنا اور عورتوں کے وہ امور جن پر مرد اطلاع نہ پاسکیں تنہا عورتوں کی گواہی جائز ہے۔
۵۔ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک چار عورتوں کی گواہی سے امام مالک کے نزدیک دو عورتوں کی گواہی سے اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک صرف دودھ پلانے والی عورت کی گواہی سے رضاعت ثابت ہوتی ہے ـــــ لیکن احناف کا مسلک یہ ہے کہ جس گواہی سے مال ثابت ہوتا ہے اسی سے رضاعت بھی ثابت ہوگی یعنی جیسے مال کے ثبوت کے لیے دو مرد یا ایک مرد دو عورتوں کی شہادت ضروری ہے اسی طرح رضاعت بھی دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں کی شہادت سے ثابت ہوگی۔ تنہا عورتوں کی گواہی سے رضاعت ثابت نہ ہوگی (عینی ج ۱۳ ص۲۲۲)

۲۴۸۲ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَیْسَ شَہَادَۃُ الْمَرْاَۃِ مِثْلَ نِصْفِ شَہَادَۃِ الرَّجُلِ قُلْنَا بَلٰی قَالَ فَذٰلِکَ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِھَا (بخاری)

حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا عورت کی گواہی، مرد کی گواہی کے آدھے کے برابر نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہی تو ان کی عقل کا نقصان ہے۔

عورت کی شہادت مرد کی شہادت کی نصف ہے

۱۔ اس حدیث کو امام بخاری نے حیض، صوم، طہارۃ، زکوٰۃ، عیدین اور شہادۃ میں ذکر کیا ہے۔ امام مسلم نے ایمان، نسائی نے صلوٰۃ اور ابن ماجہ نے دیت سے روایت کیا ہے۔ نیز حاکم، امام ذہبی اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے ۲۔ اس حدیث میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرما دی کہ عورت کی شہادت مرد کی شہادت کے نصف ہے اور قرآن مجید سے بھی یہی واضح و ثابت ہے ۳۔ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ حدیث حکماً متواتر ہے اور اس حدیث کے مشہور ہونے میں تو کلام نہیں۔ اس مسئلہ میں مغرب زدہ خواتین بہت شور مچاتی ہیں۔ مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ عورت کی شہادت مرد کی شہادت کی نصف ہے۔ مولوی نے نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول نے قرار دی ہے۔

نوٹ:۔ نصابِ شہادت کے متعلق مفصل گفتگو کتاب الشہادۃ کے ص ۱۶۹/۱۸۲ میں ہو چکی ہے)

بَاب شَہَادَۃِ الْاِمَاءِ وَالْعَبِیْدِ

باب باندیوں اور غلاموں کی گواہی

وَقَالَ اَنَسٌ شَہَادَۃُ الْعَبْدِ جَائِزَۃٌ اِذَا کَانَ عَدْلًا وَّ اَجَازَہٗ شُرَیْحٌ وَّ زُرَارَۃُ بْنُ اَوْفٰی وَقَالَ ابْنُ سِیْرِیْنَ شَہَادَتُہٗ جَائِزَۃٌ اِلَّا الْعَبْدَ لِسَیِّدِہٖ وَاَجَازَہُ الْحَسَنُ وَ اِبْرَاھِیْمُ فِی الشَّیْءِ التَّافِہِ وَقَالَ شُرَیْحٌ کُلُّکُمْ بَنُوْ عَبِیْدٍ وَّ اِمَاءٍ

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غلام اگر نیک چلن ہے تو اس کی شہادت جائز ہے۔ شریح اور زرارہ بن اوفیٰ نے بھی اسے جائز قرار دیا ہے۔ ابن سیرین نے فرمایا کہ اس کی شہادت جائز ہے۔ سوا اس صورت کے جب غلام اپنے مالک کے حق میں گواہی دے (کہ اس میں مالک کی طرفداری کا خطرہ ہے) حسن اور ابراہیم نے معمولی چیزوں میں غلام کی گواہی کی اجازت دی ہے شریح نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص غلاموں اور باندیوں کی اولاد ہے۔

جمہور علماء کے نزدیک غلام اور لونڈی کی شہادت مطلقاً مقبول نہیں ہے۔ امام احمد و اسحٰق اور ابی ثور معمولی باتوں میں غلام کی شہادت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ قاضی شریح، امام نخعی اور حسن کا بھی یہی موقف ہے۔

بَابُ شَهَادَةِ الْمُرْضِعَةِ

باب دودھ پلانے والی کی شہادت کے متعلق

۲۴۸۳ عقبہ بن حارث نے بیان کیا کہ میں نے ایک خاتون سے شادی کی تھی۔ پھر ایک اور خاتون آئیں اور کہنے لگیں کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ میں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے اس معاملہ میں ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کیسے حالانکہ کہا گیا ہے۔ اس لیے تم اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ (بخاری)

ایک عورت کے بیان سے رضاعت ثابت نہ ہو گی

۳- یہ حدیث مع تفہیم و ترجمانی کے اوراقِ سابقہ میں گزر چکی ہے۔ وہاں ہم نے واضح کیا ہے کہ ایک عورت کے بیان سے رضاعت ثابت نہ ہو گی۔ ملاحظہ کیجئے فیوض پارہ دہم صہ ۲۱۳ حدیث نمبر ۲۴۶۴ (۴)- یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ جب اس عورت نے دودھ پلانے کا اقرار کیا تو نبی علیہ السلام نے عقبہ کے مسئلہ پوچھنے پر فرمایا۔ كَيْفَ وَقَدْ قِيلَ - دَعْهَا عَنْكَ - قِيلَ مجہول کا صیغہ ہے جس سے اس عورت کے بیان کے ضعف کی طرف اشارہ ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے علیحدگی کا مشورہ بطور احتیاط تھا وجوب کے لیے نہ تھا ۵- نیز نبی علیہ السلام کا فرمانا کہ کیف وقد قیل سے یہ بھی واضح ہے کہ حضور نے اس عورت کے بیان کو شہادت نہیں قرار دیا۔ ورنہ آپ قد قیل کی جگہ شَهِدَتْ کے الفاظ استعمال فرماتے۔ ۶- یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ فقہاء وائمہ نے عورتوں کے وہ اُمور جن کو مردوں کے لیے دیکھنا جائز نہیں ہے۔ ان اُمور میں تنہا عورتوں بلکہ ایک عورت کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے۔ ان تمام فقہاء و ائمہ کرام نے ولادت، بکارت، حیض ونفاس اور بوقت ولادت بچہ کا رونا کی مثال تو دی ہے مگر رضاعت کو بطورِ مثال کسی نے ذکر نہیں کیا۔ جس سے اس امر کو تقویت ملتی ہے کہ اگر ایک عورت کے بیان سے ان ائمہ کے نزدیک شرعاً رضاعت ثابت ہو جاتی تو کوئی تو رضاعت کو بطور مثال ذکر کرتا۔ فافہم۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک عورت کی شہادت سے رضاعت کا ثابت ہونا تمام ائمہ کے نزدیک متفقہ نہیں ہے۔ صرف امام احمد علیہ الرحمہ کے نزدیک ایک عورت کی شہادت سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ لیکن امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک چار عورتوں کی شہادت اور امام مالک کے نزدیک دو عورتوں کی شہادت سے رضاعت ثابت ہوتی ہے۔ علامہ بدر محمود عینی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ وَاخْتَلَفُوا فِي الرِّضَاعِ فَمِنْهُمْ مَنْ أَجَازَ شَهَادَتَهُنَّ مُنْفَرِدَاتٍ وَمِنْهُمْ مَنْ أَجَازَهَا مَعَ الرِّجَالِ وَعِنْدَ الشَّافِعِي يُثْبِتُ لِشَهَادَةِ

اَرْبَع نِسْوَةٍ وَعِنْدَ مَالِكٍ بِاِمْرَأَتَيْنِ وَعِنْدَ اَحْمَدَ بِمُرْضِعَةٍ فقط عینی جلد ۱۳ صفحہ ۲۲۲

۵- نیز یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ ائمہ کرام کے اس ارشاد (وَتَفَقُوْا اَنَّهٗ تَجُوْزُ شَهَادَتَهُنَّ مُنْفَرِدَاتٌ فِي الْحَيْضِ وَالْوِلَادَةِ وَالْاِسْتِهْلَالِ وَعُيُوْبِ النِّسَاءِ وَمَا لَا يَطَّلِعُ عَلَيْهِ الرِّجَالُ مِنْ عَوْرَاتِهِنَّ لِلضَّرُوْرَةِ) میں رضاعت کا مسئلہ شامل نہیں ہے۔ اسی لیے اس کے بعد علامہ عینی نے فرمایا۔ وَاخْتَلَفُوْا فِي الرِّضَاعِ فافہم ۶- نیز مسئلہ رضاعت میں ایک عورت کا بیان کہ میں نے دودھ پلایا ہے ایک ہی واقعہ ہے جو مختلف طرق سے مروی ہے۔ معاملہ بھی صرف ایک ہی شخص عقبہ بن حارث کا ہے اور بخاری شریف کی حدیث ۲۴۸۴ میں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ وہ عورت جس نے دودھ پلانا بیان کیا وہ لونڈی تھی۔ فَجَاءَتْ اَمَةٌ سَوْدَاءُ۔ جب حضرت عقبہ نے بحضور نبوی اس واقعہ کو بیان کیا تو حضور علیہ السلام نے اعراض فرمایا۔ پھر انہوں نے دوبارہ عرض کیا تو حضور نے فرمایا وَكَيْفَ وَقَدْ زَعَمَتْ اَنْ قَدْ اَرْضَعَتْكُمَا الخ۔ حضور کا یہ ارشاد بھی اس امر کی طرف صاف اشارہ ہے کہ اس کالی لونڈی کا بیان محض بیان تھا۔ شہادت نہ تھی۔ اسی لیے اس بیان کے متعلق حضور نے فرمایا۔ قَدْ زَعَمَتْ۔ نیز حضور کا عقبہ کے معروضہ پر اعراض فرمانا بھی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس کالی عورت کے بیان کو حضور نے بھی شہادت نہیں قرار دیا۔

بَابُ تَعْدِيْلِ النِّسَاءِ بَعْضِهِنَّ بَعْضًا

باب عورتوں کا باہم ایک دوسرے کی عدالت بیان کرنا

اَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّخْرُجَ سَفَرًا اَقْرَعَ بَيْنَ اَزْوَاجِهٖ فَاَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا مَعَهٗ فَاَقْرَعَ بَيْنَنَا فِيْ غَزَاةٍ غَزَاهَا فَخَرَجَ سَهْمِيْ فَخَرَجْتُ مَعَهٗ بَعْدَ مَا اُنْزِلَ الْحِجَابُ فَاَنَا اُحْمَلُ فِيْ هَوْدَجٍ وَّاُنْزَلُ فِيْهِ فَسِرْنَا حَتّٰى اِذَا فَرَغَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَزْوَتِهٖ تِلْكَ وَقَفَلَ وَدَنَوْنَا مِنَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب سفر میں جانے کا ارادہ کرتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ اندازی کرتے، جن کا حصہ نکلتا وہی آپ کے آپ کے ساتھ جاتی تھیں۔ چنانچہ ایک غزوہ کے موقعہ پر، جس میں آپ بھی شرکت کر رہے تھے آپ نے قرعہ اندازی کی اور حصہ میرا نکلا۔ اب میں آپ کے ساتھ تھی۔ یہ واقعہ پردہ کی آیت نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ اس لیے مجھے ہودج سمیت سوار کیا جاتا تھا اور اسی سمیت (سواری سے) اتارا جاتا تھا اور اسی طرح ہم روانہ ہوئے تھے۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ

الْمَدِيْنَةِ اٰذَنَ لَيْلَةً بِالرَّحِيْلِ فَقُمْتُ
حِيْنَ اٰذَنُوْا بِالرَّحِيْلِ فَمَشَيْتُ حَتّٰى
جَاوَزْتُ الْجَيْشَ فَلَمَّا قَضَيْتُ شَاْنِيْ
اَقْبَلْتُ اِلَى الرَّحْلِ فَلَمَسْتُ صَدْرِيْ
فَاِذَا عِقْدٌ لِّيْ مِنْ جَزْعِ اَظْفَارٍ قَدِ
انْقَطَعَ فَرَجَعْتُ فَالْتَمَسْتُ عِقْدِيْ
فَحَبَسَنِيْ ابْتِغَاۤؤُهٗ فَاَقْبَلَ الَّذِيْنَ
يَرْحَلُوْنَ لِيْ فَاحْتَمَلُوْا هَوْدَجِيْ فَرَ
حَلُوْهُ عَلٰى بَعِيْرِيَ الَّذِيْ كُنْتُ اَرْكَبُ
وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنِّيْ فِيْهِ وَكَانَ النِّسَاۤءُ
اِذْ ذَاكَ خِفَافًا لَمْ يَثْقُلْنَ وَلَمْ يَغْشَهُنَّ
اللَّحْمُ وَاِنَّمَا يَاْكُلْنَ الْعُلْقَةَ مِنَ الطَّعَامِ
فَلَمْ يَسْتَنْكِرِ الْقَوْمُ حِيْنَ رَفَعُوْهُ ثِقَلَ
الْهَوْدَجِ فَاحْتَمَلُوْهُ وَكُنْتُ جَارِيَةً
حَدِيْثَةَ السِّنِّ فَبَعَثُوا الْجَمَلَ وَسَارُوْا
فَوَجَدْتُّ عِقْدِيْ بَعْدَ مَا اسْتَمَرَّ الْجَيْشُ
فَجِئْتُ مَنْزِلَهُمْ وَلَيْسَ فِيْهِ اَحَدٌ
فَاَمَمْتُ مَنْزِلِيَ الَّذِيْ كُنْتُ بِهٖ
فَظَنَنْتُ اَنَّهُمْ سَيَفْقِدُوْنِيْ فَيَرْ
جِعُوْنَ اِلَيَّ فَبَيْنَا اَنَا جَالِسَةٌ
غَلَبَتْنِيْ عَيْنَايَ فَنِمْتُ وَكَانَ صَفْوَانُ
بْنُ الْمُعَطَّلِ السُّلَمِيُّ ثُمَّ الذَّكْوَانِيُّ
مِنْ وَّرَاۤءِ الْجَيْشِ فَاَصْبَحَ عِنْدَ مَنْزِلِيْ
فَرَاٰى سَوَادَ اِنْسَانٍ نَائِمٍ فَاَتَانِيْ وَ
كَانَ يَرَانِيْ قَبْلَ الْحِجَابِ فَاسْتَيْقَظْتُ

علیہ وسلم غزوہ سے فارغ ہو کر واپس ہوئے اور ہم
مدینہ کے قریب پہنچ گئے تو ایک رات آپ نے کوچ
کا اعلان کروایا۔ جب کوچ کا اعلان ہو رہا تھا تو میں
(قضاء حاجت کے لیے تنہا) اٹھی اور قضاء حاجت کے
بعد کجاوے کے پاس آگئی۔ وہاں پہنچ کر جو میں نے
اپنا سینہ ٹٹولا تو میرا اظفار کے جزع کا ہار موجود نہیں تھا
اس لیے میں وہاں دوبارہ پہنچی (جہاں قضاء حاجت
کے لیے گئی تھی) اور میں نے ہار کو تلاش کیا۔ اس
تلاش میں دیر ہو گئی۔ اس عرصے میں وہ اصحاب جو
مجھے سوار کرانے تھے آئے اور میرا ہودج اٹھا کر میرے
اونٹ پر رکھ دیا، وہ یہی سمجھے کہ میں اس میں بیٹھی ہوں۔
ان دنوں عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں، بھاری بھرکم نہیں
گوشت ان میں زیادہ نہیں رہتا تھا کیونکہ بہت معمولی غذا
کھاتی تھیں اس لیے ان لوگوں کو جب ہودج کو اٹھایا تو
انھیں اس کے بوجھ میں فرق محسوس نہیں ہوا۔ میں یوں
بھی نو عمر لڑکی تھی۔ چنانچہ ان اصحاب نے اونٹ کو
ہانک دیا اور خود بھی اس کے ساتھ چلنے لگے۔ جب لشکر
روانہ ہو چکا تو مجھے اپنا ہار ملا اور میں پڑاؤ کی جگہ آئی لیکن
وہاں کوئی موجود نہ تھا، اس لیے میں اس جگہ گئی جہاں پہلے
میرا قیام تھا، میرا خیال تھا کہ جب وہ لوگ مجھے نہیں
پائیں گے تو یہیں لوٹ آئیں گے (اپنی جگہ پہنچ کر) میں یوں
ہی بیٹھی ہوئی تھی کہ میری آنکھ لگ گئی اور میں سو گئی۔
صفوان بن معطل سلمی ثم ذکوانی رضی اللہ عنہ لشکر کے
پیچھے تھے (تاکہ لشکریوں کی گری پڑی چیزوں کو اٹھا کر
انھیں ان کے مالک تک پہنچائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ

بِاسْتِرْجَاعِهٖ حِيْنَ اَنَاخَ رَاحِلَتَهٗ
فَوَطِئَ يَدَهَا فَرَكِبْتُهَا فَانْطَلَقَ
يَقُوْدُ بِيَ الرَّاحِلَةَ حَتّٰى اَتَيْنَا الْجَيْشَ
بَعْدَ مَا نَزَلُوْا مُعَرِّسِيْنَ فِيْ نَحْرِ
الظَّهِيْرَةِ فَهَلَكَ مَنْ هَلَكَ وَكَانَ
الَّذِيْ تَوَلَّى الْاِفْكَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُبَيِّ
بْنِ سَلُوْلَ فَقَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ فَاشْتَكَيْتُ
بِهَا شَهْرًا يُفِيْضُوْنَ مِنْ قَوْلِ اَصْحَابِ
الْاِفْكِ وَيُرِيْبُنِيْ فِيْ رَجَعِيْ اِنِّيْ لَا
اَرٰى مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اللُّطْفَ الَّذِيْ كُنْتُ اَرٰى مِنْهُ حِيْنَ
اَمْرَضُ اِنَّمَا يَدْخُلُ فَيُسَلِّمُ ثُمَّ
يَقُوْلُ كَيْفَ تِيْكُمْ لَا اَشْعُرُ بِشَيْءٍ مِّنْ
ذٰلِكَ حَتّٰى نَقِهْتُ فَخَرَجْتُ اَنَا وَاُمُّ
مِسْطَحٍ قِبَلَ الْمَنَاصِعِ مُتَبَرَّزِنَا
لَا نَخْرُجُ اِلَّا لَيْلًا اِلٰى لَيْلٍ وَذٰلِكَ
قَبْلَ اَنْ تُتَّخَذَ الْكُنُفُ قَرِيْبًا مِّنْ بُيُوْتِنَا
وَاَمْرُنَا اَمْرُ الْعَرَبِ الْاُوَلِ فِي الْبَرِّيَّةِ
اَوْ فِي التَّنَزُّهِ فَاَقْبَلْتُ اَنَا وَاُمُّ مِسْطَحٍ
بِنْتُ اَبِيْ رُهْمٍ نَمْشِيْ فَعَثَرَتْ فِيْ مِرْ
طِهَا فَقَالَتْ تَعِسَ مِسْطَحٌ فَقُلْتُ لَهَا
بِئْسَ مَا قُلْتِ اَتَسُبِّيْنَ رَجُلًا شَهِدَ
بَدْرًا فَقَالَتْ يَا هَنْتَاهْ اَلَمْ تَسْمَعِيْ
مَا قَالُوْا فَاَخْبَرَتْنِيْ بِقَوْلِ اَهْلِ الْاِفْكِ
فَازْدَدْتُ مَرَضًا اِلٰى مَرَضِيْ فَلَمَّا

علیہ وسلم کی طرف سے آپ اسی لیے مقرر تھے) وہ میری طرف
سے گزرے تو ایک سوتے ہوئے انسان کا سایہ پڑا، اس
لیے اور قریب پہنچے۔ پردہ کے حکم سے پہلے وہ مجھے دیکھ
چکے تھے۔ ان کے اِنَّا لِلّٰہ پڑھنے سے میں بیدار ہوگئی تھی۔
آخر انھوں نے اپنا اونٹ بٹھایا اور اس کے اگلے پاؤں
کو موڑ دیا (تاکہ بلا کسی مدد کے میں اس پر سوار ہوسکوں)
چنانچہ میں سوار ہوگئی۔ اب وہ اُونٹ پر مجھے بٹھائے
ہوئے خود اس کے آگے آگے چلنے لگے۔ اسی طرح جب
ہم لشکر کے قریب پہنچے تو لوگ بھری دوپہر میں آرام کے لیے
پڑاؤ ڈال چکے تھے (اتنی ہی بات تھی جس کی بنیاد پر) جسے
ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہوا اور تہمت کے معاملے میں پیش
پیش عبداللہ بن ابی بن سلول (منافق) تھا۔ پھر ہم مدینہ
آگئے اور میں ایک مہینے تک بیمار رہی۔ تہمت لگانے
والوں کی باتوں کا خوب چرچا ہو رہا تھا۔ اپنی اس بیماری
کے دوران مجھے اس سے بھی بڑا شبہ ہوتا تھا کہ ان دِنوں
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا وہ لُطف و کرم بھی نہیں دیکھتی
تھی جس کا مشاہدہ اپنی پچھلی بیماریوں پر کر چکی تھی۔ بس
آپ گھر میں جب آتے تو سلام کرتے اور صرف اتنا دریافت
فرما لیتے۔ مزاج کیسا ہے؟ جو باتیں تہمت لگانے والے
پھیلا رہے تھے، ان میں سے کوئی بات مجھے معلوم نہ تھی۔
جب میری صحت کچھ ٹھیک ہوئی تو (ایک رات) میں
ام مسطح کے ساتھ مناصع کی طرف گئی۔ یہ ہمارے قضاء
حاجت کی جگہ تھی۔ ہم یہاں صرف رات ہی میں آتے
تھے۔ یہ اس زمانہ کی بات ہے جب ابھی ہمارے
گھروں کے قریب بیت الخلاء نہیں ہے تھے۔ میدان

رَجَعْتُ إِلَى بَيْتِي دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمَ فَقَالَ
كَيْفَ تِيكُمْ فَقُلْتُ ائْذَنْ لِي إِلَى
أَبَوَيَّ قَالَتْ وَأَنَا حِينَئِذٍ أُرِيدُ أَنْ
أَنْ أَسْتَيْقِنَ الْخَبَرَ مِنْ قِبَلِهِمَا فَأَذِنَ
لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَأَتَيْتُ أَبَوَيَّ فَقُلْتُ لِأُمِّي مَا يَتَحَدَّثُ
بِهِ النَّاسُ فَقَالَتْ يَا بُنَيَّةُ هَوِّنِي
عَلَى نَفْسِكِ الشَّأْنَ فَوَاللّٰهِ اَقَلَّمَا كَانَتِ
امْرَأَةٌ وَضِيئَةٌ عِنْدَ رَجُلٍ
يُحِبُّهَا وَلَهَا ضَرَائِرُ إِلَّا أَكْثَرْنَ
عَلَيْهَا فَقُلْتُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَلَقَدْ
يَتَحَدَّثُ النَّاسُ بِهٰذَا قَالَتْ فَبِتُّ
تِلْكَ اللَّيْلَةَ حَتَّى أَصْبَحْتُ لَا يَرْقَأُ لِي
دَمْعٌ وَلَا أَكْتَحِلُ بِنَوْمٍ ثُمَّ أَصْبَحْتُ
فَدَعَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
عَلِيَّ ابْنَ أَبِي طَالِبٍ وَّأُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ
حِينَ اسْتَلْبَثَ الْوَحْيُ يَسْتَشِيرُهُمَا
فِي فِرَاقِ أَهْلِهِ فَأَمَّا أُسَامَةُ فَأَشَارَ
عَلَيْهِ بِالَّذِي يَعْلَمُ فِي نَفْسِهِ مِنَ الْوُدِّ لَهُمْ
فَقَالَ أُسَامَةُ أَهْلُكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَلَا
نَعْلَمُ وَاللّٰهِ إِلَّا خَيْرًا وَأَمَّا عَلِيُّ بْنُ أَبِي
طَالِبٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَمْ يُضَيِّقِ
اللّٰهُ عَلَيْكَ وَالنِّسَاءُ سِوَاهَا كَثِيرٌ
وَّسَلِ الْجَارِيَةَ تَصْدُقْكَ فَدَعَا

میں جانے کے سلسلے میں (قضاء حاجت کے لیے) ہمارا
طرزِ عمل قدیم عرب کی طرح تھا۔ میں اور ام مسطح بنتِ ابی
رہم چل رہے تھے کہ وہ اپنی چادر میں اُلجھ کر گر پڑیں اور ان
کی زبان سے نکل گیا۔ مسطح برباد ہو۔ میں نے کہا بُری بات
آپ نے اپنی زبان سے نکالی۔ ایسے شخص کو بُرا کہہ رہی ہیں
جو بدر کی لڑائی میں شریک تھے۔ وہ کہنے لگیں، اے!
جو کچھ ان سبھوں نے کہا ہے وہ آپ نے نہیں سُنا۔ پھر انہوں
نے تہمت لگانے والوں کی ساری باتیں سُنائیں اور ان
باتوں کو سُن کر میری بیماری اور بڑھ گئی۔ میں جب اپنے
گھر واپس ہوئی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اندر تشریف
لائے اور دریافت فرمایا، کیسا ہے مزاج؟ میں نے آپ
سے عرض کیا کہ آپ مجھے والدین کے یہاں جانے کی اجازت
دیجئے۔ اس وقت میرا ارادہ یہ تھا کہ ان سے اس خبر
کی تحقیق کروں گی۔ آنحضور نے مجھے اجازت دے دی۔
اور میں جب گھر آئی تو میں نے اپنی والدہ سے ان باتوں
کے متعلق پوچھا جو لوگوں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ انھوں نے
فرمایا بیٹی! اس طرح کی باتوں کی پروا نہ کرو۔ خدا کی
قسم، شاید ہی ایسا ہو کہ تجھ جیسی حسین وخوبصورت عورت
کسی مرد کے گھر ہو اور اس کی سوکنیں بھی ہوں۔ پھر بھی
اس طرح کی باتیں نہ پھیلائی جائیں۔ میں نے کہا سبحان اللہ
(سوکنوں کا کیا ذکر) وہ تو دوسرے لوگ اس طرح کی باتیں
کر رہے ہیں۔ انھوں نے بیان کیا کہ وہ رات میں نے وہیں
گذاری، صبح تک یہ عالم تھا کہ آنسو نہیں تھمتے تھے
اور نیند نہ آئی۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وسلم نے اپنی بیوی کو جُدا کرنے کے سلسلے میں مشورہ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَرِیْرَۃَ فَقَالَ یَا بَرِیْرَۃُ ھَلْ رَاَیْتِ فِیْھَا شَیْئًا یُّرِیْبُکِ فَقَالَتْ بَرِیْرَۃُ لَا وَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ اِنْ رَاَیْتُ مِنْھَا اَمْرًا اَغْمِصُہٗ عَلَیْھَا اَکْثَرَ مِنْ اَنَّھَا جَارِیَۃٌ حَدِیْثَۃُ السِّنِّ تَنَامُ عَنِ الْعَجِیْنِ فَتَاْتِی الدَّاجِنُ فَتَاْکُلُہٗ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ یَّوْمِہٖ فَاسْتَعْذَرَ مِنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اُبَیِّ بْنِ سَلُوْلَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ یَّعْذِرُنِیْ مِنْ رَّجُلٍ بَلَغَنِیْ اَذَاہُ فِیْ اَھْلِیْ فَوَاللّٰہِ مَا عَلِمْتُ عَلٰٓی اَھْلِیْٓ اِلَّا خَیْرًا وَّقَدْ ذَکَرُوْا رَجُلًا مَّا عَلِمْتُ عَلَیْہِ اِلَّا خَیْرًا وَّمَا کَانَ یَدْخُلُ عَلٰٓی اَھْلِیْٓ اِلَّا مَعِیْ فَقَامَ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَا وَاللّٰہِ اَعْذِرُکَ مِنْہُ اِنْ کَانَ مِنَ الْاَوْسِ ضَرَبْنَا عُنُقَہٗ وَاِنْ کَانَ مِنْ اِخْوَانِنَا مِنَ الْخَزْرَجِ اَمَرْتَنَا فَفَعَلْنَا فِیْہِ اَمْرَکَ فَقَامَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَۃَ وَھُوَ سَیِّدُ الْخَزْرَجِ وَکَانَ قَبْلَ ذٰلِکَ رَجُلًا صَالِحًا وَّلٰکِنِ احْتَمَلَتْہُ الْحَمِیَّۃُ فَقَالَ کَذَبْتَ لَعَمْرُ اللّٰہِ لَا تَقْتُلُہٗ وَلَا تَقْدِرُ عَلٰی ذٰلِکَ فَقَامَ اُسَیْدُ بْنُ الْحُضَیْرِ فَقَالَ کَذَبْتَ لَعَمْرُ اللّٰہِ وَاللّٰہِ

کرنے کے لیے علی بن ابی طالب اور اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بُلایا، کیونکہ وحی اس سلسلے میں اب تک نہیں آئی تھی۔ اُسامہ رضی اللہ عنہ کو آپ کی اپنے اہل سے محبت کا علم تھا۔ اس لیے اسی کے مطابق مشورہ دیا اور کہا، آپ کی بیوی، یا رسول اللہ! بخدا ہم ان کے متعلق خیر کے سوا اور کچھ نہیں جانتے لیکن علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یا رسول اللہ! اللہ تعالے نے آپ پر کوئی تنگی نہیں کی ہے۔ عورتیں ان کے سوا بھی بہت ہیں۔ باندھی سے بھی آپ دریافت فرمالیجیے وہ سچی بات بیان کریں گی۔ چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بریرہ رضی اللہ عنہا کو بلایا (عائشہ رضی اللہ عنہا کی خاص خادمہ) اور دریافت فرمایا! بریرہ! کیا تم نے عائشہ میں کوئی ایسی چیز دیکھی ہے جس سے تمہیں شبہ ہو ہو۔ بریرہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا نہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں نے ان میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں دیکھی جس کا عیب میں ان پر لگا سکوں، اتنی بات ضرور ہے کہ وہ نوعمر لڑکی ہیں، آٹا گوندھ کر سو جاتی ہیں اور پھر بکری آتی ہے اور کھا لیتی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی دن (منبر پر) کھڑے ہو کر عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں مدد چاہی۔ آپ نے فرمایا۔ ایک ایسے شخص کے بارے میں میری کون مدد کرے گا جس کی مجھے اذیت اور تکلیف دہی کا سلسلہ اب میری بیوی کے معاملے تک پہنچ چکا ہے۔ بخدا، اپنی بیوی کے بارے میں خیر کے سوا اور کوئی چیز مجھے معلوم نہیں (ان کی جرأت

لَتَقْتُلَنَّهٗ، فَاِنَّكَ مُنَافِقٌ تُجَادِلُ عَنِ الْمُنَافِقِيْنَ فَثَارَ الْحَيَّانِ الْاَوْسُ وَالْخَزْرَجُ حَتّٰى هَمُّوْا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَنَزَلَ فَخَفَّضَهُمْ حَتّٰى سَكَتُوْا وَسَكَتَ وَبَكَيْتُ يَوْمِيْ لَا يَرْقَاُ لِيْ دَمْعٌ وَّلَا اَكْتَحِلُ بِنَوْمٍ فَاَصْبَحَ عِنْدِيْ اَبَوَايَ وَقَدْ بَكَيْتُ لَيْلَتَيْنِ وَيَوْمًا حَتّٰى اَظُنَّ اَنَّ الْبُكَاءَ فَالِقٌ كَبِدِيْ قَالَتْ فَبَيْنَا هُمَا جَالِسَانِ عِنْدِيْ وَاَنَا اَبْكِيْ اِذَا اسْتَاْذَنَتِ امْرَاَةٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَاَذِنْتُ لَهَا فَجَلَسَتْ تَبْكِيْ مَعِيْ فَبَيْنَا نَحْنُ كَذٰلِكَ اِذْ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَلَسَ وَلَمْ يَجْلِسْ عِنْدِيْ مِنْ يَّوْمِ قِيْلَ فِيَّ مَا قِيْلَ قَبْلَهَا وَقَدْ مَكَثَ شَهْرًا لَّا يُوْحٰى اِلَيْهِ فِيْ شَاْنِيْ شَيْءٌ قَالَتْ فَتَشَهَّدَ ثُمَّ قَالَ يَا عَائِشَةُ فَاِنَّهٗ بَلَغَنِيْ عَنْكِ كَذَا وَكَذَا فَاِنْ كُنْتِ بَرِيْئَةً فَسَيُبَرِّئُكِ اللّٰهُ وَاِنْ كُنْتِ اَلْمَمْتِ فَاسْتَغْفِرِي اللّٰهَ وَتُوْبِيْ اِلَيْهِ فَاِنَّ الْعَبْدَ اِذَا اعْتَرَفَ بِذَنْبِهٖ ثُمَّ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَلَمَّا قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَالَتَهٗ قَلَصَ دَمْعِيْ حَتّٰى مَا اُحِسُّ مِنْهُ قَطْرَةً وَّقُلْتُ لِاَبِيْ اَجِبْ عَنِّيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى

تو دیکھئے کہ) نام بھی اس معاملے میں انھوں نے ایک ایسے آدمی کا لیا ہے جس کے متعلق بھی میں خیر کے سوا اور کچھ نہیں جانتا، خود میرے گھر میں جب بھی وہ آئے ہیں تو میرے ساتھ ہی آئے۔ (یہ سُن کر) سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا، یارسول اللہ، واللہ میں آپ کی مدد کروں گا، اگر وہ شخص اوس سے ہوگا تو ہم اس کی گردن ماردیں گے (کیونکہ سعد رضی اللہ عنہ قبیلہ اوس کے سردار تھے) اور اگر وہ خزرج کا آدمی ہوگا تو آپ ہمیں حکم دیں، جو بھی آپ کا حکم ہوگا ہم تعمیل کریں گے۔ اس کے بعد سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، جو قبیلہ خزرج کے سردار تھے، حالانکہ اس سے پہلے آپ بہت صالح تھے لیکن اس وقت (سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی بات پر) حمیت سے غصہ ہوگئے تھے (سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا) خدا کے دوام و بقا کی قسم! تم جھوٹ بولتے ہو، نہ تم اسے قتل کرسکتے ہو اور نہ تمہارے اندر اس کی طاقت ہے۔ پھر اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے (سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی) اور کہا خدا کی قسم! ہم اسے قتل کردیں گے۔ کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ تم بھی منافق ہو، کیونکہ منافقوں کی طرف سے مدافعت کرتے ہو۔ اس پر اوس و خزرج، دونوں قبیلوں کے لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے اور آگے بڑھنے ہی والے تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جو ابھی تک منبر پر تشریف رکھتے تھے، منبر سے اُترے اور لوگوں کو نرم کیا، اب سب لوگ خاموش ہوگئے اور حضور اکرم بھی خاموش ہو

اللّٰهُ وَسَلَّمَ قَالَ وَاللّٰهِ مَا اَدْرِیْ مَا اَقُوْلُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ لِاُمِّیْ اَجِيْبِیْ عَنِّیْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا قَالَ قَالَتْ وَاللّٰهِ مَا اَدْرِیْ مَا اَقُوْلُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ وَاَنَا جَارِيَةٌ حَدِيْثَةُ السِّنِّ لَا اَقْرَاُ كَثِيْرًا مِّنَ الْقُرْاٰنِ فَقُلْتُ اِنِّیْ وَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُ اَنَّكُمْ سَمِعْتُمْ مَّا يَتَحَدَّثُ بِهِ النَّاسُ وَوَقَرَ فِیْ اَنْفُسِكُمْ وَصَدَّقْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ قُلْتُ لَكُمْ اِنِّیْ بَرِيْئَةٌ وَّاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنِّیْ لَبَرِيْئَةٌ لَا تُصَدِّقُوْنِیْ بِذٰلِكَ وَلَئِنِ اعْتَرَفْتُ لَكُمْ بِاَمْرٍ وَّاللّٰهُ يَعْلَمُ اَنِّیْ بَرِيْئَةٌ لَتُصَدِّقُنِّیْ وَاللّٰهِ مَا اَجِدُ لِیْ وَلَكُمْ مَثَلًا اِلَّا اَبَا يُوْسُفَ اِذْ قَالَ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ثُمَّ تَحَوَّلْتُ عَلٰى فِرَاشِیْ وَاَنَا اَرْجُوْ اَنْ يُّبَرِّئَنِیَ اللّٰهُ وَلٰكِنْ وَّاللّٰهِ مَا ظَنَنْتُ اَنْ يُّنْزِلَ فِیْ شَاْنِیْ وَحْيًا وَّلَاَنَا اَحْقَرُ فِیْ نَفْسِیْ مِنْ اَنْ يَّتَكَلَّمَ بِالْقُرْاٰنِ فِیْ اَمْرِیْ وَلٰكِنِّیْ كُنْتُ اَرْجُوْ اَنْ يَّرٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِی النَّوْمِ رُؤْيَا يُبَرِّئُنِیَ اللّٰهُ فَوَاللّٰهِ مَا رَامَ مَجْلِسَهٗ وَلَا خَرَجَ اَحَدٌ

ہو گئے۔ میں اس دن بھی روتی رہی، نہ میرا آنسو تھمتا تھا اور نہ نیند آتی تھی۔ پھر میرے پاس میرے والدین آئے۔ میں دو راتوں اور ایک دن سے برابر روتی رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ روتے روتے میرے دل کے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ انہوں نے بیان کیا کہ والدین میرے پاس ابھی بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک انصاری خاتون نے اجازت چاہی اور میں نے انھیں اندر آنے کی اجازت دیدی اور وہ بھی میرے ساتھ بیٹھ کر رونے لگیں۔ ہم سب اسی طرح (بیٹھے رو رہے) تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے اور بیٹھ گئے۔ جس دن سے میرے متعلق وہ باتیں کہی جا رہی تھیں جو کبھی نہیں کہی گئی تھیں۔ اس دن سے میرے پاس آپ بیٹھے نہیں تھے۔ آپ ایک مہینے تک انتظار کرتے رہے تھے لیکن میرے معاملہ میں کوئی وحی آپ پر نازل نہیں ہوئی تھی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے تشہد پڑھی اور فرمایا۔ عائشہ! تمہارے متعلق مجھے یہ یہ باتیں معلوم ہوئی ہیں اگر تم اس معاملے میں بری ہو تو اللہ تعالے بھی تمہاری برأت ظاہر کرے گا اور اگر تم نے گناہ کیا ہے تو اللہ تعالے سے مغفرت چاہو اور اس کے حضور توبہ کرو، کہ بندہ جب اپنے گناہ کا اعتراف کر لیتا ہے اور پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالے بھی اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔ جونہی حضور اکرم نے اپنی گفتگو ختم کی، میرے آنسو اس طرح خشک ہو گئے کہ اب ایک قطرہ بھی محسوس نہیں ہوتا تھا۔ میں نے اپنے والد سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مِنْ اَهْلِ الْبَيْتِ حَتّٰى اُنْزِلَ عَلَيْهِ فَاَخَذَهٗ مَا كَانَ يَاْخُذُهٗ مِنَ الْبُرَحَاءِ حَتّٰى اِنَّهٗ لَيَتَحَدَّرُ مِنْهُ مِثْلُ الْجُمَانِ مِنَ الْعَرَقِ فِيْ يَوْمٍ شَاتٍ فَلَمَّا سُرِّيَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَضْحَكُ فَكَانَ اَوَّلُ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَ بِهَا اَنْ كَانَ لِيْ يَا عَائِشَةُ اِحْمَدِي اللّٰهَ فَقَدْ بَرَّاَكِ اللّٰهُ فَقَالَتْ لِيْ اُمِّيْ قُوْمِيْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ لَا وَاللّٰهِ لَا اَقُوْمُ اِلَيْهِ وَلَا اَحْمَدُ اِلَّا اللّٰهَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ الْاٰيٰتِ فَلَمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ هٰذَا فِيْ بَرَآءَتِيْ قَالَ اَبُوْبَكْرِ نِ الصِّدِّيْقُ وَكَانَ يُنْفِقُ عَلٰى مِسْطَحِ ابْنِ اُثَاثَةَ لِقَرَابَتِهٖ مِنْهُ وَاللّٰهِ لَا اُنْفِقُ عَلٰى مِسْطَحٍ شَيْئًا اَبَدًا بَعْدَ مَا قَالَ لِعَائِشَةَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اِلٰى قَوْلِهٖ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ بَلٰى وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاُحِبُّ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لِيْ فَرَجَعَ اِلٰى مِسْطَحٍ كَانَ يُجْرِيْ عَلَيْهِ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْاَلُ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ عَنْ اَمْرِيْ فَقَالَ يَا زَيْنَبُ مَا عَلِمْتِ مَا رَاَيْتِ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَحْمِيْ سَمْعِيْ

سے میرے متعلق کہیے۔ لیکن انھوں نے فرمایا بخدا! مجھے نہیں معلوم کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مجھے کیا کہنا چاہیئے۔ میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا۔ اس کے متعلق آنحضور سے آپ کچھ کہئے۔ انھوں نے بھی یہی فرمادیا۔ بخدا مجھے نہیں معلوم کہ مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کیا کہنا چاہیئے۔ انھوں نے بیان کیا کہ میں نوعمر لڑکی تھی۔ قرآن مجھے زیادہ یاد نہیں تھا۔ میں نے کہا، خدا گواہ ہے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگوں نے بھی افواہ سنی ہے اور آپ لوگوں کے دلوں میں وہ بات بیٹھ گئی ہے اور اس کی تصدیق بھی آپ لوگ کر چکے ہیں، اس لیے اب اگر میں کہوں کہ میں (اس بہتان) سے بری ہوں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں تو آپ لوگ میری بات کی تصدیق کر دیں گے، بخدا! میں اس وقت اپنی اور آپ لوگوں کی کوئی مثال، یوسف علیہ السلام کے والد (یعقوب علیہ السلام) کے سوا نہیں پاتی کہ انہوں نے بھی فرمایا تھا۔ پس مجھے صبر جمیل عطا ہوا اور جو کچھ تم کہتے ہو۔ اس معاملے میں میرا مددگار اللہ تعالےٰ ہے"۔ اس کے بعد بستر پر میں نے اپنا رخ دوسری طرف کرلیا اور مجھے امید تھی کہ خود اللہ تعالےٰ میری برائت فرمائے گا۔ لیکن میرا یہ خیال نہ تھا کہ میرے متعلق وحی نازل ہوگی۔ میری اپنی نظر میں حیثیت اس سے بہت معمولی تھی کہ قرآن مجید میں میرے متعلق کوئی آیت نازل ہو۔ ہاں مجھے اتنی امید ضرور تھی کہ آپ کوئی خواب دیکھیں گے جس میں اللہ تعالےٰ مجھے

وَبَصَرِيْ وَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ عَلَيْهَا اِلَّا خَيْرًا قَالَتْ وَهِيَ الَّتِيْ كَانَتْ تُسَامِيْنِيْ فَعَصَمَهَا اللّٰهُ بِالْوَرَعِ

(بخاری)

بری فرما دے گا۔ خدا گواہ ہے کہ ابھی آپ اپنی جگہ سے اٹھے بھی نہ تھے اور نہ اس وقت گھر میں موجود کوئی باہر نکلا تھا کہ آپ پر وحی نازل ہونے لگی اور شدت وحی سے آپ جس طرح پسینے پسینے ہو جاتے تھے وہی کیفیت اب بھی تھی، پسینے کے قطرات موتیوں کی طرح آپ کے جسم مبارک سے گرنے لگے۔ حالانکہ سردی کا موسم تھا۔ جب وحی کا سلسلہ ختم ہوا تو آپ ہنس رہے تھے اور سب سے پہلا کلمہ جو آپ کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا۔ آپ نے فرمایا۔ عائشہ! اللہ کی حمد بیان کرو کہ اس نے تمہیں بری قرار دے دیا۔ میری والدہ نے کہا۔ جاؤ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے کھڑی ہو جاؤ۔ میں نے کہا نہیں، خدا کی قسم! میں آنحضور کے لیے کھڑی نہ ہوں گی اور سوائے اللہ کے کسی کی حمد بیان نہ کروں گی۔ اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تھی:" جن لوگوں نے تہمت تراشی ہے، وہ تم ہی میں سے کچھ لوگ ہیں"۔ جب اللہ تعالےٰ نے میری برأت میں یہ آیت نازل فرمائی، تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے، جو مسطح بن اثاثہ کے اخراجات قرابت داری کی وجہ سے اٹھاتے تھے، کہا کہ بخدا، اب میں مسطح پر کبھی کوئی چیز خرچ نہیں کروں گا۔ کہ وہ بھی عائشہ پر تہمت لگانے والوں میں شریک تھے (آپ غلط فہمی اور نادانستہ طور پر شریک ہو گئے تھے) اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل کی۔ "تم میں سے صاحبِ فضل و صاحبِ مال لوگ قسم نہ کھائیں"۔ اللہ تعالےٰ کے ارشاد غفور رحیم تک' ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ خدا کی قسم! بس میری یہی خواہش ہے کہ اللہ تعالےٰ میری مغفرت کر دے۔ (مسطح کے معاملے میں جو میں نے اختیار کرنے کا ارادہ کیا تھا) چنانچہ مسطح رضی اللہ عنہ کو جو آپ پہلے دیا کرتے تھے، پھر دینے لگے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش (رضی اللہ عنہا ام المومنین) سے بھی میرے متعلق پوچھا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ زینب! تم (عائشہ کے متعلق) کیا جانتی ہو؟ اور کیا دیکھا ہے؟ انھوں نے جواب دیا، میں اپنے کان اور اپنی آنکھ کی حفاظت کرتی ہوں۔ خدا گواہ ہے کہ میں نے ان میں خیر کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ یہی میری ہمسر تھیں، لیکن اللہ تعالےٰ نے انہیں تقویٰ کی وجہ سے بچا لیا۔ بخاری

حدیث افک ۱۔ اس حدیث کو امام بخاری علیہ الرحمہ نے مغازی، تفسیر، ایمان، نذور اعتصام میں بھی ذکر کیا ہے۔ امام مسلم نے توبہ میں اور نسائی نے عشرۃ النساء و تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

۲۔ عنوان سے مطابقت اس حدیث کی یہ ہے کہ اس میں حضرت بریرہ و حضرت زینب نے جناب عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے اخلاق و خصائل پر اطمینان کا اظہار کیا۔ حضرت

بریرہ رضی اللہ تعالٰے عنہا نے عرض کی ۔ حضور اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسولِ برحق بنا کر مبعوث کیا ۔ میں نے حضرت عائشہ میں کوئی عیب نہیں دیکھا ۔ حضرت ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ تعالٰے عنہا نے بحضورِ نبوت عرض کی ۔ اَحْمِی سَمْعِی وَبَصَرِی وَاللّٰہِ مَا عَلِمْتُ عَلَیْھَا اِلَّا خَیْرًا ۔ میں اپنے کان اور اپنی آنکھ کی حفاظت کرتی ہوں ۔ خدا گواہ ہے میں نے ان میں خیر کے سوا کچھ نہیں دیکھا ——— اس کے علاوہ حضرت عمر اور حضرت عثمان نے بھی جناب عائشہ صدیقہ کی پاکدامنی بیان کی ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ نے فرمایا کہ منافقین بالیقین جھوٹے ہیں ام المومنین بالیقین پاک ہیں ۔ اللہ تعالٰے نے سیّد عالم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے جسم کو مکھی بیٹھنے سے محفوظ رکھا کہ وہ نجاستوں پر بیٹھتی ہے ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کو بدعورت کی صحبت سے محفوظ نہ رکھے ۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰے عنہ نے بھی اسی طرح آپ کی طہارت بیان کی اور عرض کی ۔ یا رسول اللہ ' اللہ تعالٰے نے آپ کا سایہ زمین پر نہ پڑنے دیا تاکہ اس سایہ پر کسی کا قدم نہ پڑے تو اب اللہ تعالٰے یہ کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ آپ کی زوجہ محترمہ کے ساتھ کوئی ایسی قباحت کا مرتکب ہو سکے ۔ حضرت علی مرتضٰے کرم اللہ وجہہ الکریم نے عرض کی ایک جُوں کا خُون لگنے سے پروردگار عالم نے آپ کو نعلین اُتار دینے کا حکم دیا ۔ تو جو رب العٰلمین آپ کی نعل شریف کی اتنی سی آلودگی گوارا نہ فرمائے وہ آپ کی زوجہ محترمہ کی آلودگی کو کیسے گوارا فرما سکتا ہے ۔

۳ ۔ غرضکہ متعدد صحابہ و صحابیات نے نزولِ آیت سے قبل ہی حضرت عائشہ کی پاکدامنی کا اعتراف و اقرار کیا (مدارک ج ۲ ص $\frac{134}{135}$) اور نزولِ آیت سے قبل ہی حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ بخدا مجھے اپنی زوجہ کی پاکی و خوبی بالیقین معلوم ہے ۔ حتیٰ کہ نبی علیہ السلام نے حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ تعالٰے عنہ کے متعلق بھی ما علمت علیہ الا خیراً فرما کر ان کی پاکدامنی کو بیان فرما دیا تھا ۔

آیاتِ برأت کے نزول سے قبل بھی حضور کو حضرت عائشہ کے پاکدامن ہونے کا یقین تھا

اس موقع پر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی شان اور آپ کی فضیلتِ علمی کے منکر یہ بکواس کرتے ہیں کہ معاذ اللہ حضور علیہ السلام کو حضرت عائشہ کی پاکدامنی کے متعلق شک ہو گیا تھا اور نزولِ آیاتِ برأت کے بعد آپ کو یقین ہوا کہ حضرت عائشہ پاکدامن اور طیب و طاہر ہیں ——— ایسا کہنا متعدد وجوہ سے باطل ہے ۔ اوّل نبی علیہ السلام (واللہ) قسم اٹھا کر جناب عائشہ کی پاکدامنی بیان فرما رہے ہیں ۔ جس بات کے متعلق شبہ ہو وہاں قسم نہیں اٹھائی جاتی ۔ حضور علیہ السلام کا قسم کھانا اس امر کی دلیل ہے کہ نزولِ آیاتِ برأت سے قبل بھی حضور کو یقین تھا کہ حضرت

عائشہ صدیقہ کا دامن منافقوں کے الزام سے پاک و صاف ہے۔ آپ پاکدامن و طیب و طاہر ہیں۔ اس لیے سیدہ عائشہ صدیقہ کا طیب و طاہر و پاک دامن ہونا ایک یقینی بات ہے۔ اس معاملہ میں شک و شبہ وہی کر سکتا ہے۔ جس کو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے طیب و طاہر ہونے پر ایمان نہ ہو۔ چنانچہ مفسرین کرام یہ فرماتے ہیں کہ اس امر پر اجماع ہے کہ انبیاء کرام کی بیویاں بدکارہ نہیں ہوسکتیں۔ سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما فرماتے ہیں **ما بغت امرأة نبي قط** کسی نبی کی بیوی نے کبھی زنا نہیں کیا (درمنثور) البتہ یہ ممکن ہے کہ کسی نبی کی بیوی کافر ہو جیسے حضرت نوح اور لوط علیہم السلام کی بیبیوں کے بارے میں قرآن میں ہے وہ کافرہ تھیں مگر باوجود کافر ہونے کے فسق و فجور میں مبتلا نہ تھیں کیونکہ کسی نبی کی بیوی کا کافر ہونا ممکن ہے مگر بدکار اور فاحشہ ہونا ممکن نہیں ہے کیونکہ بدکاری طبعی طور پر موجب ننگ و عار و موجب نفرت عوام ہے۔

ثالثاً قرآن و سنت کی تعلیم یہ ہے کہ کسی مسلمان کے متعلق جب تک کسی گناہ یا عیب کا علم دلیل شرعی سے ثابت نہ ہوجائے اس وقت تک اس سے نیک گمان رکھنا واجب ہے اور محض سُنی سُنائی بات یا محض کسی کے الزام لگانے سے اس مسلمان سے بدگمان ہوجانا گناہ کبیرہ ہے اس لیے منافقین کے الزام لگانے کی وجہ سے بلا دلیل شرعی حضور کا حضرت عائشہ سے بدگمان ہوجانا ناممکن ہے بلکہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر حضرت عائشہ سے بدگمان ہونے کا الزام لگانا معاذ اللہ معاذ اللہ حضور کے گناہ کبیرہ کا مرتکب قرار دینا ہے جس کی توقع کسی مومن مسلمان سے ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتی اس لیے حضرت عائشہ صدیقہ سے نزول آیات برأت سے قبل حضور کے بدگمان ہوجانے کا قول کرنا غلط اور قرآن و سنّت کی تصریحات و تعلیمات سے جہالت ہے۔

واقعہ افک۔ آیاتِ برأت کا نزول، چند اہم امور کی نشاندہی، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عظیم و جلیل فضیلت

۱۔ اِفک کے معنیٰ افترار و بہتان اور بدترین قسم کے جھوٹ کے ہیں۔ حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا پر تہمت لگانے والوں کا سرغنہ راس المنافقین عبد اللہ بن ابی تھا۔ اسی نے اس واقعہ کو اُچھالا، پھیلایا۔ اسی کے متعلق قرآن میں فرمایا گیا۔ **وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ** وہ جس نے سب سے بڑا حصہ لیا اس کے لیے بڑا عذاب ہے اور کچھ سادہ لوح مسلمان بھی اس منافق کے بھکاتے میں آگئے۔ ان میں حسان بن ثابت، یزید ابن رفاعہ، مسطح بن اثاثہ، حمنہ بنت جحش تھے ——— قصہ مختصر منافقین نے حضرت صدیقہ پر تہمت لگا کر اسلام سے

خلاف ایک گھناؤنی سازش کی تھی جس میں وہ ناکام ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور کی آیات نازل فرماکر انہیں جھوٹا قرار دیا اور جن لوگوں نے یہ تہمت گھڑی تھی۔ حضرت حسان اور مسطح جو کہ بدری تھے انہیں حد قذف کی سزا میں اسی اسی کوڑے مارے گئے اور اس سازش کے سرغنہ عبداللہ بن اُبیّ منافق کو دُہری حد لگائی گئی (طبرانی)

۲۔ حدیثِ افک مختصراً۔ باب اذا عدال الخ میں بھی آئی ہے وہاں بھی ہم نے اس حدیث پر تبصرہ کیا ہے ضرور مطالعہ فرمائیں دیکھیں حدیث نمبر ۲۴۶

۳۔ تمام مفسرین و محدثین و آئمہ دین کا اس امر پر اجماع ہے کہ سورۂ نور کی آیات کے نزول کے بعد حضرت عائشہ کی پاکدامنی قطعی یقینی ہے۔ شارح بخاری علامہ کرمانی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی اس معاملہ میں ذرا بھی شک کرے وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے ـــــ حقیقت یہ ہے کہ جناب عائشہ کی پاکدامنی کے اظہار میں سورۂ نور کی آیات کا نازل ہونا آپ کے مرتبہ و جلالتِ شان کی آئینہ دار ہے اور آپ کی ایک ایسی فضیلت ہے جس میں آپ منفرد ہیں۔

۴۔ علامہ قرطبی علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام پر جب تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک بچہ کو گویائی عطا فرکر اس سے ان کی برأت ظاہر فرمادی۔ حضرت مریم علیہا السلام پر الزام لگا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے فرزند حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت سے ان کو بری فرمادیا اور جب حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر منافقین نے تہمت لگائی تو خود رب العلمین جل مجدہ نے سورۂ نور کی دس آیات نازل فرماکر ان کی برأت کا اعلان فرمایا اور جو منافقین آیاتِ برأت کے نزول کے بعد بھی اپنے اس افترا پر قائم رہے اور توبہ نہ کی انہیں ملعون قرار دے دیا۔ دنیا و آخرت کی لعنت اور عذابِ عظیم کی انہیں وعید سنائی گئی۔ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ آج بھی وہ لوگ جو حضرت عائشہ کی پاکدامنی کے قائل نہیں ہیں وہ بھی اسی وعید کے مستحق ہیں۔ وہ قرآن کے منکر اور دنیا و آخرت کی لعنت اور عذابِ عظیم کے مستحق اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔

۵۔ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اگرچہ ان مردوں میں شامل تھے جن پر حد قذف لگائی گئی مگر آیاتِ برأت کے نزول کے بعد انہوں نے توبہ کرلی اور اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کرنے والوں توبہ اپنے کرم سے قبول فرمالی اور ارشاد فرمایا۔ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ الخ حضرت حسان اور مسطح دونوں بدری ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں اور جن مومنین نے توبہ کی ان کی توبہ قبول فرمائی اور حضرت ام المومنین

رضی اللہ تعالٰی عنہا کی وسعتِ قلبی کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی حضرت حسان کی ان کے سامنے برائی کرتا تو فرماتیں ایک تو وہ بدری ہیں دوسرے وہ تائب ہو گئے۔ اس لیے مجھے ان کی برائی پسند نہیں ہے (مظہری)

امام بغوی علیہ الرحمہ نے سورۂ نور کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی چند ایسی خصوصیات ہیں جو کسی دوسری خاتون کے حصہ میں نہیں آئیں اور جناب عائشہ بھی بطور تحدیثِ نعمت اپنی ان خصوصیات کو بیان فرمایا کرتی تھیں۔ اوّل یہ کہ حضور کے نکاح میں آنے سے قبل جبرئیلِ امین بحکمِ رب جلیل یہ قدرت سے بنی ہوئی میری تصویر ریشمی رومال میں لے کر بحضور نبوی حاضر ہوئے اور عرض کی یہ ہیں آپ کی زوجہ محترمہ (ترمذی) دوم یہ کہ حضور نے حضرت عائشہ کے سوا کسی کنواری خاتون سے نکاح نہیں کیا۔ سوم یہ کہ حضور کی وفات میری گود میں ہوئی۔ چہارم یہ کہ میرے حجرہ مبارک میں حضور دفن ہوئے۔ پنجم اس وقت بھی وحی نازل ہو جاتی جب کہ حضرت عائشہ اور حضور ایک لحاف میں جلوہ فرما ہوتے تھے۔ ششم یہ کہ میری برأت اللہ تعالٰی نے قرآنِ حکیم میں نازل فرمائی (کہ اب جو حضرت عائشہ کی پاکدامنی کا انکار کرے وہ منکرِ قرآن ہے) ہفتم۔ حضرت عائشہ حضور کے خلیفہ بلافصل اور خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی صاحبزادی ہیں اور حضرت صدیق وہ ہیں جن کے لیے دنیا ہی میں اللہ تعالٰی نے مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا (تفسیر مظہری)

۶۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مجھے یہ تو یقین تھا۔ اللہ تعالٰی بذریعہ وحی خفی میری برأت فرمائیگا مگر یہ میرے وہم وخیال میں بھی نہ تھا کہ میرے معاملہ میں وحی جلی کے ذریعہ برأت ظاہر کی جائے گی اور میری برأت کے لیے قرآنِ مجید کی آیات سے مجھے نوازا جائیگا جو ہمیشہ تلاوت کی جائیں گی (بخاری)

واضح ہو کہ قرآن نے حضرت عائشہ کی برأت کا اعلان جس انداز سے کیا ہے۔ بخدا اس سے حضرت عائشہ کے فضل وشرف اور عزّت واحترام کو اور بڑھا دیا ہے صرف آیاتِ برأت کے ترجمہ سے ہی یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے۔

بَابُ اِذَا زَكّٰى رَجُلٌ رَّجُلًا كَفَاهُ

باب صرف ایک شخص اگر کسی کی تعدیل کر دے تو کافی ہے

وَقَالَ اَبُوْ جَمِيْلَةَ وَجَدْتُّ مَنْبُوْذًا فَلَمَّا رَاٰنِىْ عُمَرُ قَالَ عَسَى الْغُوَيْرُ اَبْؤُسًا كَاَنَّهٗ يَتَّهِمُنِىْ قَالَ عَرِيْفِىْ اِنَّهٗ رَجُلٌ صَالِحٌ قَالَ

اور ابو جمیلہ نے بیان کیا کہ میں نے ایک لڑکا راستے میں پڑا ہوا پایا۔ جب مجھے عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو فرمایا کہیں یہ غویر ابوس نہ ہو۔ غالباً آپ مجھے اس معاملے میں متہم قرار دے رہے تھے لیکن میرے

كَذَا اذْهَبْ وَعَلَيْنَا نَفَقَتُهُ.

(بخاری)

گروہ کے نگران نے کہا کہ یہ صالح آدمی ہیں۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایسی بات ہے تو پھر جاؤ، بچے کا نفقہ ہمارے (بیت المال) کے ذمے رہیگا۔

فوائد و مسائل یعنی جب ایک مرد دوسرے مرد کی تعدیل کرے تو یہ مقبول ہے۔ تعدیل کا مطلب ہے اس کے نیک اور صالح ہونے کی گواہی دے۔ جسے تزکیہ بھی کہتے ہیں عُسَیر ابؤس ایک مثل ہے یہ الفاظ ایسے موقع پر بولتے ہیں۔ جس میں شر کا احتمال ہو۔ حضرت عمر نے یہ خیال فرمایا کہ یہ لڑکا ابو جمیلہ کا ہی ہو اور یہ بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر کرانے کے لیے خلافِ واقعہ بات کہہ رہے ہوں۔ لیکن جب عریف (نگران) نے ابو جمیلہ کے صالح ہونے کا اظہار کیا تو حضرت عمر نے اس کو تسلیم کر لیا اور بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو تین گروہوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ جو ان کے حال احوال کی خبر رکھتا تھا۔

۲۴۸۶ - عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ بَكْرَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَثْنٰى رَجُلٌ عَلٰى رَجُلٍ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَيْلَكَ قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ مِرَارًا ثُمَّ قَالَ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَادِحًا اَخَاهُ لَا مَحَالَةَ فَلْيَقُلْ اَحْسِبُ فُلَانًا وَّاللّٰهُ حَسِيْبُهٗ وَلَا اُزَكِّيْ عَلَى اللّٰهِ اَحَدًا اَحْسِبُهٗ كَذَا وَكَذَا اِنْ كَانَ يَعْلَمُ ذٰلِكَ مِنْهُ (بخاری)

عبد الرحمٰن بن ابی بکرہ نے اور ان سے ان کے والد نے بیان کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے دوسرے شخص کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا، افسوس! تم نے تو اپنے ساتھی کی گردن کاٹ ڈالی، کئی مرتبہ (آپ نے اسی طرح فرمایا) پھر ارشاد فرمایا، اگر کسی کے لیے اپنے کسی بھائی کی تعریف کرنی ناگزیر ہو تو یوں کہنا چاہئے کہ میں فلاں شخص کو ایسا سمجھتا ہوں، ویسے اللہ اس کے لیے کافی ہے اور میں اللہ تعالیٰ کے حضور قطعیت اور یقین کے ساتھ کسی کی تعدیل نہیں کر سکتا۔ ہاں اس کے متعلق فلاں فلاں باتیں معلوم ہیں، اگر واقعی وہ باتیں، اس کے متعلق اسے معلوم ہیں۔

بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الْاِطْنَابِ فِي الْمَدْحِ وَلْيَقُلْ مَا يَعْلَمُ

باب مدح میں بے جا مبالغہ کی کراہت جتنی بات معلوم ہو اتنی ہی کہنی چاہیے

۲۴۸۷ - عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يُثْنِيْ عَلٰى

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ ایک شخص دوسرے

رَجُلٍ وَّ یُطْرِیْهِ فِیْ مَدْحِهٖ فَقَالَ اَهْلَكْتُمْ اَوْ قَطَعْتُمْ ظَهْرَ الرَّجُلِ

اس شخص کو ہلاک کر دیا اور اس کی پشت توڑ دی۔ (بخاری)

مدح میں حد سے تجاوز کرنا مکروہ ہے

۱- دونوں حدیثوں کی عنوان سے مطابقت یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے کی تعدیل کرلے تو یہ معتبر ہے۔ امام محمد اور امام شافعی و مالک کا مسلک یہ ہے کہ تعدیل کے باب میں دو مسلمانوں کا اعتبار کیا جائیگا جیسے شہادت میں۔ امام طحاوی کا مختار بھی یہی ہے۔ اور سیدنا امام اعظم اور امام یوسف ایک مسلمان کی تعدیل کو کافی قرار دیتے ہیں جیسا کہ حدیث زیر بحث میں ہے کہ حضرت عمر نے ایک مسلمان کے تزکیہ کو کافی قرار دیا البتہ اگر دو مسلمان ہوں تو یہ مستحب ہے ۲- ویل کا لفظ دراصل حزن، ہلاکت اور عذاب کے لیے استعمال ہوتا ہے اور کبھی تعجب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور یہاں ویل کا لفظ تعجب کے لیے استعمال ہوا ہے ۔۔۔

۳- جس میں جو خوبی و کمال ہے اس کو بیان کرنا اور ممدوح کے سامنے بیان کرنا جائز ہے جیسا کہ صحیح احادیث سے منہ پر تعریف کرنے کا جواز واضح ہے کروہ اس صورت میں ہے جب کہ مدح میں افراط سے کام لیا جائے یا جس کی مدح کی جارہی ہے اس میں تکبر و غرور پیدا ہو جانے کا خطرہ ہو۔ اس بات کو قطعت عنك هاجك کے الفاظ سے حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ امام نووی نے فرمایا کہ ایسے شخص کی منہ پر تعریف کرنا مستحب ہے جس میں مصلحت ہو (یعنی لوگ ممدوح کی نیکی کو اپنائیں یا ممدوح نے جو کار خیر انجام دیا ہے اس کی حوصلہ افزائی ہو اور وہ اس کار خیر میں مزید اضافہ کرے) ۳- ولا ازکی علی اللّٰہ احدا کا مطلب یہ ہے کہ قطعی حتمی طور پر کسی کے خاتمہ بالخیر کا حکم لگانا جائز نہیں ہے۔ ظاہری اعمال خیر کو دیکھ کر ہمارا گمان ہوتا ہے کہ یہ شخص جنت میں جائے گا لیکن قطعی حتمی حکم لگانا جائز نہیں ہے ۴- واضح ہو کسی کی ایسی تعریف کرنا جس میں مبالغہ ہو (یعنی افراط اور حد سے تجاوز پر مبنی ہو) شرعاً ممنوع ہے ویطریه فی مدحه کے الفاظ سے اسی امر کو بیان کیا گیا ہے ۵- دلائل شرعیہ کی روشنی میں حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم اس حکم سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ حضور کی ذات پاک ہر خوبی و کمال کی جامع ہے اور آپ ہر تعریف کے مستحق ہیں۔

بَابُ بُلُوْغِ الصِّبْيَانِ وَشَهَادَتِهِمْ

باب بچوں کا بلوغ اور ان کی شہادت کے متعلق

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا وَقَالَ مُغِيْرَةُ اِحْتَلَمْتُ وَاَنَا ابْنُ ثِنْتَيْ

اور ارشاد الٰہی۔ اور جب تم میں لڑکے جوانی کو پہنچ جائیں تو وہ بھی اذن مانگیں۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے احتلام ہوا تو میں بارہ سال کا

عَشْرَةَ سَنَةً وَّ بُلُوْغُ النِّسَآءِ فِي الْحَيْضِ لِقَوْلِهٖ عَزَّ وَجَلَّ وَاللَّآئِيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ إِلٰى قَوْلِهٖ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَقَالَ الْحَسَنُ بْنُ صَالِحٍ اَدْرَكْتُ جَارَةً لَّنَا جَدَّةً بِنْتَ اِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ سَنَةً

تھا اور لڑکیوں کا بلوغ حیض سے معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد کی بنا پر کہ" جو عورتیں حیض سے مایوس ہو چکی ہیں" اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ تک۔ حسن بن صالح نے فرمایا کہ میں نے اپنی پڑوسن کو دیکھا کہ وہ اکیس سال کی عمر میں دادی بن چکی تھیں۔

مرد و عورت کے بالغ ہونیکا بیان

تمام علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ لڑکے کو جب احتلام و انزال ہو تو وہ بالغ ہے اور لڑکی حیض، حمل اور احتلام سے بالغ قرار پاتی ہے۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ لڑکی کم سے کم نو برس کی عمر میں اور لڑکا کم سے کم بارہ برس کی عمر میں بالغ ہو سکتا ہے یعنی اگر نو برس کی عمر میں لڑکی یہ کہے کہ مجھے حیض آیا ہے اور لڑکا بارہ برس کی عمر میں یہ کہے کہ مجھے احتلام ہوا ہے تو ان کا دعویٰ بلا قسم مقبول ہوگا اور شرعاً ان پر بالغ کے احکام جاری ہوں گے۔ عام علماء احناف فرماتے ہیں کہ اگر لڑکے اور لڑکی کو احتلام و حیض نہ آئے تو ایسی صورت میں عمر کا اعتبار ہوگا اور لڑکا اور لڑکی جب پورے پندرہ برس کے ہو جائیں تو شرعاً بالغ قرار پائیں گے (در مختار و تفسیر احمدی ۳۔ سورۂ نور کی آیت ۵۹ سے معلوم ہوا کہ لڑکے کو جب احتلام آجائے تو وہ بالغ قرار پائیگا۔ حلم کے معنی بلوغ کے ہیں۔ ۴۔ حضرت مغیرہ کہتے ہیں کہ میری عمر جب بارہ سال کی ہوئی تو مجھے احتلام ہوا معلوم ہوا کہ بارہ سال کا لڑکا بالغ ہو سکتا ہے ۵۔ سورہ طلاق کی آیت سے واضح ہوا کہ جس عورت کو حیض آئے تو اس کی عدت تین حیض ہے۔ معلوم ہوا کہ جس عورت کو حیض آئے تو وہ بالغ قرار پائے گی ۵۔ اکیس برس کی عمر میں دادی بننے کی صورت یہ ہے کہ لڑکی کو ۹ برس کی عمر میں حیض آجائے اور اس کی شادی ہو جائے اور اس کے لڑکی پیدا ہو۔ پھر وہ لڑکی ۹ برس کی عمر میں بالغ ہو جائے اور اس کی شادی کر دی جائے اور اس کے دس سال کی عمر میں بچہ پیدا ہو جائے تو پہلی لڑکی دادی قرار پائے گی۔

۲۴۸۸ - حَدَّثَنِيْ ابْنُ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَضَهٗ يَوْمَ اُحُدٍ وَّهُوَ ابْنُ اَرْبَعَ عَشْرَةَ سَنَةً فَلَمْ يُجِزْنِيْ ثُمَّ عَرَضَنِيْ يَوْمَ الْخَنْدَقِ وَاَنَا ابْنُ خَمْسَ عَشْرَةَ فَاَجَازَنِيْ

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ غزوۂ احد کے موقع پر وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے محاذ پر جانے کے لیے پیش ہوئے تو انہیں اجازت نہیں ملی اس وقت ان کی عمر چودہ سال تھی۔ پھر غزوۂ خندق کے موقع پر پیش ہوئے تو اجازت مل گئی۔ اس وقت

قَالَ نَافِعٌ فَقَدِمْتُ عَلٰى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ وَهُوَ خَلِيْفَةٌ فَحَدَّثْتُهُ هٰذَا الْحَدِيْثَ فَقَالَ إِنَّ هٰذَا لَحَدٌّ بَيْنَ الصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ وَكَتَبَ إِلٰى عُمَّالِهِ أَنْ يَفْرِضُوْا لِمَنْ بَلَغَ خَمْسَ عَشْرَةَ

آپ کی عمر پندرہ سال تھی۔ نافع نے بیان کیا کہ جب میں عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں، ان کی خلافت کے زمانے میں گیا تو میں نے ان سے یہ حدیث بیان کی تو انھوں نے فرمایا کہ چھوٹے اور بڑے کے درمیان یہی حد ہے۔ پھر انہوں نے اپنے عاملوں کو لکھا کہ جس بچے کی عمر پندرہ سال ہو جائے (اس کا فوجی وظیفہ) بیت المال سے مقرر کر دیں۔

فوائد و مسائل ۱۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ جب کوئی بچہ پندرہ سال کا ہو جائے تو اس پر احکامِ بلوغ جاری ہو جائیں گے اگرچہ اس کو احتلام نہ ہو ۲۔ امام مالک اور امامِ اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک جہاد میں شریک کرنے کے لیے بلوغت شرط نہیں ہے کیونکہ بعض اوقات مراہق جو بلوغ کے قریب ہوتا ہے وہ بالغ سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ ویسے بھی مراہق بلوغ کا دعویٰ کرے تو مان لیا جائیگا۔

۲۴۸۹ - عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر بالغ پر جمعہ کے دن غسل ضروری ہے۔ (بخاری)

فوائد و مسائل اس حدیث میں محتلم کا لفظ آیا ہے جو اس طرف اشارہ ہے کہ احتلام ہونے سے لڑکا شرعاً بالغ قرار پائے گا ۲۔ جمعہ کے دن غسل کرنا مستحب ہے۔ یہ حدیث کتاب الجمعہ میں گزر چکی ہے اور وہاں اس حدیث کے مسائل بیان ہو چکے ہیں۔

بَابُ سُؤَالِ الْحَاكِمِ الْمُدَّعِيَ هَلْ لَكَ بَيِّنَةٌ قَبْلَ الْيَمِيْنِ

باب قسم لینے سے پہلے حاکم کا مدعی سے یہ کہنا کہ تمہارے پاس گواہ ہے؟

۲۴۹۰ - اس عنوان کے ماتحت امام نے حدیث عبداللہ بن مسعود ذکر کی ہے جو باب کلام الخصوم الخ میں گزر چکی ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۲۲۰۳ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کسی کا مال ناجائز طریقہ سے حاصل کرنے کے لیے جھوٹی قسم کھانے والے پر قیامت کے دن اللہ تعالےٰ غضب ناک ہوگا ——— اشعث بن قیس نے کہا یہ حدیث میرے معاملہ میں حضور نے ارشاد فرمائی تھی۔ میرا ایک یہودی

سے زمین کے متعلق جھگڑا تھا۔ حضور نے مجھ سے فرمایا تمہارے پاس گواہ ہے۔ میں نے عرض کیا نہیں۔ اسلئے حضور نے یہودی سے فرمایا تم قسم کھاؤ۔ میں نے عرض کیا حضور یہ یہودی قسم کھا کر میرا مال ہڑپ کرلیگا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ان الذین یشترون بعہد اللہ۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ مدعی علیہ سے قسم لینے سے پہلے مدعی سے پوچھا جائیگا کہ تیرے پاس گواہ ہیں؟ اگر مدعی گواہ پیش کردے تو اس کے حق میں فیصلہ کردیا جائیگا اور اگر مدعی گواہ نہ پیش کرسکے تو پھر مدعی علیہ سے قسم لی جائیگی اور مدعا علیہ کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔ اور اگر مدعی گواہ پیش نہ کرسکے تو پھر مدعیٰ علیہ سے قسم لی جائے گی اور مدعا علیہ کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔

بَابُ الْيَمِيْنِ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ فِي الْاَمْوَالِ وَالْحُدُوْدِ

باب اموال اور حدود میں مدعا علیہ پر قسم ہے

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاهِدَاكَ اَوْ يَمِيْنُهٗ

اور نبی علیہ السلام نے فرمایا تیرے دو گواہ یا مدعا علیہ پر قسم ہے۔

فوائد و مسائل ۱۔ باب کا مطلب یہ ہے کہ یمین صرف مدعا علیہ کا وظیفہ ہے مدعی کا نہیں۔ مقدمہ خواہ مال کے متعلق ہو یا حدود کے متعلق اموال کے دعویٰ میں تو مدعا علیہ سے قسم لی جائے گی۔ یہ تو متفقہ مسئلہ ہے مگر حدود میں بھی مدعا علیہ سے قسم لی جائے گی؟ یا نہیں اس کے متعلق آیندہ صفحات میں تفصیلی گفتگو کی جارہی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ شَاهِدَاكَ اَوْ يَمِيْنُهٗ علامہ کرمانی فرماتے ہیں اصل عبارت یوں ہے اَلْمُثْبِتُ لِدَعْوَاكَ یا اَلْحُجَّةُ لَكَ شَاهِدَانِ۔ یعنی یہ مبتدا محذوف کی خبر قرار دی جائے یا خبر کو محذوف مانا جائے اور اصل عبارت یوں ہو شَاهِدَاكَ هُوَ الْمَطْلُوْبُ فِيْ دَعْوَاكَ یا شَاهِدَاكَ هُمَا الْمُثْبِتَانِ لِدَعْوَاكَ معنیٰ یہ ہوں گے کہ تیرے دعویٰ کو ثابت کرنے والے یا تیری حجت کے دو گواہ ہیں۔ تیرے دعوے کے ثبوت کے لیے دو گواہ مطلوب ہیں یا دو گواہ تیرے دعوے کو ثابت کریں گے اس حدیث سے واضح ہے کہ مدعی کے لیے صرف گواہ لانا ضروری ہے اور مدعا علیہ پر صرف قسم۔

مدعی اور مدعا علیہ کی تعریف علامہ بدر محمود عینی شارح بخاری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مدعی اور مدعا علیہ کی تعریف میں اختلاف ہے۔ اول یہ ہے کہ مدعی وہ شخص ہے جو حجت و دلیل کے بغیر اپنے دعویٰ کا مستحق نہ ہو۔ دوم مدعی وہ ہے جو ظاہر حال کے خلاف دعوے کرے سوم۔ مدعی وہ ہے جو ایسے مخفی امر کا ذکر کرے جو ظاہر کے خلاف ہو۔ چہارم مدعی وہ ہے جو اپنے دعوے

دست بردار ہو تو اس کو چھوڑ دیا جائے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں یہ تعریف احسن ہے کیونکہ یہ جامع مانع تعریف ہے ——— اور مدعا علیہ وہ ہے جو حجت اور دلیل کے بغیر اپنی چیز کا مستحق ہوتا ہے۔ دوم۔ مدعا علیہ وہ ہے جو حالتِ ظاہری پر قائم ہو۔ سوم یہ کہ مدعا علیہ وہ ہے کہ اگر وہ مقدمہ کو چھوڑنا چاہے تو اس کو چھوڑنے نہ دیا جائے بلکہ مقدمہ پر مجبور کیا جائے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ مدعا علیہ کی یہ تعریف احسن ہے (عینی ج ۱۳ ص ۸۵ باب اذا اختلف المراھن الخ)

مدعی پر گواہ اور مدعا علیہ پر قسم کا لزوم

واضح ہو کہ مدعی کے لیے اپنے دعوے کے ثبوت میں دو گواہ پیش کرنا ضروری ہے۔ اگر مدعی دو گواہ پیش کر دے تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائیگا اور اگر مدعی صرف ایک گواہ پیش کرے یا کوئی گواہ نہ پیش کر سکے تو ایسی صورت میں مدعا علیہ سے قسم لی جائے گی اور اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ اپنے حق کو وصول کرنے کے لیے قسم کھانا مشروع ہے۔ کیونکہ اس موقع پر قسم نہ کھانا اپنے مال (حق) کو ضائع کرنا ہے اور حضور نبی کریم علیہ السلام نے مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص جھوٹے مدعی کے لیے اپنا جائز حق چھوڑ دے اور قسم نہ کھائے تو گویا وہ ظالموں اور خائنوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور یہ جائز نہیں کیونکہ قرآن میں ارشاد باری ہے۔ لا تعاونوا على الاثم والعدوان گناہ اور ظلم کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

جب مدعیٰ علیہ قسم کھانے سے انکار کر دے

تو اس کے انکار کی وجہ سے مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اس مسئلہ میں علماءِ احناف کی دلیل یہ ہے کہ مدعیٰ علیہ کا قسم کھانے سے انکار کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے مدعی کے دعویٰ کو صحیح تسلیم کر لیا (یا انکار کی وجہ بذل بھی ہو سکتی ہے کہ مدعیٰ علیہ مخاصمت و منازعت کو ترک کرنے کے لیے قسم نہیں کھاتا) اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اپنے آپ کو نقصان سے بچانے کے لیے ضرور قسم کھا لیتا۔ ثانیاً منکر پر قسم کھانا واجب ہے اس لیے ضروری ہے کہ وہ قسم کھائے اور بذل کو اختیار نہ کرے اور اپنا حق نہ چھوڑ دے اور جب اس نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو مدعی کا صادق ہونا واضح ہو گیا اور امام شافعی علیہ الرحمۃ کا یہ کہنا کہ انکار کی صورت میں مدعی سے قسم لی جائے پھر مدعی کے حق میں فیصلہ کیا جائے۔ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے مدعی پر صرف گواہ پیش کرنے کو اور مدعا علیہ پر صرف قسم کھانے کو لازم کیا ہے اور مدعی پر (مدعیٰ علیہ کے قسم سے انکار پر) قسم لوٹانا حدیث کے مقرر کردہ قاعدہ کے خلاف ہے۔

مدعی پر گواہ اور مدعیٰ علیہ پر قسم کے لزوم کی حدیثیں اور اسکی حکمت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔

۱۔ قَالَ لَوْ یُعْطَی النَّاسُ بِدَعْوَاھُمْ لَادَّعٰی نَاسٌ دِمَاءَ رِجَالٍ وَّ اَمْوَالَھُمْ وَلٰکِنَ الْیَمِیْنُ عَلَی الْمُدَّعٰی عَلَیْهِ (مسلم حدیث ۴۳۵۴)	اگر لوگوں کے محض دعوے کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے اور لوگ دوسرے لوگوں کے مال اور جان کا دعوے کر ڈالیں گے لیکن مدعا علیہ پر قسم لازم ہے۔
۲۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَضٰی بِالْیَمِیْنِ عَلَی الْمُدَّعٰی عَلَیْهِ (مسلم ۴۳۵۵)	حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مدعا علیہ سے قسم لے کر فیصلہ کیا۔

۳۔ اسی مضمون کی حدیث امام بیہقی نے عن ابی ملیکہ عن ابن عباس روایت کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں۔

وَلٰکِنَ الْبَیِّنَةُ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَالْیَمِیْنُ عَلٰی مَنْ اَنْکَرَ (عینی ج ۱۳ ص ۲۴۸)	لیکن مدعی پر گواہ ہے اور منکر (مدعیٰ علیہ) پر قسم ہے۔

۴۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت موسیٰ اشعری کو یہ مکتوب ارسال کیا جس کے الفاظ یہ ہیں۔

اَلْبَیِّنَةُ عَلٰی مَنِ ادَّعٰی وَالْیَمِیْنُ عَلٰی مَنْ اَنْکَرَ (بیہقی)	جو دعوے کرے اس کے ذمہ گواہ لانا ہے اور جو منکر ہو اس پر قسم (تبیین الحقائق باب القسم، فتح المبین ص ۲۴۷)

ان احادیث میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے احکام شریعت کا ایک اہم قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ کسی شخص کی بات محض اس کے دعوے کی بنا پر نہیں مانی جائے گی بلکہ اس کے دعوے کے قبول ہونے کے لیے یہ لازم ہے کہ مدعی یا تو اپنے دعوے کے ثبوت میں گواہ پیش کرے یا پھر مدعیٰ علیہ مدعی کے دعوے کی تصدیق کر دے ـــــــ اس حدیث میں نبی علیہ السلام نے مدعی پر گواہ اور مدعا علیہ پر قسم کے لزوم کی حکمت بھی بیان فرما دی کہ اگر محض کسی کے دعوے کو (بغیر گواہوں اور ثبوتِ شرعی) کے مان لیا جائے تو پھر تو امن اٹھ جائیگا اور ہر شخص لوگوں کے جان و مال کے متعلق دعوی کر ڈالے گا۔ اس لیے

ضروری ہے کہ مدعی اپنے صدق پر گواہ پیش کرے اور مدعا علیہ چونکہ اس دعوے کا منکر ہوتا ہے اس پر قسم لازمی ہوگی۔ ان احادیث میں نبی علیہ السلام نے مطلقاً مدعیٰ علیہ پر قسم لازم فرمائی ہے جس سے جمہور فقہاء کے اس موقف کی بھی تائید ہوتی ہے کہ ہر وہ شخص جس کے خلاف دعویٰ کیا جائے اس پر صرف قسم لازم آتی ہے خواہ مدعی و مدعا علیہ کے درمیان پہلے سے کوئی میل جول ربط و واسطہ ہو یا نہ ہو۔ (نیل الاوطار ج ۸ ص ۳۰۵)

بعض وہ مقدمات جن میں احناف کے نزدیک منکر سے قسم لینا جائز نہیں

۱۔ علامہ بدر محمود عینی شارح بخاری فرماتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک مندرجہ ذیل صورتوں میں منکر سے قسم نہیں لی جائیگی۔

اوّل، نکاح۔ مثلاً ایک شخص یہ دعوےٰ کرے یہ عورت میرے نکاح میں ہے اور عورت انکار کرے یا اس کا عکس۔

دوم، رجعت۔ مثلاً طلاق کی عدت گزرنے کی صورت میں مرد یہ دعوےٰ کرے کہ اس نے عدت گزرنے سے پہلے رجوع کرلیا تھا اور عورت منکر ہو یا اس کا عکس۔

سوم، ایلا۔ مثلاً چار ماہ گزر جانے کے بعد مرد یہ دعوےٰ کرے کہ اس نے چار ماہ اندر صحبت کرلی تھی اور عورت منکر ہو یا اس کا عکس۔

چہارم، غلام ہونے کا دعویٰ۔ مثلاً کسی نامعلوم النسب کے متعلق کوئی یہ دعوےٰ کرے کہ یہ میرا غلام ہے اور وہ شخص منکر ہو یا اس کا عکس۔

پنجم، ام الولد۔ کوئی عورت اپنے مولیٰ پر دعویٰ کرے کہ وہ اس کی ام ولد ہے اور وہ شخص منکر ہو (یہاں عکس متصوّر نہیں ہے)

ششم، ولا۔ کسی مجہول النسب شخص کے متعلق کوئی دعویٰ کرے کہ اس نے اس کو آزاد کیا تھا۔ لہٰذا میں اس کا مولیٰ ہوں (اس آزاد شدہ کی ولد کا میں حقدار ہوں) یا اس کا عکس۔

ہفتم۔ کسی مجہول النسب شخص کے متعلق کوئی دعوےٰ کرے یہ اس کا بیٹا ہے یا اس کا والد ہے اور وہ شخص انکار کرے یا اس کا عکس۔

ہشتم، حدود۔ کوئی شخص دوسرے شخص پر ایسے جرم کا دعوےٰ کرے جو موجبِ حد ہے اور وہ منکر ہو یا اس کا عکس۔

نہم، لعان۔ مثلاً عورت اپنے شوہر پر یہ دعوےٰ کرے کہ اس نے اس پر زنا کی تہمت لگائی ہے

اور اس کا منکر ہو۔

واضح ہو کہ امام محمد و ابو یوسف کا مسلک یہ ہے کہ حدود اور لعان کے سوا، ان تمام صورتوں میں منکر سے قسم لی جائے گی۔ سیدنا امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے اور ہمارے اصحاب اس امر پر متفق ہیں کہ حدود میں منکر سے قسم نہیں لی جائیگی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ مدعا علیہ کا قسم سے انکار کرنا مدعی کے دعوے کا اقرار یا اس کا بدل ہے۔ لیکن یہ اقرار ایسا ہے جس میں شبہ ہے اور لعان بھی حکماً حد ہے اور حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ اس لیے حدود اور لعان میں منکر سے قسم نہیں لی جائے گی۔

سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ کا اس باب میں موقف یہ بیان کیا جاتا ہے کہ منکر سے قسم لینے کا فائدہ یہ ہے کہ قسم سے انکار کی وجہ سے مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے۔ لیکن یہاں مدعی کے حق میں فیصلہ نہیں ہو سکتا اس لیے منکر سے قسم بھی نہیں لی جائے گی۔ مثلاً عورت نکاح کے دعوے کی صورت میں قسم سے انکار کرے اور قطع منازعت کے لیے بذل کرے اور یہ کہے اگرچہ میرا اس سے نکاح نہیں ہوا مگر میں اپنی ذات کو مدعی کے حوالے کرتی ہوں یا نسب کے دعویٰ کی صورت میں مدعا علیہ یہ کہے کہ اگرچہ میں اس کا بیٹا نہیں ہوں مگر اس کے باوجود قطع منازعت کے لیے میں اپنا نسب مدعی کے لیے مباح کرتا ہوں یا غلام ہونے کے دعویٰ میں کہے کہ اگرچہ میں اس کا غلام نہیں ہوں مگر بطور بذل میں اپنی ذات کو اس کی غلامی میں دیتا ہوں۔ تو ان صورتوں میں بذل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ تو ہوتا ہے کہ کوئی شخص قطع منازعت کے لیے اپنے مال کو مدعی کے لیے مباح کر دے جیسے قرض کے مقدمہ میں مدعا علیہ بذل کرتے ہوئے قسم نہ کھائے تو مدعا علیہ پر قرض ادا کرنا لازم ہوگا لیکن یہ نہیں ہوتا کہ کوئی عورت قطع منازعت کے لیے بذل کرتے ہوئے کسی غیر شخص کے لیے اپنا نفس مباح کر دے اس بنا پر سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ان تمام صورتوں میں منکر سے قسم نہیں لی جائے گی۔

۲۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے یہ بھی لکھا ہے کہ قاضی امام فخر الدین المعروف قاضی خان نے یہ تصریح کی ہے کہ فتویٰ اس پر ہے کہ اشیاء ستہ میں منکر سے قسم لی جائے گی (عینی جلد ۱۳ ص ۲۴۳ واللہ اعلم)

وَقَالَ قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ شُبْرُمَةَ كَلَّمَنِي أَبُو الزِّنَادِ فِي شَهَادَةِ الشَّاهِدِ وَيَمِينِ الْمُدَّعِي فَقُلْتُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَإِنْ لَّمْ يَكُونَا	قتیبہ نے بیان کیا۔ ان سے سفیان نے۔ ان سے شبرمہ نے کہ قاضی ابوالزناد نے مجھ سے مدعی کی قسم کے ساتھ ایک گواہ کی گواہی پر فیصلہ کرنے کے متعلق بات کی تو میں نے کہا قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور گواہ کر لو اپنے مردوں میں سے پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد

رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى قُلْتُ اِذَا كَانَ يُكْتَفٰى بِشَهَادَةِ شَاهِدٍ وَّيَمِيْنِ الْمُدَّعِيْ فَمَا تَحْتَاجُ اَنْ تُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى مَا كَانَ يَصْنَعُ بِذِكْرِ هٰذِهِ الْاُخْرٰى

(بخاری)

عورتیں ایسے گواہ جن کو تم پسند کرو کہ کہیں ان میں سے ایک عورت بھول لے تو اس ایک کو دوسری یاد دلادے ——— ابن شبرمہ نے کہا (اگر مدعی کی قسم کے ساتھ ایک گواہ کی گواہی فیصلہ کے لیے کافی ہوتی) تو پھر ایک عورت کا دوسری عورت کو یاد دلانے کی کیا ضرورت۔ دوسری عورت کے یاد دلانے کے متعلق کیا کہا جائیگا (یعنی ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کو جس حکمت کی بناء پر رکھا گیا ہے یہ اس حکمت کے حکمت کے خلاف ہو گا۔

ابوالزّناد مدینہ طیبہ کے قاضی تھے۔ ان کا نام عبداللہ بن زکوان ہے۔ ان کا مذہب یہ ہے کہ اگر مدعی دو گواہ نہ پیش کر سکے ایک گواہ ہو۔ تو مدعی سے قسم لے کر فیصلہ کیا جائے کیونکہ حضور علیہ السلام نے مدعی کے ایک گواہ اور اس کی قسم پر فیصلہ فرمایا ہے ——— اور حضرت ابن شبرمہ (جن کا نام عبداللہ بن شبرمہ ہے (یہ کوفہ کے قاضی تھے) کا مذہب یہ ہے کہ مدعی دو گواہ پیش کرے ورنہ مدعی علیہ سے قسم لے کر فیصلہ انکے حق میں کر دیا جائیگا۔ مدعی کا ایک گواہ اور اس کی قسم فیصلہ کے لیے کافی نہ ہوگی ——— کیونکہ اگر ایک گواہ اور قسم فیصلہ کے لیے کافی ہو تو قسم دو عورتوں کے قائم مقام قرار پائے گی۔ ایسی صورت میں قرآن میں جو تذکیر کا ذکر ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں رہے گا۔

مدعی کے ایک گواہ اور اس کی قسم پر فیصلہ کرنیکی روایات کا جواب

واضح ہو کہ حضرت ابن شبرمہ علیہ الرحمۃ کا جو مذہب ہے وہی ابن ابی لیلیٰ، عطاء، نخعی، شعبی، اوزاعی، علماء کوفہ و اندلس من اصحاب مالک کا ہے اور سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ جائز نہیں ہے ان حضرات کی دلیل ایک تو قرآن مجید کی آیت ہے دوسرے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی قولی احادیث ہیں جو درجہ شہرت و تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ علامہ ابوبکر جصاص علیہ الرحمہ نے احکام القرآن میں اور علامہ بدر محمود عینی علیہ الرحمہ نے عینی میں بہت تفصیل سے مدعی کی قسم اور گواہ پر فیصلہ کرنے کی روایات کے متعدد جواب دیئے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

۱۔ قرآن مجید کی آیت (بقرہ ۲۸۲) میں لین دین کے معاملات میں دو مرد گواہ ہونے ضروری قرار دیئے ہیں۔ اگر صرف عورتیں گواہ ہوں خواہ وہ کسی بھی تعداد میں ہوں تو ان کی گواہی مقبول نہ ہوگی۔ دوم، دو مرد گواہ نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتوں کا گواہ ہونا ضروری ہے۔ یہ دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہوں گی اور

یہ دو عورتیں مستقل طور پر گواہ قرار پائیں گی۔ لہٰذا جب مقدمہ عدالت میں جائیگا تو اگر دو مرد گواہ ہوں تو وہ پیش ہوں گے اور دو مرد گواہ نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں گواہ پیش ہوں اور عدالت مدعی کے حق میں فیصلہ کر دے گی۔

مِمَّنْ تَرْضَوْنَ سے گواہوں کی صفت بیان فرمادی۔ یعنی وہ تمہارے پسندیدہ عادل نیک گواہ ہوں تو آیت میں ایک تو عدد کا بیان ہے اور دوسرے صفت کا یعنی وہ تمہارے پسندیدہ عادل نیک گواہ ہوں اور ظاہر ہے کہ ایک گواہ اور قسم والی روایت قرآنِ مجید کی نص کے خلاف ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ جب قرآن کی نص اور حدیث میں تعارض دکھائی دے تو مطابقت کی کوشش کریں گے اور مطابقت نہ ہو سکے تو پھر قرآن کی نص پر عمل کریں گے۔ ظاہر ہے کہ ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کرنا قرآن کی نص پر زیادتی ہے اور نصِ قرآنی پر زیادتی حکم نص کو منسوخ کرنا ہے اور خبرِ واحد سے قرآن کے حکم کو منسوخ کرنا جائز نہیں ہے ۲۔ ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ مدعی پر قسم والی حدیث منسوخ ہے کیونکہ اشعث بن قیس دس ہجری کو بحضورِ نبوی حاضر ہوئے تھے اور انہیں حضور نے فرمایا تھا شَاهِدَاكَ اَوْ يَمِينُهُ۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ مدعی پر قسم والی حدیث منسوخ ہے نیز مشہور حدیث اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ اَنْكَرَ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جنسِ گواہ کا مدعی میں اور جنسِ قسم کا مدعیٰ علیہ میں حصر فرمادیا ہے۔ یہ حصر ختم ہو جائیگا تو محض خبرِ واحد اور وہ بھی فعلی سے اس حصر کو ختم کرنا کیونکر جائز ہوگا۔ ۳۔ نیز ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنے کی جس قدر روایات مروی ہیں وہ سب کی سب فعلی ہیں۔ مجھے ایک بھی ایسی حدیث نہیں ملی جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنے کا قول فرمایا ہو۔ اور یہ بھی ضابطہ ہے کہ جب قول اور فعلی حدیث میں تعارض ہو تو قول کو ترجیح دی جاتی ہے۔ ۴۔ علامہ بدر محمود عینی شارح بخاری نے عینی ج ۱۳ ص ۲۴۲/۲۴۸ پر ایک گواہ اور مدعی کی قسم والی تمام روایات کو ذکر کر کے ہر روایت پر جرح و تنقید کی وجہ بیان فرمائی ہے اور ان روایات کے راویوں کو معلول، مرسل، مجہول، غیر ثقہ، منکر، راوی متہم بالکذب اور ضعیف قرار دیا ہے ______ حتیٰ کہ ائمہ ثلاثہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی جس روایت سے استدلال کیا ہے وہ روایت منقطع ہے۔ امام ترمذی نے علل کبیر میں فرمایا کہ میں نے اس روایت کے متعلق امام بخاری علیہ الرحمہ سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ اس روایت کے ایک راوی عمرو بن دینار ہیں اور ان کا حضرت ابنِ عباس سے سماع ثابت نہیں ۵۔ علاوہ ازیں جن راویوں نے ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کا ذکر کیا ہے انہیں راویوں سے اس کا انکار بھی ثابت ہے۔ تفصیل کے لیے عینی اور احکام القرآن جصاص کا مطالعہ فرمائیں۔ ۶۔ ایک گواہ اور قسم والی روایت کے الفاظ یہ ہیں :-

عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى بِيَمِيْنٍ وَشَاهِدٍ

عمرو بن دینار سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور ایک قسم پر فیصلہ فرمایا۔ (مسلم شریف)

روایت کے متن میں مدعی کا لفظ نہیں ہے۔ اس لیے اس کا یہ مطلب کیوں لیا جائے کہ نبی علیہ السلام نے مدعی کے ایک گواہ اور اس کی قسم پر فیصلہ فرمایا؟ نیز روایت میں ایک وقت کا ذکر بھی نہیں ہے اس لیے بشرطِ صحت اگر اس کی یہ تاویل کی جائے کہ مطلب روایت یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے جنسِ گواہ اور جنسِ قسم پر فیصلہ فرمایا یعنی مدعی کے گواہ اور مدعیٰ علیہ کی قسم پر فیصلہ فرمایا۔ یہ تاویل کی جائے تو روایت ابن عباس قرآن کے معارض اور مشہور حدیث کہ (مدعی پر گواہ اور مدعیٰ علیہ) پر قسم کے معارض نہ ہوگی بلکہ موافق ہو جائے گی۔ بعض اہلِ علم نے مدعی پر گواہ اور مدعیٰ علیہ (پر قسم کھانا لازم ہے) پر قسم کی یہ حکمت بیان کی ہے کہ مدعی کا موقف ضعیف ہے کیونکہ ظاہر حال اس کے خلاف ہے مدعی ظاہر کے خلاف دعویٰ کرتا ہے لہذا اس کے دعویٰ کو قوت دو گواہوں سے حاصل ہوگی جو کہ حجۃ قویہ ہے۔ اس لیے مدعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ دو گواہ پیش کرے ——— اور جانبِ مدعیٰ علیہ قوی ہے کیونکہ ظاہر حال اس کی تائید کرتا ہے۔ کیونکہ مدعی نے جس چیز کا دعوےٰ کیا ہے وہ مدعا علیہ کے قبضہ میں ہے اور چیز اسی کی قرار پاتی ہے جس کے قبضہ میں ہو۔ اس لیے مدعی کے لیے قسم کھانا (جو کہ حجۃ ضعیفہ ہے) کافی نہیں ہے (نیل الاوطار ج ۸ ص ۳۰۵) چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے بھی اس حکمت کی تائید ہوتی ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے اگر محض لوگوں کے دعویٰ کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے تو لوگ دوسرے لوگوں کی جان و مال کا دعوےٰ کر بیٹھیں گے لیکن مدعیٰ علیہ پر یمین (قسم) لازم ہے (مسلم) اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ مدعی کی قسم اس کا دعوےٰ ہے اور حضور نے فرمایا محض کسی کے دعوےٰ کی بنا پر اس کا حق نہیں دیا جا سکتا یا مدعی کی قسم صرف اس کا قول ہے اور محض کسی کے قول کی بنا پر اس کے حق میں فیصلہ نہیں کیا جا سکتا ——— نیز صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص حضر موت اور ایک شخص قبیلہ کندہ سے دونوں حاضرِ دربار ہوئے۔ حضر موت والے نے عرض کی یا رسول اللہ اس نے میری زمین زبردستی لے لی ہے۔ کندی نے کہا وہ زمین میری ہے اور میرے قبضہ میں ہے۔ حضور نے فرمایا تمہارے پاس گواہ ہیں عرض کی نہیں۔ فرمایا تو اب تم کندی سے حلف لے سکتے ہو۔ عرض کی یا رسول اللہ یہ شخص فاجر ہے یہ تو قسم کی بھی پرواہ نہیں کرے گا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ اس کے سوا کوئی دوسری بات نہیں ہے۔ اسی مضمون کی حدیث بخاری میں ہے ملاحظہ کیجئے حدیث نمبر ۲۲۰۳/۲۴۹۰ اس حدیث میں حضور نے مدعی سے

یہ فرمایا کہ وہ بہرحال دو گواہ پیش کرے۔ ورنہ اس کا دعوے ثابت نہ ہوگا۔ اس کے سوا کوئی اور صورت نہیں ہے تو اگر ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ جائز ہوتا تو حضور ایسا نہ فرماتے۔

۲۴۹۱-عَنِ ابْنِ اَبِیْ مُلَیْکَۃَ قَالَ کَتَبَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَضٰی بِالْیَمِیْنِ عَلَی الْمُدَّعٰی عَلَیْہِ

ابن ابی ملیکہ نے بیان کیا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے ان کو لکھا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مدعیٰ علیہ کے حق میں اس کے قسم کھانے پر فیصلہ کیا۔ (بخاری)

اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ مدعی پر صرف گواہ پیش کرنا ہے۔ اگر وہ گواہ پیش نہ کر سکے تو مدعیٰ علیہ سے کہا جائیگا کہ وہ قسم کھائے جو کہ احناف کا مذہب ہے۔ سیدنا امام بخاری علیہ الرحمہ بھی احناف کے مذہب کے مؤید ہیں۔

۲۴۹۲-سیدنا امام بخاری علیہ الرحمہ نے یہاں حضرت اشعث بن قیس کے واقعہ والی حدیث کو مکرر ذکر کیا ہے دیکھئے حدیث نمبر ۲۲۰۳ و ۲۴۹۰ جس میں یہ جملے بھی ہیں شَاهِدَاكَ اَوْ يَمِيْنُهٗ الخ سے واضح ہوا کہ مدعی پر قسم نہیں آتی وہ تو اپنے دعوے کے ثبوت میں دو گواہ پیش کرے اور اگر گواہ پیش نہ کر سکے تو مدعا علیہ قسم کھائے ــــــ حضرت اشعث نے بحضور نبوی عرض کیا تھا کہ حضور مدعا علیہ تو قسم کھا کر میرا مال ہڑپ کرلے گا۔ اس پر نبی علیہ السلام نے حضرت اشعث کو جو مدعی تھے سے فرمایا کہ ضابطہ شرعی یہ ہے کہ تو گواہ پیش کر اگر تیرے پاس گواہ نہیں ہیں تو مدعیٰ علیہ کی قسم پر فیصلہ ہوگا ــــ اب اگر مدعا علیہ جھوٹی قسم کھا کر ناحق تیرا مال لے لیتا ہے تو وہ سخت وشدید گناہ کا مرتکب ہوگا۔ قیامت کے دن اس کے لیے عذاب الیم ہوگا۔ مگر ضابطہ شرعی کے مطابق فیصلہ قاضی اس کے حق میں کریگا جس نے قسم کھائی ہے اگرچہ واقع میں اس نے جھوٹی قسم کھائی ہو کیونکہ قاضی ظاہر پر فیصلہ کرنے کا مکلف ہے باطن پر نہیں۔

باب اذا ادعى اوقذف فله

باب جب کوئی شخص دعویٰ کرے یا کسی پر تہمت لگائے

اَنْ يَّلْتَمِسَ الْبَيِّنَةَ وَيَنْطَلِقَ لِطَلَبِ الْبَيِّنَةِ

تو وہ گواہ تلاش کرے اور گواہوں کی تلاش میں سعی کرے

۲۴۹۳-عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ هِلَالَ ابْنَ اُمَيَّةَ قَذَفَ امْرَاَتَهٗ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَرِيْكِ بْنِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہلال بن اُمیہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ ملوث

سَحْمَاءَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيِّنَةَ أَوْحَدٌّ فِي ظَهْرِكَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِذَا رَأَى أَحَدُنَا عَلَى امْرَأَتِهِ رَجُلًا يَنْطَلِقُ يَلْتَمِسُ الْبَيِّنَةَ فَجَعَلَ يَقُولُ الْبَيِّنَةَ وَإِلَّا حَدٌّ فِي ظَهْرِكَ فَذَكَرَ حَدِيثَ اللِّعَانِ

(بخاری)

ہونے کی تہمت لگائی تو آنحضور نے فرمایا کہ اس پر گواہ لاؤ، ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد لگائی جائے گی۔ انہوں نے کہا یارسول اللہ! کیا ہم میں سے کوئی شخص اگر اپنی عورت پر کسی دوسرے کو دیکھے گا تو گواہ ڈھونڈنے دوڑے گا! لیکن آنحضور برابر یہی فرماتے رہے کہ گواہ لاؤ، ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد لگائی جائے گی۔ پھر لعان کی حدیث کا ذکر کیا

۱۔ اس حدیث کو امام نے تفسیر اور طلاق میں و ترمذی نے تفسیر اور طلاق میں اور ابوداؤد نے طلاق میں ذکر کیا ہے۔

فوائد و مسائل

۲۔ عنوان میں دو باتوں کا ذکر ہے اول اذا ادعی یعنی جب کوئی شخص کسی پر کسی شئے کا دعوےٰ کرے دوم اَوْ قَذَفَ یعنی مرد مرد پر زنا کی تہمت لگائے یا شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے۔ فَلَهُ تو مدعی اور قاذف بینہ گواہ تلاش کرے۔ یہاں فَلَهُ کی ضمیر ایسے ہی ہے جیسے آیت اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ میں ہے۔ ۲۔ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زیرِ عنوان حدیث خاص ہے یعنی شوہر کا بیوی پر زنا کی تہمت لگانا اور عنوان عام ہے کہ خواہ شوہر بیوی پر تہمت لگائے یا کوئی اجنبی کسی عورت پر تہمت لگائے ـــــ تو امرِ واقعہ یہ ہے کہ امام بخاری علیہ الرحمہ نے جو عنوان قائم کیا ہے وہ عام ہے اور زیرِ عنوان حدیث خاص ہے۔

لعان اور اس کے ضروری مسائل

واضح ہو کہ سورۂ نور کی آیت ۵ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمٰنِينَ جَلْدَةً الخ میں حدِ قذف کے احکام بیان ہوئے ہیں یعنی ہر قاذف تہمت لگانے والے کی جبکہ وہ چار عینی گواہ پیش نہ کر سکے۔ سزا یہ ہے کہ انہیں اسّی دُرّے لگائے جائیں اور ہمیشہ کے لیے ان کی گواہی قبول نہ کی جائے۔ یہ سزا مطلقاً ہر قاذف کے لیے ہے (یعنی خواہ خاوند بیوی پر یا کوئی اجنبی شخص کسی عورت پر خواہ کوئی مرد مرد پر یا عورت عورت پر زنا کی تہمت لگائے۔ سب کے لیے حکم یہی ہے ـــــ آیات حدِ قذف کو نازل ہوئے ابھی تھوڑا وقت گزرا تھا کہ حضرت ہلال بن اُمیہؓ کو یہ واقعہ پیش آگیا کہ وہ عشار کے وقت اپنی زمین سے واپس ہوئے تو اپنی بیوی کے ساتھ ایک مرد کو بچشم خود دیکھا اور ان کی باتیں اپنے کانوں سے سنیں مگر کوئی اقدام نہ کیا یہاں تک کہ صبح ہو گئی تو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت یہ واقعہ عرض کیا (جس کا ذکر زیرِ عنوان حدیث میں بھی ہے) ادھر انصار کہنے لگے کہ اب قانونِ شرعی کے مطابق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہلال بن امیہ کو اسّی کوڑے حدِّ قذف کے لگائیں گے اور لوگوں میں ان کو ہمیشہ کے لیے مردود الشہادت قرار دیدیں گے مگر ہلال بن اُمیہ نے کہا کہ خدا کی قسم مجھے پوری اُمید ہے کہ اللہ تعالےٰ مجھے اس مصیبت سے نجات عطا فرمائیں گے اور صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہلال کا معاملہ سُن کر قرآنی حکم کے مطابق ہلال سے فرما بھی دیا کہ یا تو اپنے اس دعوے پر بینہ (چار گواہ) لاؤ ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد قذف جاری ہوگی ہلال ابن امیہ نے عرض کیا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اپنے کلام میں سچا ہوں اور ضرور اللہ تعالےٰ کوئی ایسا حکم نازل فرمادے گا جو میری پیٹھ کو حدِ قذف سے بری کر دے گا۔ یہ گفتگو جاری ہی تھی کہ جبرئیل امین وہ آیات جن میں لعان کا قانون ہے لے کر نازل ہوئے

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۶﴾ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۷﴾ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۸﴾ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۹﴾

اور وہ جو اپنی عورتوں کو عیب لگائیں اور اُن کے پاس اپنے بیان کے سوا گواہ نہ ہوں تو ایسے کسی کی گواہی یہ ہے کہ چار بار گواہی دے اللہ کے نام سے کہ وہ سچا ہے اور پانچویں یہ کہ اللہ کی لعنت ہو اس پر اگر جھوٹا ہو اور عورت سے یوں سزا ٹل جائے گی کہ وہ اللہ کا نام لے کر چار بار گواہی دے کہ مرد جھوٹا ہے فا اور پانچویں یوں کہ عورت پر غضب اللہ کا اگر مرد سچا ہو

ابو یعلی کی روایت ہے کہ جب آیاتِ لعان نازل ہوئیں تو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے ہلال ابن امیہ کو بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری مشکل کا حل نازل فرما دیا ہے۔ ہلال نے عرض کی مجھے بارگاہِ الٰہی سے اسی کی اُمید تھی ـــــــ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال بن اُمیہ کی بیوی کو طلب فرمایا اور دونوں میاں بیوی کے سامنے معاملہ کے متعلق دریافت فرمایا۔ ہلال کی بیوی نے کہا میرا شوہر مجھ پر جھوٹ الزام لگاتا ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ یہ تو خدا ہی جانتا ہے کہ تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے کیا تم میں کوئی ہے جو (عذابِ الٰہی سے ڈر کر) توبہ کرے اور سچ کہہ دے اس پر ہلال نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ میں نے سچ کہا ہے اور جو کچھ کہا ہے حق کہا ہے تب حضور اقدس صلی اللہ

علیہ وسلم نے ہلال بن امیہ کی طلب فرمایا اور دونوں میاں بیوی کے سامنے معاملہ کے متعلق دریافت فرمایا۔ ہلال کی بیوی نے کہا کہ میرا شوہر مجھ پر جھوٹ الزام لگاتا ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا یہ تو خدا ہی جانتا ہے کہ تم میں سے کوئی ہے جو (عذابِ الٰہی سے ڈر کر) توبہ کرے اور سچ کہہ دے اس پر ہلال نے عرض کیا یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان میں نے سچ کہا ہے اور جو کچھ کہا ہے حق کہا ہے تب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں میاں بیوی سے ان لفظوں سے قسمیں دلائیں جو قرآنِ مجید کی مذکورہ بالا آیات میں مذکور ہیں۔ لعان کے عمل کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں میاں بیوی میں تفریق فرما دی اور فرمایا المتلاعنان لا یجتمعان ابداً اور یہ بھی فرمایا وَقَضٰی بِاَنْ لَا تُرْمٰی وَلَا وَلَدُھَا۔ یہ بھی حکم دیا کہ عورت کو زانیہ اور اس کے بچہ کو ولد الزنا کہنا بھی جائز نہیں ہے۔

شرائطِ لعان لِعان اور ملاعنت کے معنے ایک دوسرے پر لعنت اور غضبِ الٰہی کی بددعا کرنے کے ہیں۔ اصطلاحِ شرع میں میاں اور بیوی دونوں کو چند خاص قسمیں دینے کو لعان کہتے ہیں۔ اس کے لیے چند شرطیں ہیں ۱۔ نکاح صحیح ہو۔ اگر اس عورت سے اس کا نکاح فاسد ہوا ہے اور تہمت لگائی تو لعان نہیں ۲۔ زوجیت قائم ہو خواہ دخول ہوا ہو یا نہیں لہٰذا اگر تہمت لگانے کے بعد طلاقِ بائن دی تو لعان نہیں ہو سکتا اگرچہ طلاق دینے کے بعد پھر نکاح کر لیا۔ یونہی اگر طلاق بائن دینے کے بعد تہمت لگائی یا زوجہ کے مرجانے کے بعد تو لعان نہیں اور اگر تہمت لگانے کے بعد رجعی طلاق دی یا رجعی طلاق کے بعد تہمت لگائی تو لعان ساقط نہیں ۳۔ دونوں آزاد ہوں ۴۔ دونوں عاقل ہوں ۵۔ دونوں بالغ ہوں ۶۔ دونوں مسلمان ہوں ۷۔ دونوں ناطق ہوں یعنی ان میں کوئی گونگا نہ ہو ۸۔ ان پر

---

[1] واضح ہو کہ جو واقعہ ہلال بن امیہ کو پیش آیا ایسا ہی واقعہ عویمر عجلان کو بھی پیش آیا۔ جن کا نکاح عاصم بن عدی کی چچازاد بہن خولہ سے ہوا تھا۔ عویمر عجلان نے دیکھا کہ ان کی بیوی خولہ، شریک بن سحما کے ساتھ مبتلا ہے۔ شریک بن سحما بھی عاصم کا چچازاد بھائی تھا۔

اب یہ سوال کہ آیاتِ لعان کس کے بارے میں نازل ہوئیں تو حضرت حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ نے فتح الباری میں اور علامہ نووی شارح مسلم نے یہ تطبیق بیان کی ہے کہ آیاتِ لعان تو ہلال بن امیہ کے متعلق نازل ہوئی تھیں لیکن عویمر عجلان کو بھی جب یہی واقعہ پیش آیا تو حضور نے ان کے حق میں بھی یہی فیصلہ فرمایا اور اس پر قرینہ یہ ہے۔ ہلال بن امیہ کے معاملہ میں فنزل جبریل کے الفاظ آئے اور عویمر عجلان کے واقعہ میں الفاظ یہ ہیں قد انزل اللہ فیک (مظہری و دیگر تفاسیر)۔

کسی پر حدِ قذف نہ لگائی گئی ہو ۹۔ مرد نے اپنے اس قول پر گواہ نہ پیش کیے ہوں ۱۰۔ عورت زنا سے انکار کرتی ہو اور اپنے کو پارسا کہتی ہو۔ اصطلاحِ شرع میں پارسا اُس کو کہتے ہیں جس کے ساتھ وطی حرام نہ ہوتی ہو نہ وہ اس کے ساتھ متہم ہو۔ محصنات کے معنیٰ تہمتِ زنا میں یہ ہیں کہ وہ عاقل، بالغ، آزاد مسلمان عفیف ہو یعنی پہلے کبھی اس پر زنا کا ثبوت نہ ہوا ہو ۱۱۔ عورت قاضی کے حضور مطالبہ کرے ۱۲۔ شوہر زنا کی تہمت لگانے کا اقرار کرے ——— واضح ہو کہ لِعان معاف نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ عورت ایک عرصہ کے بعد مطالبہ کرے تو بھی لِعان کرایا جائیگا۔ اگرچہ عورت نے کچھ لے کر صلح کر لی ہو تو بھی مطالبہ کرنے کا عورت کو حق ہے جو لیا ہے خاوند کو واپس کر دے (عالمگیری وغیرہ)

لِعان کے ضروری مسائل

۱۔ لعان صرف میاں بیوی کے درمیان ہو سکتا ہے ۲۔ یہ بھی ضروری ہے کہ میاں بیوی پر خالص زنا کی تہمت لگا کے تو لِعان ہوگا ورنہ نہیں ۳۔ جب شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے یا یہ کہے کہ یہ بچہ جو میری بیوی کے پیدا ہوا ہے میرے نطفہ سے نہیں ہے۔ بیوی جس پر تہمت لگائی گئی ہو شوہر کو جھوٹا قرار دے اور یہ مطالبہ کرے کہ مجھ پر جھوٹی تہمت لگائی گئی ہے اس لیے شوہر پر تہمتِ زنا کی سزا اسی کوڑے جاری کی جاوے تو اس وقت شوہر سے مطالبہ کیا جائے گا کہ الزامِ زنا پر چار گواہ پیش کرے۔ اگر اس نے گواہ پیش کر دیئے تو عورت پر حدِّ زنا لگائی جا ئے گی اور اگر شوہر چار گواہ نہ لا سکے تو پھر میاں بیوی کے درمیان لِعان کرایا جائے گا۔ یعنی اوّل مرد سے کہا جائیگا کہ وہ چار مرتبہ ان الفاظ سے جو قرآن میں مذکور ہیں یہ شہادت دے کہ میں سچا ہوں اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔ اگر شوہر ان الفاظ کے کہنے سے رُکے تو اس کو قید کر دیا جائیگا کہ یا تو اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کر دیا مذکورہ الفاظ کے ساتھ پانچ مرتبہ یہ قسم کھاؤ اور جب تک وہ ان دونوں میں سے کوئی کام نہ کرے اس کو قید رکھا جائیگا ——— اگر شوہر نے اپنے جھوٹے ہونیکا اقرار کر لیا تو اس پر حدِّ قذف یعنی تہمتِ زنا کی شرعی سزا جاری ہوگی اور اگر الفاظِ مذکورہ کے ساتھ پانچ مرتبہ قسمیں کھالیں تو اس کے بعد عورت سے اُن الفاظ میں پانچ قسمیں لی جاویں گی جو قرآن میں عورت کے لیے مذکور ہیں۔ اگر وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو اس کو اس وقت تک قید رکھا جائے گا جب تک کہ وہ یا تو شوہر کی تصدیق کرے اور اپنے جُرمِ زنا کا اقرار کرے اس پہ زنا کی حد جاری کر دی جائے گی اور اگر عورت قرآن میں مذکور الفاظ سے قسمیں کھانے پر راضی ہو جائے اور پانچ قسمیں کھالے تو لِعان مکمل ہو گیا ۴۔ جب دونوں میاں بیوی میں لِعان کا معاملہ ہو گیا تو دنیا کی سزا یعنی حدِ قذف اور حدِ زنا سے دونوں بچ جائیں گے اور آخرت کا معاملہ اللہ تعالےٰ کو معلوم ہے کہ کون جھوٹا ہے۔ ۵۔ لعان کے بعد میاں بیوی ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتے ہیں۔ اب دونوں کی

نکاح نہیں ہوسکتا۔ شوہر کو چاہیئے کہ طلاق دیدے۔ اگر شوہر طلاق نہ دے تو حاکم و قاضی دونوں میں تفریق کردے گا اور یہ تفریق طلاقِ بائنہ قرار پائے گی ۶۔ لعان کے بعد عورت کو زانیہ اور اس کے بچہ کو والدالزنا کہنا جائز نہیں ۷۔ لعان کے بعد اگر کوئی عورت کو زانیہ کہے یا اس کے بچہ کو حرامی کہے تو ایسا کہنے والے پر حد جاری ہوگی۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ مَنْ رَمَاهَا او رمی وَلَدَهَا فعليهِ الحد (عینی جلد ۱۳ صفحہ ۲۵۰)
۸۔ لعان خاوند کے حق میں قذف کے قائم مقام ہے اسی لیے یہ شرط ہے کہ عورت ایسی ہو کہ جس پر تہمت لگانے والے پر حد لگائی جاتی ہو یعنی مرد نے اپنی عورت کو زنا کی تہمت لگائی۔ اس طرح کہ اگر اجنبیہ عورت کو لگاتا تو حدِ قذف (تہمتِ زنا کی حد) اس پر لگائی جاتی۔ مطلب یہ کہ عورت عاقلہ، بالغہ، حرہ، مسلمہ، عفیفہ ہو تو لعان کیا جائیگا ورنہ نہیں ۹۔ لعان صرف اس صورت میں ہوگا جب کہ شوہر نے زنا کی تہمت لگائی ہو یا اس کی بیوی کے جو بچہ پیدا ہوا ہے اس کا اپنے نطفہ سے ہونیکا انکار کردیا ہو ۱۰۔ اگر متعدد بار تہمتِ زنا لگائے گا تو لعان صرف ایک بار ہوگا۔ متعدد بار نہیں۔ جیسے اگر متعدد بار زنا کا ثبوت مہیا ہو جائے تو زانی پر حد ایک بار ہی لگے گی متعدد بار نہیں ——— غرضکہ لعان کے لیے میاں بیوی کا اہلِ شہادت سے ہونا ضروری ہے۔
۱۰۔ لعان کے بعد چونکہ میاں بیوی میں تفریق بغیر طلاق اور بغیر شوہر کی وفات سے ہوتی ہے۔ اس لیے بیوی ایامِ عدت کا نفقہ وغیرہ خاوند سے نہیں لے سکتی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فیصلہ میں یہ بھی فرمایا۔
وَلَا قوت من اجل انهما يتفرقان مِن غير طلاق ولا متوفیٰ عَنها (عینی ج ۱۳ ص ۲۵۱)
۱۱۔ اگر حائضہ ہے تو تین حیض عدت گزر جانے کے بعد اور اگر حاملہ ہے تو وضع حمل کے بعد جس شخص سے چاہے نکاح کرسکتی ہے۔ البتہ سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ کا مسلک یہ ہے کہ اگرچہ لعان کے بعد اب دونوں ایک دوسرے کے لیے ہمیشہ کے لیے حرام ہوجاتے ہیں۔ اور عورت دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے مگر اس صورت میں جب کہ خاوند طلاق بھی دیدے۔

فائدہ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ مسلمان مرد اور اس کی کافرہ بیوی کے درمیان لعان جائز ہے یا نہیں۔ تفصیل کے لیے عینی ج ۱۳ ص ۱۵۵ ملاحظہ فرمائیے ——— احناف کے نزدیک مسلمان اور اس کی کافرہ بیوی کے درمیان لعان نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ ابن ماجہ کی حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چار عورتوں سے لعان نہیں ہوسکتا۔ نصرانیہ جو مسلمان کی زوجہ ہو، یہودیہ جو مسلمان کی بیوی ہو۔ حرہ جو کسی غلام کے نکاح میں ہو اور لونڈی جو کسی مسلمان مرد کے نکاح میں ہو

لعان کی حکمت واضح ہو کہ سورہ نور کی آیت میں قانون یہ بیان ہوا ہے جو شخص کسی شخص پر زنا کی تہمت لگائے تو الزام لگانے والا چار عینی گواہ پیش کرے اگر گواہ پیش نہ کرسکے

تو تہمت لگانے والے کو قذف کی سزا اسی دُرّے لگائی جائے گی ——— لیکن میاں بیوی کے معاملہ میں اللہ تعالٰے نے عام قانون سے الگ اس کا ایک مستقل قانون بنا دیا۔ اس کی وجہ کیا ہے تو بات یہ ہے کہ حکمِ الٰہی کے سامنے صمیم قلب کے ساتھ گردن جھکا دینا ہی ایمان و ایقان کا تقاضہ ہے۔ اللہ تعالٰے حاکم مطلق ہے وہ جیسا چاہے قانون بنائے ہم اس کی فلاسفی اور حکمت تلاش کرنے والے کون ؟ تاہم انسان کو اللہ تعالٰے نے عقل و فہم سے نوازا ہے اسی بنا پر وہ احکامِ الٰہیہ کی حکمت تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ بندہ نے جو حکمت معلوم کی ہے وہی اللہ رب العزت جل مجدہ کے ہاں بھی صحیح ہو ——— بہرحال میاں بیوی کے لعان کی حکمت یہ ہو سکتی ہے کہ عام آدمی چار گواہ مہیا نہ ہونے کی وجہ سے زنا کا الزام لگانے سے خاموش ہو سکتا ہے تاکہ حدِ قذف سے محفوظ رہ سکے ——— لیکن خاوند کے لیے یہ معاملہ بہت سنگین، انتہائی کرب و پریشانی کا موجب اور عمر بھر کے لیے پریشانی کا باعث ہے۔ شوہر نے جب اپنی آنکھوں سے واضح طور پر دیکھ لیا کہ اس کی بیوی فلاں سے ملوّث ہوئی ہے اور گواہ موجود نہیں ہیں۔ اب اگر بیوی پر زنا کی تہمت لگاتا ہے تو تہمتِ زنا کی سزا پائے اور اگر خاموش رہتا ہے تو ساری عمر غم کے گھونٹ پیتا رہے اور اس کی زندگی وبالِ جان ہو جائے۔ اللہ تعالٰے نے اس کرب و پریشانی سے بچانے کے لیے میاں بیوی کے معاملہ کو عام قانون سے علیحدہ فرما دیا۔ واللہ اعلم

بَابُ الْيَمِيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ

باب عصر کے بعد قسم کھانے کی ممانعت

۲۴۹۴ - عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ لَّا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ رَجُلٌ عَلٰى فَضْلِ مَآءٍ بِطَرِيْقٍ يَمْنَعُ مِنْهُ ابْنَ السَّبِيْلِ وَرَجُلٌ بَايَعَ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین طرح کے لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالٰے ان سے بات بھی نہ کرے گا۔ نہ ان کی طرف نظرِ رحمت فرمائیگا اور نہ انھیں پاک کریگا بلکہ انھیں دردناک عذاب ہوگا، ایک وہ شخص جس کے پاس سفر کی حالت میں ضرورت سے زیادہ پانی ہو

ؐ یہی وجہ ہے کہ اس باب کی احادیث میں آپ نے پڑھا ہوگا۔ شوہر غیرت و حمیت کرب و پریشانی کے عالم میں حضور بہرت عرض کرتا ہے۔ "یارسول اللہ کوئی شخص اپنی عورت پر کسی مرد کو دیکھے تو وہ گواہ ڈھونڈنے جائے۔ حضور میں اس کا تمارا سے کام تمام نہ کر دوں ؟

رَجُلٌ لَا یُبَایِعُہٗ اِلَّا لِلدُّنْیَا فَاِنْ اَعْطَاہُ مَا یُرِیْدُ وَفٰی لَہٗ وَ اِلَّا لَمْ یَفِ لَہٗ وَ رَجُلٌ سَاوَمَ رَجُلًا بِسِلْعَۃٍ بَعْدَ الْعَصْرِ فَحَلَفَ بِاللّٰہِ لَقَدْ اُعْطِیَ بِہٖ کَذَا وَ کَذَا فَاَخَذَھَا (بخاری)

اور کسی مسافر کو (جو پانی کا ضرورت مند ہو) نہ دے وہ شخص جو کسی (خلیفۃ المسلمین) سے بیعت کرے اور صرف دنیا کے لیے بیعت کرے کہ جس سے اس نے بیعت کی اگر وہ اس کا مقصد پورا کر دے تو یہ بھی وفاداری سے کام لے، ورنہ اس کے ساتھ بیعت و عہد کے خلاف کرے وہ شخص جو کسی سے عصر کے بعد کسی سامان کا بھاؤ کرے اور اللہ کی قسم کھالے کہ اسے اس سامان کا اتنا اتنا مل رہا تھا۔ اور مشتری اس کی بات کو سچ سمجھ اس چیز کو خرید لے۔

فوائد و مسائل ۱۔ یہ حدیث مع تفہیم و ترجمانی کے باب اثم من منع ابن السبیل من الماءِ میں گزر چکی ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۲۲۰۴ (۲) جھوٹی قسم کھانا بہرحال حرام و ناجائز ہے مگر عصر کے بعد جھوٹی قسم کھانا اور بھی زیادہ گناہ کا موجب ہے۔ عصر کے وقت کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت رات اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں ــــــ علامہ بدر محمود عینی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں تخصیص کی یہ وجہ قرار دینا زیادہ بہتر ہے کہ اس وقت لوگوں کے اعمال آسمانوں پر اٹھائے جاتے ہیں کیونکہ یہ فرشتے تو فجر کی نماز کے بعد بھی حاضر ہوتے ہیں۔

بَابُ یَحْلِفُ الْمُدَّعٰی عَلَیْہِ حَیْثُمَا وَجَبَتْ عَلَیْہِ الْیَمِیْنُ

باب مدعیٰ علیہ پر جہاں قسم واجب ہوئی اسی جگہ اس سے قسم لی جائیگی

وَلَا یُصْرَفُ مِنْ مَّوْضِعٍ اِلٰی غَیْرِہٖ وَقَضٰی مَرْوَانُ بِالْیَمِیْنِ عَلٰی زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ عَلَی الْمِنْبَرِ فَقَالَ اَحْلِفُ مَکَانِیْ فَجَعَلَ زَیْدٌ یَّحْلِفُ وَ اَبٰی اَنْ یَّحْلِفَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَجَعَلَ مَرْوَانُ یَعْجَبُ مِنْہُ وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَاھِدَاکَ اَوْ یَمِیْنُہٗ فَلَمْ یَخُصَّ مَکَانًا دُوْنَ مَکَانٍ (بخاری)

اور اس جگہ سے کہیں دوسری جگہ اسے نہیں لیجایا جائیگا مروان بن حکم نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ایک مقدمے کا فیصلہ منبر پر بیٹھے ہوئے کیا اور (مدعا علیہ ہونے کی وجہ سے) ان سے کہا کہ قسم آپ میری جگہ آ کر کھائیے (یعنی منبر کے قریب) لیکن زید رضی اللہ عنہ اپنی ہی جگہ جہاں وہ کھڑے تھے قسم کھانے لگے اور منبر کے پاس جا کر قسم کھانے سے انکار کر دیا۔ مروان کو اس پر بہت تعجب ہوا اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ دو گواہ لاؤ ورنہ فریق ثانی کی قسم پر فیصلہ ہوگا۔ آپ نے کسی خاص جگہ پر قسم کھانے کی تخصیص نہیں فرمائی تھی۔ (بخاری)

مطلب عنوان یہ ہے کہ حسبِ قواعدِ شرعیہ مدعیٰ علیہ سے حاکم و قاضی کو قسم لینی پڑے تو جہاں عدالت ہے یا جس جگہ قاضی فیصلہ کر رہا ہے وہیں قسم لی جائیگی۔ مجلس قاضی کے علاوہ کسی خاص وقت جیسے عصر کے بعد، جمعہ کے دن یا کسی خاص مکان جیسے کعبہ، مسجدِ نبوی، منبرِ رسول، عام مساجد یا نماز کے بعد جب کہ مسلمانوں کا اجتماع ہو یا قبلہ کی طرف منہ کر کے یا قرآنِ مجید کے سامنے مدعیٰ علیہ سے قسم لینا واجب اور ضروری نہیں ہے اور نہ ان مقامات وغیرہ پر مدعیٰ علیہ کو قسم اٹھانے پر مجبور کیا جائیگا ــــــ مروان بن حکم جو حضرت امیر معاویہ کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا۔ اس نے حضرت زید بن ثابت کو حکم دیا تھا کہ آپ جس منبر پر میں بیٹھا ہوں اس کے قریب آ کر قسم اٹھائیے تو حضرت زید نے فرمایا کہ مجلسِ قاضی ہیں جہاں ہیں کھڑا ہوں وہیں قسم کھاتا ہوں منبر کے قریب آ کر قسم نہیں اٹھاؤنگا اس تعلیق کو امام مالک نے موطا میں روایت کیا ہے ــــــ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ، حنابلہ اور امام بخاری علیہم الرحمۃ کا بھی یہی مسلک ہے۔ دلیل یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے مدعا علیہ سے کسی خاص جگہ پر قسم لینے کی تخصیص نہیں فرمائی ہے یعنی قسم میں صداقت و حقانیت خاص مکان جیسے کعبہ، مسجدِ نبوی، منبرِ رسول وغیرہ یا کسی خاص وقت جیسے عصر کے بعد یا جمعہ کے دن سے پیدا نہیں ہوتی ــــــ جہاں عدالت ہے اور قانونِ شریعت کے مطابق مدعیٰ علیہ پر قسم واجب ہوئی ہے اس سے قسم اسی وقت اور وہیں لی جائیگی۔ قسم لینے کے لیے نہ کسی خاص وقت کا انتظار کیا جائے اور نہ کسی مقدس جگہ اسے لے جایا جائے۔ اس لیے کہ مکان و زمان کے تقدس سے قسم میں صداقت و حقانیت نہیں پیدا ہوئی۔ اگر کوئی شخص معاذ اللہ کعبہ میں مسجد نبوی میں قرآنِ مجید کے سامنے یا جمعہ کے دن جھوٹی قسم اٹھا لیتا ہے تو وہ قسم جھوٹی ہی رہے گی۔ البتہ یہ ضرور ہے مذکورہ بالا مقدس مقامات اور اوقات میں جھوٹی قسم کھانا گناہ کی شدت میں اضافہ کر دیتا ہے۔ جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ عصر کے بعد جھوٹی قسم والے سے نہ تو اللہ تعالےٰ قیامت کے دن بات کریگا۔ نہ انھیں دیدارِ الٰہی کی دولت حاصل ہوگی اور نہ ان کا تزکیہ فرمائیگا بلکہ عذابِ الیم میں مبتلا فرمائے گا کیونکہ اس نے ایک تو جھوٹی قسم کھائی جو بجائے خود گناہ ہے دوسرے نزولِ ملائکہ کے وقت جھوٹی قسم کھا کر اس وقت کے تقدس کو پامال کیا۔

۲۴۹۵۔ جھوٹی قسم کھانا سخت و شدید گناہ ہے

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالًا لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص قسم اس لیے کھاتا ہے کہ تاکہ اس کے ذریعے کسی کا مال (ناجائز طور

پر ا ہضم کر جائے تو وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ خداوند قدوس اس پر غضبناک ہوگا (بخاری)

فوائد و مسائل اس مضمون کی احادیث اوپر متعدد بار گزر چکیں۔ حدیث ہذا میں مال کو ناجائز طریقہ سے ہڑپ کرنے والے کے لیے وعید شدید آئی ہے۔ تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ صرف کسی کے مال کو ناجائز طریقہ سے حاصل کرنے کے لیے قسم کھانا سخت و شدید گناہ ہے بلکہ کسی بھی معاملہ میں جھوٹی قسم کھانا حرام و ناجائز گناہِ کبیرہ ہے ــــ مسلم شریف کی حدیث میں فرمایا۔ جو شخص جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان کے مال پر ناحق قبضہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام اور جہنم کو واجب کر دیتا ہے۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ اگرچہ وہ معمولی چیز ہو؟ فرمایا اگرچہ پیلو کے درخت کی ایک شاخ ہی کیوں نہ ہو (مسلم) غرضکہ مطلقاً جھوٹی قسم کھانا گناہِ کبیرہ ہے اور توبہ لازم اور جھوٹی قسم کھلال و جائز سمجھنا کفر ہے

بَابُ اِذَا تَسَارَعَ قَوْمٌ فِی الْیَمِیْنِ

باب جب ایک دوسرے سے پہلے قسم کھانے کی کوشش کریں

۲۴۹۶- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَرَضَ عَلٰى قَوْمٍ الْیَمِیْنَ فَاَسْرَعُوْا فَاَمَرَ اَنْ یُّسْهَمَ بَیْنَهُمْ فِی الْیَمِیْنِ اَیُّهُمْ یَحْلِفُ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند اشخاص سے قسم کھانے کے لیے کہا (ایک ایسے مقدمے کے سلسلے میں جس کے یہ لوگ مدعی تھے) قسم کے لیے سب ایک ساتھ آگے بڑھے تو آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ قسم کھانے کے لیے ان میں باہم قرعہ اندازی کی جائے کہ پہلے کون قسم کھائے (بخاری)

فوائد و مسائل مطلب حدیث یہ ہے کہ ایک چیز کے متعدد دعویدار ہیں اور ہر ایک، ایک دوسرے سے پہلے قسم کھا کر اس چیز کو حاصل کرنا چاہے تو ان میں قرعہ اندازی کی جائے۔ علامہ خطابی نے فرمایا ایک چیز متعدد افراد کے قبضہ میں ہو اور اسبابِ استحقاق میں سب برابر ہو اور ہر شخص اس پوری چیز کا مدعی ہو اور ان میں سے ہر شخص ایک دوسرے سے پہلے قسم کھا کر اس چیز کو حاصل کرنا چاہے تو ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے۔ جس کا نام نکل آئے وہ پہلے قسم اٹھائے اور اس چیز کا مستحق ہو جائے ــــ یہ حدیث مشکل ہے بہر حال یہ حکم اس وقت تھا جب کہ گواہ اور قسم سے فیصلہ کرنا مشروع نہ تھا۔ اب یہ حکم قرآن و حدیث کی تصریحات کی روشنی میں منسوخ ہے واللہ اعلم

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ

باب اللہ کا ارشاد وہ جو اللہ کے عہد

بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا

اور اپنی قسموں کے بدلے ذلیل دام لیتے ہیں۔

۲۴۹۷۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ اَوْفٰى يَقُوْلُ اَقَامَ رَجُلٌ سِلْعَتَهٗ فَحَلَفَ بِاللّٰهِ لَقَدْ اُعْطِيَ بِهَا مَا لَمْ يُعْطِهَا فَنَزَلَتْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَّقَالَ ابْنُ اَبِيْ اَوْفٰى النَّاجِشُ اٰكِلُ رِبًا خَائِنٌ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن اوفیٰ نے کہا کہ ایک شخص نے اپنا سامان دکھا کر (بیچنے کے لیے) اللہ کی قسم کھائی کہ اسے اس سامان کا اتنا مل رہا تھا، حالانکہ اسے اتنا نہیں مل رہا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ "جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے ذریعے ذلیل دام حاصل کرتے ہیں الخ" ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ گاہکوں کو پھانسنے کے لیے قیمت بڑھانے والا سُود خوار کی طرح خائن ہے۔

۲۴۹۸۔ عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ كَاذِبًا لِّيَقْتَطِعَ مَالَ رَجُلٍ اَوْ قَالَ اَخِيْهِ لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَصْدِيْقَ ذٰلِكَ فِي الْقُرْاٰنِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا الْاٰيَةَ فَلَقِيَنِي الْاَشْعَثُ فَقَالَ مَا حَدَّثَكُمْ عَبْدُ اللّٰهِ الْيَوْمَ قُلْتُ كَذَا وَكَذَا قَالَ فِيَّ اُنْزِلَتْ

حضرت ابووائل نے اور ان سے عبداللہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص جھوٹی قسم اس لیے کھاتا ہے کہ اس کے ذریعے کسی کا مال لے سکے یا (کسی کے مال کے بجائے) انھوں نے بیان کیا کہ اپنے بھائی کا مال لے سکے تو وہ اللہ تعالےٰ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر غضبناک ہو۔ اللہ تعالےٰ نے اس کی تصدیق میں قرآن میں یہ آیت نازل فرمائی کہ "جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے ذریعہ معمولی پونجی حاصل کرتے ہیں" الخ۔ پھر مجھ سے اشعث رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہوئی تو انھوں نے پوچھا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آج تم لوگوں سے کیا حدیث بیان کی تھی۔ میں نے ان سے بیان کردی تو آپ نے فرمایا کہ یہ آیت میرے ہی واقعے کے سلسلے میں نازل ہوئی تھی۔

فوائد و مسائل عنوان اور زیرِ عنوان حدیث میں سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر ۷۷ کا ذکر ہے جس کا ترجمہ یہ ہے " جو اللہ کے عہد اور اپنی (جھوٹی) قسموں کے بدلے ذلیل دام لیتے ہیں۔ آخرت میں ان کا کچھ نہیں اور اللہ نہ ان سے بات کرے نہ ان کی طرف نظر فرمائے۔ قیامت کے دن اور نہ انھیں پاک کرے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ــــــــ جھوٹی قسم کھانے والے کے متعلق جو وعید شدید حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالےٰ نے بذریعہ وحیِ جلی من وعن اس کی تائید فرمادی معلوم ہوا کہ ارشادِ نبی ارشادِ خدا ہے۔

مسلم شریف کی حدیث میں ہے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین لوگ ایسے ہیں کہ روزِ قیامت اللہ تعالے اُن سے نہ کلام فرمائے گا اور نہ اُن کی طرف نظرِ رحمت کرے گا اور نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا اور انھیں دردناک عذاب ہے۔ اس کے بعد سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو تین مرتبہ پڑھا حضرت ابوذر راوی نے کہا کہ لوگ ٹوٹے اور نقصان میں رہے یارسول اللہ وہ کون لوگ ہیں حضور نے فرمایا ازراہِ تکبّر وغرور ازار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا اور احسان جتانے والا اور اپنے تجارتی مال کو جھوٹی قسم سے رواج دینے والا۔ حضرت ابوامامہ کی حدیث ہے سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی مسلمان کا حق مارنے کے لیے قسم کھائے اللہ اُس پر جنت حرام کرتا ہے اور دوزخ لازم کرتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی۔ یارسول اللہ اگرچہ تھوڑی ہی چیز ہو۔ فرمایا اگرچہ ببول کی شاخ ہی کیوں نہ ہو۔

جھوٹی قسم کھانے کے متعلق یہ ایسی وعیدیں ہیں کہ جن کو سُن کر ایک مومن کا دل لرز جانا چاہیئے مگر ہم اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ اللہ تعالے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہمیں توفیقِ عمل عطا فرمائے ۔ واضح ہو کہ قرآنِ مجید کی ایک آیت کے متعدد شانِ نزول ہوسکتے ہیں۔ اس آیت کی بھی یہی کیفیت ہے چنانچہ مفسّرین فرماتے ہیں یہی آیت یہود کے احبار اور اُن کے رؤسا ابو رافع وکنانہ بن ابی الحقیق اور کعب بن اشرف وحی بن اخطب کے حق میں نازل ہوئی جنھوں نے اللہ تعالے کا وہ عہد چھپایا تھا جو سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے متعلق اُن سے توریت میں لیا گیا انھوں نے اس کو بدل دیا اور بجائے اس کے اپنے ہاتھوں سے کچھ کا کچھ لکھ دیا اور جھوٹی قسم کھائی کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور یہ سب کچھ انھوں نے اپنی جماعت کے جاہلوں سے رشوتیں اور مال وزر حاصل کرنے کے لیے کیا۔ حدیث نمبر ۲۴۹۸ کے ایک راوی حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالے عنہ بھی ہیں۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت وائل حجر موت کے بادشاہوں میں سے تھے۔ صحابی ہیں فتح مکہ کے بعد قبولِ اسلام کے لیے آنے والے وفود کے ساتھ اپنے قبیلہ کے ہمراہ مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے آنے سے قبل صحابہ کرام کو ان کے آنے کی خبر دی تھی کہ وائل بن حجر جو سلاطینِ حضر موت کی یادگار ہیں۔ اسلام قبول کرنے کے لیے حضر موت سے آرہے ہیں۔ جب حضرت وائل مدینہ پہنچے تو ان کے رُتبہ کے مطابق حضور علیہ السلام نے استقبال فرمایا۔ اپنے قریب چادر بچھا کر بٹھایا۔ ان کے اور ان کی اولاد کے لیے برکت کی دُعا فرمائی۔ حضور نے انہیں زمین کا ایک خطہ بھی عطا فرمایا اور امیر معاویہ کو انہیں الوداع کہنے کیلئے ساتھ بھیجا۔ ــــــ حضرت وائل نے کوفہ میں رہائش اختیار کرلی تھی۔ جنگ صفین میں انھوں نے سیدنا

علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا ساتھ دیا تھا۔ حضرت وائل نے امیر معاویہ کے دورِ خلافت میں وفات پائی (اصابہ وغیرہ)

بَابُ كَيْفَ يُسْتَحْلَفُ

باب کن الفاظ سے قسم لی جاتے؟

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ وَقَوْلُهٗ عَزَّ وَجَلَّ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا يُقَالُ بِاللّٰهِ وَتَاللّٰهِ وَوَاللّٰهِ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجُلٌ حَلَفَ بِاللّٰهِ كَاذِبًا بَعْدَ الْعَصْرِ وَلَا يُحْلَفُ بِغَيْرِ اللّٰهِ

اللہ نے فرمایا "وہ لوگ آپ کے سامنے اللہ کی قسم کھاتے ہیں" (اپنا عذر پیش کرتے ہوتے) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ "پھر وہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں اور اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ ہمارا (اپنے طرزِ عمل سے) مقصد خیرخواہی اور موافقت کے سوا اور کچھ نہ تھا) اور کہا جاتا ہے، باللہ، تاللہ، واللہ (اللہ کی قسم) اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اور وہ شخص جو اللہ کے نام سے عصر کے بعد جھوٹی قسم کھاتا ہے۔ اور اللہ کے نام کے سوا کسی اور کی قسم نہ کھائی جائے۔

فوائد و مسائل امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس عنوان کے ماتحت متعدد آیاتِ قرآنیہ کا ذکر کیا ہے جس میں اللہ تعالےٰ کے نامِ اقدس کے ساتھ قسم اٹھانے کا ذکر ہے اور ایک حدیث کا حصہ بھی اسی مقصد کے لیے ذکر فرمایا ہے۔ مقصود یہ بتانا ہے کہ قسم اللہ تعالےٰ کے نام کی کھائی جائے غیر اللہ کی نہیں ــــ جیسے باللہ، تاللہ، واللہ ــــ قرآنِ مجید میں ان تینوں کا ذکر ہے۔ تاللہ لقد آثرك اللہ علینا ــــ واللہ ربنا ما کنا مشرکین تقاسموا باللہ ــــ اور ولا یحلف بغیر اللہ کے الفاظ حدیث کے نہیں۔ امام بخاری علیہ الرحمہ کے ہیں۔

۲۴۹۹ - یہاں امام بخاری نے کتاب الایمان کی ایک حدیث ذکر کی ہے جس میں یہ ہے کہ ایک شخص بحضور نبوی حاضر ہوا اور اس نے اسلام کے متعلق سوال کیا۔ نبی علیہ السلام نے اسے پانچ وقت نماز پڑھنے رمضان کے روزے رکھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا۔ وہ شخص یہ کہتا ہوا واپس ہوا وَاللّٰهِ لَا اَزِیْدُ عَلٰی هٰذَا وَلَا اَنْقُصُ۔ میں ان میں نہ کوئی زیادتی کروں گا اور نہ کمی (بخاری)۔ اس حدیث میں خط کشیدہ جملے عنوان کے مناسب ہیں۔ جس سے واضح ہوا کہ قسم اللہ کی ذات وصفات کی کھانی چاہیئے۔ مزید توضیح کے لیے کتاب الایمان کی حدیث نمبر ۴۴ ملاحظہ کیجئے۔

۲۵۰۰ - عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ | حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ اَوْ لِيَصْمُتْ

صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر کسی کو قسم کھانی ہے تو اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے .... ورنہ خاموش رہے

اس حدیث سے واضح ہوا کہ غیر اللہ کی قسم کھانا منع ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کی قسم کھانا چاہیے ـــــــ شارح بخاری علامہ عینی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ قسم کھانے کی تین صورتیں ہیں اوّل اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کی قسم کھائے۔ یہ بالاتفاق جائز و مباح ہے۔ دوم یہ کہ بتوں (انصاب و ازلام لات وعزیٰ) کی قسم کھائے۔ یہ بالاتفاق حرام ہے۔ کسی چیز کی قسم کھانے سے اس کی تعظیم مقصود ہوتی ہے تو اگر بتوں کی قسم ان کی تعظیم کی نیت سے کھائی تو یہ کفر ہے۔ سوم یہ کہ بُت وغیرہ کے علاوہ کسی چیز کی قسم کھائی یہ ممنوع ہے علامہ ابن بطال نے فرمایا کہ حاکم کو چاہیئے۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی قسم اُٹھوائے۔ طلاق دینے، حج یا قرآن کی قسم نہ اٹھوائے۔ اسی طرح انبیاء کرام جبرئیل ابن صحابہ واہلبیت، حجر اسود، کعبہ یا اپنے باپوں اور ماؤں کی قسم کھانا بھی منع ہے۔ اگر غیر اللہ کی قسم کھائی تو شرعاً قسم نہ ہوگی۔ ۵۔ اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں اپنی مخلوق کی قسمیں یاد فرمائی ہیں تو حق یہ ہے کہ وہ مالک الملک ہے۔ جس کی چاہے قسم یاد فرمائے ہم سوال کرنے والے کون ہیں لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ مخلوق کی قسمیں یاد فرمانے میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ مثلاً حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت افزائی کے لیے آپ کے شہر، کلام اور جان کی قسم یاد فرمائی ہے۔ ارشاد باری ہے۔ لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ ط مجھے اس شہر مکہ کی قسم ہے۔ اس لیے کہ اے محبوب تو اس میں تشریف فرما ہے۔ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ط مجھے رسول کے اس کہنے کی قسم ہے کہ اے میرے رب یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔ ۳۔ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ط اے محبوب مجھے تیری جان کی قسم یہ کافر اپنے نشے میں اندھے ہو رہے ہیں ـــــــ امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ بحضور نبوّت عرض کرتے ہیں ؎

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلامِ مجید نے کھائی شہا ترے شہر و کلام و بقا کی قسم

قسم کے الفاظ اور اس کے بعض ضروری مسائل

۲۔ قسم کھانا جائز ہے مگر اس کو تکیہ کلام بنا لینا معیوب ہے۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے بتوں اور اپنے باپ دادا کی قسم کھانے سے منع فرمایا ہے (مسلم) نیز فرمایا۔ جو شخص قسم کھائے اور دوسری چیز اس سے بہتر پائے۔ وہ بہتر کام کرے اور قسم کا کفارہ دیدے (مسلم، احمد، ترمذی) ۳۔ اللہ عزوجل کے جتنے نام ہیں ان میں سے جس نام کے ساتھ قسم کھائی جائیگی۔ قسم ہو جائے گی خواہ بول چال میں اس نام کے ساتھ قسم کھاتے ہوں یا نہیں۔ مثلاً اللہ کی قسم، خدا کی قسم، رحمٰن کی قسم، رحیم کی قسم، پروردگار

کی قسم۔ یونہی خدا کی جس صفت کی قسم کھائی جاتی ہو اس صفت کی قسم کھائی ' ہو گئی۔ مثلاً خدا کی عزت و جلال کی قسم، اس کی کبریائی کی قسم، اس کی بزرگی یا بڑائی کی قسم، اس کی عظمت کی قسم، اس کی قدرت و قوت کی قسم۔ قرآن کی قسم، کلام اللہ کی قسم وغیرہ (عالمگیر در مختار) ۳۔ یمین منعقدہ یہ ہے کہ آیندہ کے لیے قسم کھائے مثلاً یہ کہے کہ خدا کی قسم یہ کام کروں گا یا یہ کام نہیں کروں گا۔ یمین منعقدہ کو توڑے گا تو کفارہ لازم آئیگا۔ قسم کا کفارہ یہ ہے۔ غلام آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو صبح و شام پیٹ بھر کر کھانا کھلانا یا ان کو کپڑے پہنانا ہے۔ یہ اختیار ہے کہ ان تینوں باتوں میں سے جس سے چاہے کفارہ ادا کرے۔

فائدہ ۴۔ بعض احادیث میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا غیر اللہ کی قسم کھانے کا ذکر آیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں مضاف محذوف ہوتا ہے مثلاً حدیث میں اَفلَحَ وَ اَبِیهِ آیا ہے یہ دراصل وَ رَبِّ اَبِیهِ ہے۔

بَابُ مَنْ اَقَامَ الْبَيِّنَةَ بَعْدَ الْيَمِيْنِ

باب جس نے قسم کے بعد بینہ (گواہ) پیش کیے

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَلْحَنُ بِحُجَّتِهٖ مِنْ بَعْضٍ وَ قَالَ طَاؤُسٌ وَ اِبْرَاهِيْمُ وَ شُرَيْحٌ اَلْبَيِّنَةُ الْعَادِلَةُ اَحَقُّ مِنَ الْيَمِيْنِ الْفَاجِرَةِ

نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ شاید تم میں سے بعض ایک دوسرے سے زیادہ کامیابی کے ساتھ دلیل پیش کر سکے اور طاؤس و ابراہیم نخعی و قاضی شریح نے فرمایا جھوٹی قسم سے سچے گواہ قبول کرنا زیادہ احق ہے۔

فوائد و مسائل حضرت طاؤس نخعی و قاضی شریح علیہم الرحمۃ کے ارشاد کہ سچا گواہ قبول کے زیادہ لائق ہے۔ اس سے مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ مدعا علیہ نے جب حلف اٹھالیا تو اس نے مدعی کے دعوٰی کو رد کر دیا لیکن جب مدعی نے حلف کے بعد عادل گواہ پیش کر دیئے تو اس سے مدعا علیہ کی قسم کا جھوٹا ہونا ظاہر ہو گیا لہذا عادل گواہوں کے مقابل جھوٹی قسم کو کسی قیمت پر قبول نہیں کیا جائیگا ——
حضرت فاروق اعظم کے اثر میں اَحق کی جگہ خیر کے لفظ آئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ نے فرمایا۔ البینۃُ العادلۃ خیرٌ من الیمین الفاجرۃ بہرحال مسئلہ یہ ہے کہ اگر مدعٰی علیہ نے قسم اٹھالی اس کے بعد مدعی نے گواہ پیش کر دیے تو گواہوں کا اعتبار کیا جائیگا۔ مدعٰی علیہ کی قسم کا نہیں۔ لہذا گواہوں کی بناء پر مدعی کا حق ثابت ہوگا اور قاضی مدعی کے حق میں فیصلہ کرے گا۔

چنانچہ جمہور علماء۔ حضرت سفیان ثوری امام شافعی فقہاء کوفہ اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰے عنہ کا

یہ ہی مذہب ہے ـــــ فقہ حنفی کی مشہور کتاب مجمع الانہر میں ہے۔

(فَاِنْ حَلَفَ) اَلْمُدَّعٰی عَلَیْہِ (اِنْقَطَعَتِ الْخُصُوْمَۃُ حَتّٰی تَقُوْمَ الْبَیِّنَۃُ) اَیْ اِذَا حَلَفَ الْمُدَّعٰی عَلَیْہِ فَالْمُدَّعِیْ عَلٰی دَعْوَاہُ وَلَا یَبْطُلُ حَقُّہٗ بِیَمِیْنِہٖ اِلَّا اَنَّہٗ لَیْسَ لَہٗ اَنْ یُّخَاصِمَہٗ مَالَمْ یُقِمِ الْبَیِّنَۃَ عَلٰی وَفْقِ دَعْوَاہُ فَاِنْ اَقَامَھَا بَعْدَ الْحَلْفِ تُقْبَلُ قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَلْیَمِیْنُ الْفَاجِرَۃُ اَحَقُّ اَنْ تُرَدَّ بِالْبَیِّنَۃِ الْعَادِلَۃِ وَلِاَنَّ طَلَبَ الْیَمِیْنِ لَا یَدُلُّ عَلٰی عَدَمِ الْبَیِّنَۃِ لِاِحْتِمَالِ اَنَّھَا غَائِبَۃٌ اَوْحَاضِرَۃٌ فِی الْبَلَدِ وَلَمْ تَحْضُرْ وَلِاَنَّ الْیَمِیْنَ بَدْلُ الْبَیِّنَۃِ فَاِذَا قَدَرَ عَلَی الْاَصْلِ بَطَلَ حُکْمُ الْحَلْفِ فَلَا عِبْرَۃَ لِمَا قَالَہٗ بَعْضُ الْفُقَھَآءِ مِنْ اَنَّ الْبَیِّنَۃَ لَا تُسْمَعُ بَعْدَ الْیَمِیْنِ کَمَا فِی الدُّرَرِ وَغَیْرِہٖ (مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الدعوٰی صت۲۵۴)

۲۵۰۱ - عَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّکُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَیَّ وَلَعَلَّ بَعْضَکُمْ اَلْحَنُ بِحُجَّتِہٖ مِنْ بَعْضٍ فَمَنْ قَضَیْتُ لَہٗ بِحَقِّ اَخِیْہِ شَیْئًا بِقَوْلِہٖ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَہٗ قِطْعَۃً مِّنَ النَّارِ فَلَا یَاْخُذْھَا

حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میرے پاس اپنے مقدمے لاتے ہو تو شاید تم میں سے بعض دوسرے سے فطانت و ذہانت کی وجہ سے اپنے موقف کو پیش کرنے میں زیادہ کامیاب رہے تو اگر میں اس کے بیان کے مطابق فیصلہ فرمادوں تو میں اس کو آگ کا ایک ٹکڑا دے رہا ہوں۔ اس کو نہ لے۔

فوائد و مسائل

۱۔ یہ حدیث پارہ دہم باب اثم من خاصم فی باطل وھو یعلمہ میں گزر چکی ہے۔ وہاں ہم نے اس حدیث کے مختلف امور کو بیان کیا ہے۔ حدیث کا نمبر ۲۲۹۵ ہے۔ ضرور بالضرور ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ حاکم و قاضی ظاہر پر (اور وہ شہادت یا قسم ہے) فیصلہ کرنے کے مکلف ہیں اور قاضی یا حاکم نے شہادت یا قسم کی بنیاد پر جو فیصلہ کیا وہ صحیح ہے۔ اگر گواہوں نے جھوٹی گواہی دی یا مدعٰی علیہ نے جھوٹی قسم کھائی تو یہ ان کا گناہ ہے۔ فیصلے میں قصور نہیں ہے لیکن جس کے حق میں فیصلہ ہوا ہے اگر اسے گواہوں کا جھوٹا ہونا معلوم ہے یا اس نے جعل سازی سے اپنے حق میں فیصلہ کرالیا ہے تو اسے وہ چیز لینی حرام و گناہِ کبیرہ ہے ۲۔ اقطع قِطْعَۃً مِّنَ النَّارِ سے واضح ہوا کہ اس کا تعلق اموال سے ہے اور یہ بھی واضح ہوا کہ قاضی کا فیصلہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کرسکتا ۳۔ یہ بھی واضح ہوا کہ قسم کے بعد بیّنہ

مسموع ہو گا ۴ - اور یہ کہ قاضی ظاہر پر فیصلہ کرنے کا مکلف ہے۔

بَابُ مَنْ اَمَرَ بِاِنْجَازِ الْوَعْدِ

باب جس نے وعدہ پورا کرنے کا حکم دیا

وَفَعَلَهُ الْحَسَنُ وَذَكَرَ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَقَضَى ابْنُ الْاَشْوَعِ بِالْوَعْدِ وَذَكَرَ ذٰلِكَ عَنْ سَمُرَةَ وَقَالَ الْمِسْوَرُ بْنُ مَخْرَمَةَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَكَرَ صِهْرًا لَهُ قَالَ وَعَدَنِيْ فَوَفٰى لِيْ قَالَ اَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ وَرَاَيْتُ اِسْحٰقَ ابْنَ اِبْرَاهِيْمَ يَحْتَجُّ بِحَدِيْثِ ابْنِ اَشْوَعَ - (بخاری)

حضرت حسن بصری نے ایسا کیا اور حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر اللہ تعالےٰ نے اس وصف سے کیا کہ وہ وعدے کے سچے تھے اور ابن الاشوع نے وعدہ پورا کرنے کے لیے فیصلہ کیا اور سمرہ بن جندب کے واسطے سے اسے نقل کیا۔ مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے داماد کے متعلق فرمایا کہ انھوں نے مجھ سے جو وعدہ کیا اسے پورا کیا۔

فوائد و مسائل قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے اِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ فرما کر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مدح فرمائی ہے۔ انبیاء کرام سب ہی سچے ہوتے ہیں۔ لیکن حضرت اسماعیل اس وصف میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔ ایک مرتبہ کسی مقام پر آپ سے کوئی شخص کہہ گیا تھا کہ آپ یہیں ٹھہرے رہیے جب تک میں واپس نہ آؤں۔ آپ اس جگہ اس کے انتظار میں تین روز تک ٹھہرے رہے۔ آپ نے صبر کا وعدہ کیا تھا جسے ذبح کے موقعہ پر اس شان سے وفا فرمایا کہ سبحان اللہ۔

۲۔ ابوالعاص بن ربیع حضور علیہ السلام کی بڑی صاحبزادی حضرت زینب کے شوہر تھے۔ مشرکین نے ان سے کہا کہ وہ زینب کو طلاق دیدیں لیکن انھوں نے انکار کردیا۔ اس پر نبی علیہ السلام نے ان کی تعریف کی۔ جنگِ بدر میں ابوالعاص جب قید ہو کر آئے تو نبی علیہ السلام نے انھیں اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ مکہ معظمہ جاکر حضرت زینب کو مدینہ منورہ بھیج دیں۔ انھوں نے مکہ پہنچ کر وعدہ پورا کیا اور حضرت زینب کو مدینہ بھجوا دیا۔ اس کے متعلق حضور نے فرمایا۔ ابوالعاص نے مجھ سے جو وعدہ کیا اسے پورا کیا۔

۲۵۰۲ - اَخْبَرَنِيْ اَبُوْ سُفْيَانَ اَنَّ هِرَقْلَ قَالَ لَهُ سَاَلْتُكَ مَاذَا يَاْمُرُكُمْ فَزَعَمْتَ اَنَّهُ اَمَرَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ وَالْوَفَاءِ بِالْعَهْدِ

حضرت سفیان رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ ہرقل نے ان سے کہا تھا۔ میں نے تم سے پوچھا تھا کہ وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں کس بات کا حکم دیتے ہیں تو تم نے بتایا کہ وہ تمہیں نماز، صدقہ، عفت، عہد کے پورا کرنے

وَاَدَاءِ الْاَمَانَۃِ قَالَ وَھٰذِہٖ صِفَۃُ نَبِیٍّ

اور امانت کے ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں اور یہ نبی کی صفت ہے۔

یہ حدیث بھی مع تفہیم و ترجمانی کے باب الوحی میں گزر چکی ہے جس میں نبی علیہ السلام کے اوصافِ حمیدہ کا ذکر ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۶۔

۲۵۰۳ - حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ منافق کی تین علامتیں ہیں۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے تو جب وعدہ کرے تو وفا نہ کرے (بخاری) یہ حدیث کتاب الایمان میں مع تفہیم و ترجمانی کے گزر چکی ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۳۲

۲۵۰۴ - یہاں امام بخاری نے حدیث جابر ذکر کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر سے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ بحرین کے جزیہ سے انہیں اتنا اور اتنا عطا فرمائیں گے لیکن حضور علیہ السلام کا وصال ہوگیا۔ جب حضرت صدیق اکبر کی خلافت کے زمانہ میں بحرین کا مالِ غنیمت آیا تو حضرت صدیق اکبر نے اعلان کیا کہ جس کا نبی علیہ السلام پر قرض ہو یا آپ نے اس سے کچھ وعدہ فرمایا ہے وہ میرے پاس آئے۔ یہ سُن کر جابر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے حضور حاضر ہوئے اور حضور کے وعدہ کا ذکر کیا۔ حضرت صدیق اکبر نے حضور کے وعدہ کے مطابق ان کو دیا بلکہ زیادہ دیا (بخاری)

یہ حدیث بھی کتاب الکفالہ میں گزر چکی ہے۔ دیکھئے پارہ نہم حدیث نمبر ۲۱۴۹

۲۵۰۵ - عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ قَالَ سَاَلَنِیْ یَھُوْدِیٌّ مِنْ اَھْلِ الْحِیْرَۃِ اَیَّ الْاَجَلَیْنِ قَضٰی مُوْسٰی قُلْتُ لَآ اَدْرِیْ حَتّٰی اَقْدَمَ عَلٰی حِبْرِ الْعَرَبِ فَاَسْاَلَہٗ فَقَدِمْتُ فَسَاَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ قَضٰی اَکْثَرَھُمَا وَ اَطْیَبَھُمَا اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ فَعَلَ

سعید بن جبیر نے بیان کیا کہ حیرہ کے ایک یہودی نے مجھ سے پوچھا، موسیٰ علیہ السلام نے (اپنے مہر کے ادا کرنے میں) کونسی مدت پوری کی تھی (یعنی آٹھ سال کی جس کا قرآن میں ذکر ہے) میں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں ہاں عرب کے عالم کی خدمت میں حاضر ہوکر پوچھ لوں تو پھر تمہیں بتاؤں گا) چنانچہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ آپ نے بڑی مدت پوری کی (دس سال کی) جو دونوں مدتوں میں بہتر تھی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی جب کسی سے قول و قرار فرماتے تو اسے پورا کرتے تھے (بخاری)

فوائد و مسائل ۱- علامہ کرمانی علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ حدیث ہذا میں رسول سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں یا مطلقاً رسول مراد ہیں۔ غرضکہ جو بھی اللہ کا رسول ہو۔ اس کی بات سچی ہوتی ہے

وعدہ کریں تو اس کو پورا کرتے ہیں۔ وہ وعدہ اور عہد کی کبھی خلاف ورزی نہیں کرتے۔

۲۔ حیرہ کوفہ کے قریب عراق میں ایک مشہور شہر کا نام ہے ۳۔ حبر کی جمع احبار ہے۔ یہ لفظ عالم کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ان کے علم کی وسعت کی بناء پر حبر کہا گیا۔

۴۔ ای الاجلین یعنی موسیٰ علیہ السلام نے مہر کی عوض کتنی مدت پوری کی۔ یہ سورہ قصص کی آیت نمبر ۲۷ کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے جناب موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی دونوں بیٹیوں میں سے ایک تمہیں بیاہ دوں۔ اس مہر پر کہ تم آٹھ برس میری ملازمت کرو۔ اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ الخ اور اگر دس برس پورے کر لو تمہاری مہربانی ہوگی۔ مگر دس برس پورے کرنا تم پر واجب نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے دس برس پورے کیے جسے حدیث ہذا میں اکثرھما وطیبھما کے الفاظ سے حضرت ابن عباس نے بیان فرمایا۔

۵۔ اکثر مفسرین، اصحاب سیر، ادباء عرب کی ایک بڑی جماعت اور حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ حضرت موسیٰ کے خسر حضرت شعیب علیہ السلام ہیں۔ یہ قول بہت مشہور اور شائع ہے (تفسیر ابن کثیر ج ۷ صفحہ ۲۴۸ و ابن جریر) ۶۔ حضرت شعیب نے وعدہ نکاح کیا تھا۔ الفاظ عقد نہ تھے کیونکہ عقد کے لیے صیغۂ ماضی ضرور ہے ۷۔ تفسیر احمدی و ہدایہ میں ہے کہ آزاد مرد کا آزاد عورت سے نکاح کسی دوسرے شخص کی خدمت یا بکریاں چرانے کو مہر قرار دیکر کرنا جائز ہے اور اگر آزاد مرد نے کسی مدت تک عورت کی خدمت کرنے یا قرآن کی تعلیم کو مہر قرار دے کر کیا تو نکاح جائز ہے مگر یہ چیزیں مہر نہ ہوسکیں گی بلکہ اس صورت میں مہر مثل لازم ہوگا۔

وعدہ، عہد، عقد، معاہدہ، قول و قرار کو پورا کرنا واجب ہے

۱۔ واضح ہو کہ وعدہ، عہد، عقد، قول و قرار، معاہدہ، قریب قریب سب کے حاصل معنیٰ ایک ہی ہیں گو کہ کیفیت و نوعیت میں فرق ہے۔ قرآن مجید کی سورہ بقرہ ۱۷۷، مومنون ۸، معارج ۳۲، بنی اسرائیل ۳۴/۳۵، رعد ۲۰/۲۱، نحل ۹۱، انعام ۱۵۲، توبہ ۴/۷ میں انہیں پورا کرنے، ان کا پاس و لحاظ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور احادیث میں بھی حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی ہر اس وعدہ اور عہد کو پورا کرنے کی ہدایت کی جو خلاف شرع نہ ہوں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم تقریباً ہر خطبہ میں فرمایا کرتے تھے۔

لَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَھْدَ لَہٗ (احمد، طبرانی وابن حبان) | جس میں عہد نہیں، اس میں دین نہیں

یعنی اس قول و قرار کو جو بندہ خدا سے کرتا ہے یا بندہ بندہ سے کرتا ہے پورا کرنا حق اللہ اور حق العباد

کو ادا کرنا ہے۔ جس کے مجموعہ کا نام دین ہے۔ اب جو اس عہد کو پورا نہیں کرتا وہ دین کی روح سے محروم ہے

۲۔ اسلام کی نظر میں عہد و پیمان کی حقیقت بہت وسیع ہے۔ وہ اخلاق، معاشرت، مذہب اور معاملات کی ان تمام صورتوں پر مشتمل ہے جن کی پابندی انسان پر عقلاً، شرعاً، قانوناً اور اخلاقاً فرض ہے اور اس لحاظ سے یہ مختصر سا لفظ انسان کے بہت سے عقلی، شرعی، قانونی، اخلاقی اور معاشرتی امور کا مجموعہ ہے۔ اسی لیے قرآنِ مجید میں اس کا ذکر مختلف حیثیتوں سے آیا ہے۔ سورہ بقرہ میں اصل نیکی کے اوصاف کے تذکرہ میں فرمایا

وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عَاهَدُوْا (بقرہ ۱۷۷)	اور اپنا قول پورا کرنے والے جب عہد کریں

سورۂ مومنون میں عہد کا لحاظ کرنے کو کامل الایمان مسلمانوں کے مخصوص اوصاف میں شمار کیا گیا ہے

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ (مومنون ۸)	اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیں۔

سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا۔

اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا	بے شک وعدہ کی باز پرس ہوگی۔

قیامت کے دن جس کی باز پرس اللہ عزوجل فرمائے اس کی کیسی کچھ اہمیت ہوگی۔ قرآنِ مجید میں قریب قریب اسی عہد کے معنیٰ میں ایک اور لفظ عقد کا استعمال ہوا ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ	مسلمانوں (اپنے) اقراروں کو پورا کرو (مائدہ - ۱)

عقد کے لفظی معنیٰ گرہ اور گرہ لگانے کے ہیں اور اس سے مقصود لین دین اور معاملات کی باہمی پابندیوں کی گرہ ہے اور اصطلاحِ شرعی میں یہ لفظ معاملات کی ہر قسم کو شامل ہے چنانچہ امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں :-

" اوفوا بالعهد " اللہ تعالےٰ کے اس قول کے مشابہ ہے " يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ " اور اس قول میں تمام عقد مثلاً عقد بیع، عقدِ شرکت، عقدِ یمین، عقدِ نذر، عقدِ صلح اور عقدِ نکاح داخل ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اس آیت کا اقتضا یہ ہے کہ دو انسانوں کے درمیان جو عقد اور جو عہد قرار پا جائے اس کے مطابق دونوں پر اس کا پورا کرنا واجب ہے"۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص۵۸۵)

۳۔ وعدہ اور قول و قرار کو پورا کرنے کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام نے باہمی

میل جول اور ملاقات کی وجہ سے جو توقع ایک شخص کو دوسرے شخص سے ہو جاتی ہے۔ اسے قائم رکھنے کو حسنِ عہد میں شمار کیا ہے (حالانکہ اس توقع کو قائم رکھنا فرض واجب نہیں ہے) بخاری کتاب الادب میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں فرماتی ہیں مجھے ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے زیادہ کسی عورت پر رشک نہیں آیا۔ میرے نکاح سے تین سال بیشتر اُن کا انتقال ہو چکا تھا۔ لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان کا ذکر کیا کرتے تھے اور بکری ذبح کرتے تھے تو اس کا گوشت ان کی سہیلیوں کے پاس ہدیۃً بھیجا کرتے تھے۔ یعنی حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خدیجہ کی روح پاک کو خوش کرنے کے لیے ان کی وفات کے بعد بھی اُن کی سہیلیوں کے ساتھ وہی سلوک قائم رکھا۔ جو اُن کی زندگی میں جاری تھا۔ امام بخاری نے کتاب الادب میں ایک باب باندھا ہے۔ جس کی سُرخی یہ ہے۔ حسن العهد من الایمان اور اس باب کے تحت اسی حدیث کا ذکر کیا ہے۔

شارح بخاری حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے بیہقی کے حوالے سے حدیث ذکر کی ہے۔ ایک بڑھیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے اس سے کہا تم کیسی رہیں۔ تمہارا کیا حال ہے۔ ہمارے بعد تمہارا کیا حال رہا؟ اس نے کہا کہ اچھا حال رہا۔ جب وہ چلی گئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آپ نے اس بڑھیا کی طرف اسقدر توجہ فرمائی؟ فرمایا عائشہ! یہ خدیجہ کے زمانہ میں ہمارے یہاں آیا کرتی تھی اور حُسنِ عہد ایمان سے ہے یعنی اپنے ملنے جلنے والوں سے، اپنے عزیزوں اور خصوصاً اپنے بزرگوں والدین وغیرہ کے دوست احباب سے سلوک قائم رکھنا بھی ایمان کی نشانی اور اس کا تقاضہ ہے۔

۴۔ الغرض وعدہ اور عہد و پیمان کی متعدد قسمیں اور صورتیں ہیں اور اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول نے ان سب کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ وعدہ وعہد کی چند صُورتیں عموماً بیان کی جاتی ہیں۔ ایک عہد وہ ہے جو ازل میں ہر انسان نے اپنے رب سے کیا اور جس کا پورا کرنا ہر انسان کی زندگی کا پہلا فرض ہے۔ دوسرا عہد مومن مسلمان کلمۂ شہادت ان لا الہ الا اللہ کے ذریعے اپنے رب سے کرتا ہے۔ جس کا حاصل احکامِ الٰہیہ کی پابندی ہے۔ یہ بھی فرض وواجب ہے۔ ہر مسلمان کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ تمام احکامِ الٰہیہ پر عمل کرے ـــــ عہد کی ایک صورت یہ ہے کہ بندہ کسی ایسے کام کے کرنے کو اپنے اوپر لازم کرلے جو اللہ و رسول نے اس پر واجب نہیں کیا جیسے نذر ماننا (جسے نذرِ فقہی کہتے ہیں) اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں اللہ کے لیے روزہ رکھوں گا۔ دس مسکینوں کو کھانا کھلاؤں گا وغیرہ وغیرہ اس نذر کو کام ہو جانے کے بعد پُورا کرنا فرض ہے۔ سورہ حج میں ارشادِ باری ہے۔

وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ | اور اپنی نذروں کو پُورا کرو۔

ایک عہد وہ ہے جو انسان کسی انسان سے کرتا ہے جس میں تمام قسم کے معاہدات قول وقرار خواہ وہ سیاسی

ہوں یا تجارتی غرضکہ معاملات کی تمام قسموں پر مشتمل ہے اس کو پورا کرنا بھی فرض ہے اگر کوئی فریق اس کو پورا نہ کرے تو دوسرے کو یہ حق ہے کہ عدالت میں مرافعہ کرکے اس کو پورا کرائے۔

۵۔ عہد کی ایک شکل یہ ہے جو ایک انسان دوسرے انسان سے یکطرفہ وعدہ کرلیتا ہے مثلاً یہ وعدہ کہ میں تجھے فلاں چیز دوں گا' نیز فلاں کام کردوں گا' فلاں وقت ملوں گا۔ اس یکطرفہ وعدہ کو پورا کرنا بھی واجب ہے۔ اسے بلا عذر شرعی پورا نہ کرنا گناہ ہے اور حدیث میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے عملی نفاق قرار دیا ہے لیکن اس یک طرفہ وعدہ کو بذریعہ عدالت پورا نہیں کرایا جاسکتا ـــــــــ امام بخاری علیہ الرحمہ کا غالباً موقف یہ ہے کہ اس یک طرفہ وعدہ کی تکمیل بھی بذریعہ عدالت کی جاسکتی ہے۔ اسی لیے انھوں نے عنوان یہ قائم کیا ہے

باب من امر بانجاز الوعد

۶۔ ہمارے دور میں وعدہ اور قول وقرار کی ایک صورت یہ ہے کہ جو الیکشن لڑنے والے قوم سے کرتے ہیں اور پھر کامیاب ہوکر عہدشکنی کا ارتکاب کرتے ہیں خصوصاً وہ افراد جو منزل کو پالیتے ہیں اور پھر دین وملت کے مصالح کے ساتھ غداری کرتے ہیں۔ اقتدار کی جو امانت قوم نے اپنے ووٹ سے ان کو سپرد کی ہے اس میں خیانت کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ہر عہد شکن کا ایک جھنڈا ہوگا۔ جس کو اس کی عہدشکنی کے بقدر بلند کیا جائیگا۔ یاد رکھو

اَلَا وَلَا غَادِرَ اَعْظَمُ غَدْرًا مِنْ اَمِيْرِ عَامَّةٍ

یاد رکھو امیر مملکت سے بڑھ کر کسی شخص کی عہدشکنی نہیں ہے۔

یعنی قیامت کے دن ہر غدار کا ایک جھنڈا ہوگا جس سے اس کی بدعہدی اور عہدشکنی کی تشہیر ہوگی۔

بَابُ لَا يُسْئَلُ اَهْلُ الشِّرْكِ عَنِ الشَّهَادَةِ وَغَيْرِهَا

باب غیر مسلموں سے شہادت وغیرہ نہ طلب کی جائے

وَقَالَ الشَّعْبِيُّ لَا تَجُوْزُ شَهَادَةُ اَهْلِ الْمِلَلِ بَعْضِهِمْ عَلٰى بَعْضٍ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ وَقَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُصَدِّقُوْا اَهْلَ الْكِتٰبِ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ وَقُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ الْاٰيَةَ

شعبی نے بیان کیا کہ دوسرے ادیان والوں کی شہادت ایک سے دوسرے کے خلاف لینی جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ان میں باہم دشمنی اور بغض ڈال دیا ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالے عنہ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے نقل کیا کہ اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب بلکہ یہ کہو اللہ پر اور جو کچھ اسنے نازل کیا سب پر ہم ایمان لائے۔ الآیہ

۲۵۰۶۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ كَيْفَ تَسْأَلُونَ أَهْلَ الْكِتَابِ وَكِتَابُكُمُ الَّذِي أُنْزِلَ عَلَى نَبِيِّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْدَثُ الْأَخْبَارِ بِاللّٰهِ تَقْرَءُونَهُ لَمْ يُشَبْ وَقَدْ حَدَّثَكُمُ اللّٰهُ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ بَدَّلُوا مَا كَتَبَ اللّٰهُ وَغَيَّرُوا بِأَيْدِيهِمُ الْكِتَابَ فَقَالُوا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أَفَلَا يَنْهَاكُمْ مَا جَاءَكُمْ مِنَ الْعِلْمِ عَنْ مُسَاءَلَتِهِمْ وَلَا وَاللّٰهِ مَا رَأَيْنَا مِنْهُمْ رَجُلًا قَطُّ يَسْأَلُكُمْ عَنِ الَّذِي أُنْزِلَ عَلَيْكُمْ

(بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا۔ اے مسلمانوں تم اہلِ کتاب سے کیوں سوال کرتے ہو حالانکہ تمہاری کتاب (قرآن) جو نبی علیہ السلام پر اللہ کی طرف سے سب سے بعد میں نازل ہوئی جس میں نئی خبریں ہیں جنہیں تم پڑھتے ہو اس میں کوئی ملاوٹ نہیں ہے اور اللہ تعالٰی نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا ہے کہ اہلِ کتاب نے اس کتاب کو بدل دیا جو اللہ تعالٰی نے انہیں دی۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں اس میں تغیر و تبدل کرکے کہا یہ تو اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے ذریعے تھوڑے دام حاصل کریں۔ اللہ نے جو علم (قرآن) تم کو دیا ہے کیا وہ تم کو سوال کرنے سے منع نہیں کرتا؟ بخدا ہم نے ان کے (اہلِ کتاب کے) کسی بھی آدمی کو کبھی نہیں دیکھا کہ وہ ان آیات کے متعلق تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہو جو تم پر (تمہارے نبی کے ذریعہ) نازل کی گئی ہیں۔

فوائد و مسائل

۱۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ اس حدیث کی عنوان سے مناسبت یہ ہے کہ اس میں اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) سے سوال کرنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالٰی کی نازل کردہ کتابوں (توریت، انجیل، زبور) میں تحریف کردی تھی۔ سورہ بقرہ آیت ۷۹ میں فرمایا۔ "تو خرابی ہے ان کے لیے جو کتاب اپنے ہاتھ سے لکھیں پھر کہہ دیں هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا (یہ خدا کے پاس سے ہے کہ اس کے عوض تھوڑے دام حاصل کریں —— اس لیے ان کی خبریں قابلِ قبول نہیں۔ لہٰذا جب ان کی خبریں ناقابلِ قبول ہیں تو ان کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ باب شہادۃ باب روایت سے اضیق ہے۔

۲۔ سیدنا امام بخاری علیہ الرحمہ نے جو باب باندھا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک کفار و مشرکین، یہود و نصاریٰ کی شہادت مطلقاً جائز نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں علما کا اختلاف ہے احناف کا مسلک یہ ہے کہ کافر کی گواہ مسلم کے خلاف مقبول نہیں اور مرتد کی گواہی تو اصلاً مقبول نہیں ہے —— ذمی کی گواہی ذمی کے حق میں قبول ہے اگرچہ دونوں کے دین مختلف ہوں مثلاً ایک یہودی ہو اور دوسرا نصرانی

(عالمگیری ج۳ ص ۵۱۷ درمختار وغیرہ) نیز حضرت جابر رضی اللہ تعالٰے عنہ سے مروی ہے کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجاز شہادۃ اھل الکتاب بعضھم علی بعضٍ (ابن ماجہ) علامہ ذہبی نے اس حدیث کو امام مسلم کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے

۳- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صحابہ کرام کو یہود ونصاریٰ سے سختی کے ساتھ سوال کرنے سے اس لیے منع فرمایا کہ انھوں نے تو اللہ تعالٰے کی نازل کردہ کتابوں میں تحریف کردی۔ لہٰذا ان کے جواب کا کیا اعتبار۔ مسندِ احمد میں حضرت جابر سے مرفوعاً ایک حدیث میں یہود ونصاریٰ سے سوال کی ممانعت آئی ہے۔

لَا تسألُوا اھلَ الکتابِ عَنْ شَیٍٔ فَاِنَّھُمْ لَمْ یَھدُوکُمْ وَاضَلُّوا	اہلِ کتاب سے کوئی سوال نہ کرو۔ وہ تمہاری صحیح رہنمائی نہیں کرسکتے۔ تو خود گمراہ ہوگئے ہیں۔

اور مسلمانوں کے پاس تو اللہ کی آخری کتاب قرآن حکیم موجود ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالٰے نے اپنے ذمہ لی ہے جو ابدی طور پر ایک محفوظ کتاب ہے اور علومِ اولین وآخرین کا خزانہ ہے۔ یہ تو ایک ایسی جامع کتاب ہے جس میں بنی نوع انسان کی ہدایت کا سارا سامان موجود ہے۔ قرآن کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کو یہود ونصاریٰ سے کچھ پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ جب انھوں نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتب میں تحریف کردی تو ان کے جواب میں کیا سچائی ہوگی۔

۴- البتہ اہلِ کتاب اگر کوئی بات کریں تو ان کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب بلکہ یہ کہو اللہ تعالٰے پر اور جو کچھ اس نے نازل کیا اس پر ہمارا ایمان ہے جیسا کہ حدیثِ ابوہریرہ میں ارشاد ہوا ——— غرضکہ اہلِ کتاب سے سوال کرنے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود معتبر اور صادق نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کے بیان کی تصدیق یا تکذیب نہ کی جائے۔ صرف یہ ایمان رکھا جائے کہ اللہ تعالٰے نے جو کچھ واقعی نازل فرمایا اس پر ہمارا ایمان ہے۔

بَابُ الْقُرْعَۃِ فِی الْمُشْکِلَاتِ

باب مشکل امور میں قرعہ اندازی کے متعلق

یعنی ایسے امور جنہیں دو آدمیوں یا زیادہ میں نزاع واقع ہو تو اس کے تصفیہ کے لیے قرعہ اندازی کرنا مشروع وجائز ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے کتاب الشہادات میں قرعہ کو داخل کرکے یہ بتایا ہے کہ جیسے گواہوں سے نزاع وخصومت ختم ہوتی ہے ایسے ہی قرعہ سے بھی ہوتی ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے حضرت زکریا اور حضرت یونس علیہما السلام کے واقعہ سے قرعہ کے جائز ہونے کا استدلال فرمایا ہے۔ یہ اس لیے صحیح ہے کہ پہلی امتوں کے وہ احکام جن کا شارع علیہ السلام نے رد وانکار نہ کیا ہو اس امت کے لیے بھی مشروع ہیں اور بعض

حضرات کا یہ کہنا کہ امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ قرعہ کے جواز کے قائل نہیں ہیں غلط ہے۔ شارح بخاری علامہ عینی علیہ الرحمہ نے قصہ اہل الافک کی تفسیر میں اس امر کے متعلق تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

۱۔ وَقَوْلِهٖ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اقْتَرَعُوْا فَجَرَتِ الْاَقْلَامُ مَعَ الْجِرْيَةِ وَعَالَ قَلَمُ زَكَرِيَّآءَ الْجِرْيَةَ فَكَفَلَهَا زَكَرِيَّآءُ

اور اللہ تعالےٰ کا ارشاد جب وہ اپنی قلموں سے قرعہ ڈالتے تھے کہ مریم کس کی پرورش میں رہے حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر میں فرمایا جب سب نے اپنے اپنے قلم ڈالے تو تمام قلم پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہہ گئے لیکن حضرت زکریا کا قلم اوپر آ گیا۔ اس لیے انہوں نے حضرت مریم کی کفالت کی۔

یہ سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر ۴۴ ہے جس کا مختصر واقعہ یہ ہے۔ حضرت زکریا و عمران دونوں ہم زلف تھے۔ فاقوذا کی دختر ایشاع جو حضرت یحییٰ کی والدہ ہیں اور ان کی بہن حنہ جو فاقوذا کی دوسری دختر اور حضرت مریم کی والدہ ہیں وہ عمران کی بی بی تھیں ایک زمانہ تک حنہ کے اولاد نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ بڑھاپا آ گیا اور مایوسی ہوگئی۔ یہ صالحین کا خاندان تھا اور یہ سب لوگ اللہ کے مقبول بندے تھے۔ ایک روز حنہ نے ایک درخت کے سایہ میں ایک چڑیا دیکھی جو اپنے بچہ کو بھرا رہی تھی۔ یہ دیکھ کر آپ کے دل میں اولاد کا شوق پیدا ہوا اور بارگاہِ الٰہی میں دُعا کی کہ اگر تو مجھے بچہ دے تو اس کو بیت المقدس کا خادم بناؤں گی۔ حنہ نے ولادت کے بعد حضرت مریم کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر بیت المقدس میں احبار کے سامنے رکھ دیا۔ یہ احبار حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں تھے اور بیت المقدس میں ان کا منصب ایسا تھا جیسا کہ کعبہ شریف میں کلید برداران کا۔ چونکہ مریم ان کے امام عمران کی دختر تھیں اور ان کا خاندان بنی اسرائیل میں بہت اعلیٰ اور اہل علم کا خاندان تھا۔ اس لیے ان احبار نے جن کی تعداد ستائیس تھی۔ حضرت مریم کو اپنی کفالت میں لینے کی رغبت کی۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ان کا سب سے زیادہ حق دار ہوں کیونکہ میرے گھر میں ان کی خالہ ہیں۔ معاملہ اس پر ختم ہوا کہ قرعہ ڈالا جائے قرعہ حضرت زکریا نبی کے نام پر نکلا۔ قرعہ اندازی سے تمام احبار مطمئن ہو گئے اور حضرت مریم علیہا السلام حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں آ گئیں جس کا ذکر سورہ آل عمران میں ہے ۔ — اس آیت سے مشکل امور میں قرعہ اندازی کرنے کا جواز ثابت ہوا۔

۲۔ مفسرین نے فرمایا۔ اقلام سے مراد وہ قلمیں ہیں جن سے یہ احبار توریت کی کتابت کرتے تھے۔ حضرت عکرمہ، سعدی، قتادہ نے فرمایا کہ وہ اپنے اپنے قلم لے کر نہر اردن پر آئے۔ نہر میں جب احبار کے قلم اور حضرت زکریا کے قلم ڈالے گئے تو حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ فَجَرَتِ الْاَقْلَامُ مَعَ الْجِرْيَةِ تو احبار کے قلم

پانی کے بہاؤ میں بہہ گئے۔ وَعَالَ قلم زکریا یعنی اس بہاؤ میں حضرت زکریا کا قلم غالب آگیا۔
اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد فَسَاہَم کے معنیٰ ہیں "قرعہ اندازی کی"۔ فکان من المدحضین (میں من المدحضین کے معنیٰ ہیں۔ من المسھومین (یعنی قرعہ انھیں کے نام نکلا۔ فَسَاھَمَ کی تفسیر اقرع ہے۔ ضمیر حضرت یونس علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے۔ یہ تفسیر حضرت ابن عباس سے منقول ہے اور مدحضین کی تفسیر امام بخاری نے مسھومین سے کی یعنی مغلوبین المدحض کے لغوی معنیٰ غلبہ فتح وظفر سے دُور ہو جانے کے ہیں۔ یہ سورۂ صفّٰت کی آیت نمبر ۱۴۱ ہے جس سے امام بخاری نے قرعہ اندازی کے جواز کا استدلال فرمایا ہے۔

حضرت ابن عباس اور وہب کا قول ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم سے عذاب کا وعدہ کیا تھا۔ اس میں تاخیر ہوئی تو آپ اُن سے چُھپ کر نکل گئے اور آپ نے دریائی سفر کا قصد کیا کشتی پر سوار ہوئے۔ دریا کے درمیان میں کشتی ٹھہر گئی اور اس کے ٹھہرنے کا کوئی سبب ظاہر موجود نہ تھا۔ ملاحوں نے کہا اس کشتی میں اپنے مولا سے بھاگا ہوا کوئی غلام ہے۔ قرعہ ڈالنے سے ظاہر ہو جائیگا۔ قرعہ ڈالا گیا تو آپ ہی کا نام نکلا تو آپ نے فرمایا کہ میں ہی وہ غلام ہوں اور آپ پانی میں ڈال دیئے گئے کیونکہ دستور یہی تھا کہ جب تک بھاگا ہوا غلام دریا میں غرق نہ کر دیا جائے اس وقت تک کشتی چلتی نہ تھی۔

○ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے (کسی مقدمہ میں مدعیٰ علیہ ہونے کی بنا پر) چند اشخاص سے قسم کھانے کے لیے کہا تو وہ سب (ایک ساتھ) آگے بڑھے، اس لیے آپ نے ان میں باہم قرعہ ڈالنے کے لیے فرمایا کہ سب سے پہلے قسم کون کھائے (بخاری) گزشتہ اوراق میں اس حدیث پر تبصرہ ہوا ہے اس سے قرعہ کا جواز واضح ہے۔

۲۵۰۷ ۔ اس کے بعد امام بخاری نے حدیث نعمان بن بشیر ذکر کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کے حدود کے بارے میں مداہنت برتنے والے اور اس میں مبتلا ہو جانے والے کی مثال ایک ایسی قوم کی ہے جس نے ایک کشتی پر سفر کرنے کے سلسلے میں قرعہ اندازی کی۔ اس کے نتیجے میں کچھ لوگ نیچے کی منزل پر سوار ہوئے اور کچھ اوپر کی منزل پر۔ نیچے کے لوگ پانی لے کر اوپر کی منزل سے گزرتے تھے اور اس سے اوپر والوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ (اس خیال سے کہ اوپر کے لوگوں کو ان کے جانے آنے سے تکلیف ہوتی ہے) نیچے والے کلہاڑی سے کشتی کے نیچے کا حصہ کاٹنے لگے (تاکہ یہیں سے سمندر کا پانی لے لیا کریں) اب اوپر والے آئے اور کہنے لگے کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ انھوں نے کہا کہ تم لوگوں کو (ہمارے اوپر آنے جانے سے تکلیف ہوتی تھی اور ہمارے لیے پانی ضروری تھا۔ اب اگر انھوں نے نیچے والوں کا ہاتھ پکڑ لیا اور انہیں ان کی حماقت سے روک دیا) تو انھیں بھی نجات دی اور خود بھی نجات پائی۔ لیکن اگر انہیں چھوڑ دیا (اور جو وہ کر رہے تھے اسے کرنے دیا) تو انھیں بھی ہلاک کیا اور خود بھی ہلاک ہوگئے۔ (بخاری)

فوائد و مسائل یہ حدیث کتاب الشرکۃ میں مع تفہیم و ترجمانی کے گزر چکی ہے۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ قرعہ اندازی جائز ہے اور یہ کہ امر بالمعروف کرنا ضروری ہے۔ اگر اس میں کوتاہی کی جائے تو اچھے اور بُرے سب کی ہلاکت کا سبب بن سکتی ہے۔ عالم کے لیے یہ بات مستحب ہے کہ وہ مثال کے ذریعے احکامِ شریعت کی وضاحت کرے تاکہ عوام کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

۲۵۰۸ - یہاں امام بخاری نے حدیثِ خارجہ بن زید انصاری ذکر کی ہے جو کتاب الجنائز میں مع تفہیم و ترجمانی کے گزر چکی ہے۔ اس میں یہ ہے کہ ایک خاتون ام علا کہتی ہیں کہ انصار نے جب مہاجرین کو ہجرت کے فوراً بعد اپنے یہاں ٹھہرانے کے لیے قرعہ اندازی کی تو عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے قیام کا انتظام ہمارے حصے میں آیا (بخاری)

۲۵۰۹ - یہاں امام بخاری نے حدیث عائشہ ذکر کی ہے جس میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج میں قرعہ اندازی کرتے۔ جس کا نام نکل آتا اس کو سفر میں اپنے ساتھ لے جاتے (بخاری) یہ حدیث اور اس پر تبصرہ بھی حدیثِ افک میں گزر چکا ہے۔

۲۵۱۰ - یہاں امام بخاری نے حدیثِ ابوہریرہ ذکر کی ہے جو کتاب مواقیت الصلوٰۃ میں گزر چکی ہے جس میں یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اذان اور صفِ اول میں کتنی برکت ہے۔ پھر (انہیں اس ثواب کے حاصل کرنے کے لیے) قرعہ اندازی کرنی پڑتی تو وہ قرعہ اندازی بھی کرتے (بخاری)

ان تینوں حدیثوں کی عنوان سے مناسبت یہ ہے کہ ان میں قرعہ اندازی کا ذکر ہے جس سے قرعہ اندازی کا جواز ثابت ہوا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ / کتاب الصلح

بَابُ مَا جَآءَ فِي الْإِصْلَاحِ بَيْنَ النَّاسِ

باب لوگوں میں صلح کرا دینے کے متعلق آیات و احادیث

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى لَا خَيْرَ فِي كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا وَخُرُوْجِ الْاِمَامِ

اور اللہ تعالے کا ارشاد ہے کہ ان کے اکثر مشوروں میں بھلائی نہیں ہے مگر جو حکم دے خیرات یا اچھی بات یا لوگوں میں صلح کرنے کا اور جو اللہ کی رضا چاہنے کو ایسا کرے اسے عنقریب بڑا ثواب دیں گے اور امام کا اپنے اصحاب کے ساتھ جھگڑوں کے مقام

اِلَی الْمَوَاضِعِ لِیُصْلِحَ بَیْنَ النَّاسِ بِاَصْحَابِہٖ | پر جاتا۔

۱- مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان نزاع دُور کرنے کے لیے جو عقد کیا جائے اس کو صلح کہتے ہیں۔ قرآن وحدیث میں لوگوں کی باہمی رنجشوں اور جھگڑوں کو دُور کرنے اور ان کے درمیان مصالحت کرانے کی ترغیب دی گئی ہے اور عملِ خیر کے فضائل اور ثواب کو بیان کیا ہے ـــــ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسا کام نہ بتاؤں جس کا درجہ روزے نماز اور صدقہ میں سب سے افضل ہے۔ صحابہ نے عرض کی ضرور بتایئے۔ فرمایا وہ کام اصلاح ذات البین ہے یعنی دو شخصوں کے درمیان جو رنجش ہے اس کو دُور کر کے صلح کرانا اور فساد کو ختم کرانا ہے۔ (احمد)

۲- زیرِ عنوان سورۂ نساء کی آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں خیر و برکت اور ثواب نہیں ہوتا لیکن جو لوگ صدقہ و خیرات کی ترغیب دیتے ہیں یا امر بالمعروف نیکی کا حکم کرتے ہیں یا لوگوں میں صلح کرانے کا مشورہ دیتے ہیں ایسی سرگوشیاں باعثِ برکت و ثواب ہیں اور جو لوگ صرف اللہ کی رضا کے لیے یہ تینوں کام کرتے ہیں اور اس کی تعلیم و ترغیب اور تکمیل و انتظام کے لیے تدبیریں اور مشورے کرتے ہیں تو اللہ تعالےٰ انھیں اجرِ عظیم عطا فرماتا ہے۔ اسی طرح امام کا جھگڑوں کے مقام پر خود جا کر موقع کا معائنہ کرنا اور ان کے درمیان صلح کرانا یہ بھی مشروع و مسنون ہے۔ اگر قاضی یہ خیال کرے کہ دونوں مخالف گروپ صلح کریں گے تو وہ انھیں صلح کی ترغیب دے اور ایک دو دفعہ سے زیادہ صلح کے لیے نہ کہے اور جب قاضی کو معلوم ہو جائے کہ یہ صلح نہیں کریں گے تو پھر دلائل و شواہد کی روشنی میں ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔

۲۵۱۱- سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ (قبا کے) بنو عمرو بن عوف میں باہم کچھ رنجش ہو گئی تھی تو رسول اللہ علیہ وسلم اپنے چند اصحاب کو ساتھ لے کر اُن کے یہاں، اُن میں باہم صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے (آپ لوگوں میں صلح صفائی میں مشغول رہے) اور نماز کا وقت ہو گیا، لیکن آپ تشریف نہ لائے۔ قصہ مختصر حضور کی ہدایت کے مطابق حضرت ابوبکر نے نماز پڑھانی شروع کی (بخاری) یہ ایک طویل حدیث ہے جو مع تفہیم و ترجمانی کے کتاب مواقیت الصلوٰۃ پارہ سوم میں گزر چکی ہے ـــــ امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس حدیث کو ذکر کر کے یہ بتایا ہے کہ امام اور قاضی کا بوقتِ ضرورت خود موقع پر پہنچ کر فریقین میں صلح کرانا مشروع ہے۔

۲۵۱۲- اَنَّ اَنَسًا قَالَ قِیْلَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ اَتَیْتَ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ اُبَیٍّ فَانْطَلَقَ اِلَیْہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَرَکِبَ حِمَارًا فَانْطَلَقَ

حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا۔ اگر آپ عبد اللہ بن ابی (منافق) کے یہاں تشریف لے چلتے تو بہتر تھا۔ حضور اس کے یہاں دراز گوش پر سوار ہو کر تشریف لے گئے۔ صحابہ

——— الْمُسْلِمُوْنَ يَمْشُوْنَ مَعَهٗ وَهِيَ اَرْضٌ سَبِخَةٌ فَلَمَّا اَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِلَيْكَ عَنِّيْ وَاللّٰهِ لَقَدْ اٰذَانِيْ نَتْنُ حِمَارِكَ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ مِنْهُمْ وَاللّٰهِ لَحِمَارُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَطْيَبُ رِيْحًا مِنْكَ فَغَضِبَ لِعَبْدِ اللّٰهِ رَجُلٌ مِّنْ قَوْمِهٖ فَشَتَمَا فَغَضِبَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا اَصْحَابُهٗ فَكَانَ بَيْنَهُمَا ضَرْبٌ بِالْجَرِيْدِ وَالْاَيْدِيْ وَالنِّعَالِ فَبَلَغَنَا اَنَّهَا اُنْزِلَتْ وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا (بخاری)

رضوان اللہ علیہم پیدل آپ کے جلو میں تھے جہاں آپ گزر رہے تھے۔ وہ شورزمین تھی۔ جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس کے یہاں پہنچے تو وہ کہنے لگا۔ ذرا آپ دُور ہی رہیئے۔ آپ کے دراز گوش کی بُو سے مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔ اس پر ایک صحابی بولے کہ خدا کی قسم! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دراز گوش کی بُو تم سے بہتر ہے۔ عبداللہ (منافق) کی طرف سے اس کی قوم کا ایک شخص ان صحابی کی بات پر غصّے ہوگیا اور دونوں نے ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہا۔ پھر دونوں طرف کے لوگ مشتعل ہوگئے اور ہاتھاپائی تک نوبت پہنچ گئی۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یہ آیت ● اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو ان میں صُلح کرادو، اس موقع پر نازل ہوئی۔

فوائد و مسائل ۱۔ اس حدیث کو مسلم نے مغازی میں ذکر کیا ہے ۲۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم بڑے حلیم الطبع اور بُردبار ہیں۔ سخت سے سخت اشتعال کے موقع پر بھی آپ عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں۔ کفار و مشرکین کی بیہودہ گوئی پر صبر فرماتے ہیں ۳۔ صحابہ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کے قلوب حضور کی محبت وعظمت سے مخمور و معمور تھے۔ ان کے عشقِ رسول کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی آپ کی سواری کے متعلق بھی کوئی نازیبا کلمہ استعمال کرتا تو وہ اسے برداشت نہ کرتے اور فوراً جواب دیتے ۴۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ جس چیز کو حضور سے نسبت ہو جائے اس کی مدح میں مبالغہ کرنا بھی مسنون و مشروع ہے کیونکہ انصاری نے عبداللہ بن ابی منافق کی بکواس کا جواب یہ دیا تھا کہ اس دراز گوش کے پیشاب کی بو تجھ سے زیادہ اطیب ہے۔ انصاری کے اس جواب پر آپ نے انکار نہ فرمایا ۵۔ عنوان سے مناسبت اس حدیث کی یہ ہے کہ حضور دو فریقوں میں صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے ——— ۶۔ حدیث میں حضرت انس نے جس آیت کا ذکر کیا ہے۔ یہ سورہ الحجرات کی آیت نمبر ۹ ہے۔ اس کے شانِ نزول متعدد بیان ہوئے ہیں امام مقاتل علیہ الرحمہ کی تفسیر میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر انصار کی مجلس پر ہوا۔ حضور دراز گوش پر سوار تھے جس کا نام یعفور تھا۔ اس نے پیشاب کیا تو ابن ابی نے ناک بند کرلی۔ حضور کو اس کی

یہ روش ناگوار خاطر ہوئی اور آپ واپس تشریف لے گئے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے جواب میں کہا کہ حضور کے دراز گوش کا پیشاب تیرے مشک سے بہتر خوشبو رکھتا ہے۔ ان دونوں میں بات بڑھ گئی۔ عبداللہ بن ابی کی قوم کے وہ لوگ جو مسلمان ہو چکے تھے اور عبداللہ بن رواحہ کی قوم میں جھگڑا طول پکڑ گیا۔ حضور دوبارہ تشریف لائے اور مسلمانوں کے دونوں گروہوں میں صلح کرا دی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا۔ وَاَعَانَ ابن ابی رجال من قومه وهم مومنون۔ عینی ج ۱۴ ص ۲۶۷ یعنی ابن ابی نے ان لوگوں کی مدد کی جو اس کی قوم سے تھے اور وہ ایمان لا چکے تھے ——— ۷۔ یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری میں متعدد منافقین نے آپ کی توہین کی تو آپ نے اُسے قتل کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ صحابہ کے عرض کرنے کے باوجود اس کے قتل کی اجازت نہ دی حالانکہ گستاخِ رسول واجب القتل ہے۔ علماء نے اس کے متعدد جواب دیے ہیں۔ مثلاً یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جائز تھا کہ وہ اپنی حیات میں کسی گستاخ کو معاف کر دیں کیونکہ یہ حضور کا اپنا حق ہے لیکن امت کو جائز نہیں کہ وہ حضور کے گستاخ کو معاف کر دے۔ بعض نے یہ جواب دیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام اللہ تعالٰے کی اس ہدایت کو بجا لاتے کہ آپ معافی کو اختیار فرمائیں اور جاہلوں سے منہ پھیر لیں (اعراف آیت ۱۹۹) اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی وجہ بیان فرمائی ہے جو کہ مسلم شریف کی مندرجہ ذیل حدیث میں ہے۔

۱۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام لوگوں میں مٹھی بھر بھر کر چاندی تقسیم فرما رہے تھے۔ ایک شخص نے کہا یا محمد عدل کیجیے۔ آپ نے جواب میں فرمایا اگر میں عدل نہیں کرونگا تو اور کون کرے گا۔ حضرت عمر بن خطاب نے عرض کی

فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ دَعْنِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاقْتُلُ هٰذَا الْمُنَافِقَ فَقَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ يَّتَحَدَّثَ النَّاسُ اَنِّيْ اَقْتُلُ اَصْحَابِيْ اِنَّ هٰذَا وَاَصْحَابَهٗ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنْهُ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ

یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجیے میں اس شخص کو قتل کر دوں۔ آپ نے فرمایا۔ معاذ اللہ کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ میں اپنے اصحاب کو قتل کرتا ہوں۔ یہ شخص اور اس کے ساتھی قرآن پڑھتے ہیں مگر قرآن ان کے گلوں کے نیچے نہیں اُترتا اور یہ لوگ قرآن سے اس طرح صاف نکل جائیں گے جس طرح تیر نشانہ سے نکل جاتا ہے۔ مسلم

۲۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضور علیہ السلام یمن سے آیا ہوا سونا تقسیم فرما رہے

تھے۔ ایک شخص آیا اور اس نے کہا یا محمد اللہ سے ڈریئے۔ حضور نے فرمایا اگر میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں تو اس کی اطاعت کون کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے زمین پر امین بنا کر بھیجا ہے اور تم مجھے امین نہیں مانتے! پھر وہ شخص پشت پھیر کر چل دیا۔ قوم میں سے ایک شخص نے اس کے قتل کی اجازت چاہی لوگوں کا خیال ہے وہ حضرت خالد بن ولید تھے۔

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ ضِئْضِئِ هٰذَا قَوْمٌ يَّقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَقْتُلُوْنَ اَهْلَ الْاِسْلَامِ وَ يَدَعُوْنَ اَهْلَ الْاَوْثَانِ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الْاِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ لَئِنْ اَدْرَكْتُهُمْ لَاَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ

جواب میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس کی نسل سے ایک ایسی قوم پیدا ہوگی جو قرآن پڑھے گی اور قرآن اس کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا۔ یہ لوگ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور کافروں کو چھوڑ دیں گے اور یہ لوگ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ اگر میں ان لوگوں کو (یعنی ان کا زمانہ) پالیتا تو قوم عاد کی طرح ان کو قتل کر ڈالتا (مسلم کتاب الزکوٰۃ)

ان دونوں حدیثوں پر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ حضور نے قتل کا حکم اس لیے نہیں دیا تاکہ مخالفین ومعاندین اسلام کو یہ پروپیگنڈا کرنے کا موقع نہ ملے کہ آپ تو اپنے صحابہ کو بھی قتل کردیتے ہیں۔ یہ اسلام کا ابتدائی دور تھا۔ لہٰذا اس وقت مصلحت یہی تھی کہ گستاخِ رسول کو قتل نہ کیا جائے تاکہ مخالفینِ اسلام اس کے قتل کو اسلام میں طعن کا ذریعہ نہ بنالیں اور اس طرح اسلام کی تبلیغ واشاعت میں دشواری اور رکاوٹ پیدا ہو جائے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ بات آپ کے علم میں تھی کہ اس گستاخ کی نسل سے آیندہ زمانہ میں کچھ ملحد وبےدین پیدا ہونے والے ہیں جن کا پیدا فرمانا اللہ تعالیٰ مقدر فرما چکا ہے تو اس امر تکوینی کی وجہ سے آپ نے اس وقت گستاخ رسول کو قتل کرنے سے منع فرمادیا۔

۱۳۲۵ - اَنَّ اُمَّهٗ اُمَّ كُلْثُوْمٍ بِنْتَ عُقْبَةَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِيْ يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ فَيَنْمِيْ خَيْرًا اَوْ يَقُوْلُ خَيْرًا

ام کلثوم بنت عقبہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں میں اصلاح کرتا ہے۔ اچھی بات کہتا ہے اور اچھی بات پہنچاتا ہے۔

(بخاری)

فوائد ومسائل ۱۔ راوی کو شک ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فینمی خیراً فرمایا او یقول خیراً

فرمایا۔ مطلب دونوں جملوں کا ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ جو شخص مسلمانوں کی دو جماعتوں، دو گروہوں، خاندان کے افراد، رشتہ داروں، میاں بیوی کے درمیان صلح کرانے کی غرض سے ایک کی طرف سے دوسرے کے پاس اپنی طرف سے اچھی بات کہتا ہے۔ ایسی بات جو انھوں نے نہیں کہی ہے تو ایسے شخص کو جھوٹا نہیں کہا جائیگا یعنی ایسے شخص کو خلافِ واقعہ بات کہنے کی وجہ سے گناہ نہ ہوگا بلکہ اس کو ثواب ہوگا کیونکہ وہ دفع شر اور اصلاح بین المسلمین کے لیے ایک ایسی خلافِ واقعہ بات ایک دوسرے تک پہنچا رہا ہے جس سے دونوں فریقوں میں سے کسی کی حق تلفی نہیں ہو رہی ہے۔

بعض مواقع ایسے ہیں کہ جہاں خلافِ واقع بات کہنے کی اجازت ہے

۲۔ واضح ہو کہ کذب بالاجماع حرام ہے۔ قرآن و سنت میں جھوٹ بولنے والوں پر لعنت آئی ہے۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جھوٹ سے منہ کالا ہوتا ہے اور چغلی سے قبر کا عذاب (بیہقی)۔ حتیٰ کہ بچوں کو جھوٹ موٹ کچھ دینے کا لالچ دینا بھی جھوٹ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے مکان میں جلوہ فرما تھے۔ میری ماں نے مجھے بلایا کہ آؤ تمہیں دوں گی حضور نے فرمایا۔ کیا چیز دینے کا ارادہ ہے۔ انہوں نے کہا کھجوروں کا۔ ارشاد فرمایا اگر تو کچھ نہ دیتی تو یہ تیرے ذمہ جھوٹ لکھا جاتا (ابو داؤد)

غرضکہ کذب بہرحال حرام ہے اور اس لیے حرام ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے اسے حرام قرار دیا ہے لیکن بعض مواقع ایسے ہیں جہاں اللہ اور اس کے رسول نے اس کی اجازت اور رخصت دی ہے۔ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا يَحِلُّ الْكَذِبُ اِلَّا فِيْ ثَلَاثٍ يُحَدِّثُ الرَّجُلُ امْرَاَتَهٗ يُرْضِيْهَا وَالْكَذِبُ فِي الْحَرْبِ وَالْكَذِبُ لِيُصْلِحَ بَيْنَ النَّاسِ (ترمذی)

کذب حلال نہیں مگر تین جگہوں میں۔ مرد[۱] اپنی عورت کو راضی کرنے کے لیے بات کرے۔ اور[۲] لڑائی میں جھوٹ بولنا۔ لوگوں[۳] کے درمیان صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولنا۔

تین صورتوں میں خلاف واقع بات کرنا جائز ہے

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ تین صورتوں میں جھوٹ بولنا جائز ہے یعنی اس میں گناہ نہیں ایک کفار سے جنگ کی صورت میں کہ یہاں اپنے مقابل کو دھوکا دینا جائز ہے۔ اسی طرح جب ظالم ظلم کرنا چاہتا ہو اس کے ظلم سے بچنے کے لیے بھی جائز ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دو مسلمانوں میں اختلاف ہے اور یہ ان دونوں میں صلح کرانا چاہتا ہو۔ مثلاً ایک کے سامنے کہہ دے کہ وہ تمہیں اچھا جانتا ہے تمہاری تعریف کرتا ہے یا

اس نے تمہیں سلام کہلا بھیجا ہے اور دوسرے کے پاس بھی اس قسم کی باتیں کرے تاکہ دونوں میں عداوت کم ہو جائے اور صلح ہو جائے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ بی بی کو خوش کرنے کے لیے خلافِ واقع بات کہے —
(عالمگیری ج ۵ ص ۳۴۸)

فقہاءِ اسلام نے بعض ان مواقع کی نشاندہی کی ہے کہ جہاں خلافِ واقع بات کرنے کی رخصت ہے

اصول و قواعدِ اسلام کی روشنی میں فقہاءِ اسلام نے بعض ان مواقع کی نشاندہی کی ہے جہاں خلافِ واقع بات کرنے کی رخصت ہے ۴۔ علامہ شامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس مقصد کو سچ بولکر بھی حاصل کیا جا سکتا ہو اور جھوٹ بول کر بھی حاصل کر سکتا ہو اس کے حاصل کرنے کے لیے جھُوٹ بولنا حرام ہے اور اگر جھوٹ سے حاصل کر سکتا ہو سچ بولنے سے حاصل نہ ہو سکتا ہو تو بعض صورتوں میں کذب بھی مباح ہے بلکہ بعض صورتوں میں واجب ہے جیسے کسی بے گناہ شخص کو ظالم شخص قتل کرنا چاہتا ہے یا ایذا دینا چاہتا ہے اور وہ ڈر سے چھُپا ہوا ہے ظالم نے کسی سے دریافت کیا کہ وہ کہاں ہے تو یہ کہہ سکتا ہے مجھے معلوم نہیں اگرچہ جانتا ہو یا کسی کی امانت اس کے پاس ہے کوئی اس سے چھیننا چاہتا ہے پوچھتا ہے کہ امانت کہاں ہے یہ انکار کر سکتا ہے کہ میرے پاس اس کی امانت نہیں (ردالمحتار ج ۵ ص ۳۰۳)

لیکن یہ بات ذہن میں رہنی چاہیئے کہ گو کہ اپنی جان، مال اور حق کو بچانے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے مگر یہ رخصت ہے اور عزیمت یہی ہے کہ جھوٹ نہ بولے (کیونکہ ایک مسلمان کو خاص اپنے معاملہ میں رخصت کو چھوڑ کر عزیمت پر عمل کرنے کا اختیار ہے اور دوسرے مسلمان کی جان و مال و عزت کو بچانے کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے۔ (کیونکہ دوسرے مسلمان کے معاملہ میں عزیمت پر عمل کرنے کا اس کو اختیار نہیں ہے)

۵۔ اسی طرح کسی نے چھپ کر بے حیائی کا کام کیا ہے۔ اس سے دریافت کیا گیا کہ تونے یہ کام کیا وہ انکار کر سکتا ہے کیونکہ ایسے کام کو لوگوں کے سامنے ظاہر کر دینا یہ دوسرا گناہ ہوگا اسی طرح اگر اپنے مسلم بھائی کے بھید پر مطلع ہو تو اس کے بیان کرنے سے بھی انکار کر سکتا ہے (ردالمحتار ج ۵ ص ۳۰۳)

کسی غرض صحیح کے لیے توریہ اور تعریض سے کام لینا جائز ہے

۶۔ کسی غرض صحیح اور مصلحت کی بنا پر تعریض و توریہ اور کنایہ سے کام لینا بھی جائز ہے۔

توریہ اور تعریض کے معنیٰ

تعریض کے لغوی معنیٰ دوسرے پر ڈھال کے بات کرنے کے ہیں یعنی تعریض میں تصریح نہیں ہوتی گویا تعریض کے معنیٰ یہ ہیں کہ ایک چیز کا دوسری چیز سے

توریہ یعنی کنایہ کرنا۔ علامہ تفتازانی علیہ الرحمہ مختصر معانی میں لکھتے ہیں کہ کلام کو ایسی طرف پھیرنا جو مقصود پر دلالت کرے یعنی اشارہ ایک جانب ہو اور مراد دوسری جانب ہو توریہ تعریض ہے ـــــ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے عدی بن حاتم سے فرمایا ـــــــــ تمہارا تکیہ بہت چوڑا ہے تو تکیہ سے ان کی نیند کا ارادہ فرمایا۔ مطلب یہ کہ تم بہت سونے ہو۔

۷۔ عدت کے اندر عورت کو پیغام نکاح دینا ناجائز ہے اور اگر نکاح کا پیغام دینا ہو تو نکاح کرنے کی تصریح نہ کرے بلکہ تعریضاً کہے۔ تم بہت سلیقہ مند ہو، مجھے نکاح کی حاجت ہے اور توریہ کی تعریف یہ ہے کہ ایک لفظ کے دو معنیٰ ہوں۔ ایک قریب اور ایک بعید، بولنے والا کسی خفیہ قرینے کی بناء پر اس لفظ کا بعید معنیٰ مراد لے اور مخاطب اس لفظ کا قریب معنیٰ سمجھے۔

۸۔ غرض صحیح اور مصلحت کے لیے توریہ اور تعریض کے لیے کام لینا جائز ہے مگر توریہ اور تعریض سے کام لینے میں بھی احتیاط کی ضرورت ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ توریہ بلا حاجت جائز نہیں اور حاجت ہو تو جائز ہے۔ توریہ کی مثال یہ ہے کہ تم نے کسی کو کھانے کے لیے بلایا۔ وہ کہتا ہے میں نے کھانا کھالیا۔ اس کے ظاہر معنیٰ یہ ہیں کہ اس وقت کا کھانا کھالیا ہے مگر وہ یہ مراد لیتا ہے کہ کل کھایا ہے یہ بھی جھوٹ میں داخل ہے (عالمگیری ج ۵ ص ۳۴۸)

۹۔ علامہ شامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس قسم کے مبالغہ کا عادۃً رواج ہے لوگ اسے مبالغہ پر ہی محمول کرتے ہیں اس کے حقیقی معنیٰ مراد نہیں لیتے وہ جھوٹ میں داخل نہیں مثلاً یہ کہا کہ میں تمہارے پاس ہزار مرتبہ آیا یا ہزار مرتبہ میں نے تم سے یہ کہا۔ یہاں ہزار کا عدد مراد نہیں بلکہ کئی مرتبہ آنا اور کہنا مراد ہے یہ لفظ ایسے موقع پر نہیں بولا جائیگا کہ ایک ہی مرتبہ آیا ہو یا ایک ہی مرتبہ کہا ہو اور اگر ایک مرتبہ آیا اور یہ کہہ دیا کہ ہزار مرتبہ آیا تو جھوٹا ہے (ردالمختار ج ۵ ص ۳۰۳)

(۱۰) اپنے جائز حق کے حصول کے لیے توریہ جائز ہے مثلاً شفیع کو رات میں جائیداد مشفوعہ کی بیع کا علم ہوا۔ اور اس وقت لوگوں کو گواہ نہ بنا سکتا ہو تو صبح کو گواہوں کے سامنے یہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے بیع کا اس وقت علم ہوا دوسری مثال یہ ہے کہ لڑکی کو رات کو حیض آیا اور اس نے خیار بلوغ کے طور پر اپنے نفس کو اختیار کیا مگر کوئی گواہ نہیں ہے تو صبح کو لوگوں کے سامنے یہ کہہ سکتی ہے کہ میں نے اس وقت خون دیکھا (ج ۵ ص ۳۰۳)

اسی طرح تعریض کی بعض صورتیں جن میں لوگوں کا دل خوش کرنا اور مزاح مقصود ہو یا رنج و غم سے بچانا مقصود ہو جائز ہے۔ حدیث و آثار صحابہ سے اس کا جواز واضح ہے۔

۱۱۔ جیسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم نے بطور مبالغہ فرمایا۔ اما ابوجهم فلا يضع عصاه عن عاتقه۔ ابوجہم تم اپنے کندھے سے لاٹھی علیحدہ نہیں کرتے یعنی اپنی بیوی کو بات بات پر مارتے یا ناراض ہوتے ہو۔

۱۱۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے بطور مزاح ایک بوڑھی عورت سے فرمایا کہ بڑھیا عورت جنت میں نہیں جائے گی۔ جب وہ کبیدہ خاطر ہوئیں تو آپ نے فرمایا۔ بڑھیا بصورتِ بڑھیا جنت میں نہیں بلکہ جوان ہو کر جائے گی کیونکہ سب جنتی جوان بنا کر جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ (کشف الاستار علی ھاش درمختار ج ۵ ص ۲۵۴)

۱۲۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم سے سواری مانگی تو آپ نے فرمایا۔ میں تجھے اونٹ کے بچہ پر سوار کروں گا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ میں اونٹ کے بچہ کا کیا کروں گا۔ حضور نے فرمایا۔ وَھَل تلد الابل الا النوق۔ جو اونٹ پیدا ہوتا ہے وہ اونٹ کا بچہ ہی ہوتا ہے (ابوداؤد ج ۲ ص ۳۲۶) ـــــ بخاری میں حضرت انس سے مروی ہے کہ حضرت ابوطلحہ کے بیٹے کا انتقال ہوگیا۔ انہوں نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ لڑکے کی طبیعت کیسی ہے تو ان کی بیوی حضرت ام سلیم نے جواب دیا۔ وہ پُرسکون ہے اور مجھے امید ہے کہ

وَارجو ان اکون قد استراح وَ ظن انّها صادقۃ (بخاری ج ۲ ص ۹۱۷) | اس کو راحت مل گئی۔ حضرت ابوطلحہ نے ان کی بات کو سچ سمجھا

بیٹا پُرسکون ہے۔ اس کو راحت مل گئی کا قریب معنیٰ یہ تھا کہ اس کو مرض سے شفا ہوگئی اور بعید معنیٰ یہ ہے کہ وہ انتقال کر گیا اور اسے ابدی راحت مل گئی۔ حضرت ام سلیم نے بعید معنیٰ کا ارادہ کیا کیونکہ حضرت ابوطلحہ سفر سے واپس گھر آئے تھے اور ام سلیم یہ نہیں چاہتی تھیں کہ گھر پہنچتے ہی ان کو ایسی خبر دی جائے جس سے وہ مغموم ہوں اس لیے ام سلیم نے توریہ اور کنایہ سے کام لیا۔

بَاب قَوْلِ الْإِمَامِ لِأَصْحَابِهِ اذْهَبُوا بِنَا نُصْلِحُ

باب امام کا اپنے ساتھیوں سے کہنا کہ چلو صلح کرانے چلیں

۱۴۲۵۔ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ اَهْلَ قُبَاءَ اقْتَتَلُوْا حَتّٰى تَرَامَوْا بِالْحِجَارَةِ فَاُخْبِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ فَقَالَ اذْهَبُوْا بِنَا نُصْلِحُ بَيْنَهُمْ (بخاری)

حضرت سہل بن سعد سے مروی ہے کہ قُبا کے لوگوں نے آپس میں جھگڑا کیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک نے دوسرے پر پتھر پھینکے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا، چلو ہم ان میں باہم صلح کرائیں گے۔

فوائد و مسائل ۱۔ عنوان میں نصلح کے لفظ کو جزم کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔ جب کہ اسے امر کی خبر قرار دیا جائے اور رفع کے ساتھ بھی۔ جب کہ تقدیرِ عبارت یوں ہو۔ نَحْنُ نُصْلِحُ

۲۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ بوقتِ ضرورت امام کا خود موقع پر جا کر صلح کرا دینا بھی مشروع ہے اور یہ کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں میں باہم جھگڑا و فساد پسند نہ تھا۔ آپ بہت متواضع ہیں اور مسلمانوں کا کسی تکلیف

ہیں تکلیف میں مبتلا ہونا آپ پر گراں ہے جیسا کہ سورۂ فتح کی آیت ۱۲۸ میں حضور علیہ السلام کے اس وصف کا ذکر ہے۔

بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا

باب اللہ تعالیٰ کا ارشاد۔ اگر دونوں فریق آپس میں صلح کرلیں

وَّالصُّلْحُ خَيْرٌ (النساء ۱۲۸) اور صلح بہتر ہے

۲۵۱۵- عَنْ عَائِشَةَ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا قَالَتْ هُوَ الرَّجُلُ يَرٰى مِنِ امْرَاَتِهٖ مَالَا يُعْجِبُهٗ كِبَرًا اَوْ غَيْرَهٗ فَيُرِيْدُ فِرَاقَهَا فَتَقُوْلُ اَمْسِكْنِیْ وَاقْسِمْ لِیْ مَا شِئْتَ قَالَتْ فَلَا بَاْسَ اِذَا تَرَاضَيَا (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس آیت "اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی طرف سے بے توجہی اور اعراض محسوس کرے" کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ ایسا شوہر ہے جو اپنی بیوی میں ایسی چیزیں پائے جو اسے پسند نہ ہوں، عمر کی زیادتی وغیرہ اور اس لیے اسے اپنے سے جدا کرنا چاہتا ہو اور عورت کہے کہ مجھے جدا نہ کرو (نفقہ وغیرہ) جس طرح تم چاہو دیتے رہو تو انھوں نے فرمایا کہ اگر دونوں اس پر راضی ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے (بخاری)

اگر خاوند طلاق دینا چاہتا ہے اور فریقین باہم رضامندی سے خاص شرائط پر صلح کرلیں تو یہ جائز بلکہ افضل ہے اور اس صلح کے ضروری احکام و مسائل

۱- واضح ہو کہ جب میاں بیوی کے باہمی تعلقات خراب ہو جائیں تو شوہر کے لیے قرآن نے ایک عام قانون بتایا ہے کہ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ۔ اگر بیوی کو رکھنا ہے تو دستور کے مطابق اس کے پورے حقوق ادا کر کے رکھو اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو اس کو طلاق دے کر آزاد کر دو۔ اگر خاوند کی اپنی بیوی سے بے رغبتی اس درجہ کی ہو گئی ہے کہ وہ اس کو جدا کرنے پر آمادہ ہو گیا ہے اور عورت کسی وجہ سے طلاق نہیں چاہتی۔ خواہ اپنی اولاد کے مفاد کی وجہ سے یا اس لیے کہ اس کا کوئی دوسرا سہارا نہیں ہے تو اس صورت میں میاں بیوی باہم رضامندی سے خاص شرائط پر صلح کرلیں تو یہ صلح جائز بلکہ بہتر و افضل ہے ——— امام بخاری علیہ الرحمہ نے سورہ نساء کی آیت اور حدیث عائشہ اسی مسئلہ کو بیان کرنے کے لیے ذکر کی ہے۔

۲- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو یہ محسوس ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کو طلاق دیدیں گے تو آپ نے بارگاہِ نبوت میں عرض کی۔ لا تطلقی

وَاجْعَلْ يَوْمِيْ لِعَائِشَةَ - حضور مجھے طلاق نہ دیں - میں اپنی باری حضرت عائشہ کو دیتی ہوں - اس پر حضور نے طلاق دینے کا ارادہ ملتوی کر دیا ـــــــ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی - وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا (نساء ۱۲۸) - اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ کرے تو ان پر گناہ نہیں کہ آپس میں صلح کر لیں اور صلح خوب ہے۔

۳- حضرت امیر المومنین علی مرتضٰے کرم اللہ وجہہ الکریم اس آیت کی تفسیر میں فرماتے کہ جب خاوند طلاق دینے کا ارادہ کرے اور عورت کسی وجہ سے طلاق نہ چاہے اور عورت اپنے کل یا بعض حقوق چھوڑ دینے کی شرط پر باہمی رضامندی سے صلح کر لے تو یہ جائز ہے مثلاً عورت نان نفقہ معاف کر دے یا اس کی مقدار کم کر دے یا اپنی باری چھوڑ دے یا کل یا بعض مہر معاف کر دے یا روپیہ یا کوئی چیز دے کر صلح کر لے تاکہ مرد طلاق نہ دے (مظہری) فَلَا جُنَاحَ کے الفاظ سے اس امر کو بیان کیا گیا ہے کہ دونوں میاں بیوی پر گناہ نہیں ہے - یہ اس لیے فرمایا کہ عورت کا اپنے حقوق سے دستبردار ہونا یا اپنے شوہر کو روپیہ پیسہ دے کر ازدواجی زندگی کو برقرار رکھنا بظاہر اس معاملہ کی صورت رشوت کی سی ہے لیکن قرآن نے گناہ کی نفی کر کے یہ واضح کر دیا کہ یہ رشوت نہیں بلکہ مصلحت ہے۔

۴- علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ آیت میں بَيْنَهُمَا کے لفظ سے اس طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ میاں بیوی کے معاملات میں کوئی تیسرا دخیل نہ ہو تو بہتر ہے - میاں بیوی آپس میں خود ہی بات طے کر لیں کیونکہ تیسرے کے دخل سے بعض اوقات معاملہ مزید الجھ جاتا ہے اور اگر تیسرے کے دخل سے معاملہ طے بھی ہو جائے تو بھی طرفین کے عیوب دوسروں پر ظاہر ہوں گے جو مصلحت کے خلاف ہے اس لیے بہتر و افضل یہ ہے کہ میاں بیوی اپنے معاملات خود ہی آپس میں طے کر لیں (تفسیر مظہری)

۵- یہاں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہیے - اگر کسی عورت نے اپنے بعض حقوق کا مطالبہ ترک کر دینے پر صلح کر لی تو یہ صلح عورت کے اس حق کو تو قطعی طور پر ختم کر دے گی جو وقتِ صلح شوہر کے ذمہ عائد ہیں - جیسے دینِ مہر کہ وہ شوہر پر اس صلح سے پہلے واجب الادا ہے - لہٰذا جب وہ پورا مہر یا اس کا کوئی جزء معاف کر دینے پر صلح کر لے تو یہ مہر یا اس کا حصہ ساقط ہو جائے گا - اس کے بعد اس کو مطالبہ کا حق باقی نہ رہے گا، لیکن جو حقوق ایسے ہیں کہ بوقتِ صلح ان کی ادائیگی شوہر پر واجب ہی نہ تھی - مثلاً آئندہ زمانہ کا نان و نفقہ یا حقِ شب باشی جس کا وجوب آنے والے زمانہ میں ہو گا - فی الحال اس کے ذمہ واجب الادا نہیں ہے - ان حقوق کے ترک پر اگر مصالحت کر لی گئی تو عورت کا حقِ مطالبہ ہمیشہ کے لیے ختم نہیں ہو گا بلکہ جب وہ چاہے یہ کہہ سکتی ہے کہ آئندہ میں اپنا یہ حق چھوڑنے کے لیے تیار نہیں، اس صورت میں شوہر اگر چاہے تو طلاق دے کر اسے آزاد کر سکتا ہے۔ (تفسیر مظہری وغیرہ)

واضح ہو کہ سورۂ نساء کی ابتداء میں میاں بیوی کے باہمی اختلاف کی صورت میں صرف صلح کے جائز ہونے کا

ذکر ہے اور والصلح خیر فرما کر اس امر کی ترغیب و تلقین کی گئی ہے کہ باہم مصالحت کرلینا بہر حال بہتر و افضل ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں والصلح خیر کا جملہ عام ہے اس میں میاں بیوی کے جھگڑے ہوں یا خاندان کے دوسرے اختلافات یا مسلمانوں کے باہم معاملات و نزاعات و مقدمات سب داخل ہیں اور ان سب میں صلح کرلینا بہتر و افضل ہے یعنی دونوں فریق کا اپنے پورے مطالبہ پر اڑے رہنے کی بجائے مطالبہ کے کچھ حصہ سے دستبردار ہو کر کسی درمیانی صورت پر باہمی رضامندی کے ساتھ مصالحت کرلینا بہتر ہے۔ چنانچہ ائمہ ثلاثہ حضرت احمد بن حنبل، امام مالک اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم نے اسی آیت کی روشنی میں فرمایا۔ دعویٰ صحیح کے بعد صلح کی یہ سب اقسام جائز ہیں۔ خواہ اقرار کے ساتھ ہو جیسے مدعا علیہ یہ اقرار کرے کہ مدعی کے دعوے کے مطابق میرے ذمہ اس کے ایک ہزار روپیہ واجب الادا ہیں۔ پھر مصالحت اس پر ہو جائے کہ مدعی اس میں سے کچھ رقم چھوڑ دے یا اس رقم کے معاوضہ میں اس سے کوئی چیز لے لے، یا مدعی علیہ دعوے کے بارے میں اقرار و انکار کچھ نہ کرے اور کہے کہ بہر حال میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اس صورت پر صلح کرلو یا مدعیٰ علیہ دعوے سے قطعی انکار کرے لیکن انکار کے باوجود جھگڑا قطع کرنے کے لیے کچھ دینے پر راضی ہو جائے اور اس پر صلح ہو جائے۔ یہ تینوں صلح کی قسمیں جائز ہیں۔

بَابُ اِذَا اصْطَلَحُوْا عَلٰی صُلْحِ جَوْرٍ فَالصُّلْحُ مَرْدُوْدٌ

باب اگر ظلم پر مبنی صلح کریں تو وہ مردود ہے

۱۔ مطلب عنوان یہ ہے کہ جو صلح ظلم و عدوان پر مبنی ہو یا ایسی شرطوں پر صلح کی جائے جو شرطیں از روئے شرع ناجائز و حرام ہیں تو ایسی صلح ناجائز و باطل ہے۔ حضور سید عالم نور مجسم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کُلُّ صُلْحٍ جَائِزٌ بَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ اِلَّا صُلْحًا اُحَلَّ حَرَامًا اَوْ حَرَّمَ حَلَالًا وَالْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی شُرُوْطِهِمْ اِلَّا شَرْطًا حَرَّمَ حَلَالًا

(رواہ الحاکم مظہری ج ۲ ص۲۵۲)

مسلمانوں کے درمیان ہر صلح جائز ہے بجز اس صلح کے جس میں کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام ٹھہرایا گیا ہو اور مسلمانوں کو اپنی مانی ہوئی شرطوں پر قائم رہنا چاہیے بجز اُن شرائط کے جن کے ذریعے کسی حلال کو حرام قرار دیا گیا ہو۔

صلح کی بعض ناجائز صورتیں

۱۔ مثلاً کسی عورت سے اس بات پر صلح کرلینا جائز نہیں کہ اس کے ساتھ اس کی بہن کو بھی نکاح میں رکھو۔ کیونکہ دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا شرعاً حرام ہے یا اس پر صلح کرے کہ دوسری بیوی کے حقوق ادا نہ کرے گا۔ ۲۔ اسی طرح حد زنا، حدِ شراب خمر، اور وہ تعزیر جو حق اللہ کی وجہ سے ہو صلح کرنا جائز نہیں ہے مثلاً حقِ شفعہ کے بدلہ میں شفیع کا کچھ لے کر صلح کرنا یا کسی نے زنا کی تہمت لگائی اور کچھ مال لے کر صلح ہو گئی یا زانی چور اور شراب خور کو پکڑا تھا۔ اس نے کہا مجھے حاکم کے

پاس پیش نہ کرو اور کچھ لے کر چھوڑ دیا۔ صلح کی یہ سب صورتیں ناجائز ہیں۔ ان صورتوں میں بطور صلح جو کچھ لیا ہے وہ واپس کرنا لازم ہے (در مختار وغیرہ)

۲۵۱۶- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَ زَیْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِیْ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِیٌّ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اقْضِ بَیْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ فَقَامَ خَصْمُهٗ فَقَالَ صَدَقَ اقْضِ بَیْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ فَقَالَ الْاَعْرَابِیُّ اِنَّ ابْنِیْ كَانَ عَسِیْفًا عَلٰی هٰذَا فَزَنٰی بِامْرَاَتِهٖ فَقَالُوْا لِیْ عَلٰی ابْنِكَ الرَّجْمُ فَفَدَیْتُ ابْنِیْ مِنْهُ بِمِائَةٍ مِّنَ الْغَنَمِ وَ وَلِیْدَةٍ ثُمَّ سَاَلْتُ اَهْلَ الْعِلْمِ فَقَالُوْا اِنَّمَا عَلٰی ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَّ تَغْرِیْبُ عَامٍ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَاَقْضِیَنَّ بَیْنَكُمَا بِكِتَابِ اللّٰهِ اَمَّا الْوَلِیْدَةُ وَ الْغَنَمُ فَرَدٌّ عَلَیْكَ وَ عَلٰی ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَّ تَغْرِیْبُ عَامٍ وَ اَمَّا اَنْتَ یَا اُنَیْسُ لِرَجُلٍ فَاغْدُ عَلٰی امْرَاَةِ هٰذَا فَارْجُمْهَا فَغَدَا عَلَیْهَا اُنَیْسٌ فَرَجَمَهَا

حضرت ابوہریرہ اور زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ ایک اعرابی آئے اور عرض کیا' یا رسول اللہ' ہمارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کر دیجئے دوسرے فریق نے بھی کھڑے ہو کر یہی کہا کہ اس نے سچ کہا۔ آپ ہمارا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق کر دیجئے اعرابی نے کہا میرا لڑکا اس کے یہاں مزدور تھا۔ پھر اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا۔ قوم نے کہا تمہارے بیٹے کو رجم کیا جائیگا لیکن میں نے اپنے لڑکے کے اس جرم کے بدلے میں سو بکریاں اور ایک باندی دی تاکہ یہ لوگ اسے معاف کر دیں۔ پھر میں نے اہل علم سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ اس کے سوا کوئی اور صورت نہیں کہ تمہارے لڑکے کو سو کوڑے لگائے جائیں اور ایک سال کے لیے جلاوطن کر دیا جائے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں۔ میں تمہارا فیصلہ کتاب اللہ ہی سے کروں گا۔ باندی اور بکریاں تو تمہیں کو لوٹا دی جاتی ہیں' البتہ تمہارے لڑکے کو سو کوڑے لگائے جائیں گے اور ایک سال کے لیے جلاوطن کیا جائیگا۔ اور انیس تم' اس عورت کے یہاں جاؤ اور اسے رجم کر دو (بشرطیکہ وہ زنا کا اقرار کرے) چنانچہ انیس گئے اور (چونکہ اس نے بھی زنا کا اقرار کر لیا۔ اس لیے) اسے رجم کر دیا۔ (بخاری)

فوائد و مسائل اس حدیث میں عنوان کے مطابق یہ الفاظ ہیں۔ اِنَّمَا الْوَلِیْدَةُ وَ الْغَنَمُ فَرَدٌّ عَلَیْكَ۔ یعنی لونڈی اور بکریاں جو رجم کی سزا کے بدلے بطور صلح لی گئی ہیں وہ واپس کی جائیں گی اس سے معلوم ہوا کہ جو صلح ناجائز شرائط پر کی جائے وہ مردود ہے اور ایسی صلح کی بناء پر جو چیز لی گئی وہ واپس کی جائے گی۔

۲- ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم تو کتاب اللہ کے حکم کے مطابق ہی فیصلہ فرماتے ہیں۔ پھر اعرابی

نے بحضور نبوی کیوں عرض کیا کہ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کر دیجئے؟ جواب یہ ہے کہ ان جملوں سے اعرابی کا مقصد یہ تھا کہ ہمارے درمیان بطریق صلح نہیں بلکہ حکم الٰہی کے مطابق فیصلہ فرما دیجئے۔ کیونکہ جو فیصلہ صلح کے طور پر ہوا اس کے متعلق اہل علم نے بتایا ہے کہ وہ از روئے شریعت اسلامیہ غلط ہے ——— واضح ہو کہ حاکم و قاضی جو فیصلہ بطریق صلح کرتا ہے اس میں فریقین کی رضامندی ضروری ہے۔ پھر اگر وہ فیصلہ بطریق صلح فریقین کی رضامندی سے کیا گیا خلاف شرع شرائط پر مبنی ہے تو وہ باطل ہے اور جو فیصلہ کتاب و سنت کے احکام کے مطابق کیا جائے اس میں فریقین کی رضامندی شرط نہیں ہے۔ حاکم و قاضی شریعت کا جو بھی حکم ہے اس کے مطابق فیصلہ کر دے گا۔

۳۔ واضح ہو کہ مال کا دعوےٰ تھا اور مدعیٰ علیہ کے اقرار کے بعد مال پر صلح ہوئی تو یہ صلح بیع کے حکم میں ہے۔ مثلاً مکان پر صلح ہوئی اور مدعیٰ علیہ نے مدعی کو مکان دے دیا تو اس میں خیار عیب، خیار رویت بلکہ خیار شرط اور شفیع کو شفعہ کا حق غرضکہ تمام احکام بیع جاری ہوں گے۔ نیز اس میں بدل صلح کی تعلیم پر قدرت بھی شرط ہے مدعا علیہ کے انکار و سکوت کے بعد جو صلح ہوتی ہے وہ مدعی کے حق میں معاوضہ ہے یعنی جس چیز کا دعویٰ تھا اس کا عوض پا لیا اور مدعا علیہ کے حق میں یہ بدل صلح قسم کا فدیہ ہے یعنی اس کے ذمہ جو یمین تھی اس کے فدیہ میں یہ مال دیدیا اور قطع نزاع بھی ہے۔ (درمختار)

۴۔ انکار یا سکوت کے بعد جو صلح ہوئی ہے اگر واقع میں مدعی کا غلط دعویٰ تھا جس کا مدعی کو بھی علم تھا تو صلح میں جو چیز ملی ہے اس کا لینا جائز نہیں اور اگر مدعا علیہ جھوٹا ہے تو اس صلح سے وہ حق مدعی سے بری نہیں ہوگا یعنی صلح کے بعد قضاءً تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ دنیا کا مواخذہ ختم ہو گیا مگر آخرت کا مواخذہ باقی ہے۔ مدعی کے حق ادا کرنے میں جو کمی رہ گئی ہے اس کا مواخذہ ہے مگر جب کہ مدعی خود مابقی سے معافی دیدے تو مواخذہ ضروری نہ ہوگا (بحر الرائق و تفسیر مظہری وغیرہ)

ہم نے برسبیل تذکرہ یہ چند صورتیں اور ان کے مسائل لکھ دیئے ہیں مگر مزید تفصیل و تشریح کے لیے کتب فقہ کا مطالعہ ضروری ہے۔

۳۔ اہل علم سے مراد خلفاء اربعہ ابو بکر و عمر، عثمان و علی۔ انصار سے حضرت ابی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالےٰ عنہم مراد ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اقدس میں بھی فتویٰ دینے کے مجاز تھے۔

غیر محصن یعنی کنوارا اگر زنا کرے تو اس کی حد صرف سو کوڑے ہے

۴۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ اگر غیر محصن کنوارا زنا کرے

تو اس کی حد صرف سو کوڑے ہے۔ قرآن نے بھی صریح طور پر یہی حد بیان کی ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ البتہ تغریب عام میں اختلاف ہے۔ حضرت اوزاعی، ثوری، ابن ابی لیلیٰ، حسن بن حی، امام شافعی واحمد اور اسحٰق اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ غیر محصن زانی کی حد سو کوڑے اور شہر بدر کرنا ہے لیکن سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حد صرف سو کوڑے ہیں۔

اور ایک سال کے لیے شہر بدر کرنا بطور تعزیر ہے مصلحت وسیاست پر مبنی ہے، حد کا جز نہیں ہے۔ البتہ حاکم وقاضی کسی مصلحت کی بنا پر بطور تعزیر جلاوطن کر سکتا ہے۔ اس مسئلہ میں احناف کے دلائل بہت قوی ہیں مثلاً یہ کہ غیر محصن زانی کی حد قرآن نے صرف سو کوڑے بتائے ہیں تو اگر جلاوطنی کو حد کا حصہ قرار دیا جائے تو یہ مطلق نص پر زیادتی ہوگی یعنی خبر واحد سے نص قطعی کا نسخ لازم آئیگا۔ جو جائز نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو جلاوطن کیا تو وہ مرتد ہو کر دار الحرب میں بھاگ گیا۔ حضرت عمر نے قسم کھائی کہ اس کے بعد میں کبھی جلاوطن نہیں کروں گا۔ فحلف ان لا ینفی بعدہ ابداً۔ حضرت عمر کے اس فعل سے معلوم ہوا کہ جلاوطنی حد کا جز نہیں ہے بلکہ مصلحت وسیاست پر مبنی ہے۔ فتح القدیر کتاب الحدود میں ہے کہ حضرت عمر نے ربیعہ بن اُمیہ بن خلف کو خیبر کی طرف جلاوطن کیا تو وہ ہرقل سے مل کر نصرانی ہو گیا۔ حضرت عمر نے فرمایا۔ لا اغرب بعدہ مسلماً۔ اب میں کسی مسلمان کو جلاوطن نہیں کروں گا۔ تو اگر جلاوطنی حد کا جز ہوتی تو حضرت عمر جو کہ مزاجِ شریعت کو سمجھتے تھے اس کو موقوف کر دینے کی قسم نہ اُٹھاتے۔

۵۔ واضح ہو کہ تغریب کے معنیٰ دُور کر دینے۔ کسی کو ایک شہر یا گاؤں سے جہاں اس نے جرم کیا ہے دوسرے شہر یا گاؤں میں بھیج دینے کے ہیں۔ یہ امر ذہن میں رہنا چاہیئے کہ سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ تغریب کے منکر نہیں ہیں۔ وہ صرف یہ فرماتے ہیں کہ تغریب حد کا حصہ نہیں ہے۔ اگر قاضی وحاکم بطور سیاست ومصلحت تغریب کرے تو یہ جائز ہے۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر حضرت عمر، حضرت علی اور دیگر بعض صحابہ کرام نے جو تغریب کی وہ بطور تعزیر مصلحت پر ہی مبنی تھی۔ احناف اس کا انکار نہیں کرتے۔ مختصر یہ کہ اگر مصلحت ہو تو قاضی تغریب بھی کر دے اور اگر مصلحت نہ ہو تو اس کو موقوف کر دے مگر تغریب بہر حال وبہر صورت حد کا جز نہیں ہے ——— پھر جو آئمہ تغریب کے قائل ہیں وہ تغریب میں بھی اختلاف رکھتے ہیں۔ امام ثوری و شافعی اور حسن بن حی کہتے ہیں۔ زانی کو سو کوڑے لگائے جائیں گے اور تغریب بھی کی جائے گی خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ امام مالک کہتے ہیں مرد کو تغریب کی جائیگی عورت اور غلام کو نہیں۔ امام اوزاعی کہتے ہیں مرد کو تغریب کی جائے گی عورت کو نہیں۔ تغریب کے قائل آئمہ کا تغریب میں اختلاف کرنا بھی اس امر کی دلیل ہے کہ تغریب حد کا حصہ نہیں ہے۔

۶۔ نیز یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ تعزیب حد کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اگر امام یا حاکم واقعی کسی شخص کے متعلق یہ محسوس کرے کہ اس کا اس شہر میں رہنا فتنہ و فساد کا موجب ہوگا تو اس شخص کو شہر بدر کر سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس کے وجود سے فتنہ محسوس فرماتے اسے شہر بدر کر دیتے تھے نیز حضرت عمر نے شرابی کو درے لگا کر اور حضرت علی نے چور کا ہاتھ کاٹ کر شہر بدر فرمایا ہے (عینی ج ۱۳ ص ۲۷۳) معلوم ہوا کہ تعزیب حدِ زنا کا جز نہیں ہے بلکہ حاکم و قاضی خوفِ فتنہ کی بنا پر بھی تعزیب کر سکتا ہے۔

۷۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت انیس سے فرمایا کہ تم اس عورت کے پاس جاؤ اگر وہ اقرار کرے تو اس کو رجم کر دو۔ چنانچہ اس عورت نے زنا کا اعتراف کیا اور انیس نے اس کو رجم کر دیا چنانچہ حدیث مالک کے الفاظ یہ ہیں۔ فاعترفت فرجمها۔

۸۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اقرار سے حد ثابت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت ماعز اسلمی اور غامدیہ صحابیہ کو اقرار کی وجہ سے حضور نے رجم کرنے کا حکم دیا اور ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب اقرار سے حدود تک ثابت ہو جاتے ہیں تو دوسرے قسم کے حقوق بدرجہ اولیٰ ثابت ہو جائنگے۔

۹۔ علامہ قرطبی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس حدیث سے واضح ہوا کہ عورت اگر زنا کرے تو محض زنا سے اس کا نکاح فسخ نہ ہوگا۔

۱۰۔ یہ بھی واضح ہوا کہ وہ حدود جو خالص اللہ کا حق ہیں۔ اس میں صلح جائز نہیں ہے البتہ بندوں کے جو حقوق ہیں خواہ ان کا تعلق مال سے ہو یا جنایات سے ان میں صلح کے جائز ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

رجم اسلامی سزا ہے

۱۱۔ پھر آپ نے حضرت انیس سے فرمایا کہ اگر وہ زنا کا اقرار کرے تو اس کو رجم کر دو۔ معلوم ہوا کہ شادی شدہ زانی کو رجم کرنا اللہ کا حکم ہے۔ جسے حضور نے اللہ کا حکم سمجھتے ہوئے بیان فرمایا اور اسے اللہ کا حکم سمجھتے ہوئے نافذ و جاری فرمایا۔ اعرابی کے معروضہ پر نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ لاقضين بينكما بكتاب الله جس کا مطلب یہ ہے کہ کتاب الٰہی کے حکم کے مطابق فیصلہ فرماؤں گا اور کتاب کا لفظ فرض کے معنیٰ میں بھی آتا ہے جیسے رمضان کے روزوں کے متعلق ارشادِ ربانی ہے۔ كُتِبَ عليكم الصّيام ای فرض

۱۲۔ امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے منبر پر بیٹھ کر ایک خطبہ دیا۔ جس میں آپ نے فرمایا۔ لوگو! میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ جو شخص میری بات کو سمجھ کر یاد رکھے اسے چاہئے کہ وہ اس کو لوگوں تک پہنچائے۔ بے شک اللہ تعالےٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا اور ان پر کتاب نازل فرمائی۔ جو کچھ اللہ تعالےٰ نے کتاب میں نازل فرمایا اس میں رجم کی آیت بھی تھی۔ ہم نے وہ آیت پڑھی اور اسے سمجھا اور اسے

یاد رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور حضور کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ مجھے خوف ہے کہ طویل زمانہ گزر جانے کے بعد کوئی کہنے والا کہہ دے کہ خدا کی قسم اللہ کی کتاب میں ہم رجم کی آیت نہیں پاتے تو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے فریضہ کو ترک کر کے گمراہ ہو جائیں۔ اللہ کی کتاب میں رجم حق ہے۔ ہر اس آزاد مرد اور عورت پر جس نے شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کیا بشرطیکہ شرعی گواہ قائم ہو جائیں یا (عورت کا) حمل ظاہر ہو جاتے یا اقرار ہو (مسلم شریف ج ۲ صہ ۶۵، موطا امام مالک صہ ۳۲۹، بخاری شریف جلد ثانی صہ ۱۰۰۹)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ شادی شدہ کے لیے رجم ہے اور کنواری کے لیے کوڑے ہیں۔ غیر شادی شدہ آزاد بدکار عورت کا حکم آیت کریمہ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ میں مذکور ہے یعنی (آزاد غیر شادی شدہ) زانیہ اور آزاد غیر شادی شدہ) زانی کا حکم یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور شادی شدہ آزاد زانی و زانیہ کے لیے قرآن مجید میں رجم کی آیت نازل ہوئی تھی مگر اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی اور حکم باقی رہا ——— حضرت فاروق اعظم علیہ الرحمہ نے واضح فرمادیا کہ آیت رجم نازل ہوئی تھی۔ مگر اب منسوخ التلاوۃ ہے مگر اس کا حکم یعنی رجم اب بھی باقی ہے۔ اس لیے شادی شدہ زانی کی سزا رجم قرآن ہی کا حکم ہے ——— اسی طرح شادی شدہ زانی کی سزا صراحۃً جن احادیث میں وارد ہوتی ہے وہ متواتر المعنیٰ ہونے کی وجہ سے قطعی الثبوت ہیں اور قرآن کی طرح واجب العمل ہیں کیونکہ جس بات کا ثبوت حدیث و سنّت سے ہو جائے وہ عین قرآن کے مطابق ہے۔

۱۳۔ محدثین و مفسرین فرماتے ہیں کہ رجم کے معنیٰ تواتر اور قطعیت کے ساتھ قرآن پاک میں موجود ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللّٰهِ (المائدہ آیت ۴۳) اور اے رسول، وہ یہودی، کس طرح آپ کو اپنا حکم بناتے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس تورات ہے۔ جس میں اللہ کا حکم پایا جاتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں لفظ "حکم اللہ" کے معنیٰ متواتر صرف رجم ہیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر آج تک یہی معنیٰ تواتر سے منقول ہوتے چلے آئے جس طرح قرآن کے الفاظ منقولہ متواترہ "قرآن ہیں" بالکل اسی طرح الفاظِ قرآن کے معانی منقولہ متواترہ بھی قرآن ہیں۔ اسی لیے کہا گیا۔ القرآن اسم للنظم والمعنی جمیعًا۔ یعنی قرآن لفظ اور معنیٰ کے مجموعہ کا نام ہے۔ بے شک لفظ "رجم" اس آیت میں صراحۃً مذکور نہیں۔ لیکن حکم اللہ کے معنیٰ چونکہ رجم ہی ہیں۔ اس لیے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ "رجم" کے معنیٰ اللہ کی کتاب میں حق ہیں۔ کتاب اللہ میں اگر کسی نے رجم کی نفی کی ہے تو اس سے مراد صرف لفظ "رجم" کی کی ہے۔ اس کے معنیٰ کی نفی مراد نہیں اور معنیٰ جب تواتر سے ثابت ہیں تو یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا

کہ قرآن میں رجم حق ہے یعنی اس کا حکم موجود ہے۔ اس کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي میں سو کوڑوں کی سزا آزاد کنوارے غیر شادی شدہ لوگوں کے لیے ہی مخصوص ہے اور شادی شدہ آزاد مرد و عورت کی سزا رجم ہے اور ان دونوں سزاؤں میں قطعاً کوئی تعارض نہیں۔ اس لیے کہ دونوں کا محل جداگانہ ہے۔ "سورۂ نور" کی آیت میں غیر شادی شدہ مجرم مراد ہیں اور حکم اللہ "یعنی رجم" شادی شدہ آزاد مجرموں کے لیے ہے۔

واضح ہوا کہ رجم کی سزا قرآنی سزا ہے اور اسے غیر اسلامی قرار دینا باطل محض اور قرآن کے خلاف ہے۔ یہاں یہ شبہ کہ یہ لفظ "حکم اللہ" بمعنیٰ رجم تورات میں پایا جاتا ہے۔ قرآن سے اس کا کوئی تعلق نہیں، ہرگز صحیح نہ ہوگا۔ اس لیے کہ تورات کے جس حکم کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں حکم اللہ فرمایا اور اسے برقرار رکھا تو وہ اب بعینہٖ قرآن کا حکم ہے اور اسے قرآنی حکم ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔

الغرض رجم اسلامی سزا ہے۔ آیتِ قرآن سے اس پر روشنی پڑتی ہے اور صراحت کے ساتھ اس کا ذکر احادیثِ صحیحہ میں وارد ہوا ہے۔ رجم کے ثبوت میں جو احادیث ہیں وہ متواتر المعنیٰ ہیں۔ خود حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے رجم کی سزا دی۔ پھر خلفائے راشدین نے اس پر عمل کیا۔ تمام صحابہ کا اس پر اجماع ہے اور تابعین و تبع تابعین، آئمہ مجتہدین اور جمہور اُمّتِ مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ رجم اسلامی سزا ہے اور کتاب و سُنّت کے خلاف نہیں۔ البتہ چند خوارج اختلاف کرتے ہیں۔ جن کی کوئی وقعت نہیں ہے — پاکستان میں بھی چند مٹھی بھر نام کے مسلمان ایسے ہیں جو رجم کے حد ہونیکا انکار کرتے ہیں مگر یہ لوگ وہی ہیں جو شریعتِ اسلامیہ کی تمام سزاؤں کو ظلم اور اس دَور میں ناقابلِ عمل قرار دیتے ہیں اور اب تو یہ ملحدین تحریر و تقریر کے ذریعے مختلف حیلے بہانے تراش کر ان احکام و مسائل کا بھی علی الاعلان انکار کر رہے ہیں جو صرف قرآنِ مجید سے واضح طور پر ثابت ہیں۔ دراصل یہ لوگ اسلام دشمن طاقتوں کے ایجنٹ ہیں اور دینِ اسلام کے اصولی و بنیادی احکام و مسائل میں تشکیک پیدا کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔

۲۵۱۷۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحْدَثَ فِىْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی بات کی جس کی اصل دین میں نہیں ہے وہ مردود ہے۔

۱۔ اس حدیث کی عنوان سے مناسبت یہ ہے کہ جس نے ایسی شرائط پر صلح کی جو ازرُوئے شرع ناجائز ہیں تو یہ بھی احداث فی الدین ہے ۲۔ اس حدیث سے بدعتِ سیّئہ کا مفہوم بالکل نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔

بدعت کے معنی اور ہر نئی بات بدعت نہیں ہے

اور وہ یہ ہے کہ جو بدعت نہ کتاب وسنت سے ظاہری طور پر ثابت ہو نہ باطنی طور پر اور نہ کتاب وسنت سے مستنبط ہو وہ مردود ہے لیکن وہ بدعت جس کی اصل اور سند کتاب وسنّت میں موجود ہو یا کتاب و سنّت سے قیاس کی گئی ہو یا کتاب وسُنّت سے مستنبط ہو وہ بدعتِ سیئہ نہیں ہے۔ اسی مضمون کو حضرت علامہ قاضی عیاض، علامہ ابن حجر اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہم الرحمہ نے یوں بیان فرمایا ہے۔ ۳۔ قال القاضی المعنیٰ من احدث فی الاسلام مالم یکن لہ من الکتاب والسنّۃ سند ظاھر اوخفی ملفوظ او مستنبط فھو مردود

۴۔ شارح بخاری حضرت مولینا احمد علی سہارنپوری علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ فتح الباری میں علامہ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا یہ حدیث دینِ اسلام کے اصُول وقواعد سے ہے۔

فَاِنَّ معناہ من اختر ع فِی الدین مالا یشھد لہ اصل مِنْ اصولہٖ فلا یلتفت الیہ

(بخاری ج ۱ ص ۱۷۳ حاشیہ)

اس حدیث کے معنیٰ یہ ہیں کہ جو شخص دین میں کسی ایسے کام کو گھڑے جس کی اصولِ دین میں کوئی دلیل نہ ہو تو اس کی طرف توجہ نہ کی جائے (یعنی وہ کام قابلِ اعتبار نہیں ہے۔

کیا ہر بدعت گمراہی ہے؟

۵۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے زیر بحث حدیث کے جملے مَا لیس فیہ کی شرح میں فرمایا کہ دین سے نہیں کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ کام

مراد چیزے کہ مخالف و مغیّر باشد

دین کے خلاف ہو اور دین کو بدلنے والا ہو

غرضیکہ ایسی بدعت (نیا کام) جو کتاب وسُنّت کے خلاف ہو اور دین کو بدلنے والا ہو۔ وہ مردود ہے

نیز حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کُلُّ بِدعۃٍ ضَلَالَۃٌ کی شرح میں فرماتے ہیں۔

آنچہ موافقِ اصول وقواعد سنتِ اوست وقیاس کردہ شدہ برآں آنرا بدعتِ حسنہ گویند وانچہ مخالف آں باشد بدعت ضلالت گویند

(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۳۵)

جو بدعت کہ حضور کی سنت کے اصول وقواعد کے مطابق ہے اور اس پر قیاس کی گئی ہے اس کو بدعتِ حسنہ کہتے ہیں اور جو بدعت کہ سنت کے مخالف ہو اسے بدعتِ ضلالت کہتے ہیں۔

۶۔ شارح مسلم علامہ نووی علیہ الرحمہ نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ حدیث کل بِدعۃٍ ضَلَالَۃ کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے —— میں عموم مراد نہیں ہے یعنی حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد

کہ ہر بدعت گمراہی ہے اس سے مراد صرف بدعتِ سیۂ ہے اور بدعتِ حسنہ گمراہی کے حکم میں داخل نہیں ہے۔ تخصیص کی دلیل حدیثِ مسلم ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔

مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا مِنْ بَعْدِہٖ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِھِمْ شَیْءٌ وَ مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً سَیِّئَۃً کَانَ عَلَیْہِ وِزْرُھَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا مِنْ بَعْدِہٖ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ اَوْزَارِھِمْ شَیْءٌ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۳)

جو شخص اسلام میں کسی اچھے طریقہ کو رائج کرے گا تو اس کو اپنے رائج کرنے کا ثواب ملے گا اور ان لوگوں کے عمل کرنے کا بھی جو اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کرتے رہیں گے اور عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی بھی نہ ہوگی۔ اور جو اسلام میں کسی بُرے طریقہ کو رائج کرے گا تو اس شخص پر اس کے رائج کرنے کا بھی گناہ ہوگا اور ان لوگوں کے عمل کرنے کا بھی گناہ ہوگا جو اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کرتے رہیں گے اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

معلوم ہوا کہ بدعت صرف سیۂ ہی نہیں ہوتی بلکہ حسنہ بھی ہوتی ہے اور جو لوگ بدعت کی دو قسمیں حسنہ اور سیۂ نہیں مانتے ان کا یہ انکار دراصل مسلم شریف کی حدیث کا انکار ہے۔

بدعت کی پانچ قسمیں ہیں

اسی لیے شارحینِ حدیث نے فرمایا کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔ بدعتِ محرمہ، بدعتِ مکروہہ، بدعتِ واجبہ، بدعتِ مستحبہ، بدعتِ مباحہ۔ تفصیل کے لیے دیکھیں مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۷۹ اور اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۲۸ اور بدعت کے حسنہ اور سیۂ ہونے کا معیار حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ

مَا اُحْدِثَ مِمَّا یُخَالِفُ الْکِتَابَ اَوِ السُّنَّۃَ اَوِ الْاَثَرَ اَوِ الْاِجْمَاعَ فَھُوَ ضَلَالَۃٌ۔ وَمَا اُحْدِثَ مِنَ الْخَیْرِ مِمَّا لَا یُخَالِفُ شَیْئًا مِّنْ ذَالِکَ فَلَیْسَ بِمَذْمُوْمٍ

اگر ایسی چیز ایجاد کی گئی جو قرآنِ مجید، حدیث شریف، آثارِ صحابہ یا اجماع کے خلاف ہو تو وہ گمراہی ہے اور اگر ایسی اچھی بات ایجاد کی گئی جو ان میں سے کسی کے مخالف نہ ہو تو وہ بُری نہیں۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۷۹)

اور جو لوگ (جیسے وہابی دیوبندی حضرات) بدعت کی دو قسمیں حسنہ و سیۂ تسلیم نہ کریں تو پھر انہیں ان کاموں کو بھی بدعت، حرام، ناجائز ماننا پڑے گا جو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ایجاد ہوئیں ہیں اور جنہیں وہ بھی جائز و مستحسن قرار دیتے ہیں۔ جیسے قرآنِ مجید کا تیس پارے بنانا، ان میں رکوع قائم کرنا، ان پر

زبر زیر لگانا وغیرہ، حدیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا، ان کی قسمیں صحیح حسن اور ضعیف وغیرہ بنانا۔ فقہ علم کلام اور اصولِ حدیث و اصولِ فقہ کے سارے قاعدے ضابطے، فقہ کے مذاہبِ اربعہ، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی۔ اسی طرح طریقت کے چار سلسلے قادری، چشتی، سہروردی، نقشبندی اور ان کے وظیفے، مراقبے، چلّے، ذکر و فکر کے طریقے وغیرہ وغیرہ۔

۸۔ اور شارح مسلم حضرت امام نووی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ

اَلْبِدْعَةُ كُلُّ شَيْءٍ عُمِلَ عَلٰى غَيْرِ مِثَالٍ سَبَقَ وَ فِي الشَّرْعِ اِحْدَاثُ مَا لَمْ يَكُنْ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

جس کی مثال زمانہ سابق میں نہ ہو (لغت میں) اس کو بدعت کہتے ہیں اور شرع میں بدعت ہے ایسی چیز کا ایجاد کرنا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظاہری زمانہ میں نہ تھی (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۷۹)

امرِ واقعہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا تمام کام حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایجاد ہوئے اور یقیناً یہ سب بدعت ہیں۔ مگر ان تمام کاموں کو مخالفین بھی بدعتِ سیۂ نہیں کہتے۔ ثابت ہوا کہ بدعت حسنہ و سیۂ میں تقسیم حق و صواب ہے اور ہر بدعت کو سیۂ قرار دے کر حرام و ناجائز بلکہ شرک تک کا فتویٰ لگا دینا دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں غلط اور ظلم عظیم ہے مگر مخالفین کا حال یہ ہے کہ مذکورہ بالا ساری بدعتیں ان کے نزدیک جائز ہیں بلکہ اپنے دار العلوم کا جشن مناکر اس کی تعظیم کرنا اور اپنے مولویوں کے احترام میں کھڑے ہونا بھی جائز ہے لیکن اللہ کے محبوب حضور سید عالم نور مجسم صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں آپ سے محبت، عقیدت اور احترام کی وجہ سے کھڑے ہوکر صلوٰۃ و سلام عرض کرنا حرام و ناجائز اور بدعتِ سیۂ ہے (معاذ اللہ)

۹۔ ہماری اس گفتگو سے ان تمام کاموں کا جائز و مستحسن ہونا واضح ہوجاتا ہے جو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت کی بنا پر کئے جائیں اور جن سے حضور کی عظمت و بزرگی ظاہر ہو —— لہٰذا ربیع الاوّل شریف کی بارہویں تاریخ کو رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا جشن منانا، اس تاریخ میں تعطیل کرنا، دکانیں بند رکھنا، غسل کرنا، خوشبو لگانا، نئے کپڑے پہننا، خوشی و مسرت کا اظہار کرنا، گھروں کو آراستہ کرنا، چراغاں کرنا، سڑکوں اور گلیوں کو قمقموں سے سجانا، سڑکوں پر گیٹ بنانا، نعروں کے ساتھ جلوس نکالنا اور میلاد شریف کی محفلیں منعقد کرنا سب جائز ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کا جواز قرآن و حدیث اور صحابہ کرام و ائمہ عظام کے قول و فعل سے ثابت ہے۔

۱۰۔ مخالفین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر پر مشتمل کاموں کو رد کرنے کے لیے سادہ لوح عوام کے سامنے یہ جواز بھی پیش کرتے ہیں کہ یہ کام صحابہ کرام نے نہیں کیے تم کیوں کرتے ہو؟ کیا تم صحابہ کرام سے محبت و

تعظیم میں بڑھ کر ہو؟ جب انتہائی محبت و تعظیم کے باوجود صحابہ نے ایسے کام نہیں کیے تو دوسروں کو ایسی تعظیم کرنا کیسے جائز ہوسکتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ فرماکر مطلقاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا حکم فرمایا گیا ہے۔

لہٰذا مسلمانوں کا جذبۂ دل جس طرح بھی رہبری کرے ہر طریقے سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم جائز ہے صحابہ کرام کے نہ کرنے سے کوئی فعل ناجائز نہیں ہو جائیگا۔ اس لیے کہ صحابہ کا کرنا کسی کام کے جائز ہونے کی دلیل تو ضرور ہے مگر نہ کرنا اس کام کے ناجائز ہونے کی دلیل ہرگز نہیں۔ اسی لیے صحابہ نے جو کام نہیں کیے ایسے بے شمار کام مسلمان روزانہ کرتے رہتے ہیں اور ان کو مخالفین بھی جائز سمجھتے ہیں۔

چنانچہ حضرت علامہ قسطلانی شارح بخاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

اَلْفِعْلُ يَدُلُّ عَلَى الْجَوَازِ وَعَدَمُ الْفِعْلِ لَا يَدُلُّ عَلَى الْمَنْعِ	کرنے سے جائز ہونا سمجھا جاتا ہے اور نہ کرنے سے ممانعت نہیں سمجھی جاتی ہے۔

(مواہب لدنیہ بحوالہ اقامۃ القیامۃ ص۴۹)

اور شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔

نکردن چیزے دیگرست و منع فرمودن چیزے دیگر۔ ملخصاً	نہ کرنا دوسری چیز ہے اور منع کرنا اور چیز ہے (تحفہ اثنا عشریہ)

اس لیے صحابہ کرام کے نہ کرنے سے مذکورہ بالا کاموں کو کفر و شرک یا حرام و ناجائز ٹھہرانا، درست نہیں ہے

——— غور کیجئے سیدنا امام بخاری علیہ الرحمۃ جن کو چھ لاکھ حدیثیں یاد تھیں۔ حدیث رسول کی انھوں نے اس طرح تعظیم کی کہ ہر حدیث لکھنے سے پہلے غسل کرتے اور دو رکعت نفل ادا کرتے تھے (مقدمہ فتح الباری ص۵) سیدنا امام مالک بلاوضو حدیث نہیں بیان کرتے تھے (شفا ج ۲ ص۳۵) اور جب کوئی شخص حدیث رسول پوچھنے کے لیے آتا تو حضرت امام مالک غسل فرماتے، خوشبو لگاتے پھر لباس بدل کر نکلتے۔ آپ کے لیے تخت بچھایا جاتا۔ جس پر آپ وقار کے ساتھ بیٹھ کر حدیث شریف بیان فرماتے اور شروع مجلس سے آخر تک خوشبو سلگائی جاتی اور وہ تخت صرف حدیث شریف روایت کرنے کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ جب امام موصوف سے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا۔

اُحِبُّ اَنْ اُعَظِّمَ حَدِيْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (شفا شریف ج ۲ ص۳۶)	میں چاہتا ہوں کہ اس طرح رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ وسلم کی حدیث شریف کی تعظیم کروں۔

۱۱- روایتِ حدیث کے دوران حضرت امام مالک کو بچھو نے سولہ مرتبہ ڈنگ مارا اور آپ کا چہرہ زرد ہوگیا مگر آپ نے حرکت نہ کی اس کے بعد فرمایا۔

اِنَّمَا صَبَرْتُ اِجْلَالًا لِحَدِیْثِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

میں نے رسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث شریف کی تعظیم میں صبر کیا (شفا شریف ج ۲ ص ۳۶)

کَانَ مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ لَا یُحَدِّثُ بِحَدِیْثِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَّا ھُوَ عَلٰی وُضُوْءٍ اِجْلَالًا لَہٗ

حضرت مالک بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث شریف تعظیم و تکریم کی خاطر بغیر وضو کے بیان نہیں فرماتے تھے۔ (شفا شریف ج ۲ ص ۳۵)

۱۲- حضرت سعید بن المسیب سے حدیثِ رسول کے متعلق سوال ہوتا اور وہ لیٹے ہوئے ہوتے تو بیٹھ کر جواب دیتے اور فرماتے۔

اِنِّیْ کَرِھْتُ اَنْ اُحَدِّثَكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا مُضْطَجِعٌ

میں پسند نہیں کرتا کہ میں لیٹے ہوئے رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف بیان کروں۔ (شفا شریف ج ۲ ص ۳۵)

تعظیمِ رسول سے متعلق اگر سلف صالحین کے عمل و کردار کو جمع کیا جائے تو اس کے لیے دفتر درکار ہوتا ہم (سید التابعین، حضرت سعید بن المسیب اور حضرت امام مالک بن انس جو اجلہ تبع تابعین میں ہیں اور سیدنا امام بخاری علیہ الرحمہ جنہیں امام الدنیا فی الحدیث مانا جاتا ہے) ان حضرات کے قول و عمل سے ثابت ہوا کہ حدیث شریف کی تعظیم ہو یا اس کے علاوہ کوئی دوسرا کام کہ جس سے رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت و بزرگی ظاہر ہو سب بلاشبہ جائز و مستحسن ہیں گو کہ قرآن و حدیث میں اس قسم کی تعظیم کا بالتصریح حکم نہ ہو کیونکہ اللہ تعالےٰ کا ارشادِ عام وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ تعظیم کی تمام قسموں کو شامل ہے۔

اس لیے محفلِ میلاد کا انعقاد اور اس میں بحضورِ نبوی صلاۃ و سلام اور قیامِ تعظیمی وغیرہ جائز و مستحسن ہے۔ حرام و بدعت اور شرک ہرگز نہیں ہے اور یہ کہ جس دلیل سے امام بخاری، سعید بن المسیب اور حضرت امام مالک کا حدیثِ رسول کے احترام کے حوالے سے حضور کی تعظیم کرنا جائز قرار پاتا ہے (جو کہ مخالفین کو بھی تسلیم ہے) اسی دلیل سے محفلِ میلاد اور قیامِ تعظیمی کا جائز ہونا بھی واضح ہو جاتا ہے کیونکہ محفلِ میلاد اور اس کے جائز اعمال و افعال بھی حضور سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت اور آپ کی تعظیم و توقیر ہی کے آئینہ دار ہیں ——

اور یہ بھی واضح ہوا کہ تعظیمِ رسول کی وہ صورتیں جو صحابہ کرام نے اختیار نہیں کیں، محض ان کے نہ کرنے سے حرام و بدعت

اور بدعت سیئہ نہیں ہو جاتیں۔ دیکھئے بعض صحابہ نے حدیثیں لکھیں مگر انھوں نے امام بخاری کی طرح ہر حدیث لکھنے سے پہلے نہ غسل کیا اور نہ دو رکعت نماز پڑھی اور اسی طرح صحابہ کرام چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے ہر حال میں حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی حدیثیں ایک دوسرے سے بیان کرتے تھے اور حضرت امام مالک کی طرح ایک دوسرے سے حدیث بیان کرنے کے لیے صحابہ غسل نہیں کرتے تھے، نہ کپڑے میں عطر لگاتے تھے اور نہ اس کے لیے خوشبو سُلگاتے تھے تو کیا صحابہ کے اس طرح نہ کرنے سے حضرت امام بخاری اور حضرت امام مالک کا حدیث شریف کی تعظیم کرنا حرام و ناجائز ہو جائیگا؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ وہ جائز و مستحسن ہی رہیگا تو اسی طرح محفلِ میلاد، قیامِ تعظیمی اور وہ تمام جائز اعمال و افعال جو مسلمان حضور علیہ السلام کی تعظیم و توقیر کے لیے کرتے ہیں۔ صحابہ کرام کے نہ کرنے کے باوجود جائز و مستحب اور باعثِ خیر و برکت ہی رہیں گے۔

رہے گا یونہی ان کا چرچا رہے گا ۔۔۔ پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے

کھڑے ہو کر بحضورِ نبوی سلام عرض کرنا، انگوٹھے چومنا، اذان سے قبل درود پڑھنا، فاتحہ چہلم وغیرہ سب جائز و مستحب ہیں

الغرض اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جس نئے کام کی کتاب و سنت میں اصل و بنیاد نہ ہو وہ کام کتاب و سنت کی نصوص اور تصریحات کے خلاف ہو وہ کام کتاب و سنت سے مستنبط اور ماخوذ نہ ہو وہ باطل و ناجائز ہے اور نئے کام کی کتاب و سنت میں اصل و بنیاد ہو اور وہ کتاب و سنت کے احکام کے خلاف نہ ہو۔ وہ سنتِ رسول کے اصول و قواعد کے مطابق ہو اور اس پر قیاس کیا گیا ہو وہ ہرگز بدعتِ سیئہ نہیں ہے بلکہ جائز و مستحسن ہے۔ اگر دیانت داری سے غور کیا جائے تو اس اصول کی روشنی میں اہلسنّت کے بہت سے مراسم و معمولات کا جائز ہونا واضح ہو جاتا ہے۔

۱۔ محفلِ میلاد منعقد کرنا جائز ہے کیونکہ محفلِ میلاد کی اصل دین میں موجود ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالےٰ نے انبیاء علیہم السلام کی ولادت کا ذکر کیا ہے۔ خود نبی علیہ السلام نے اپنی ولادت کا ذکر فرمایا اور سلف صالحین کا اس پر عمل رہا ہے۔

۲۔ قبروں پر پھول اور درختوں کی تر شاخوں کا ڈالنا جائز ہے کیونکہ اس کی اصل دین میں موجود ہے۔ نبی علیہ السلام نے دو قبروں پر سبز شاخیں ڈال دیں اور فرمایا۔ جب تک یہ خشک نہ ہوں میت کو اس کی تسبیح کی برکت سے فائدہ ہوگا (بخاری)

۳۔ کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام عرض کرنا جائز ہے کیونکہ اس کی اصل دین میں موجود ہے اور یہ فعل حضور کی تعظیم کا آئینہ دار ہے اور قرآن نے مطلقاً تعظیمِ رسول کا حکم دیا ہے ارشادِ باری ہے :-

وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ الخ (فتح آیت ۹) | اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو

۴۔ اذان میں نامِ اقدس سُن کر انگوٹھے چُومنا جائز ہے کیونکہ دین میں اس کی اصل موجود ہے۔ امیرالمومنین سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایسا کیا۔ لہٰذا یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سنّت ہوئی۔ نیز حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے اپنی والدہ کے قدموں کو چوُما۔ وہ ایسے ہے جیسے اس نے جنّت کی چوکھٹ کو چوُما (فتح القدیر) ـــــ معلوم ہوا کہ کسی چیز کو محبت و شفقت سے چوُمنا جائز ہے۔

۵۔ اذان سے قبل درود شریف پڑھنا جائز ہے کیونکہ اس کی اصل دین میں موجود ہے۔ اللہ تعالےٰ نے مطلقاً حضور پر درود بھیجنے کا حکم دیا ہے۔

۶۔ اسی طرح فاتحہ چہلم عرس وغیرہ وغیرہ جائز ہے کیونکہ یہ ایصالِ ثواب کی صورتیں ہیں اور ایصالِ ثواب قرآن و حدیث کی نصوص سے واضح ہے۔ اسی طرح دن مقرر کرکے ایصالِ ثواب کرنا بھی جائز ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم پیدل یا سوار ہر ہفتہ کے دن مسجد قبا تشریف لے جاتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر بھی ایسا کرتے تھے (بخاری ج ۱ ص ۱۵۹) اس حدیث کی شرح میں شارح بخاری علامہ بدر محمود اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی علیہما الرحمہ نے فرمایا۔

وَفِیْ هٰذَا الْحَدِیْثِ عَلٰی اِخْتِلَافِ طُرُقِهٖ دَلَالَةٌ عَلٰی جَوَازِ تَخْصِیْصِ بَعْضِ الْاَیَّامِ بِبَعْضِ الْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ وَالْمُدَاوَمَةِ عَلٰی ذٰلِكَ

(فتح الباری ج ۳ صہ ۶۹ وعینی ج ۷ صہ ۳۵۹)

یہ حدیث جو کہ مختلف سندوں سے ہے اس امر کی دلیل ہے کہ بعض دنوں کو بعض اعمالِ صالحہ کے ساتھ معین کر لینا جائز ہے اور اس کو ہمیشہ کرنا (مداومت) بھی جائز ہے۔

معلوم ہوا کہ کسی نیک کام کو دن اور تاریخ مقرر کرکے کرنا اور ہمیشہ کرنا جائز ہے اور اب تو اس مسئلہ میں جھگڑے اور فساد کو ختم ہو جانا چاہیئے کیونکہ دیوبندی وہابی حضرات بھی تیجہ، چہلم، برسی وغیرہ کو بڑی دھوم دھام سے منانے لگے ہیں۔ حتیٰ کہ اخبارات میں باقاعدہ خطیر رقم خرچ کرکے دن اور وقت اور تاریخ مقرر کرکے لوگوں کو بُلاتے ہیں اور مزید یہ کہ یومِ صدیقِ اکبر، یومِ فاروقِ اعظم، یومِ عثمانِ غنی بھی منانے لگے ہیں۔ بلکہ حکومت سے ان ایام پر ملک میں عام تعطیل کا مطالبہ بھی کر رہے ہیں ـــــ اور جب اپنی ذات کی بات آتی ہے تو اپنے بدعت و شرک کے دیئے ہوئے دفتروں کو لپیٹ کر الگ رکھ دیتے ہیں۔

ایک ضروری بات | ہم اہل سنت و جماعت مذکورہ بالا اعمال کے جواز کے قائل ہیں۔ مگر ان اعمال کو فرض و واجب نہیں سمجھتے۔ اگر بالفرض کوئی جاہل مذکورہ بالا اعمال کو فرض و واجب کا درجہ

دیدے تو ہمارے نزدیک بھی یہ اعمال بدعت ہو جائیں گے کیونکہ قرآن وسنت میں ان اعمال کے فرض وواجب ہونے کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔ اسی طرح ہم اذان سے قبل درود شریف کو اذان کا جُزیا حصہ ہرگز ہرگز نہیں سمجھتے اور جو ایسا عقیدہ رکھتا ہے وہ غلطی پر ہے اور بدعتی ہے۔

بَابُ کَیْفَ یُکْتَبُ ھٰذَا مَا صَالَحَ

باب صلح کی دستاویز کس طرح لکھی جائے؟

فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ وَّ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ وَّاِنْ لَّمْ یَنْسُبْهُ اِلٰی قَبِیْلَتِهٖ اَوْ نَسَبِهٖ

(کیا اس طرح کہ) یہ اس بات کی دستاویز ہے کہ فلاں بن فلاں اور فلاں بن فلاں نے صلح کرلی ہے جب کہ اس کے قبیلے یا نسب کا ذکر نہ کیا ہو

مطلب عنوان یہ ہے کہ صلح کی دستاویز اور اسی طرح اقرار نامہ اور زمین کی رجسٹری وغیرہ) میں فلاں بن فلاں لکھ دینا کافی ہے قبیلہ اور نسب وغیرہ کا ذکر کرنا اس صورت میں ضروری نہیں ہے جب کہ اشتباہ وابہام پیدا ہونے کا خطرہ نہ ہو۔ ہمارے فقہاء کرام نے فرمایا کہ باپ دادا کا نام لکھا جائے اور نسب بھی لکھا جائے۔ ہمارے دور میں وثیقہ نویس سکونت وغیرہ بھی لکھتے ہیں۔ بہرحال دستاویز کو اجمال وابہام اور اشتباہ سے محفوظ رکھنے کے لیے جس قدر زیادہ لکھ دیا جائے بہتر وافضل ہے۔

۲۵۱۸۔ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَآءَ بْنَ عَازِبٍ قَالَ لَمَّا صَالَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَهْلَ الْحُدَیْبِیَةِ کَتَبَ عَلِیٌّ بَیْنَهُمْ کِتَابًا فَکَتَبَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الْمُشْرِکُوْنَ لَا تَکْتُبْ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لَوْ کُنْتَ رَسُوْلًا لَّمْ نُقَاتِلْكَ فَقَالَ لِعَلِیٍّ اُمْحُهُ فَقَالَ عَلِیٌّ مَّا اَنَا بِالَّذِیْ اَمْحَاهُ فَمَحَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِیَدِهٖ وَصَالَحَهُمْ عَلٰی اَنْ یَّدْخُلَ هُوَ وَاَصْحَابُهٗ ثَلٰثَةَ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کی صلح (قریش سے) کی تو دستاویز علی رضی اللہ عنہ نے لکھی تھی۔ انھوں نے اس میں لکھا، محمد، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ مشرکین نے اس پر اعتراض کیا کہ محمد کے ساتھ رسول اللہ نہ لکھو، اگر آپ رسول اللہ ہوتے تو ہم آپ سے لڑتے ہی کیوں۔ آنحضور نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ رسول اللہ کا لفظ مٹا دیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ میں اس لفظ کو مٹانے والا نہیں ہوں تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ہاتھ سے وہ لفظ مٹا دیا اور مشرکین کے ساتھ اس شرط

أَيَّامٍ وَلَا يَدْخُلُهَا إِلَّا بِجُلُبَّانِ السِّلَاحِ فَسَأَلُوهُ مَا جُلُبَّانُ السِّلَاحِ فَقَالَ الْقِرَابُ بِمَا فِيهِ (بخاری)

پر صلح کی کہ آپ نے اپنے اصحاب کے ساتھ (آئندہ سال) تین دن کے لیے مکہ آئیں گے اور ہتھیار نیام میں رکھ کر داخل ہوں گے۔ لوگوں نے پوچھا کہ جلبان السلاح کیا چیز ہوتی ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ نیام اور جو چیز اس کے اندر ہوتی ہے (اس کے مجموعے کا نام جلبان ہے)

۲۵۱۹ - عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ اعْتَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذِي الْقَعْدَةِ فَأَبَى أَهْلُ مَكَّةَ أَنْ يَدَعُوهُ يَدْخُلُ حَتَّى قَاضَاهُمْ عَلَى أَنْ يُقِيمَ بِهَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَلَمَّا كَتَبُوا الْكِتَابَ كَتَبُوا هٰذَا مَا قَاضَى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا لَا نُقِرُّ بِهَا فَلَوْ نَعْلَمُ أَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ مَا مَنَعْنَاكَ لٰكِنْ أَنْتَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ أَنَا رَسُولُ اللّٰهِ وَأَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ ثُمَّ قَالَ لِعَلِيٍّ امْحُ رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ لَا وَاللّٰهِ لَا أَمْحُوكَ أَبَدًا فَأَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكِتَابَ فَكَتَبَ هٰذَا مَا قَاضَى عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ لَا يَدْخُلُ مَكَّةَ سِلَاحٌ إِلَّا فِي الْقِرَابِ وَأَنْ لَا يَخْرُجَ مِنْ أَهْلِهَا بِأَحَدٍ إِنْ أَرَادَ أَنْ يَتَّبِعَهُ وَأَنْ لَا يَمْنَعَ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِهِ أَرَادَ أَنْ يُقِيمَ بِهَا فَلَمَّا دَخَلَهَا وَمَضَى الْأَجَلُ أَتَوْا عَلِيًّا فَقَالُوا قُلْ لِصَاحِبِكَ اخْرُجْ عَنَّا فَقَدْ مَضَى الْأَجَلُ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت براء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے ذی قعدہ کے مہینے میں عمرہ کا احرام باندھا (اور مکہ روانہ ہوئے) لیکن مکہ کے لوگوں نے آپ کو شہر میں داخل ہونے سے روک دیا۔ آخر صلح اس پر ہوئی کہ (آئندہ سال) آپ مکہ میں تین دن تک قیام کریں گے۔ جب اس کی دستاویز لکھی جانے لگی تو اس میں لکھا گیا کہ یہ وہ صلح نامہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے لیکن مشرکین نے کہا کہ ہم تو اسے نہیں مانتے اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو روکیں گے بھی نہیں۔ بس آپ صرف محمد بن عبداللہ ہیں آنحضور نے فرمایا کہ میں رسول اللہ بھی ہوں اور محمد بن عبداللہ بھی۔ اس کے بعد علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ رسول اللہ کا لفظ مٹا دو۔ انھوں نے عرض کی، نہیں، خدا کی قسم میں یہ لفظ تو کبھی نہیں مٹاؤں گا۔ آخر آنحضور نے خود دستاویز لی اور لکھا کہ یہ اس کی دستاویز ہے کہ محمد بن عبداللہ نے اس شرط پر صلح کی ہے کہ مکہ میں وہ ہتھیار نیام میں رکھے بغیر داخل نہ ہوں گے۔ اگر مکہ کا کوئی باشندہ ان کے ساتھ جانا چاہے گا تو وہ اسے ساتھ نہ لے جائیں گے، لیکن اگر ان کے اصحاب میں سے کوئی شخص مکہ میں بسنا چاہے گا تو اسے وہ نہ روکیں گے۔ جب (آئندہ سال) آپ مکہ تشریف لے گئے اور (مکہ میں قیام کی) مدت

وَسَلَّمَ فَتَبِعَتْهُمُ ابْنَةُ حَمْزَةَ يَا عَمِّ يَا عَمِّ فَتَنَاوَلَهَا عَلِيٌّ فَأَخَذَ بِيَدِهَا وَقَالَ لِفَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ دُونَكِ ابْنَةَ عَمِّكِ حَمَلَتْهَا فَاخْتَصَمَ فِيهَا عَلِيٌّ وَزَيْدٌ وَجَعْفَرٌ فَقَالَ عَلِيٌّ أَنَا أَحَقُّ بِهَا وَهِيَ ابْنَةُ عَمِّي وَقَالَ جَعْفَرٌ ابْنَةُ عَمِّي وَخَالَتُهَا تَحْتِي وَقَالَ زَيْدٌ ابْنَةُ أَخِي فَقَضَى بِهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِخَالَتِهَا وَقَالَ الْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ وَقَالَ لِعَلِيٍّ أَنْتَ مِنِّي وَأَنَا مِنْكَ وَقَالَ لِجَعْفَرٍ أَشْبَهْتَ خَلْقِي وَخُلُقِي وَقَالَ لِزَيْدٍ أَنْتَ أَخُونَا وَمَوْلَانَا

پوری ہو گئی تو قریش، علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ اپنے صاحب سے کہئے کہ مدت پوری ہو گئی ہے اور اب وہ ہمارے ہاں سے چلے جائیں، چنانچہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم مکہ سے روانہ ہونے لگے۔ اس وقت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ایک بچی چچا چچا کرتی آئیں۔ علی رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنے ساتھ لے لیا۔ پھر حضرت فاطمہ علیہا السلام کے پاس ہاتھ پکڑ کر لائے اور فرمایا اپنی چچا زاد بہن کو ساتھ لے لو۔ چنانچہ انھوں نے انھیں اپنے ساتھ سوار کرالیا۔ پھر علی، زید اور جعفر رضی اللہ عنہم کا باہم نزاع ہوا، علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کا مستحق میں زیادہ ہوں۔ یہ میرے چچا کی بچی ہے۔ جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یہ میرے بھی چچا کی بچی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں بھی ہیں۔ زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے بھائی کی بچی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچی کی خالہ کے حق میں فیصلہ کیا اور فرمایا کہ خالہ، ماں کی طرح ہوتی ہے۔ پھر علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں، جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم صورت اور عادات و اخلاق سب میں مجھ سے مشابہ ہو، زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم ہمارے بھائی بھی ہو اور ہمارے مولا بھی۔

فوائد و مسائل ۱۔ اس حدیث کو امام مسلم نے مغازی میں اور ابو داؤد نے حج میں ذکر کیا ہے ۲۔ اُمْحُهُ امر کا صیغہ ہے ح کے فتحہ یا ضمہ کے ساتھ اس کے معنیٰ مٹانے کے ہیں۔ بِجُلُبَّانِ السِّلَاحِ ج کے اور ل کے ضمہ کے ساتھ ب پر تشدید۔ تیر کمان وغیرہ ہتھیاروں کے رکھنے کے تھیلے کو کہتے ہیں جو اس زمانہ میں چمڑہ سے بنا ہوا ہوتا تھا۔ حدیث میں اس لفظ کی تفسیر قِرَاب سے کی گئی ہے۔ معنیٰ دونوں کے ایک ہیں یعنی چمڑہ کا وہ تھیلا جس میں سوار اپنے ہتھیاروں وغیرہ کو رکھ کر کجاوہ کے ساتھ لٹکا دیتا ہے۔

صُلح حُدَیبیہ ۳۔ مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ایک کنویں کا نام ہے۔ گاؤں بھی اس کنویں کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اس مقدس درخت کے قریب ہے جس کے نیچے بیعت الرضوان واقع ہوئی جس کا ذکر قرآن مجید کی سورہ فتح میں ہے۔ صُلح حدیبیہ تاریخِ اسلام کا ایک نہایت ہی اہم واقعہ ہے جو ذوقعدہ ۶ھ میں

ہوا تھا۔ کہنے کو تو ایک صلح تھی اور وہ بھی بظاہر مغلوبانہ مگر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق یہ اسلام کی تمام آیندہ کامیابیوں اور کامرانیوں کا دیباچہ ثابت ہوئی اور قرآنِ مجید میں اللہ تعالےٰ نے اس صُلح کو اسلام کی فتح سے موسوم فرمایا۔ اس صُلح کے تمام واقعات و حالات سیرت کی تمام کتب میں موجود ہیں۔ اس لیے ہم نے ان کو بیان کرنا ضروری نہیں سمجھا۔

صُلح حُدیبیہ کے موقع پر حضرت علی نے لفظِ رُسول مٹانے سے کیوں انکار فرمایا

۴۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو حکم دیا کہ رسول اللہ کے الفاظ کاٹ دو۔ تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے بظاہر انکار کر دیا۔ شارح بخاری علامہ بدر محمود عینی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر امر کا صیغہ وجوب کے لیے نہ تھا کیونکہ قرائن سے حضرت علی کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ حضور کا یہ حکم وجوبی نہیں ہے۔ اس لیے مخالفتِ رسول کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا (عینی ج ۱۳ ص ۲۷۵)

اسی سے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ پر شیعہ فرقے کے اس الزام کا جواب بھی ہو جاتا ہے کہ حضور نے قلم دوات طلب کی اور حضرت عمر نے انکار کر دیا اور حضور کے حکم کی مخالفت کی حالانکہ کسی حدیث میں حضرت عمر کا انکار مروی نہیں ہے حضرت عمر نے صرف یہ کہا تھا کہ حسبنا کتاب اللہ اور یہ جملہ بھی انہوں نے قرائن سے یہ سمجھ کر کہا تھا کہ حضور علیہ السلام کا حکم وجوبی نہیں ہے کیونکہ حضرت عمر یہ جانتے تھے کہ حضور علیہ السلام نے دین سے متعلق تمام امور امت تک پہنچا دیے ہیں اور دین کی کوئی ایسی بات باقی نہیں رہی ہے جو تبلیغ سے رہ گئی ہو۔ اس یقین کی بنیاد پر حضرت عمر نے حسبنا کتاب اللہ کہا جو حضور کے حکم کی خلاف ورزی ہرگز نہیں ہے۔

حضور لکھنا بھی جانتے تھے اور پڑھنا بھی

۵۔ حضرت علی کے انکار کے بعد خود حضور نے اس لفظ کو مٹا دیا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ فَمَحَاهُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِیَدِہٖ یعنی لفظِ رسول اللہ کو خود حضور نے اپنے دستِ مبارک سے مٹا دیا اور حدیث زیرِ بحث نمبر ۲۵۱۹ میں اس کی وضاحت ان لفظوں سے آئی ہے۔ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْکِتَابَ فَکَتَبَ هٰذَا مَا قَاضٰی عَلَیْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ الخ پس نبی علیہ السلام نے خود دستاویز لی اور اپنے دستِ مبارک سے لکھا کہ یہ دستاویز ہے کہ محمد بن عبد اللہ نے ان شرائط پر صلح کی الخ ان دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم لکھنا بھی جانتے تھے اور پڑھنا بھی اور آپ کا لکھنا پڑھنا نہ تو قرآن کی کسی آیت کے خلاف ہے اور نہ ہی آپ کے امی ہونے کے منافی ہے۔

مگر افسوس

۶۔ وہابی، دیوبندی اور مودودی فکر کے علماء آج بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھے پڑھے ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ بعض کی دنائت و سفاہت کا تو یہ عالم ہے کہ آپ کو ان پڑھ چرواہا

لہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

تک لکھ دیتے ہیں۔ معاذ اللہ، معاذ اللہ، معاذ اللہ۔ حالانکہ نزولِ قرآن کے بعد آپ کا لکھنا پڑھنا نہ صرف بخاری شریف کی ان احادیث سے واضح طور پر ثابت ہے بلکہ قرآن سے بھی واضح ہے۔ قرآن کی کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس سے نزولِ قرآن کے بعد آپ کے لکھنے پڑھنے کی نفی ہوتی ہو۔ ۷۔ واضح ہو کہ کفار و مشرکین قرآنِ مجید کے کلامِ الٰہی ہونے کا انکار کرتے تھے اور اپنے اس غلط اور باطل خیال کا اظہار مختلف الزام لگا کر کرتے تھے۔ کبھی کہتے کہ یہ تو شاعر و کاہن کی باتیں ہیں۔ کبھی کہتے معاذ اللہ نبی علیہ السلام کے جو جی میں آیا اسے اللہ کا کلام کہہ کر پیش کر دیا ہے۔ کبھی کہتے

وَ قَالُوْا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰى عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا (فرقان ۵)	یہ اگلوں کی کہانیاں ہیں جو انھوں نے لکھ لی ہیں تو وہ ان پر صبح و شام پڑھی جاتی ہیں۔

اللہ رب العزت جل مجدہٗ نے قرآن میں متعدد مقامات پر مختلف انداز سے کفار کے اس خیال کا رد فرمایا ہے۔ سورہ فرقان ہی میں فرمایا۔

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ الخ	حبیب تم فرماؤ (قرآن) تو اس نے نازل کیا جو آسمان اور زمین کی چھپی بات جانتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت یَعْلَمُ السِّرَّ خصوصی طور پر بطور دلیل ذکر کی ہے۔ یعنی قرآنِ مجید علمِ غیبی پر مشتمل ہے۔ اس میں انبیاء و مرسلین کے حالات و سوانح و اممِ سابقہ کے قصے مذکور ہیں جو اس امر کی دلیل ہے کہ قرآن، اللہ علام الغیوب کی طرف سے ہے۔ اور کسی انسان کا کلام نہیں ہے سورہ الحاقہ میں کفار کے الزامات کا جواب بہت ہی دلنواز انداز میں دیا گیا ہے

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ وَ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ (الحاقہ ۴۲)	بے شک یہ قرآن کرم والے رسول کی باتیں ہیں کسی شاعر کی بات نہیں اور نہ کسی کاہن کی بات ہے۔

لہ سید سلیمان ندوی نے سیرۃ النبی کتاب الغزوات (صلح حدیبیہ) میں لکھا ہے۔ آنحضرت صلعم کو لکھنا نہیں آتا تھا۔ اسی بنا پر آپ کو امی کہتے ہیں۔ مسلم میں ہے کہ آپ نے رسول اللہ کا لفظ مٹا کر عبداللہ لکھ دیا۔ یہ عام روایت کے خلاف ہے (پھر بخاری کی صریح حدیث کی رکیک تاویل کر کے لکھتے ہیں) لیکن حقیقت یہ ہے کہ لکھنے پڑھنے کا کام جب روزمرہ نظر سے گزرتا رہتا ہے تو ناخواندہ شخص بھی اپنے نام سے حرف آشنا ہو جاتا ہے (معاذ اللہ)

تَنْزِيلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الحاقہ ۴۳) | اس نے نازل کیا جو سارے جہان کا رب ہے۔

یعنی منکر بالکل بے ایمان ہو گئے ہیں۔ اتنا نہیں سمجھتے کہ نہ یہ شعر ہے نہ کسی کاہن کی بات اور نہ کسی انسان جن اور فرشتوں کا کلام۔ اگر وہ قرآنِ مجید کی ہدایات اور تعلیمات پر غور کرتے۔ اس کی فصاحت، بلاغت، شیرینی اور اعجاز بے مثالی پر نظر ڈالتے تو کبھی اس کے منزل من اللہ ہونے کا انکار نہ کرتے۔ اس کے بعد قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کی ایک اہم دلیل یہ دی۔

لو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین (الحاقہ ۴۷) | اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے ضرور ہم ان سے بقوت بدلہ لیتے پھر ان کی رگِ دل کاٹ دیتے۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم صرف ایک آیت ہی اپنی طرف سے بنا کر کہتے (جیسا کہ کافر و مشرک اس کتابِ الٰہی کی نسبت کہتے ہیں) تو اللہ تعالےٰ فوراً اس کا بدلہ لیتا اور ان کی رگِ دل کو کاٹ دیتا جس کے کاٹتے ہی ان کی موت واقع ہو جاتی۔ مگر یہ رسول تو زندہ سلامت باکرامت تمہارے سامنے ہیں جو اس امر کی بہت بڑی دلیل ہے کہ قرآن رسول کا گڑھا ہوا بنایا ہوا ترتیب دیا ہوا کلام نہیں ہے بلکہ خالص رب العلمین کا کلام ہے جو اس نے اپنے آخری رسول پر نازل فرمایا۔

سورۂ عنکبوت میں کفار کے الزام کے رد میں ایک دلیل یہ بھی دی گئی ہے۔ اگر نزولِ قرآن سے قبل یہ رسول لکھتے پڑھتے ہوتے تو ان کے الزام میں کچھ جان پیدا ہو سکتی تھی۔ لیکن یہ رسول تو نزولِ قرآن سے پہلے نہ لکھتے تھے نہ پڑھتے تھے۔ ایسی صورت میں اس شک و شبہ کا موقع ہی نہیں رہا کہ یہ قرآن خود رسول نے تصنیف کر کے پیش کر دیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے۔

نزولِ قرآن کے بعد حضور کا لکھنا پڑھنا نہ کسی آیت کے خلاف ہے اور نہ آپ کے امی ہونے کے منافی ہے

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ (عنکبوت ۴۸) اور اس سے پہلے تم نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے اگر یوں ہوتا تو باطل والے ضرور شک کرتے۔

یعنی اے حبیب نزولِ قرآن سے قبل آپ لکھتے پڑھتے ہوتے تو ان باطل پرستوں کو شک کرنے کی گنجائش نکل آتی کہ آپ نے سابقہ آسمانی کتابوں کو پڑھ کر یہ قرآن لکھ کر پیش کر دیا ہے مگر آپ نزولِ قرآن سے قبل تو نہ لکھتے تھے اور نہ پڑھتے تھے۔ تو قرآنِ مجید میں اللہ تعالےٰ نے حضور کے لکھنے پڑھنے کی نفی کو

نزولِ قرآن سے پہلے کی قید سے مقید کیا ہے۔ جس سے واضح ہوا کہ نزولِ قرآن کے بعد آپ کا لکھنا پڑھنا یا جن احادیث میں آپ کے لکھنے پڑھنے کا ذکر ہے وہ قرآنِ مجید کی کسی آیت کے خلاف نہیں ہے ۔

اسی طرح حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے امی ہونے کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ جیسے آپ کی نبوت وہبی ہے عطیہ خداوندی ہے۔ ایسے ہی آپ کا علم وفضل اور تمام کمالات بھی وہبی ہیں۔ حضور نے کسی مخلوق سے کسی چیز کا علم حاصل نہیں کیا۔ نہ آپ کسی مکتب میں داخل ہوئے اور نہ دنیا میں کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اللہ تعالےٰ نے خود بلا واسطہ آپ کو علم وفضل کی دولت سے نوازا۔

لکھے نہ پڑھے جنابِ والا شاگردِ رشید حق تعالےٰ

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست کتب خانۂ چند ملّت بشست

چنانچہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالےٰ نے حضور کو مخاطب کرکے فرمایا۔ اے حبیب اللہ تعالےٰ نے تم پر کتاب اُتاری اور حکمت بھی اُتاری وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ اور تم کو سکھا دیا جو کچھ تم نہیں جانتے تھے اور تم پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔ اس آیت میں لفظ مَا عام ہے۔ جس کے دائرہ میں ہر وہ چیز آتی ہے جو حضور نہیں جانتے تھے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

عَلَّمَنِي رَبِّي فَاحْسَنَ تَعْلِيمِي (خصائص کبریٰ) | مجھے میرے رب نے تعلیم دی اور بہترین تعلیم دی

اللہ تعالےٰ تو اپنے حبیب کو سب کچھ سکھا دیا۔ اس سب کچھ میں جو لفظ ما کا مفاد ہے، لکھنے کا علم بھی داخل ہے اور پڑھنے کا بھی۔ تو جس کے سر اقدس پر اللہ تعالےٰ نے علمک کا تاج رکھا اور الم نشرح لك صدرك کا سہرا باندھا اور جس نے اپنے رب سے تعلیم پاکر علم وعرفان کے دریا بہا دیئے اور اوّلین وآخرین کے علوم بیان کردیئے۔ ایسے طیب وطاہر عالم وفاضل رسول کے لیے یہ سفہا یہ کہتے ہیں رہے پھر بھی وہ اَن پڑھ، نہ لکھنا جانتے تھے نہ پڑھنا ع چہ بے خبر ز مقامِ محمد عربی است

حضرت علی سے حضور نے فرمایا "انت منی وانا منك"

۸۔ علامہ بدر محمود عینی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ یہ سیدنا امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہٗ کی عظیم وجلیل منقبت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ اے علی تم مجھ سے ہو اور میں تم سے۔ یہاں مِن اتصالیہ ہے۔ یعنی نبی علیہ السلام نے مِنی فرماکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اپنی محبت وشفقت اور خصوصی نسبت کا اظہار فرمایا ہے۔

دنیا کی ہر زبان میں خصوصاً عربی میں کسی سے انتہائی قرب و اتصال اور باہم محبت وشفقت اور قلبی یگانگت کے لیے اس نوع کے جملے بولے جاتے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں۔

وہ اور ہیں دو تو نہیں ہیں۔ اس کی شرکت میری شرکت سمجھئے اور جن دو افراد کے درمیان انتہائی قرب ہو اس کے اظہار کے لیے کہتے ہیں۔ دو قالب و یک جان۔ لحمہ لحمی دمہ دمی کے جملے اہل عرب کا محاورہ ہے جو کسی سے قلبی تعلق، نسبی قرابت اور خونی رشتے کے اظہار کے لیے بولے جاتے ہیں —— جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے حضور کا نسبی و خونی رشتہ اظہر من الشمس ہے اور اللہ کے مقدس و طیب و طاہر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی کے متعلق مذکورہ بالا جملے ارشاد فرمانا حضرت علی کی عظیم و جلیل فضیلت ہے جس کا انکار کوئی صاحب ایمان نہیں کر سکتا۔

۹۔ اسی مضمون کی متعدد حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً علامہ جلال الدین سیوطی نے جمع الجوامع میں امام علاؤ الدین علی المتقی نے حافظ ابو جعفر بن عمرو العقیل کی تصنیف کتاب الضعفاء الکبیر میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِنَّ عَلِيًّا لَحْمُهُ مِنْ لَحْمِي وَدَمُهُ مِنْ دَمِي وَهُوَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوسٰى

بے شک علی کا گوشت میرے گوشت سے ہے اور ان کا خون میرے خون سے ہے اور ان کی منزلت میرے یہاں وہی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہاں حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تھی۔

امام عبدالروف المناوی علیہ الرحمہ نے بحوالہ طبرانی روایت نقل کی ہے۔

هٰذَا عَلِيٌّ لَحْمُهُ لَحْمِي وَدَمُهُ دَمِي

یہ علی ہیں۔ ان کا گوشت میرا گوشت ہے اور ان کا خون میرا خون ہے۔

۱۰۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الھیثمی نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

هٰذَا عَلِيُّ بْنُ اَبِي طَالِبٍ لَحْمُهُ لَحْمِي وَدَمُهُ دَمِي فَهُوَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هٰرُوْنَ مِنْ مُوْسٰى اِلَّا اَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي (کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق للمناوی بہامش الجامع الصغیر للسیوطی ج ۲ ص ۱۶۳، کنز العمال ج ۱۲ ص ۶۰ حدیث ۳۲۹۳۶)

یہ علی ہیں ان کا گوشت میرا گوشت ہے۔ ان کا خون میرا خون ہے۔ یہ میرے ہاں وہی منزلت رکھتے ہیں جو حضرت ہارون موسیٰ کے ہاں رکھتے تھے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

اس حدیث کی سند میں حسن بن حسین العرنی ضعیف ہیں مگر یہ ضعف متعدد وجوہ سے نقصان دہ نہیں ہے اوّل اس لیے کہ جلیل القدر ائمہ حدیث طبرانی و عقیلی نے اس حدیث کو سند کے ساتھ روایت کیا ہے دوم اس

لیے جلیل القدر محدثین علامہ ھیثمی، مناوی، سیوطی اور علی المتقی نے اسے نقل کیا اور قبول کیا ہے۔ سوئم یہ کہ یہ حدیث صحاح کی حدیث اَنْتَ مِنِّی وَاَنَا مِنْکَ کے ہم معنی ہے ـــــ بہرحال اس قسم کے جملے کسی کے ساتھ اپنے بہت ہی قریبی تعلق، نسبت، محبت، اُلفت، مؤدت کے اظہار کے لیے بولے جاتے ہیں۔ ان جملوں کے حقیقی معنی مراد نہیں ہوتے۔ ؎ علی امامِ من است و منم غلامِ علی

۱۰- حدیث زیر بحث ۲۵۱۹ میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ ابنتہ حمزہ یعنی حمزہ کی صاحبزادی جن کا نام امامہ تھا۔ ان کی والدہ کا نام سلمٰی بنت عمیس ہے۔ امامہ روتی ہوئی مکہ کی حدود سے باہر آگئیں تو حضرت علی نے فرمایا کہ یہ میری تحویل میں آنی چاہئیں کیونکہ یہ میرے چچا کی صاحبزادی ہیں۔ حضرت جعفر نے کہا یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور ان کی خالہ میری زوجہ ہیں اور حضرت زید بن حارثہ نے کہا یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے لہذا ان کی کفالت میں کروں گا۔ نبی علیہ السلام نے حضرت جعفر طیار کے حق میں فیصلہ فرمایا۔ کیونکہ ان کی زوجہ امامہ کی خالہ تھیں اور خالہ بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے۔

۱۱- حضرت زید بن حارثہ کو بچپن میں بُردہ فروشوں نے اغوا کر لیا تھا تو حضور نے ان کو حضرت خدیجہ کے لیے خرید لیا جب کہ وہ بچے ہی تھے۔ حضرت خدیجہ نے حضرت زید کو آزاد کر دیا اور پھر نبی علیہ السلام نے ان کو اپنا متبنّٰی (لے پالک) بنا لیا۔ اس لیے مولٰنا سے مولی النسل مراد ہے۔

۱۲- حضرت زید اور حضرت حمزہ کے درمیان حضور نے مواخات، بھائی چارہ قائم کیا تھا (اور جن کے درمیان نبی علیہ السلام نے مواخات قائم فرمائی۔ ان کے درمیان خون کے رشتہ سے زیادہ محبت و اُلفت پیدا ہو گئی) اس بنا پر حضرت زید نے حضرت حمزہ کو بھائی اور ان کی صاحبزادی کو اپنے بھائی کی صاحبزادی کہا ورنہ ان کے درمیان نہ تو خونی رشتہ تھا اور نہ رضاعت کا رشتہ۔ حضرت زید کے والد کا نام حارثہ اور ان کی والدہ کا نام سعدی ہے اور حضرت حمزہ کے والد عبدالمطلب اور ان کی والدہ کا نام ہالہ ہے ـــــ

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالٰی عنہ

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جس سریہ میں حضرت زید رضی اللہ تعالٰی عنہ کو شامل فرماتے انہیں اس سریہ کا امیر ضرور مقرر فرماتے۔ اگر وہ زندہ رہتے تو حضور ان کو اپنا خلیفہ مقرر فرماتے۔ جنگ موتہ میں آپ شہید ہوئے (عینی ج ۱۳ ص ۲۷۸)

بَابُ الصُّلْحِ مَعَ الْمُشْرِكِيْنَ

باب مشرکوں سے صلح کے متعلق

یعنی ضرورت اور ملک و ملت کی فلاح و بہبود کے لیے مملکتِ اسلامیہ کے سربراہ کو مشرکوں سے

صلح کرنی جائز ہے اور جن شرائط پر صلح ہوئی ہے ان پر قائم رہنا چاہیئے۔

۲۵۲۰ - عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مُعْتَمِرًا فَحَالَ كُفَّارُ قُرَيْشٍ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْبَيْتِ فَنَحَرَ هَدْيَهُ وَحَلَقَ رَأْسَهُ بِالْحُدَيْبِيَّةِ وَقَاضَاهُمْ عَلٰى اَنْ يَّعْتَمِرَ الْعَامَ الْمُقْبِلَ وَلَا يَحْمِلَ سِلَاحًا عَلَيْهِمْ اِلَّا سُيُوْفًا وَّلَا يُقِيْمَ بِهَا اِلَّا مَا اَحَبُّوْا فَاعْتَمَرَ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ فَدَخَلَهَا كَمَا كَانَ صَالَحَهُمْ فَلَمَّا اَقَامَ بِهَا ثَلٰثًا اَمَرُوْهُ اَنْ يَّخْرُجَ فَخَرَجَ (بخاری)

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کا احرام باندھ کر نکلے تو کفارِ قریش بیت اللہ جانے سے مانع آئے۔ اس لیے آپ نے قربانی کا جانور حدیبیہ میں ہی ذبح کر دیا اور سر بھی وہیں منڈوا لیا اور کفارِ مکہ سے آپ نے اس شرط پر صلح کی تھی کہ آئندہ سال آپ عمرہ کر سکیں گے۔ تلواروں کے سوا اور کوئی ہتھیار ساتھ نہ لائیں گے (اور وہ بھی نیام میں) اور قریش جتنے دنوں چاہیں گے، اس سے زیادہ آپ مکہ میں قیام نہ کر سکیں گے (یعنی تین دن) چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ سال عمرہ کیا اور شرائط کے مطابق آپ مکہ میں داخل ہوئے۔ پھر جب تین دن قیام کو گزر چکے تو قریش نے مکہ سے چلے جانے کے لیے کہا اور آپ وہاں سے چلے آئے۔ (بخاری)

۲۵۲۱ - عَنْ سَهْلِ بْنِ اَبِىْ حَثْمَةَ قَالَ انْطَلَقَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَهْلٍ وَّمُحَيِّصَةُ بْنُ مَسْعُوْدِ بْنِ زَيْدٍ اِلٰى خَيْبَرَ وَهِىَ يَوْمَئِذٍ صُلْحٌ

حضرت سہل بن ابی حثمہ سے مروی ہے کہ عبداللہ بن سہل اور محیصہ بن زید بن سہل رضی اللہ عنہما خیبر گئے خیبر کے یہودیوں سے مسلمانوں کی ان دنوں صلح تھی۔ (بخاری)

فوائد و مسائل مسلم اور دیگر کتبِ سیرت میں صلح حدیبیہ کی شرائط یوں ہیں۔
۱۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس سال واپس چلے جائیں ۲۔ اگلے سال آئیں اور تین دن قیام کر کے واپس چلے جائیں ۳۔ ہتھیار لگا کر نہ آئیں صرف تلوار ساتھ لائیں اور وہ بھی نیام میں ۴۔ جو مسلمان پہلے سے مکہ میں مقیم ہیں، ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ مدینہ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے کوئی مسلمان مکہ میں رہ جانا چاہے تو اس کو نہ روکیں ۵۔ کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو اس کو واپس کر دیا جائیگا۔ یہ معاہدہ طے ہوا ہی تھا کہ

حضرت ابو جندل کا واقعہ ایک نہایت ہی دلگداز واقعہ پیش آیا۔ حضرت ابو جندل جو سہیل کے صاحبزادے تھے اور اسلام لا چکے تھے۔ مکہ میں کافروں کی قید میں تھے

کسی طرح پابہ زنجیر کفار کی قید سے بھاگ کر آ گئے اور پکارے برادران اسلام کیا مجھے مشرکین کے سپرد کر دو گے۔ حضرت ابوجندل کے پاؤں میں بیڑیاں تھیں اور جسم زخموں سے چور تھا۔ ان کی یہ فریاد سن کر صحابہ کے قلوب سخت مضطرب تھے ـــــــ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوجندل کو مخاطب کر کے فرمایا۔

يَا اَبَا جَنْدَلٍ اِصْبِرْ وَاحْتَسِبْ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ جَاعِلٌ لَكَ وَلِمَنْ مَعَكَ مِنَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ بِمَكَّةَ فَرَجًا وَمَخْرَجًا وَاِنَّا قَدْ عَقَدْنَا بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ صُلْحًا وَعَهْدًا فَاِنَّا لَا نَغْدِرُ بِهِمْ

ابوجندل صبر کرو ضبط سے کام لو۔ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے اور مظلوم ساتھیوں کے لیے جو مکہ میں رہ گئے ہیں کوئی راہ نکالے گا اور ہم صلح کر چکے ہیں۔ اس لیے مشرکوں سے بدعہدی نہیں کر سکتے۔

(عینی ج ۱۳ ص ۲۷۸)

چنانچہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق اس صلح کا نتیجہ اسلام و اسلامیان کے حق میں فتح مبین ثابت ہوا۔ صلح کے بعد تین دن تک حضور نے حدیبیہ میں قیام فرمایا۔ پھر روانہ ہوئے تو راہ میں یہ سورہ نازل ہوئی۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا | بیشک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح عطا فرما دی۔

بَابُ الصُّلْحِ فِي الدِّيَةِ

باب دیہ میں صلح کے متعلق

۲۵۲۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَنْصَارِيُّ قَالَ حَدَّثَنِيْ حُمَيْدٌ اَنَّ اَنَسًا حَدَّثَهُمْ اَنَّ الرُّبَيِّعَ وَهِيَ ابْنَةُ النَّضْرِ كَسَرَتْ ثَنِيَّةَ جَارِيَةٍ فَطَلَبُوا الْاَرْشَ وَطَلَبُوا الْعَفْوَ فَاَبَوْا فَاَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَهُمْ بِالْقِصَاصِ فَقَالَ اَنَسُ بْنُ النَّضْرِ اَتُكْسَرُ ثَنِيَّةُ الرُّبَيِّعِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَا وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نضر کی بیٹی رُبیّع رضی اللہ عنہا نے ایک لڑکی کے دانت توڑ دیے۔ اس پر لڑکی والوں نے تاوان مانگا اور ان لوگوں نے معافی چاہی لیکن لڑکی والوں نے معاف کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے بدلہ لینے کا حکم دیا (یعنی ان کا بھی دانت توڑ دیا جائے)۔ انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! کیا ربیع کا دانت توڑا جائیگا۔ نہیں، اس ذات کی

لَا تُکْسَرُ ثَنِیَّتُھَا فَقَالَ یَا اَنَسُ کِتَابُ اللّٰہِ الْقِصَاصُ فَرَضِیَ الْقَوْمُ وَعَفَوْا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ مَنْ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ زَادَ الْفَزَارِیُّ عَنْ حُمَیْدٍ عَنْ اَنَسٍ فَرَضِیَ الْقَوْمُ وَقَبِلُوا الْاَرْشَ

قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے ربیع کا دانت نہیں توڑا جائیگا۔ آنحضور نے فرمایا کہ انس! کتاب اللہ کا فیصلہ تو بدلہ لینے (قصاص) ہی کا ہے۔ چنانچہ لوگ راضی ہو گئے اور معاف کر دیا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ کی قسم کھالیں تو اللہ تعالےٰ خود ان کی قسم پوری فرما دیتا ہے۔ فزاری نے (اپنی روایت میں) حمید کے واسطے سے اور وہ انس رضی اللہ عنہ کے واسطے سے یہ زیادتی نقل کی ہے کہ وہ لوگ راضی ہو گئے اور تاوان لے لیا (بخاری)

فوائد و مسائل ۱۔ اس حدیث میں جاریہ سے آزاد نوجوان لڑکی مراد ہے۔ لونڈی نہیں ۲۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ تعالےٰ عنہ، حضرت انس بن مالک کے چچا ہیں۔ یہ غزوہ اُحد میں شہید ہوئے ان کے جسم پر تلوار اور نیزے کے تقریباً اسی سے کچھ اوپر زخم آئے تھے۔ ان کی مدح میں سورہ احزاب کی یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاھَدُوا اللّٰہَ عَلَیْہِ فَمِنْھُمْ مَنْ قَضٰی نَحْبَہٗ

وہ مرد ہیں جنہوں نے سچا کر دیا جو عہد اللہ سے کیا تھا تو ان میں کوئی اپنی منت پوری کر چکا۔

یہ آیت حضرت عثمان غنی، حضرت طلحہ، حضرت سعید بن زید، حضرت حمزہ، حضرت مصعب اور حضرت انس بن نضر رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی مدح میں نازل ہوئی کہ انھوں نے نذر مانی تھی کہ وہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد کا موقع پائیں گے تو ثابت قدم رہیں گے۔ یہاں تک کہ شہید ہو جائیں۔ ان کی نسبت اس آیۂ کریمہ میں ارشاد ہوا کہ انھوں نے اپنا وعدہ سچا کر دیا۔

۲۔ مقدمہ جب بحضور نبوی پیش ہوا تو آپ نے قصاص کا حکم دیا تو حضرت انس بن نضر نے عرض کی۔ اَتُکْسَرُ۔ یہاں ہمزہ استفہام کے لیے۔ تکسر صیغہ مجہول ہے۔ اس جملہ کا مطلب یہ ہے۔ حضور کیا ربیع کا دانت توڑا جائیگا۔ اس جملہ کے تیور یہ بتا رہے ہیں کہ انھوں نے حکم شرع کا انکار نہیں کیا تھا بلکہ تعجب کے طور پر عرض کیا۔ شارحین نے مختلف انداز میں اس سوال کے جواب دیئے ہیں۔ اول یہ کہ حضرت انس یہ سمجھتے تھے کہ قصاص اور دیت میں اختیار رہے۔ یعنی اگر فریقِ مخالف راضی نہ ہو تو بھی دیت پر فیصلہ ہو سکتا ہے۔ حالانکہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر فریقِ مخالف راضی ہو تو دیت دی جائے گی ورنہ اصل حکم یعنی قصاص کا حکم دیا جائیگا۔ دوم ان کو کامل توقع تھی کہ اللہ تعالےٰ ضرور فضل فرمائیگا اور فریقِ مخالف کے دل میں رحم پیدا فرما دیگا۔

اور دیت پر راضی ہو جائیں گے۔ اسی ظنِ غالب کی بنیاد پر انہوں نے قسم کھالی کہ ایسا نہیں ہوگا جس سے واضح ہوا کہ ظنِ غالب کی بنار پر قسم کھانا جائز ہے ——— یا ان کا یہ خیال تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سفارش فرمادیں گے جیسا کہ حضور علیہ السلام کی یہ عادت کریمہ تھی کہ عفو و درگزر کی تلقین فرمایا کرتے۔ سوم یہ کہ کلمہ لاَ حکم شرح کو رد کرنے کے لیے نہیں بلکہ دیت کے وقوع کی نفی کے لیے ہے۔

۳۔ علامہ طیبی علیہ الرحمہ نے اس کی یہی تاویل کی ہے۔ کلمہ لا وَاللہ لیس رد الحکم بل نفی لوقوعہ (ولا تُکسَرُ) اخبار عن عدم الوقوع ——— یعنی حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے کلمہ (لا) حکمِ شریعت کو رد کرنے کے لیے نہیں بلکہ وقوعِ دیت کی نفی کے لیے بولا تھا کہ ربیع سے دیت نہیں لی جائیگی اور لاَ تُکسَرُ کے الفاظ سے انھوں نے دیت کے عدمِ وقوع کی پیشگوئی فرمائی تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اللہ تعالےٰ نے فریقِ مخالف کے دلوں میں رحم و رافت اور لُطف و مہربانی پیدا فرمادی اور انہوں نے ربیع کو معاف کر دیا ——— شارحین حدیث نے حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کے قول کی جو تاویلیں کیں، خود حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد سے تائید فرمادی ہے کہ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَ بَرَّہٗ کہ اللہ کے بندوں میں ایسے بھی ہیں جو

صحابہ کرام اولیاء اللہ میں بعض سے کرامات بھی ظاہر ہوئی ہیں

اگر کسی بات کے ہونے یا نہ ہونے کی قسم کھالیں تو اللہ تعالےٰ ان کی قسم پوری فرمادیتا ہے۔ یوں تو صحابہ کرام علیہم الرحمہ والرضوان اولیاء اللہ ہیں اور ایسے ولی ہیں کہ جن کی مثل اب پیدا ہونا ناممکن ہے یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اب کوئی ایسا ولی پیدا نہیں ہوگا جو صحابی بھی ہو (۴) مگر حضور کے صحابہ میں حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کا شمار ان صحابہ میں ہوتا ہے جن سے کرامت کا صدور بھی ہوا ہے اور جن کی کرامت کی تصدیق نبی علیہ السلام نے فرمائی ہے۔ اس لیے شارحین حدیث نے حدیثِ زیرِ بحث سے یہ استدلال فرمایا ہے کہ اولیاء اللہ کی کرامات حق ہیں۔ علامہ عینی علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ فیہ دلالۃ علی کرامات الاولیاء (۵) حدیث زیرِ بحث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قصاص و دیت میں عفو و درگزر سے کام لینا اور اس معاملہ میں فریقِ مخالف سے معاف کردینے کی سفارش کرنا مستحب ہے۔ یہ کہ قصاص دیت ایسی جنایات ہیں جن میں صلح ہوسکتی ہے کیونکہ اس کا تعلق بندوں کے حق سے ہے۔ یہ کہ اگر عورت عورت کا دانت توڑ دے تو اس میں قصاص ہے ——— یہ کہ اگر کوئی کسی کا پورا دانت توڑ دے تو اس میں قصاص ہے۔ امام نووی شارح مسلم نے فرمایا یہ بات مجمع علیہ ہے۔ اگر دانت کا بعض حصہ توڑا ہے تو جمہور علمائے کے نزدیک اس میں قصاص نہیں ہے۔

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْحَسَنِ

باب حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے متعلق

بْنِ عَلِيٍّ اِبْنِي هٰذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يُّصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ وَقَوْلِهٖ جَلَّ ذِكْرُهٗ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا

۲۵۲۳- عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَقُوْلُ اسْتَقْبَلَ وَاللّٰهِ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ مُعٰوِيَةَ بِكَتَائِبَ اَمْثَالِ الْجِبَالِ فَقَالَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ اِنِّيْ لَاَرٰى كَتَائِبَ لَا تُوَلِّيْ حَتّٰى تَقْتُلَ اَقْرَانَهَا فَقَالَ مَعَهٗ مُعٰوِيَةُ وَكَانَ وَاللّٰهِ خَيْرَ الرَّجُلَيْنِ اَيْ عَمْرُو اِنْ قَتَلَ هٰؤُلَاءِ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ هٰؤُلَاءِ مَنْ لِّيْ بِاُمُوْرِ النَّاسِ مَنْ لِّيْ بِنِسَائِهِمْ مَنْ لِّيْ بِضَيْعَتِهِمْ فَبَعَثَ اِلَيْهِ رَجُلَيْنِ مِنْ قُرَيْشٍ مِّنْ بَنِيْ عَبْدِ شَمْسٍ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ سَمُرَةَ وَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَامِرِ بْنِ كُرَيْزٍ فَقَالَ اذْهَبَا اِلٰى هٰذَا الرَّجُلِ فَاعْرِضَا عَلَيْهِ وَقُوْلَا لَهٗ وَاطْلُبَا اِلَيْهِ فَاَتَيَاهُ فَدَخَلَا عَلَيْهِ فَتَكَلَّمَا وَقَالَا لَهٗ فَطَلَبَا اِلَيْهِ فَقَالَ لَهُمَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ اِنَّا بَنُوْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَدْ اَصَبْنَا مِنْ هٰذَا الْمَالِ وَاِنَّ هٰذِهِ الْاُمَّةَ قَدْ عَاثَتْ فِيْ دِمَائِهَا قَالَا فَاِنَّهٗ يَعْرِضُ عَلَيْكَ كَذَا وَكَذَا وَيَطْلُبُ اِلَيْكَ وَ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ میرا یہ بیٹا سیّد ہے اور یقیناً ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ "پس دونوں میں صلح کرادو"

ابو موسیٰ نے بیان کیا کہ میں نے حسن بصری سے سُنا، وہ بیان کرتے تھے کہ بخدا جب حسن بن علی (معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں) پہاڑوں جیسا لشکر لے کر پہنچے تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایسا لشکر دیکھ رہا ہوں جو اپنے مقابل کا استیصال کئے بغیر واپس نہ جائیگا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس پر کہا اور بخدا، وہ ان دونوں اصحاب میں زیادہ اچھے تھے کہ اے عمرو! اگر اس لشکر نے اس لشکر کا استیصال کر دیا یا اس نے اس کا کر دیا تو (اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں) لوگوں کے امور (کی جواب دہی کے لیے) میری کفالت کون کریگا، لوگوں کی عورتوں کے سلسلے میں میری کفالت کون کریگا، لوگوں کی عیال کے سلسلے میں میری کفالت کون کرے گا؟ آخر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے یہاں قریش کی شاخ عبد شمس کے دو آدمی بھیجے عبدالرحمٰن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر بن کریز، آپ نے ان دونوں اصحاب سے فرمایا کہ حسن بن علی کے یہاں جاؤ اور ان کے سامنے صلح پیش کرو، ان سے اس پر گفتگو کرو اور فیصلہ انھیں کی مرضی پر چھوڑ دو۔ چنانچہ یہ لوگ آئے اور آپ سے گفتگو کی اور فیصلہ آپ کی مرضی پر ہی چھوڑ دیا۔ حسن بن علی

يَسْأَلُكَ قَالَ فَمَنْ لِيْ بِهٰذَا قَالَا نَحْنُ لَكَ بِهٖ فَمَا سَأَلَهُمَا شَيْئًا إِلَّا قَالَا نَحْنُ لَكَ بِهٖ فَصَالَحَهٗ فَقَالَ الْحَسَنُ وَلَقَدْ سَمِعْتُ أَبَا بَكْرَةَ يَقُوْلُ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ إِلٰى جَنْبِهٖ وَهُوَ يُقْبِلُ عَلَى النَّاسِ مَرَّةً وَّعَلَيْهِ أُخْرٰى وَيَقُوْلُ إِنَّ ابْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ وَّلَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يُّصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ قَالَ لِيْ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ إِنَّمَا ثَبَتَ لَنَا سَمَاعُ الْحَسَنِ مِنْ أَبِيْ بَكْرَةَ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ (بخاری)

علیہما السلام نے فرمایا، ہم بنو مطلب سے ہیں، یہ (خلافت کا) مال ہم نے خرچ کیا ہے (لوگوں پر) کیونکہ (اس دور میں) اس امت میں قتل و فساد کی گرم بازاری ہے۔ (جسے مال خرچ کر کے ہی روکا جاسکتا ہے) ان دونوں اصحاب نے کہا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کے سامنے فلاں فلاں صورتیں رکھی ہیں۔ معاملہ آپ کی مرضی پر چھوڑا ہے اور آپ سے پوچھا ہے۔ حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کی ذمہ داری کون لے گا؟ ان دونوں قاصدوں نے کہا کہ ہم اس کے ذمہ دار ہیں۔ حضرت حسن نے جس چیز کے متعلق بھی پوچھا تو انھوں نے یہی کہا کہ ہم اس کے ذمہ دار ہیں اور آخر آپ نے صلح کر لی۔ پھر فرمایا میں نے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے سُنا وہ بیان کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے سُنا ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما آنحضور کے پہلو میں تھے اور آنحضور کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی حسن رضی اللہ عنہ کی طرف اور فرماتے کہ میرا یہ بیٹا سیّد ہے اور مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔ (بخاری)

۱۔ واضح ہو کہ اللہ تعالےٰ و اس کے رسول کے کلام میں رجاء یقین کے معنیٰ میں ہوتی ہے جیسے حضور علیہ السلام نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے متعلق انی لارجولہ الخیر میں ان کے لیے خیر کی اُمید رکھتا ہوں۔ یہاں رجاء یقین کے معنیٰ میں ہے۔ اسی طرح زیر بحث حدیث میں سیدنا حسن علیہ السلام کے متعلق حضور نے فرمایا۔ لعل اللّٰہ ان یصلح الخ شاید اللہ تعالےٰ حسن بن علی کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرا دے گا۔ یہاں لعل بھی یقین کے معنیٰ میں ہے (مظہری ج ۱ ص ۳۶) ۲۔ یہ حدیث حضرت امام حسن علیہ السلام کی عظمت و رفعت، زہد و تقویٰ، وسعتِ قلبی اور ایثار و قربانی کی آئینہ دار ہے آپ نے باوجود قوت و شوکت کے ملّت اسلامیہ میں افتراق و انتشار کو پسند نہ فرمایا اور مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کو خونریزی سے بچا لیا حالانکہ چالیس ہزار افراد نے آپ کے دستِ اقدس پر موت پر بیعت کی تھی۔ اگر آپ چاہتے تو بڑی آسانی سے حضرت امیر معاویہ کے لشکر کو شکست دے سکتے تھے —— اور یہ بھی واضح ہے کہ خصو[illegible] امام حق پر تھے مگر ہمارے لیے مشاجراتِ صحابہ کے متعلق زبان کھولنا مناسب نہیں ہے۔

حضرت امام حسن علیہ السلام

حضرت امام ابو محمد حسن بن علی مرتضیٰ علیہما السلام، آپ ائمہ اثنا عشرہ میں امام دوم ہیں۔ آپ کی کنیت ابو محمد لقب تقی و سیّد عرف سبطِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سبط اکبر ہے۔ آپ کو ریحانۃ الرسول اور آخر الخلفاء بالنص بھی کہتے ہیں۔ آپ کی ولادتِ مبارکہ ۱۵ رمضان المبارک ۳ھ کی شب میں مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام حسن رکھا اور ساتویں روز آپ کا عقیقہ کیا اور بال جدا کئے گئے اور حکم دیا گیا کہ بالوں کے وزن کی چاندی صدقہ کی جائے۔ آپ خامس اہل کسا ہیں۔

بخاری کی روایت میں ہے قبلہ حسن و جمال سید عالم صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم سے کسی کو وہ مشابہتِ صوری حاصل نہ تھی جو سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کو حاصل تھی۔ آپ سے پہلے حسن کسی کا نام نہ رکھا گیا تھا۔ یہ جنّتی نام پہلے آپ ہی کو عطا ہوا ہے۔ حضرت اسماء بنتِ عمیس نے بارگاہِ رسالت میں حضرت امام حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی ولادت کا مژدہ پہنچایا۔ حضور تشریف فرما ہوئے۔ فرمایا کہ اسماء میرے فرزند کو لاؤ۔ اسماء نے ایک کپڑے میں حضور کی خدمت میں حاضر کیا۔ سیّد عالم علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر فرمائی اور حضرت مرتضےٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ تم نے اس فرزند ارجمند کا کیا نام رکھا ہے۔ عرض کیا یارسول اللہ میری کیا مجال کہ بے اذن و اجازت نام رکھنے پر سبقت کرتا لیکن اب جو دریافت فرمایا جاتا ہے اور جو کچھ خیال میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ حرب نام رکھا جائے۔ آئندہ حضور مختار ہیں۔ آپ نے ان کا نام حسن رکھا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضور نے انتظار فرمایا۔ یہاں تک کہ حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور انھوں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم حضرت علی مرتضےٰ کو آپ کی بارگاہ میں وہ قرب حاصل ہے جو حضرت ہارون کو درگاہِ حضرت موسیٰ میں تھا۔ مناسب ہے کہ اس فرزندِ سعادت مند کا نام فرزندِ ہارون کے نام پر رکھا جائے۔ حضور نے ان کا نام دریافت فرمایا۔ عرض کیا شبیر۔ ارشاد ہوا کہ اے جبریل لغتِ عرب میں اس کے کیا معنیٰ ہیں۔ عرض کیا حسن، اور آپ کا نام حسن رکھا گیا۔

بخاری و مسلم نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ فرماتے ہیں میں نے نورِ مجسم جانِ عالم سید عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ شہزادہ بلند اقبال حضرت امام حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ آپ کے دوشِ مبارک پر تھے اور حضور فرما رہے تھے یارب میں اس کو محبوب رکھتا ہوں تو تو بھی محبوب رکھ۔

امام بخاری نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی۔ فرماتے ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز تھے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ آپ کے پہلو میں تھے۔ حضور ایک مرتبہ لوگوں کی طرف نظر

فرماتے اور ایک مرتبہ اس فرزندِ جمیل کی طرف ۔ میں نے سنا حضور نے ارشاد فرمایا کہ یہ میرا فرزند سیّد ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی بدولت مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرے گا ۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور پُر نور سیّد عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ حسن و حسین دنیا میں میرے دو پھول ہیں ۔ ترمذی کی حدیث میں ہے۔ حضور علیہ و علیٰ آلہ واصحابہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ حسن و حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔

ابن سعد نے عبد اللہ ابن زبیر سے روایت کی حضور کے اہلِ بیت میں حضور کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ اور حضور کو سب سے زیادہ پیارے حضرت امام حسن تھے ۔ میں نے دیکھا حضور تو سجدے میں ہوتے اور یہ والاشان صاحب زادے آپ کی گردنِ مبارک یا پشتِ اقدس پر بیٹھ جاتے تو جب تک یہ نہ اُترتے آپ سر مبارک نہ اُٹھاتے اور میں نے دیکھا حضور رکوع میں ہوتے تو ان کے لیے اپنے قدمیں طاہرین کو اتنا کشادہ فرما دیتے کہ یہ نکل جاتے ۔

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب بہت کثیر ہیں ۔ آپ علم، حشمت وجاہ، جود و کرم، زہد طاعت میں بہت بلند پایہ ہیں ۔ ایک ایک آدمی کو ایک ایک لاکھ کا عطیہ مرحمت فرما دیتے تھے ۔ حاکم نے عبداللہ بن عبید عمیر سے روایت کیا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے پچیس حج پا پیادہ کئے ہیں ۔ آپ کی تواضع اور اخلاص و ادب کا یہ عالم تھا کہ آپ حج کے لیے پا پیادہ سفر فرماتے ۔ آپ کا کلام بہت شیریں تھا۔ اہلِ مجلس نہیں چاہتے تھے کہ آپ گفتگو ختم فرمائیں۔

ابن سعد نے علی بن زید جدعان سے روایت کی کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوبارا اپنا کُل مال راہِ خدا میں دے ڈالا اور تین مرتبہ نصف مال دیا اور ایسی صحیح تنصیف کی کہ نعلین شریف اور جرابوں میں سے ایک ایک دیتے تھے اور ایک ایک رکھ لیتے تھے ۔

آپ کے حلم کا یہ حال تھا کہ ابن عساکر نے روایت کیا کہ آپ کی وفات کے بعد مروان بہت رویا ۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آج تو رو رہا ہے اور ان کی حیات میں ان کے ساتھ کس کس طرح کی بدسلوکیاں کیا کرتا تھا ۔ تو وہ پہاڑ کی طرف اشارہ کرکے کہنے لگا میں اس سے زیادہ حلیم کے ساتھ ایسا کرتا تھا ۔ مروان کو بھی اعتراف ہے کہ آپ کی بُردباری پہاڑ سے بھی زیادہ ہے ۔

حضرت امام حسن کی خلافت

حضرت مولیٰ علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہوئے ۔ اہلِ کوفہ نے آپ کے دستِ حق پر بیعت کی اور آپ نے وہاں چند ماہ، چند روز قیام فرمایا ۔ اس کے بعد آپ نے

امر خلافت کا امیر معاویہ کو تفویض کرنا مسطور ذیل شرائط پر منظور فرمایا :۔

۱۔ بعد امیر معاویہ کے خلافت حضرت امام حسن کو پہنچے گی۔

۲۔ اہل مدینہ اور اہلِ حجاز اور اہلِ عراق میں کسی شخص سے بھی زمانہ حضرت امیر المومنین مولیٰ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے متعلق کوئی مواخذہ و مطالبہ نہ کیا جائے۔

۳۔ امیر معاویہ، امام حسن رضی اللہ عنہ کے قرض کو ادا کریں۔

امیر معاویہ نے یہ تمام شرائط قبول کیں اور باہم صلح ہوگئی اور حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ ظاہر ہوا جو حضور نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالےٰ میرے اس فرزند ارجمند کی بدولت مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح فرمائے گا۔ یہ واقعہ ربیع الاوّل ۴۱ھ کا ہے۔

بَابُ هَلْ يُشِيْرُ الْإِمَامُ بِالصُّلْحِ

باب کیا امام صلح کے لیے اشارہ کرسکتا ہے

۲۵۲۴۔ قَالَتْ سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَقُوْلُ سَمِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَوْتَ خُصُوْمٍ بِالْبَابِ عَالِيَةٍ اَصْوَاتُهُمَا وَاِذَا اَحَدُهُمَا يَسْتَوْضِعُ الْاٰخَرَ وَيَسْتَرْفِقُهُ فِيْ شَيْءٍ وَّهُوَ يَقُوْلُ وَاللّٰهِ لَا اَفْعَلُ فَخَرَجَ عَلَيْهِمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَيْنَ الْمُتَاَلِّيْ عَلَى اللّٰهِ لَا يَفْعَلُ الْمَعْرُوْفَ فَقَالَ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَهٗ اَيُّ ذٰلِكَ اَحَبَّ

حضرت عمرہ بنتِ عبد الرحمٰن نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سُنا کہ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دروازے پر جھگڑا کرنے والوں کی آواز سُنی۔ جن کی آواز بلند ہو گئی تھی۔ قصہ یہ تھا کہ ایک شخص دوسرے سے قرض میں کچھ کمی کرنے اور مطالبے میں نرمی برتنے کے لیے کہہ رہا تھا اور دوسرا کہتا تھا کہ خدا کی قسم، میں یہ نہیں کرسکتا۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف گئے اور فرمایا کہ اس بات پر خدا کی قسم کھانے والے صاحب کہاں ہیں کہ وہ ایک اچھا کام نہیں کرینگے ان صحابی نے عرض کیا۔ میں ہی ہوں یا رسول اللہ! میرا فریق جو چاہتا ہے وہی کردوں گا۔ (بخاری)

۲۵۲۵۔ عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ كَانَ لَهٗ عَلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ حَدْرَدٍ الْاَسْلَمِيِّ مَالٌ فَلَقِيَهٗ فَلَزِمَهٗ حَتّٰى ارْتَفَعَتْ اَصْوَاتُهُمَا فَمَرَّ بِهِمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ پر ان کا قرض تھا۔ ان سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے ان کا پیچھا کیا (اور آخر تکرار ہوئی) اور دونوں کی آواز بلند ہوگئی۔ نبی کریم

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا كَعْبُ فَأَشَارَ بِيَدِهٖ كَأَنَّهٗ يَقُولُ النِّصْفَ فَأَخَذَ نِصْفَ مَا عَلَيْهِ وَتَرَكَ نِصْفًا

صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزرے۔ آپ نے فرمایا اے کعب! اور اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا جیسے آپ فرما رہے ہوں کہ آدھا (قرض کم کردو) چنانچہ انھوں نے آدھا قرض چھوڑ دیا اور آدھا لیا (بخاری)

فوائد ومسائل ۱۔ عنوان کا مطلب یہ ہے کہ امام اور قاضی اور حاکم فریقین کو اگرچہ ایک ان میں سے حق پر ہو، صلح کی طرف توجہ دلانا جائز ہے۔ جمہور کا یہ مذہب ہے۔ البتہ امام مالک جواز کے قائل نہیں ہیں ۲۔ دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ مقروض کے قرض میں اپنی مرضی سے کمی کر دینا یا قرض کی کل رقم یا یا بعض رقم کو معاف کر دینا کار ثواب ہے اور یہ کہ اگر کسی کار خیر کے نہ کرنے کی قسم کھائی ہے تو ایسی قسم کو توڑ دینا چاہیئے اور قسم کا کفارہ ادا کر دینا چاہیئے ــــــ قسم توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ پے درپے ساٹھ روزے رکھے۔ یہ نہ کر سکے تو ساٹھ مساکین کو بھر بھر پیٹ دونوں وقت کھانا کھلایئے۔ ۳۔ نیز اس حدیث میں نقد مال پر صلح کا ذکر نہیں ہے غالباً نقد مال کو قرض پر قیاس کر کے عنوان قائم کر دیا۔

بَابُ فَضْلِ الْإِصْلَاحِ بَيْنَ النَّاسِ وَالْعَدْلِ بَيْنَهُمْ

باب لوگوں میں باہم صلح کرانے اور انصاف کرنے کی فضیلت

۲۵۲۶۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ سُلَامَى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيهِ الشَّمْسُ يَعْدِلُ بَيْنَ النَّاسِ صَدَقَةٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انسان کے ہر جوڑ پر ہر اس دن کا صدقہ ہے جس میں سورج طلوع ہوتا ہے اور لوگوں کے ساتھ انصاف کرنا بھی صدقہ ہے۔ (بخاری)

فوائد ومسائل ۱۔ سلامی کے معنی جوڑ کے ہیں۔ انسانی بدن میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں جو اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے اور ہر نعمت پر منعم کا شکر ادا کرنا لازم وضروری ہے ۲۔ لوگوں کے ساتھ انصاف کرنا اور ان کے درمیان صلح کرا دینا بھی کار ثواب ہے۔

بَابُ إِذَا أَشَارَ الْإِمَامُ بِالصُّلْحِ فَأَبَى حَكَمَ عَلَيْهِ بِالْحُكْمِ الْبَيِّنِ

باب امام کے اشارے پر اگر کسی فریق نے صلح سے انکار کیا تو پھر امام جو حکم شرعی ہے اسے نافذ کردے

مطلبِ عنوان یہ ہے اگر امام قاضی اور حاکم نے صلح کی تلقین کی اور ایک فریق صلح کرنے سے انکار کر دے تو ایسی صورت میں قاضی شریعت کا جو حکم ہے اس کو نافذ کر دے کیونکہ صلح میں فریقین کی رضامندی ضروری ہے اور جبراً صلح کرانا جائز نہیں ـــــ جیسا کہ حدیث زیرِ عنوان میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے دونوں فریقین میں بطور صلح ایک تجویز رکھی۔ جس میں عروہ بن زبیر اور انصاری دونوں کی رعایت تھی مگر جب انصاری نے انکار کر دیا تو حضور علیہ السلام نے جو حکمِ شرعی تھا اس کے مطابق فیصلہ دیدیا۔

۲۵۲۷۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے کہ ایک صحابی جو بدر کی لڑائی میں شریک تھے، کے خلاف حرّہ کے نالے کے سلسلے میں اپنا مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں انھوں نے پیش کیا۔ دونوں حضرات اس نالے سے (باغ) سیراب کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ زبیر! تم پہلے سیراب کر لو پھر اپنے پڑوسی کو بھی سیراب کرنے دو۔ انصاری کو غصہ آگیا اور کہا، یا رسول اللہ! کیا اسی وجہ سے کہ یہ آپ کے پھوپھی کے لڑکے ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس کا رنگ بدل گیا اور آپ نے فرمایا (زبیر رضی اللہ عنہ سے) کہ سیراب کرو اور پانی کو (اپنے باغ میں) اتنی دیر تک آنے دو کہ دیوار تک چڑھ جائے۔ اس مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر رضی اللہ عنہ کو ان کا پورا حق عطا فرمایا تھا۔ اس سے پہلے آپ نے ایسا فیصلہ کیا تھا جس میں حضرت زبیر اور انصاری دونوں کی رعایت تھی۔ لیکن جب انصاری نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر مذکورہ بالا جملے کہے تو پھر حضور نے جو حکم شریعت تھا اس کو نافذ کر دیا تھا۔ (بخاری)

نوٹ:۔ یہ حدیث باب الشرب میں مع تفہیم و ترجمانی کے گزر چکی ہے، ضرور ملاحظہ کیجئے حدیث نمبر ۲۲۰۵

بَابُ الصُّلْحِ بَيْنَ الْغُرَمَاءِ وَاَصْحَابِ الْمِيْرَاثِ

باب قرض خواہوں اور وارثوں کے درمیان صلح کرانا

وَالْمُجَازَفَةِ فِيْ ذَالِكَ

اور اس میں تخمینہ سے کام لینا

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا بَاْسَ اَنْ يَّتَخَارَجَ الشَّرِيْكَانِ فَيَاْخُذَ هٰذَا دَيْنًا وَّ هٰذَا عَيْنًا فَاِنْ تَوِيَ لِاَحَدِهِمَا لَمْ يَرْجِعْ عَلٰى صَاحِبِهٖ

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر دو فریق آپس میں صلح کر لیں کہ ایک قرض اور دوسرا نقد مال لے لے تو کوئی حرج نہیں۔ اب اگر ایک شریک کا مال ضائع ہو گیا تو اسے اپنے شریک سے مطالبہ کا حق نہیں ہوگا

۲۵۲۸۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میرے والد جب شہید ہوئے تو ان پر قرض تھا۔ میں نے ان کے قرضخواہوں کے سامنے یہ صورت رکھی کہ قرض کے بدلے میں وہ (اس سال کی کھجور کے) پھل لے

لیں۔ انھوں نے اس سے انکار کیا۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اس سے قرض پورا نہیں ہو سکے گا۔ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جب پھل توڑ کر مربد (وہ جگہ جہاں کھجور خشک کرتے تھے) میں جمع کرو (تو مجھے اطلاع دینا)۔ چنانچہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی۔ آپ تشریف لائے، ساتھ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ وہاں آپ نے برکت کی دُعا کی۔ پھر فرمایا کہ اب اپنے قرضخواہوں کو بلاؤ اور ان کا قرض ادا کردو۔ چنانچہ کوئی شخص ایسا باقی نہ رہا۔ جس کا میرے والد پر قرض رہا اور میں نے اسے ادا نہ کر دیا ہو اور تیرہ وسق کھجور باقی بھی بچ گئی۔ سات وسق عجوہ میں سے اور چھ وسق لون میں سے یا چھ وسق عجوہ میں سے اور سات وسق لون میں سے۔ بعد میں، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مغرب کے وقت ملا اور آپ سے اس کا ذکر کیا (بخاری)

یہ حدیث پارہ نہم صنا۱۸ میں مکمل تفہیم و ترجمانی کے ساتھ گزر چکی ہے ضرور بالضرور ملاحظہ فرمائیں حدیث ۲۲۳۸

بَابُ الصُّلْحِ بِالدَّيْنِ وَالْعَيْنِ

باب قرض اور نقد مال کے عوض صلح کرنا

۲۵۲۹ - امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس عنوان کے تحت حدیث کعب بن مالک ذکر کی ہے جو کہ گزشتہ صفحات میں مع تفہیم و ترجمانی کے گزر چکی ہے۔ ملاحظہ کیجیے حدیث نمبر ۲۵۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | نام سے اللہ کے جو بڑا مہربان رحم والا ہے

كِتَابُ الشُّرُوطِ

کتاب شرطوں کے بیان میں

شروط جمع ہے شرط کی۔ اس کے لغوی معنے علامت و نشانی کے ہیں اور اصطلاح میں شئی کا وجود جس پر موقوف ہو اسے شرط کہتے ہیں۔ لیکن یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ از روئے شرع کونسی شرط لگانا جائز ہے اور کونسی شرط لگانا ناجائز ہے۔

بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الشُّرُوطِ

باب قبول اسلام اور احکام اور بیعت

فِي الْإِسْلَامِ وَالْأَحْكَامِ وَالْمُبَايَعَةِ | کے وقت کس طرح کی شرطیں جائز ہو سکتی ہیں؟

مطلب عنوان یہ ہے۔ قبولِ اسلام کے وقت کونسی شرط لگانا جائز ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت جریر مسلمان ہوئے تو شرط لگائی تھی کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کریں گے یا یہ شرط لگائی تھی کہ ہر

نماز پڑھیں گے، زکوٰۃ دیں گے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کریں گے۔ اسی طرح احکام ہیں یعنی معاملات یعنی بیع وشراء وغیرہ میں اور بیعت کے وقت کونسی شرط لگانا جائز ہے۔

۲۵۳۰ - عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ مَرْوَانَ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ يُخْبِرَانِ عَنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا كَاتَبَ سُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو يَوْمَئِذٍ كَانَ فِيمَا اشْتَرَطَ سُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ لَا يَأْتِيكَ مِنَّا أَحَدٌ وَإِنْ كَانَ عَلَى دِينِكَ إِلَّا رَدَدْتَهُ إِلَيْنَا وَخَلَّيْتَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ فَكَرِهَ الْمُؤْمِنُونَ ذَلِكَ وَامْتَعَضُوا مِنْهُ وَأَبَى سُهَيْلٌ إِلَّا ذَلِكَ فَكَاتَبَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى ذَلِكَ فَرَدَّ يَوْمَئِذٍ أَبَا جَنْدَلٍ إِلَى أَبِيهِ سُهَيْلِ بْنِ عَمْرٍو وَلَمْ يَأْتِهِ أَحَدٌ مِنَ الرِّجَالِ إِلَّا رَدَّهُ فِي تِلْكَ الْمُدَّةِ وَإِنْ كَانَ مُسْلِمًا وَجَاءَتِ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ وَكَانَتْ أُمُّ كُلْثُومٍ بِنْتُ عُقْبَةَ بْنِ أَبِي مُعَيْطٍ مِمَّنْ خَرَجَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ وَهِيَ عَاتِقٌ فَجَاءَ أَهْلُهَا يَسْأَلُونَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَرْجِعَهَا إِلَيْهِمْ فَلَمْ يَرْجِعْهَا إِلَيْهِمْ لِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فِيهِنَّ إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اللّٰهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ إِلَى قَوْلِهِ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ قَالَ عُرْوَةُ فَأَخْبَرَتْنِي عَائِشَةُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْتَحِنُهُنَّ بِهَذِهِ

ابن شہاب نے بیان کیا، انہیں عروہ بن زبیر نے خبر دی۔ انہوں نے مروان اور مسور بن مخرمہ سے سنا۔ یہ دونوں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے خبر دیتے تھے کہ جب سہیل بن عمرو نے (حدیبیہ کفار قریش کی طرف سے معاہدہ صلح) لکھا تو جو شرائط نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے سہیل نے رکھی تھیں۔ ان میں یہ بھی تھی کہ ہم میں سے کوئی بھی شخص اگر آپ کے یہاں (فرار ہوکر) جائے خواہ وہ آپ کے دین پر ہی کیوں نہ ہو، تو آپ کو اسے ہمارے حوالے کرنا پڑے گا۔ مسلمان یہ شرط پسند نہیں کر رہے تھے اور اس پر انہیں دکھ ہوا تھا لیکن سہیل کا اس پر اصرار تھا۔ اسی لیے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے (معاہدہ میں) لکھوالیا۔ اتفاق سے اسی دن ابو جندل رضی اللہ عنہ کو (جو مسلمان ہو جانے کی وجہ سے اپنے رشتہ داروں کی اذیتوں کا شکار تھے اور کسی طرح بیڑیاں گھسیٹتے ہوئے قید سے فرار ہوکر خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے تھے) ان کے والد سہیل بن عمرو کے حوالے کر دیا گیا (معاہدے کے تحت) اسی طرح مدتِ صلح میں بھی جو مرد بھی آنحضور کی خدمت میں (مکہ سے فرار ہوکر) آیا۔ آپ نے اسے ان کے حوالے کر دیا خواہ وہ مسلمان ہو۔ لیکن بہت سی مومن خواتین بھی ہجرت کرکے آگئی تھیں۔ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہا بھی ان میں شامل تھیں جو اس دن مکہ سے

الْاٰیَةِ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَکُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اِلٰی غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ قَالَ عُرْوَةُ قَالَتْ عَائِشَةُ فَمَنْ اَقَرَّ بِهٰذَا الشَّرْطِ مِنْهُنَّ قَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَدْ بَایَعْتُكِ کَلَامًا یُکَلِّمُهَا بِهٖ وَاللّٰهِ مَا مَسَّتْ یَدُهٗ یَدَ امْرَاَةٍ قَطُّ فِی الْمُبَایَعَةِ وَمَا بَایَعَهُنَّ اِلَّا بِقَوْلِهٖ (بخاری)

آئیں۔ یہ جوان خاتون تھیں۔ جب ان کے گھر والوں نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا تو حضور نے ان کو واپس نہیں کیا۔ کیونکہ خواتین کے متعلق حکم الٰہی آچکا تھا کہ "جب مومن خواتین تمہارے یہاں ہجرت کرکے پہنچیں تو پہلے تم ان کا امتحان لے لو (کہ واقعی ان کی ہجرت کی وجہ ایمان ہے یا کچھ اور) ان کے ایمان کے متعلق جاننے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد تک کہ "کفار و مشرکین ان کے لیے حلال نہیں ہیں" الخ عروہ نے بیان کیا کہ مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرنے والی خواتین کا اس آیت کی وجہ سے امتحان لیا کرتے تھے "اے مسلمانو! جب تمہارے یہاں مسلمان خواتین ہجرت کرکے آئیں تو تم ان کا امتحان لو" غفور الرحیم تک۔ عروہ نے بیان کیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ان خواتین میں جو اس شرط کا اقرار کر لیتیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ میں نے تم سے بیعت کی، آپ صرف زبان سے بیعت میں اکتفا فرماتے تھے، بخدا بیعت کرتے وقت آپ کے ہاتھ نے کسی بھی عورت کے ہاتھ کو کبھی نہیں چھوا بلکہ آپ ان سے بیعت صرف زبان سے لیا کرتے تھے۔ (بخاری)

فوائد و مسائل

۱۔ اس حدیث کا تعلق بھی صلح حدیبیہ سے ہے البتہ اس میں خصوصیت کے ساتھ اس شرط کو نمایاں طور پر بیان کیا گیا ہے کہ مکہ سے جو بھی آئیگا واپس کر دیا جائیگا اور یہ کہ جو مستورات مکہ سے آئیں انہیں واپس مکہ نہیں بھیجا گیا۔

حضور نے حکم کو جلاوطن کیا تھا

۲۔ یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ مروان اور مسور بن مخرمہ دونوں صلح حدیبیہ کے موقع پر حاضر نہ تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کو جلاوطن کر دیا تھا اور مروان بھی اپنے باپ حکم کے ساتھ طائف چلا گیا تھا۔ مروان اس وقت بچہ تھا۔ اس لیے مروان کا حضور سے سماع ثابت نہیں ۳۔ اور مسور بن مخرمہ کا حضور سے سماع تو ثابت ہے مگر وہ فتح مکہ کے بعد کم سنی کی حالت میں آئے اور صلح حدیبیہ کا واقعہ دو سال قبل کا ہے ——— رہا یہ سوال کہ اس حدیث میں مروان اور مسور بن مخرمہ نے روایت کرتے وقت ان صحابہ کا نام ذکر نہیں کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ تمام صحابہ کرام عادل ہیں۔ صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ صحابہ نے فرمایا ۴۔ سہیل بن عمرو بن شمس قرشی، یہ حضرت ابوجندل کے والد ہیں۔ یہی وہ شخص ہیں جنہوں نے سخت و شدید اصرار کرکے نبی علیہ السلام سے یہ شرط لکھوائی تھی

کہ اگر مکہ سے جو کوئی فرار ہو کر آئیگا۔ خواہ وہ مسلمان ہی ہو اس کو واپس کر دیا جائیگا۔ یہ ایک ایسی شرط تھی جو صحابہ کو ناگوار تھی اور ہونی بھی چاہیے تھی ـــــــ مگر سب کے سر حضور علیہ السلام کے حکم کے سامنے خم تھے۔

اس موقع پر صحابہ کرام کی تسکین کے لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

اِنَّهٗ مَنْ ذَهَبَ مِنَّا اِلَيْهِمْ فَاَبْعَدَهُ اللّٰهُ وَمَنْ جَاءَ مِنْهُمْ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ فَرَجًا وَّ مَخْرَجًا (رواہ احمد و مسلم، نیل الاوطار ج ۸ ص ۳۱)

جو مسلمان ہم سے کفارِ مکہ کی طرف جائیگا اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے دُور کر دے گا اور جو مسلمان مکہ سے مدینہ آئے گا اللہ تعالیٰ اس کی خلاصی کی کوئی راہ نکال دے گا۔

حضرت سہیل بن عمروؓ کے متعلق حضور کی پیشگوئی

۴۔ سہیل فصیح و بلیغ خطیب تھے۔ جب خطاب کرتے تو مجمع دم بخود ہو جاتا تھا۔ یہ کفارِ قریش کے سردار تھے۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوئے۔ حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بحضور نبوی عرض کی تھی۔ حضور اس کے دانت نکلوا دیجئے تاکہ یہ خطبہ نہ دے سکے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ دَعْهُ فَعَسٰى اَنْ يَّقُوْمَ مَقَامًا نَّحْمَدُهٗ ۔ عمر ان کو جانے دو۔ یقیناً وہ دن آنے والا ہے جب تم ان کی مدح و ثنا کرو گے۔ چنانچہ حضرت سہیل فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔ آپ بہت رقیق القلب تھے۔ قرآن کی تلاوت کرتے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ حضور کے وصال کے بعد جب ارتداد کی دبا پھیلی اور قبائل عرب مرتد ہونے لگے تو انہوں نے ایک نہایت فصیح و بلیغ خطبہ دیا۔ جس کی وجہ سے سکون پیدا ہوا اور لوگوں نے اختلاف ختم کر دیا ـــــــ حضرت سہیل کا یہی وہ عزت والا مقام ہے جس کی پیشگوئی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی ـــــــ حضرت سہیل کا ۱۸ھ طاعون پھیلا تو اس میں انتقال ہوا۔ رضی اللہ عنہم ـــــ حدیث کا مطالعہ کرنے والے نوٹ کر لیں کہ جس بھی موقع پر حضور نبی کریم علیہ السلام نے کسی کافر و منافق کو اس کی گستاخی اور آپ کی شان میں نازیبا جملے بکنے یا غلط رویہ اختیار کرنے کے باوجود اس کو چھوڑ دیا بلکہ صحابہ کے اصرار اور توجہ دلانے کے باوجود اس کے خلاف قدم نہیں اُٹھایا۔ اس کی وجہ وہ حکمتیں اور دینی مصلحتیں تھیں جو نگاہِ نبوت کے پیش نظر تھیں۔

صُلح حدیبیہ کے موقع پر جو عورتیں مُرتد ہو گئیں اُنکی تعداد چھ تھی

۵۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ مومن مہاجرین کی وہ عورتیں جو مرتد ہو کر مشرکین سے جا ملیں ان کی تعداد چھ تھی۔ ام حکیم بنت سفیان جو عیاض بن شداد فہری کے نکاح میں تھیں۔ فاطمہ بنت ابی اُمیہ بن مغیرہ جو ام سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ کی بہن تھیں اور حضرت عمر کے

نکاح میں تھیں۔ حضرت عمر نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تو انھوں نے انکار کردیا اور مرتد ہوگئیں۔ بروع بنت عقبہ، یہ شماس بن عثمان کے نکاح میں تھیں۔ عبدۂ بنت عبدالعزیٰ ان کے شوہر عمر بن ود تھے۔ ہند بنت ابی جہل بن ہشام بن عاص کے نکاح میں تھیں۔ کلثوم بنت جرول یہ حضرت عمر کے نکاح میں تھیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مستورات کو کلام سے بیعت فرماتے تھے

زیرِ بحث حدیث سے واضح ہوا کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم مستورات کو کلام کے ذریعے بیعت فرماتے تھے۔ یعنی جب وہ شریعتِ اسلام کے احکام کے مطابق اپنی زندگی گزارنے کا اقرار کرلیتیں تو آپ فرماتے ہیں نے تمھیں بیعت کرلیا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کسی نامحرم کے ہاتھ کو حضور نے کبھی نہیں چھوا۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کبھی حضور اس طرح مستورات کو بیعت فرماتے تھے کہ آپ کے ہاتھ میں ثوبِ قطری ہوتا تھا اور اس کپڑے کا دوسرا سرا مستورات کے ہاتھ میں ہوتا۔ حضرت عمر بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام ایک پیالہ پانی کا طلب فرماتے اس میں اپنا دست مبارک ڈال دیتے۔ اس کے بعد مستورات اپنے اپنے ہاتھ اس پانی میں ڈال دیتی تھیں (عینی ج۱۴ ص۲۹۲) بیعت کے ان طریقوں میں حکمت یہ تھی کہ اس طرح بالواسطہ حضور سے روحانی فیض حاصل ہو۔ جس پانی میں حضور اپنا دست مبارک ڈال دیں اور جس کپڑے کو حضور اپنے ہاتھ میں لے لیں وہ یقیناً برکتوں رحمتوں اور فیوض و برکاتِ الٰہیہ کا خزانہ بن جاتا ہے۔ جس مرد اور عورت کو حضور علیہ السلام زبانی فرمادیں کہ میں نے تمہیں بیعت کیا یقیناً اس کا سینہ علم و عرفان کا مخزن بن جاتا ہے اور یقیناً تمام مراحلِ سلوک اسی لمحے طے ہوجاتے ہیں۔ اسی لیے صحابہ علیہم الرحمۃ والرضوان ایسے اولیاء اللہ ہیں جن کی مثال ملنی ناممکن ہے۔

اولیاء کرام کا بیعت کرنا سنّتِ رسول ہے

۷۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ اس اُمت کے وہ افراد جو عالمِ باعمل جامع شرائط ہوں ان لوگوں کی اصلاح کے لیے بیعت کرنا، جائز بلکہ سنّتِ رسول ہے۔ شرط یہ ہے کہ نیت نیک ہو۔ مقصود دُنیا نہیں بلکہ رضاءِ الٰہی ہو اور لوگوں کی فلاح و صلاح۔

۸۔ امام اعظم ابوحنیفہ اور اصحاب مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ صلح حدیبیہ کے بعد ایسی صلح کرنا جائز نہیں ہے جس میں یہ شرط ہو کہ جو مسلمان اپنا دین وایمان اور عزت بچانے کے لیے دارالحرب سے ہمارے ہاں آجائیگا اسے واپس کردیا جائیگا کیونکہ حضور نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ اَنَا بَرِیٌّ مِنْ کُلِّ مُسْلِمٍ اَقَامَ مَعَ مُشْرِكٍ فِیْ دَارِ الْحَرْبِ۔ جو مسلمان دارالحرب میں کافروں کے ساتھ رہتا ہے میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ نیز مسلمانوں کا اجماع ہے کہ دارالحرب سے ہجرت کرنا ہر مومن مرد اور مومنہ عورت پر فرض ہے اور

اب فرض ہجرت سے اسی قدر باقی رہ گیا ہے ۸۔ واضح ہو کہ اسلامی ہجرت مال و دولت اور عورت کے حصول کے لیے نہیں بلکہ اپنے دین و ایمان کے بچانے اور کفار و مشرکین سے اپنی عزت و ناموس کو محفوظ رکھنے کے لیے کی جاتی تھی۔ کفار دار الحرب میں مسلمانوں کو نہ صرف اسلامی احکام پر عمل کرنے سے جبراً روکتے تھے بلکہ

کیا دار الحرب سے مسلمانوں کو ہجرت کرنا فرض ہے

ان کی عزت و ناموس پر حملہ کرتے تھے۔ فی زمانہ ایسا بہت ہی نادر ہے جہاں کے کافر و مشرک حکام مسلمانوں کو اسلامی احکام پر عمل کرنے یا نماز و روزہ، زکوٰۃ ادا کرنے، مسجدیں بنانے یا اسلام کی تبلیغ و اشاعت سے روکتے ہوں۔ ایسے ممالک سے جہاں حکومت کفار و مشرکین کی ہی ہو ہجرت کرنا ضروری نہیں ہے ـــــ لیکن امریکہ برطانیہ وغیرہ ممالک کے مسلمان (باوجودیکہ وہاں ان کو مذہبی آزادی حاصل ہے) مضطرب و پریشان ضرور ہیں۔ کیونکہ ان کا سارا نظامِ حکومت، معیشت و معاشرت اور عائلی قوانین سب کے سب غیر اسلامی ہیں۔ ایسے ماحول میں ان مسلمانوں کو اپنی نوخیز اولاد کو ان کی ننگی تہذیب و معاشرت سے محفوظ رکھنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہو گیا ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مسلمانوں کو صحیح راہِ عمل متعین کرنے کی توفیقِ رفیق عطا فرما دے۔

۸۔ یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ پاسپورٹ وغیرہ کے ضابطے جو بین الاقوامی قانون ہے۔ اس کی پابندی کرنا بھی از روئے شرع مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کیونکہ ناجائز طریقہ سے کسی غیر مسلم ملک (اور آج کل تو مسلم ملک میں بھی) جانا آنا جائز نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں کی بدنامی ہوتی ہے اور مشکلات کا سامنا بھی اور ذلت بھی اٹھانا پڑتی ہے)

۲۵۳۲/۲۵۳۱ ۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ اختیار کرنے پر بیعت کی تھی (بخاری) دونوں حدیثوں کا متن ایک ہی ہے اور مفہوم بھی واضح ہے تاہم ان دونوں حدیثوں کی مکمل تفہیم و ترجمانی پارۂ اوّل کے کتاب الایمان کے آخر میں گزر چکی ہے ضرور ملاحظہ کیجیے۔

بَابُ اِذَا بَاعَ نَخْلًا قَدْ اُبِّرَتْ

باب جس نے کھجور کا تابیر کیا ہوا باغ فروخت کیا

۲۵۳۳۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ بَاعَ نَخْلًا قَدْ اُبِّرَتْ فَثَمَرُهَا لِلْبَائِعِ اِلَّا اَنْ يَّشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کوئی ایسا کھجور کا باغ بیچا جس کی تابیر ہو چکی تھی (یعنی درخت پیوندی تھے) تو اس کے پھل (اس سال کے) بیچنے والے ہی ہونگے ہاں اگر خریدار (پھل کے بھی بیع میں داخل ہونے کی) شرط لگا دے (تو پھل سمیت بیع متصور ہوگی) (بخاری)

فوائد و مسائل یہ حدیث کتاب البیوع مع مکمل تفہیم و ترجمانی کے گزر چکی ہے۔ دیکھئے فیوض پارہ ہشتم ص۲۱۴ مطلب حدیث یہ ہے۔ درخت خواہ پیوندی ہو یا نہ ہو اگر وہ فروخت کر دیا اور اس میں پھل لگے ہوئے ہیں تو اگر بائع نے صرف درخت بیچا ہے۔ اس کے پھل نہیں تو ایسی صورت میں پھل بائع کے ہوں گے اور بائع سے کہا جائیگا کہ وہ پھل توڑ لے ——— اگر درخت پھل سمیت بیچا ہے تو پھل اور درخت دونوں مشتری کے قرار پائیں گے۔

بَابُ الشُّرُوطِ فِي الْبَيْعِ

باب　بیع میں شرطوں کا بیان

۲۵۳۴ - اس عنوان کے تحت امام نے حدیث عائشہ ذکر کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت بریرہ (جو کہ لونڈی تھی) اپنے مالکوں سے گلوخلاصی کے لیے حضرت عائشہ سے عرض کی۔ ساری قیمت دے کر مجھے خرید لیں حضرت عائشہ نے کہا ولا میرے لیے ہوگی لیکن مالکوں نے یہ شرط لگائی حضرت عائشہ تمہیں خرید کر آزاد کر دیں مگر ولا ہماری ہوگی۔ اس پر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ۔ ولا تو اسی کے لیے ہے جو لونڈی کو آزاد کرے۔ (بخاری) بریرہ کے مالکوں نے جو شرط لگائی تھی وہ از روئے شرع ناجائز تھی یہ حدیث بھی متعدد مقامات پر مع تفہیم و ترجمانی کے گزر چکی ہے۔ دیکھئے فیوض پارہ ۸ ص۱۸۹ کتاب البیوع۔

بَابُ اِذَا اشْتَرَطَ الْبَائِعُ ظَهْرَ الدَّآبَّةِ اِلٰى مَكَانٍ مُّسَمًّى جَازَ

باب　اگر بیچنے والے نے کسی خاص مقام تک سواری کی شرط لگائی تو جائز ہے

۲۵۳۵ - حَدَّثَنِيْ جَابِرٌ اَنَّهٗ كَانَ يَسِيْرُ عَلٰى جَمَلٍ لَّهٗ قَدْ اَعْيَا فَمَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَرَبَهٗ فَدَعَا لَهٗ فَسَارَ بِسَيْرٍ لَيْسَ يَسِيْرُ مِثْلَهٗ ثُمَّ قَالَ بِعْنِيْهِ بِوَقِيَّةٍ قُلْتُ لَا ثُمَّ قَالَ بِعْنِيْهِ بِوَقِيَّةٍ فَبِعْتُهٗ فَاسْتَثْنَيْتُ حُمْلَانَهٗ اِلٰى اَهْلِيْ فَلَمَّا قَدِمْنَا اَتَيْتُهٗ بِالْجَمَلِ وَنَقَدَنِيْ ثَمَنَهٗ ثُمَّ انْصَرَفْتُ فَاَرْسَلَ عَلٰى اِثْرِيْ

حضرت جابر نے بیان کیا کہ وہ (ایک غزوہ کے موقعہ پر ایک اونٹ پر سوار آ رہے تھے، اونٹ تھک گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گزر ہوا تو آپ نے اونٹ کو ایک ضرب لگائی اور اس کے حق میں دُعا فرمائی۔ چنانچہ اونٹ اتنی تیزی سے چلنے لگا کہ کبھی اس طرح نہیں چلا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اسے ایک اوقیہ میں مجھے بیچ دو۔ میں نے آپ کے ہاتھ بیچ دیا لیکن اپنے گھر تک سواری کو مستثنیٰ کرا لیا۔ پھر جب ہم (مدینہ) پہنچ گئے تو میں نے اونٹ آپ کو پیش

قَالَ مَا كُنْتُ لِآخُذَ جَمَلَكَ فَخُذْ جَمَلَكَ
ذٰلِكَ فَهُوَ مَالُكَ قَالَ شُعْبَةُ عَنْ مُغِيْرَةَ
عَنْ عَامِرٍ عَنْ جَابِرٍ أَفْقَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ظَهْرَهُ إِلَى الْمَدِيْنَةِ
وَقَالَ إِسْحٰقُ عَنْ جَرِيْرٍ عَنْ مُغِيْرَةَ فَبِعْتُهُ
عَلٰى أَنَّ لِيْ فَقَارَ ظَهْرِهِ حَتّٰى أَبْلُغَ
الْمَدِيْنَةَ وَقَالَ عَطَاءٌ وَغَيْرُهُ لَكَ
ظَهْرُهُ إِلَى الْمَدِيْنَةِ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ
الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ شَرَطَ ظَهْرَهُ
إِلَى الْمَدِيْنَةِ وَقَالَ الْأَعْمَشُ عَنْ سَالِمٍ
عَنْ جَابِرٍ تَبَلَّغْ عَلَيْهِ إِلٰى أَهْلِكَ قَالَ
عُبَيْدُ اللّٰهِ وَابْنُ إِسْحٰقَ عَنْ وَهْبٍ عَنْ
جَابِرٍ اشْتَرَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
بِوُقِيَّةٍ وَتَابَعَهُ زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ عَنْ
جَابِرٍ وَقَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ وَ
غَيْرِهِ عَنْ جَابِرٍ أَخَذْتُهُ بِأَرْبَعَةِ دَنَانِيْرَ
وَهٰذَا يَكُوْنُ وُقِيَّةً عَلٰى حِسَابِ الدِّيْنَارِ
بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ وَلَمْ يُبَيِّنِ الثَّمَنَ
مُغِيْرَةُ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرٍ وَابْنُ
الْمُنْكَدِرِ وَأَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ وَقَالَ
الْأَعْمَشُ عَنْ سَالِمٍ عَنْ جَابِرٍ وُقِيَّةُ ذَهَبٍ
وَقَالَ أَبُوْ إِسْحٰقَ عَنْ سَالِمٍ عَنْ جَابِرٍ
بِمِائَتَيْ دِرْهَمٍ وَقَالَ دَاوٗدُ بْنُ قَيْسٍ
عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ مِقْسَمٍ عَنْ جَابِرٍ اشْتَرَاهُ
بِطَرِيْقِ تَبُوْكَ أَحْسِبُهُ قَالَ بِأَرْبَعِ أَوَاقٍ

کر دیا اور آپ نے اس کی قیمت بھی ادا کر دی لیکن جب
میں واپس ہونے لگا تو میرے پیچھے ایک صاحب کو
مجھے بلانے کے لیے بھیجا (میں حاضر ہوا تو) آپ نے
فرمایا کہ میں تمہارا اونٹ کوئی لے تھوڑا ہی رہا ہوں۔
اپنا اونٹ لے جاؤ، یہ تمہارا ہی مال ہے (اور قیمت
واپس نہیں لی) مغیرہ پھر عامر اور ان سے حضرت جابر
رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے مدینہ تک اونٹ پر مجھے سوار ہونے کی اجازت دی
تھی۔ اسحاق نے جریر پھر مغیرہ کے واسطہ سے کہ حضرت
جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا)۔ پس میں نے اونٹ
اس شرط پر بیچ دیا کہ مدینہ پہنچنے تک اس پر سوار رہوں
رہونگا۔ عطا وغیرہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اس پر مدینہ تک کی سواری تمہاری
ہے۔ محمد بن منکدر نے جابر رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے
بیان کیا کہ انھوں نے مدینہ تک سواری کی شرط لگائی تھی۔
زید بن اسلم نے جابر رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے بیان
کیا کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، مدینہ
پہنچنے تک سوار اس پر تمہیں رہوگے۔ ابوالزبیر نے
جابر رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے بیان کیا کہ مدینہ تک
سواری کی آنحضور نے مجھے اجازت دی تھی۔ اعمش نے
سالم کے واسطہ سے بیان کیا اور ان سے جابر رضی اللہ عنہ
نے کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) اپنے گھر
تک تم اسی پر سوار ہو کر جاؤ گے۔ عبید اللہ اور ابن اسحاق
نے وہب کے واسطہ سے بیان کیا اور ان سے جابر رضی
اللہ عنہ نے کہ اونٹ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

وَقَالَ اَبُوْنَضْرَةَ عَنْ جَابِرٍ اشْتَرَاهُ بِعِشْرِيْنَ دِيْنَارًا وَقَوْلُ الشَّعْبِيِّ بِوَقِيَّةٍ اَكْثَرُ وَالْاِشْتِرَاطُ اَكْثَرُ وَاَصَحُّ عِنْدِيْ قَالَهُ اَبُوْعَبْدِاللّٰهِ

ایک اوقیہ میں خریدا تھا۔ اس روایت کی متابعت زید بن اسلم نے جابر رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے کی ہے ابن جریج نے عطاء وغیرہ کے واسطہ سے بیان کیا اور ان جابر رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ میں تمہارا یہ اونٹ چار دینار میں لیتا ہوں۔ اس حساب سے کہ ایک دینار دس درہم کا ہوتا ہے۔ چار دینار کا ایک اوقیہ ہوگا۔ مغیرہ نے شعبی کے واسطہ سے اور انھوں نے جابر رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے (ان کی روایت میں) اسی طرح ابن المنکدر اور ابوالزبیر نے جابر رضی اللہ عنہ سے اپنی روایت میں قیمت کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اعمش نے سالم سے اور انھوں نے جابر رضی اللہ عنہ سے اپنی روایت میں ایک اوقیہ سونے کی روایت کی ہے۔ یہ بات ابواسحاق نے سالم سے اور انھوں نے جابر رضی اللہ عنہ سے دو سو درہم بیان کیے ہیں اور داؤد بن قیس نے بیان اور ان سے عبید اللہ بن مقسم نے اور ان سے جابر رضی اللہ عنہ نے کہ آنحضور نے اونٹ تبوک کے راستے میں (غزوہ سے واپس ہوتے ہوئے) خریدا تھا، میرا خیال ہے کہ انھوں نے کہا کہ چار اوقیے میں (خریدا تھا)۔ ابونضرہ نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت میں بیان کیا کہ بیس دینار میں خریدا تھا۔ شعبی کے بیان کے مطابق ایک اوقیہ ہی زیادہ روایتوں میں ہے۔ اسی طرح شرط لگانا بھی زیادہ روایتوں سے ثابت ہے اور میرے نزدیک صحیح بھی یہی ہے۔ ابوعبداللہ (امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے) یہ بات فرمائی ہے۔ (بخاری)

فوائد و مسائل

۱۔ ان تمام حدیثوں سے امام بخاری نے بیع میں شرط کے جواز کا استدلال فرمایا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا بعض روایات میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے اونٹ فروخت کیا اور جابر کو اجازت دی کہ وہ اس اونٹ پر مدینہ تک سوار ہو کر جائیں گے۔ امام بخاری علیہ الرحمہ کے ہاں بیع میں اس قسم کی شرط لگانا جائز ہے۔ احناف کا موقف یہ ہے کہ بیع وعقود میں شرط لگائی گئی تو بیع فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ بیع میں ایسی شرط لگانا جو بیع کا مقتضی نہیں جائز نہیں ہے۔ رہیں مذکورہ بالا روایات تو ان کے مضمون آپس میں متصادم ہیں۔ کسی میں شرط کا ذکر ہے اور کسی میں نہیں ہے۔ ایسی صورت میں قطعی طور پر یہ متعین کرنا کہ معاملۂ بیع کی نوعیت و کیفیت کیا تھی۔ مشکل ہے نیز روایات کے الفاظ میں بھی اختلاف ہے۔ احناف کا موقف اس مسئلہ میں بھی قوی ہے۔ کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شرط کے ساتھ بیع کو منع فرمایا ہے۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده عن النبی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْه وسلم نهی عن بیع و شرط۔ (طبرانی حاکم) (زیلعی ج ۲ ص ۱۸)

غرضکہ احناف کے ہاں بیع میں ایسی شرط لگانا جس میں فریقین میں سے کسی ایک کا فائدہ ہو جائز نہیں ہے نیز اس باب کی مذکورہ بالا روایتوں پر غور کیا جائے تو ان سے واضح ہوتا ہے کہ سواری کی شرط عقدِ بیع میں داخل نہیں

ہے بلکہ عقد بیع کے بعد بطور تبرع و احسان سواری کی اجازت دی گئی اور شرط کا لفظ مجازاً استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ روایت ابوالزبیر سے واضح ہے۔

سیدنا امام بخاری علیہ الرحمہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میرے نزدیک یہی صحیح ہے کہ جن روایات میں شرط کا ذکر ہے وہ ان سے زیادہ ہیں جن میں شرط کا ذکر نہیں ہے ـــــ نہایت ادب سے عرض ہے کہ یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے کیونکہ جن راویوں نے شرط کا ذکر کیا ہے وہ صرف تین عدد ہیں۔ عامر، ابن المنکدر، ابوالزبیر ـــــ اور جن راویوں نے شرط کا ذکر نہیں کیا ان کی تعداد چھ ہے ـ نبیح، زید بن اسلم، عطار، ابوالمتوکل، ابوھبیرہ اور سالم ـــــ لہٰذا جس روایت میں شرط کا لفظ ہے اس کو تبرع و احسان پر محمول کرنا چاہیے۔ پس احناف کے نزدیک بھی بوقت عقد شرط نہ لگائی جائے اور عقد کے بعد بغیر شرط کے مشتری کو رعایت دیدی جائے تو یہ جائز ہے۔

بَابُ الشُّرُوْطِ فِي الْمُعَامَلَةِ

باب معاملات میں شرطیں لگانے کے متعلق

۲۵۳۶ـ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَتِ الْاَنْصَارُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْسِمْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ اِخْوَانِنَا النَّخِيْلَ قَالَ لَا فَقَالَ تَكْفُوْنَا الْمُؤْنَةَ وَ نُشْرِكُكُمْ فِي الثَّمَرَةِ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ انصار رضوان اللہ علیہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ پیشکش کی کہ ہمارے کھجور کے باغات آپ ہم میں اور ہمارے بھائیوں (مہاجرین) میں تقسیم فرما دیں (مواخات کے بعد) لیکن آنحضور نے فرمایا کہ نہیں، اس پر انصار نے کہا (مہاجرین سے) کہ آپ لوگ ہمارے باغات کے کام کر دیا کریں اور ہمارے ساتھ پھل میں شریک ہو جائیں۔ مہاجرین نے کہا کہ ہم نے سُن لیا اور ہم ایسا ہی کریں گے۔

۲۵۳۷ـ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اَعْطٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ الْيَهُوْدَ اَنْ يَّعْمَلُوْهَا وَيَزْرَعُوْهَا وَلَهُمْ شَطْرُ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا (بخاری)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی اراضی یہودیوں کو اس شرط پر دی تھی کہ اس میں کام کریں اور اسے بوئیں تو آدھی پیداوار انہیں دی جایا کرے گی۔

فوائد و مسائل ان احادیث میں زمین کو کھیتی باڑی کے لیے دینے اور باغات میں کام کرنے اور ان کی شرطوں وغیرہ کا بیان ہے۔ ان احادیث پر مکمل تبصرہ کتاب الحرث والزراعۃ پارہ نہم میں ہو چکا ہے۔

اور اس سلسلہ کے مسائل بھی بیان ہو چکے ہیں۔ ضرور دیکھئے پارہ نہم حدیث ۲۱۷۸، ۲۱۸۳۔ عنوان سے مناسبت اس حدیث کی یہ ہے۔ مہاجرین کو باغ کے پھلوں میں شریک اس شرط پر کیا گیا تھا کہ وہ ان میں محنت کریں۔ دیکھئے پارہ نہم کی حدیث نمبر ۲۱۷۵

بَابُ الشُّرُوطِ فِي الْمَهْرِ

باب نکاح کے وقت مہر کی شرطیں

عِنْدَ عُقْدَةِ النِّكَاحِ

وَقَالَ عُمَرُ اِنَّ مَقَاطِعَ الْحُقُوْقِ عِنْدَ الشُّرُوطِ وَلَكَ مَا شَرَطْتَ وَقَالَ الْمِسْوَرُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ صِهْرًا لَّهٗ فَاَثْنٰى عَلَيْهِ فِيْ مُصَاهَرَتِهٖ فَاَحْسَنَ ـــــ وَ صَدَّقَنِيْ وَوَعَدَنِيْ فَوَفٰى لِيْ (بخاری)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حقوق کی قطعیت شرائط کے پورا کرنے کے وقت ہوتی ہے اور تمہیں شرط کے مطابق ہی ملے گا۔ مسور نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے اپنے ایک داماد کا ذکر فرمایا کہ انھوں نے مجھ سے جب بھی کوئی بات کہی تو سچ کہی اور وعدہ کیا تو اس میں پورے نکلے۔

۲۵۳۸۔ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَقُّ الشُّرُوطِ اَنْ تُوْفُوْا بِهٖ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوْجَ

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ شرطیں جن کے ذریعے تم نے عورتوں کی شرمگاہوں کو حلال کیا ہے پوری کی جانے کی سب سے زیادہ مستحق ہیں۔

شروط سے مراد وہ شرطیں ہیں جن کا تعلق نکاح سے ہو جیسے مہر، وغیرہ۔ ان کا پورا کرنا واجب ہے۔

بَابُ الشُّرُوطِ فِي الْمُزَارَعَةِ

باب مزارعت کی شرطیں

۲۵۳۹۔ رَافِعُ بْنُ خَدِيْجٍ يَقُوْلُ كُنَّا اَكْثَرَ الْاَنْصَارِ حَقْلًا فَكُنَّا نُكْرِي الْاَرْضَ فَرُبَّمَا اَخْرَجَتْ هٰذِهٖ وَلَمْ تُخْرِجْ ذِهٖ فَنُهِيْنَا عَنْ ذٰلِكَ وَلَمْ نُنْهَ عَنِ الْوَرِقِ (بخاری)

حضرت رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ ہم اکثر کاشتکاری کرتے تھے اور ہم زمین بٹائی پر دیتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ کسی کھیت کے ایک قطعے میں پیداوار ہوتی اور دوسرے میں نہ ہوتی اس لیے ہمیں اس سے منع کر دیا گیا، لیکن چاندی (روپے وغیرہ) کے عوض کرایہ پر دینے

سے منع نہیں کیا۔ (بخاری)

فوائد و مسائل زمین سونے چاندی یا روپیہ پیسہ سے کرایہ پر دینا جائز ہے۔ اسی طرح زمین کو بٹائی پر دینا کہ زمین میں جو کچھ پیدا ہوگا فریقین نصف نصف یا جو طے ہو لیں گے یہ بھی جائز ہے۔
زمین کو اس شرط پر کرایہ پر دینا کہ زمین کے اس قطعہ پر جو پیداوار ہو وہ میری اور زمین کے فلاں حصہ میں جو پیداوار ہو وہ مزارع کی ہوگی یہ جائز نہیں ہے ــــــ زمانۂ نبوی میں ایسا کرتے تھے۔ زمیندار اور مزارع یہ شرط طے کر لیتے تھے کہ کھیت کے فلاں قطعہ کی پیداوار ایک فریق کو ملے گی اور دوسرے کی دوسرے فریق کو، اس شرط پر زمین کو کرایہ پر دینے سے حضور علیہ السلام نے اس لیے منع فرمایا۔ عموماً اس صورت میں کسی ایک فریق کو نقصان ہوتا تھا۔ کیونکہ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ ایک قطعہ میں پیداوار ہوتی اور دوسرے میں نہ ہوتی اور اس طرح مزارع اور زمیندار میں جھگڑا ہوتا تھا۔ مزید تفصیل کے لیے پارہ نہم کی حدیث ۲۱۷۵ دیکھیے۔

بَابُ مَالَا يَجُوْزُ مِنَ الشُّرُوْطِ فِي النِّكَاحِ

باب جو شرطیں نکاح میں جائز نہیں

۲۵۴۰ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَبِيْعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا يَزِيْدَنَّ عَلٰى بَيْعِ اَخِيْهِ وَلَا يَخْطُبَنَّ عَلٰى خِطْبَتِهٖ وَلَا تَسْاَلِ الْمَرْاَةُ طَلَاقَ اُخْتِهَا لِتَسْتَكْفِئَ اِنَاءَهَا

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کوئی شہری کسی دیہاتی کا سامانِ تجارت نہ بیچے۔ کوئی شخص نجش نہ کرے اور اپنے بھائی کی لگائی ہوئی قیمت میں (بدنیتی کے ساتھ) کسی قسم کی زیادتی نہ کرے۔ نہ کوئی شخص اپنے کسی بھائی کے پیغامِ نکاح کی موجودگی میں اپنا پیغام بھیجے اور کوئی عورت (کسی مرد سے) اپنی (دینی یا نسبی) بہن کے طلاق کا مطالبہ نہ کرے (جو اس مرد کے نکاح میں ہو) تاکہ اس طرح اس گھر کی خود مالک بن بیٹھے۔ (بخاری)

بَابُ الشُّرُوْطِ الَّتِيْ لَا تَحِلُّ فِي الْحُدُوْدِ

باب وہ شرطیں جو حدود میں جائز نہیں

۲۵۴۱۔ اس عنوان کے ماتحت حدیث ابوہریرہ و خالد جہنی ذکر کی ہے جس میں یہ ہے کہ زانی سے سو بکریاں اور ایک لونڈی فدیہ لے کر اسے چھوڑ دیا گیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا زانی کو اس شرط پر معاف کرنا جائز نہیں ہے۔ زانی اگر غیر شادی شدہ ہے تو اس کی سزا صرف سو کوڑے ہیں اور اگر زانی شادی شدہ ہے تو اس کی سزا رجم ہے۔ ہم بفضلہ تعالیٰ اس حدیث پر تفصیل سے گفتگو کر چکے ہیں اور یہ

حدیث پارہ دہم میں مکمل تفہیم و ترجمانی کے ساتھ ذکر ہو چکی ہے۔ ضرور بالضرور ملاحظہ کریں۔ حدیث نمبر ۲۵۱۶

بَابُ مَا يَجُوزُ مِنْ شُرُوطِ الْمُكَاتَبِ إِذَا

باب مکاتب اگر اپنی بیع پر اس وجہ سے راضی ہو جائے کہ

رَضِيَ بِالْبَيْعِ عَلَى أَنْ يُّعْتَقَ | اسے آزاد کر دیا جائیگا تو اسکے ساتھ کونسی شرائط جائز ہو سکتی ہیں

۲۵۴۲۔ اس عنوان کے تحت امام نے حدیثِ عائشہ ذکر کی ہے جس میں حضرت بریرہ کا ذکر ہے اس سے قبل متعدد بار گزر چکی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت بریرہ جنہوں نے کتابت کا معاملہ کر لیا تھا حضرت عائشہ سے عرض کی آپ مجھے خرید لیں اور پھر آزاد کر دیں ـــــ بریرہ نے یہ بھی عرض کی کہ میرے مالک کہتے ہیں خرید کر آزاد آپ کر دیں اور ولا مالکوں کی ہو گی۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ عائشہ تم بریرہ کو خرید لو اور ولا تو اسی کے لیے ہے جو آزاد کرے (بخاری)

۲۔ یہ تیرھویں جگہ ہے جہاں امام نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے اس حدیث سے واضح ہوا کہ مکاتب اگر اس شرط پر راضی ہو جائے کہ اس کو خرید کر آزاد کر دیا جائیگا تو جائز ہے اور بائع کا ولا کا اپنے لیے شرط کرنا ناجائز ہے۔

بَابُ الشُّرُوطِ فِي الطَّلَاقِ

باب طلاق کی شرطوں کے متعلق

وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ وَالْحَسَنُ وَعَطَاءٌ إِنْ بَدَأَ بِالطَّلَاقِ أَوْ أَخَّرَ فَهُوَ أَحَقُّ بِشَرْطِهِ | ابن مسیب، حسن اور عطاء نے فرمایا کہ (جملہ) شروع طلاق سے کیا ہو یا نہ کیا ہو، طلاق شرط کے مطابق واقع ہو گی۔

مطلب عنوان یہ ہے کہ طلاق دیتے وقت لفظِ طلاق کو پہلے ذکر کرے مثلاً یوں کہے۔ اَنْتِ طَالِق اِن دَخَلْتِ الدار تجھے طلاق ہے جب تو گھر میں داخل ہو یا لفظِ طلاق شرط کے الفاظ کے بعد ذکر کرے مثلاً یوں کہے۔ ان دخلتِ الدارَ فَاَنتِ طالق۔ اگر تو گھر میں داخل ہو تو تجھے طلاق تو حکم دونوں کا ایک ہے۔ جب شرط پائی جائیگی (یعنی عورت گھر میں داخل ہو گی) طلاق واقع ہو جائے گی۔

۲۵۴۳۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّلَقِّي وَأَنْ يَّبْتَاعَ الْمُهَاجِرُ لِلْأَعْرَابِيِّ وَأَنْ تَشْتَرِطَ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا وَأَنْ يَّسْتَامَ الرَّجُلُ | حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (تجارتی قافلوں کی) پیشوائی سے منع کیا تھا اور اس سے بھی کہ کوئی شہری کسی دیہاتی کا سامانِ تجارت بیچے اور اس سے بھی کہ کوئی عورت اپنی (دینی یا نسبی) .... بہن کے طلاق کی شرط لگاتے اور

عَلٰی سَوْمِ اَخِیْہِ وَنَھٰی عَنِ النَّجْشِ وَعَنِ التَّصْرِیَۃِ تَابَعَہٗ مُعَاذٌ وَعَبْدُ الصَّمَدِ عَنْ شُعْبَۃَ وَقَالَ غُنْدُرٌ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ نُھِیَ وَقَالَ آدَمُ نُھِیْنَا وَقَالَ النَّضْرُ وَحَجَّاجُ بْنُ مِنْھَالٍ نَھٰی

اس سے کہ کوئی اپنے بھائی کے بھاؤ پر بھاؤ لگائے (بگاڑنے کے لیے) اسی طرح آپ نے نجش اور تصریہ سے بھی منع فرمایا۔

(بخاری)

فوائد و مسائل اس حدیث میں نبی علیہ السلام نے چند باتوں سے منع فرمایا۔ اوّل تلقی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ گاؤں کے لوگ سامانِ خورد و نوش فروخت کرنے کے لیے شہر کی طرف آئیں اور شہر کے لوگ ان کو شہر کا نرخ بتائے بغیر ان سے سامان خرید لیں۔ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اگر گاؤں سے آنے والوں کو شہر کا نرخ معلوم ہوتا تو وہ نقصان میں نہ رہتے۔ دوم کوئی عورت اپنی اسلامی بہن کی طلاق کی شرط کرے یعنی عورت یہ کہے کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو تو پھر میں تم سے نکاح کروں گی۔ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ ایک عورت کا گھر اجاڑ کر اپنا بسانا اچھا کام نہیں ہے۔ البتہ اگر کسی عورت نے سابقہ بیوی کو طلاق دینے کی شرط پر نکاح کیا تو شرط پائی جانے کی صورت میں طلاق ہو جائے گی۔ سوم اپنے مسلمان بھائی پر بیع کرنا یعنی ایک شخص سودا کر رہا ہے۔ ابھی اس کی بات ختم نہیں ہوئی کہ دوسرا شخص اسی چیز کا سودا کرنے کی بات کرے۔ چہارم نجش سے منع فرمایا۔ نجش یہ ہے کہ کسی چیز کا بھاؤ بڑھاتے جائیں حالانکہ اس سے ان کا مقصد خریدنا نہ ہو بلکہ یہ ہو کہ ان کے اس طرح نرخ بڑھانے سے خریدار دھوکہ میں آجائے۔ پنجم تصریہ سے منع فرمایا۔ وہ یہ ہے کہ جانوروں کے تھنوں سے دو ایک دن دودھ دوہا نہ جائے اور خریدار تھنوں میں دودھ زیادہ دیکھ کر دھوکہ میں آجائے اور جانور خرید لے ـــــ کتاب البیوع میں اس مضمون کی متعدد حدیثیں ذکر ہو چکی ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

آج مورخہ ۲۳ جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ ۱۱ فروری ۱۹۸۸ء بروز جمعرات پارہ دہم کی تفہیم و ترجمانی سے فارغ ہوا۔ اب کتابت و طباعت وغیرہ کا مرحلہ باقی ہے۔ برادرم نذیر صدیقی صاحب دل لگا کر کتابت جلد کر دیں تو یہ ان کا کرم ہوگا۔ عزیزم نعیم اشرف رضوی کو تاکید کرتا ہوں۔ جب بھی مالی وسائل اجازت دیں فیوض کی طباعت کی طرف جلد توجہ دیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارا حامی و ناصر ہو ـــــ قارئینِ ندیم سے التماس ہے کہ وہ میری صحت و سلامتی کے لیے دعا فرمائیں۔ میں سانس کی تکلیف

مریض ہوں۔ اسی کی وجہ سے بلڈ پریشر بھی ہے۔ مگر یہ صرف حدیثِ رسول کی برکت ہے کہ بخاری شریف کی شرح کا کام جاری ہے۔ مقصود صرف اللہ اور اس کے رسول کی رضا ہے اور دینِ اسلام کی تبلیغ — گیارھویں، بارھویں اور تیرھویں پارہ کی سرسری ترتیب ہو گئی ہے —— اور گیارھویں پارہ کی تفہیم و ترجمانی شروع کردی ہے۔ انشاء اللہ العزیز گیارھواں پارہ بھی جلد قارئین کرام مطالعہ کریں گے۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

الحمد للہ رب العلمین

آن حسن و خوبی را نشان آن شمع جمعِ عاشقاں

آن تاجِ خوبانِ جہان آن روشِ روئی تاباں

سُنبل خجل از بوئی او آن باغِ جنا کوئی آن

ای شمس درتہ آغوش ما آمد چسپاں آن جانِ جان

دینِ مصطفیٰ
علیہ التحیۃ والثناء
باہتمام
صاحبزادہ سید مصطفیٰ اشرف رضوی